انگریزی عہد میں ہندوستان کے
تمدن کی تاریخ

انگریزی عہد میں ہندوستان کے
تمدن کی تاریخ

مصنفہ

علامہ عبداللہ یوسف علی صاحب

سی - بی - ای ، ایم - اے ، ایل ایل - ایم -
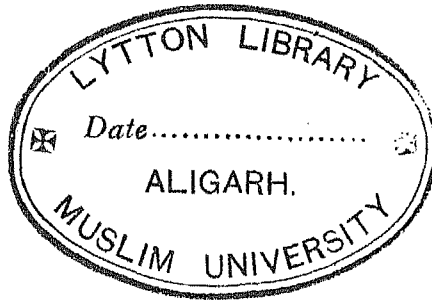
الہ آباد :
ہندستانی اکیڈیمی - یو - پی -
۱۹۳۶ع

Published by
E HINDUSTANI ACADEMY U. P.
ALLAHABAD.

FIRST EDITION :
Price Paper Rs. 3-8-0
" Cloth Rs. 4-0-0
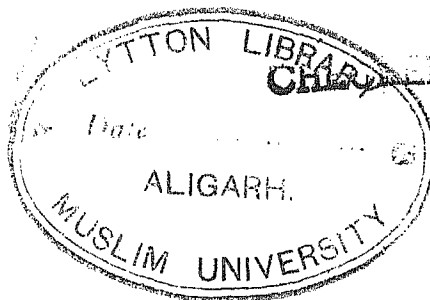
Printed by
S. GHULAM ASGHER, AT THE CITY PRESS,
ALLAHABAD.

فہرست مضامین

صفحہ

پہلا حصہ

عین ماقبل کے حالات

صفحہ

دوسرا حصہ

دو تمدنوں کا باہمی تقرب

سنہ ۱۷۷۴ء تا سنہ ۱۸۱۸ء

صفحہ

صفحہ

صفحہ

صفحہ

تیسرا حصہ

نیا نظام بتدریج اثر انداز ہوتا ہے

سنہ ۱۸۱۸ع تا سنہ ۱۸۵۷ع

صفحہ

پانچواں باب : تعلیم عمومی کا آغاز :—

صفحہ

صفحہ

صفحہ

ساتواں باب : اخبار نویسی، معاشرتی اصلاح، اقتصادیات اور سیاسیات :—

صفحہ

چوتھا حصہ

پرانے نظام کی آخری کشمکش

سنہ ۸—۱۸۵۷ء

صفحہ

آٹھواں باب : غدر کی تمدنی اہمیت :—

صفحہ

پانچواں حصہ

انگریزی خیالات کا غلبہ

سنہ ۱۸۵۸ـــ۸۵ء

صفحہ

نواں باب : اس دور کی اہم ترین خصوصیات : مذہب ' تعلیم اور ادب :ـــ

صفحہ

صفحہ

چھٹا حصہ

قومی احساس کی بیداری : ہندوؤں اور مسلمانوں کے تفرقے میں اضافہ
سنہ ۱۸۸۵ع تا ۱۹۰۷ع

صفحہ

گیارھواں باب : سیاسیات ، مذہب ، تعلیم ، اور ادب :—

صفحہ

ساتواں حصہ

تازہ ترین واقعات

سنہ ۱۹۰۸ع تا سنہ ۱۹۳۱ع

صفحہ

صفحہ

دیباچہ

انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدنی ارتقاء کے مختلف مدارج پر آئندہ صفحات میں روشنی ڈالنے کی کوشش کی گئی ہے - تمدن ایک ایسا لفظ ہے ' جس کی مکمل تصریح بہت مشکل ہے - لیکن میں نے اِس لفظ کو اِس کے وسیع ترین معنوں میں استعمال کیا ہے جس میں وہ تمام تحریکات شامل ہیں جن کا کسی قوم کے طبعی رجحانات اور معاشرتی نظام سے تعلق ہوتا ہے - اطوار و اخلاق ' اخبارنویسی اور ادب ' تعلیم اور زندگیِ عامہ ' مذہبی اور معاشرتی خیالات کا تغیر و تبدل ' اقتصادیات ' فنون لطیفہ اور صنعت و حرفت ...... غرض کل مباحث پر توجہ کی گئی ہے اور سیاسیات پر بھی اس حدتک نظر ڈالی گئی ہے جہاں تک کہ ان کا تعلق امور متنازعہ فیہ کی بجائے تعمیری خیالات سے ہے - لیکن اِن تمام امور کے متعلق بحث و مباحثے میں تناسب موزونیت کا لازمی طور پر خیال رکھا گیا ہے - یہ کتاب سیاسی ' ادبی ' مذہبی یا معاشرتی تاریخ نہیں ہے - ہم یہاں تعلیم ' اخبارنویسی ' فنون لطیفہ ' اقتصادیات یا صنعت و حرفت کی تاریخ نہیں لکھ رہے ہیں بلکہ ہمارا مقصد اُن تمام تجربات پر ایک سر سری نظر ڈالنا ہے جو ہمارے تمدن کی تشکیل میں کارفرما رہے ہیں -

جن امور پر ہم نے بحث کی ہے اُن پر ہندوستان کی کتب تاریخ میں بہت کم توجہ کی گئی ہے اور اگر کبھی کوئی اس طرف متوجہ بھی ہوا ہے تو اس نے ایسے نقطۂ نظر سے بحث کی ہے کہ انسانی زندگی سے اُس کا تعلق بالکل نظر انداز ہو گیا ہے - لیکن باوجود ان باتوں کے تاریخ ان ہی چیزوں پر مشتمل ہے - اگر ہمیں یورپ یا امریکہ کے کسی ملک کے متعلق لکھنا ہوتا تو ان امور میں سے ہر ایک پر الگ الگ متعدد تبصرے دستیاب ہو جاتے جن سے ہمیں اپنے اجتماعی تذکرے میں مدد ملتی - ہندوستان کے متعلق لکھتے وقت ہمیں اس قسم کی کوئی امداد نہیں ملتی - اس میں ہم کو ہر معاملے کے متعلق "ہنوز روز اول" کا سامنا ہوتا ہے - ہمیں اس

عمارت کے لئے نہ صرف خاکہ تیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے ' بلکہ خام مصالح بھی تلاش کرنا پڑتا ہے - عمارت کی زمین خود صاف کرنا پڑتی ہے اینٹیں اور گارا بھی خود تیار کرنا پڑتا ہے بلکہ اوزار کے لئے دھاتیں بھی خود ہی کانوں سے نکالنا پڑتی ہیں - اس قسم کے کاموں میں جس قدر سخت محنت اور وقت صرف کرنا پڑتا ہے ' اس کا احساس انہیں لوگوں کو ہوسکتا ہے جنہیں کبھی اس طرح تحقیق اور تدقیق کے لئے مختلف زبانوں کی کتابوں ' اخبارات اور قلمی مسودات کی ورق گردانی کا تجربہ ہوا ہو جن سے امور مطلوبہ کے متعلق محض خال خال اشارات حاصل ہوتے ہیں - اِس کے علاوہ میری راہ میں یہ ایک اور مشکل حائل تھی کہ مجھے یہ صفحات ہندوستان سے باہر سفر و سیاحت کی مصروف زندگی اور گونا گوں مشاغل کے انہماک کی حالت میں لکھنے پڑے - جہاں تک ممکن ہوا میں نے واقعات کے اصلی ماخذوں اور اُن کے زمانۂ وقوع کی تحریروں سے براہ راست استفادہ کیا ہے - اِن اوراق کے سپرد قلم کرنے میں میرے پیش نظر یہ مقصد تھا کہ اُردو داں پبلک کے سامنے وہ امور پیش کئے جائیں جن پر عموماً ان کی توجہ مبذول نہیں کرائی جاتی - اس کتاب میں ناظرین بعض ایسے امور کا ذکر پائیں گے جو ابھی تک غیر مانوس تھے - غیر مانوس امور کی تشریح و توضیح میں غیر مانوس الفاظ تراکیب کا استعمال ناگزیر تھا جس کے لئے میں اردو داں پبلک اور خصوصاً اُن اصحاب سے عذر خواہ ہوں جو قدیم روایات اور فرسودہ شاہراہوں کے شیدائی ہیں - نئے اقلیم کی سیاحت کے لئے میں نے اپنے لئے نئی شاہراہیں نکالنے کی جرأت کی ہے کیونکہ میرا عقیدہ ہے کہ ادبی طرز تحریر کو جدید خیالات و اسالیب فکر کے ارتقاء میں اُن کے دوش بدوش رہنا چاہئے - برطانوی ہند کے تمدنی ارتقاء میں برطانوی خیالات کو غلبہ حاصل ہے - اور یہ انداز اُن لوگوں کی صدائے احتجاج میں بھی موجود ہے - جو بقول خود " غیر ملکی " خیالات کے خلاف بر سر پیکار ہیں - جہاں تک میری رائے کا تعلق ہے میں تو ایک مشہور لاطینی کامیڈی کے ایک شخص کی طرح اس عقیدے کا قائل ہوں کہ کوئی ایسی چیز جس کی بنیاد فطرت انسانی کی مضبوط چٹان پر قائم ہو غیر ملکی نہیں کہلا سکتی -

تتمے میں اُن کتابوں کی فہرست موجود ہے جن کا میں نے کتاب کے متن میں حوالہ دیا ہے - لیکن حقیقت میں مجھے اس سے بہت زیادہ کتابوں

کا مطالعہ کرنا پڑا ھے ' اور اُن کی تفصیل سے ایک ایسی فہرست مرتب ھو جائیگی جس سے خواہ مخواہ اظہار علم کا شبہ پیدا ھو جانے کا اندیشہ ھے - اس لئے میں نے اسکی تفصیل ترک کر دی ھے - بعض فروعی معاملات کے متعلق مجھے مختلف حلقوں سے مدد ملی ھے - جن کا میں نے مناسب مقامات پر نوٹ کی صورت میں ذکر کر دیا ھے - میں بالخصوص اس اعانت کا تذکرہ کرنا چاھتا ھوں جو مجھے مشرقی ٹائپ کی طباعت کے متعلق برٹش میوزیم کے ماھرین سے اور ھندوستان میں فری میسن برادری کی تاریخ کے متعلق برطانیہ عظمی میں برادری کے بااختیار اصحاب سے حاصل ھوئی - ترجمہ ' نظر ثانی ' اور نقل مسودات کے سلسلے میں پروفیسر سعادت علی خاں میرے دلی شکریے کے مستحق ھیں جنھوں نے اپنی تعطیلات کے کل ایام اس مخلصانہ محنت کی نذر کر دئے - مجھے خاں صاحب فیروزالدین اور مسٹر وحید خاں کی دوستانہ امداد کا بھی اعتراف ھے - ترجمے کے متعلق قابل قدر امداد کے لئے میں چودھری غلام حیدر خاں اور مسٹر ھری چند اختر کا رھین منت ھوں - جس دلچسپی کا اظہار میرے احباب نے کیا ھے اگر اس سے اس کتاب کے متعلق عام دلچسپی کا اندازہ کرنا درست ھو تو میں اُمید کرسکتا ھوں کہ اس طرز تحقیق سے آئندہ کے لئے زیادہ جامع تصانیف کی شاھراھیں کھل جائیں گی -

ستمبر سنہ ۱۹۳۱ع

عبداللہ یوسف علی

پہلا حصہ

عین ماقبل کے حالات

پہلا باب: انگریزوں نے ہندوستان میں کیسا تمدن پایا؟

پہلا باب

انگریزوں نے ہندوستان میں کیسا تمدن پایا

تمدنی اغراض کے لئے ہندوستان میں انگریزی دور سنہ ۱۷۷۳ع سے شروع ہوتا ہے

تمدنی اغراض کے لئے ہم انگریزی اثر کی ابتدا سنہ ۱۷۷۳ع سے شمار کرسکتے ہیں - اور اس تاریخ کی ابتدا اس ایکٹ سے شروع ہوتی ہے جو برطانوی پارلیامنٹ نے اپنی ہندوستانی سیاسیات کے انتظام کے لئے پاس کیا تھا - سیاسی امور کے اعتبار سے پلاسی کی جنگ جو سنہ ۱۷۵۷ع میں ہوئی تھی بہت اہم ہے کیونکہ اُسی وقت سے انگلستان کے لئے ہندوستان میں حربی سیاسی اور معاملہ رسی کے واقعات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہوا - مگر انگلستان اور ہندوستان کے مابین تمدنی تعلق پلاسی سے نہیں پیدا ہوا - البتہ سیاسی اور اقتصادی ہنگامے پیدا ہوگئے اور ان کا اثر اہل ہند کے اخلاق پر ظاہر ہونے لگا - پہلے سے جو ابتری ان اخلاق میں نمایاں ہو رہی تھی اس میں اب اور اضافہ ہوا جس سے نئے حاکموں کے دل میں ان کی طرف سے حقارت پیدا ہوگئی اور ہندوؤں اور مسلمانوں میں جو کچھ برادرانہ تعلقات تھے ان میں بھی خلل پڑنے لگا - سنہ ۱۷۷۰ع کے ہولناک قحط سے بنگال کا صوبہ قریب قریب اجڑ گیا - اس کا اثر قوم کی دماغی اور اخلاقی زندگی پر بھی بہت کچھ ظاہر ہوا - بنگال کی تاریخ میں سنہ ۱۷۵۷ع سے سنہ ۱۷۷۳ع تک کے زمانہ کو ہم انگریزی حکومت کا عہد نہیں کہ سکتے - اگر ہم اس زمانے کو انگریزی بدنظمی کے عہد سے موسوم کریں تو زیادہ موزوں ہوگا - اسی بدنظمی کے مرکزوں میں ایک اور مرکز کا اضافہ ہوگیا جو شاید ہندوستان بھر میں تمام دوسرے مرکزوں سے برتر تھا -

سنہ ۱۷۵۰ع لغایت ۱۷۸۰ع کے نمایاں واقعات کا اصلی راز

ہمیں یہ بات ہرگز نہ بھولنا چاہئے کہ اٹھارھویں صدی عیسوی ہندوستان کے لئے بدنظمی کا زمانہ تھا - وارن ہیسٹنگز نے نظام حکومت پر جو تبصرہ ۱۷۸۵ع میں کیا ہے اس میں لکھا ہے کہ بنگال اور بہار کا علاقہ جو حکومت انگریزی کے ماتحت تھا کاشت و زراعت کے اعتبار سے ہندوستان کی دوسری حکومتوں کے زیر اثر علاقوں کے مقابلہ میں زیادہ آباد تھا - نیز ان علاقوں کی موجودہ حالت دیوانی حاصل ہونیکے وقت سے بلکہ اس سے پہلے کے زمانے سے ہی بہت کچھ بہتر تھی - یہ دعویٰ کسی حد تک درست ہے - لیکن یہ مقابلہ ایسے علاقوں اور ایسے زمانے کے ساتھ کیا گیا ہے جن میں غایت درجہ بدنظمی پھیلی ہوئی تھی - اس سے یہ نتیجہ اخذ نہیں کیا جاسکتا کہ ہندوستان کے لوگ خوشحالی یا تمدن و تہذیب اور اخلاق کے لحاظ سے سنہ ۱۷۸۵ع میں بہ نسبت سنہ ۱۵۸۵ع یا ۱۲۸۵ع کے بہتر حالت میں تھے - دوسری جانب یہ کہنا بھی کسی طرح درست نہیں، کہ ہندوستان کی تاریخ میں انگریزوں کی حکومت سے پہلے ہندوؤں یا مسلمانوں کے دور میں کوئی سیاہ داغ موجود نہ تھا ' اور یہ کہنا بھی بے بنیاد ہوگا کہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے باعث لوگوں کی حالت روز بروز گرتی چلی گئی اور اب تک گرتی چلی جاتی ہے - موجودہ تبصرے میں ہمارا تعلق ہندوستان کے تمدن کی اُس تدریجی نشو و نما سے ہے جو انگریزی عہد کے زیر اثر ہوئی اس نشو و نما کی جو متحرک تصویر ہم پیش کرنے والے ہیں اس کے پچھلے حصہ پر ایک سرسری نظر ڈالنا بے سود نہ ہوگا - تصویر کا یہ پچھلا حصہ تاریک اور روشن پہلوؤں سے خالی نہیں - مگر نہ تو وہ اتنا تاریک ہے جیسا کہ بعض اوقات خیال کیا جاتا ہے اور بدقسمتی سے نہ وہ اتنا روشن ہے جتنا ہم چاہتے ہیں - اس پچھلے حصے کو محدود کرنے کے لئے ہم سنہ ۱۷۵۰ع سے سنہ ۱۷۸۰ع تک کے زمانے کو تصویر کا پس منظر قرار دیتے ہیں -

پایۂ تخت دہلی کا زوال

پایہ تخت دہلی میں حکومت کا مرکز روز بروز کمزور ہو رہا تھا - اس کے گرد ونواح کے صوبے غیر ملکی حملوں سے متاثر ہو رہے تھے اور اندرونی ہنگاموں کے باعث حکومت کی بنیادیں کھوکھلی ہو رہی تھیں - اکثر صوبجات کے عامل دہلی

کی سیاسی جماعتوں اور گروہ بندیوں کے خلاف بغاوت کا علم بلند کر رہے تھے۔ ان میں سے بعض نے تو اپنا غاصبانہ تسلط قائم کرلیا تھا اور شہنشاہ دھلی کو خراج تک دینا بند کر دیا تھا۔ ان عاملوں کی بغاوت ان کے صوبجات کے اندر مختلف جماعتوں کی مزید بغاوت کا باعث ہوئی۔ حتیٰ کہ ملک کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک بغاوت کی آگ پھیل گئی۔ دکنی مرھٹے، فرانسیسی انگریز اور دیگر سیاسی گروہ جو دھلی کی حکومت کے زوال پر اپنے اقتدار کی بنیادیں قائم کرنے میں کوشاں تھے صوبہ‌دار دکن کے درپے ہو رہے تھے اور اس کے اختیار اور مملکت کو بتدریج کم کرتے جارہے تھے۔ مرھٹے تو اپنے اقتدار کے لئے خود پایہ تخت دھلی پر نظریں ڈال رہے تھے۔ مگر پانی‌پت کی لڑائی جو سنہ ۱۷۶۱ع میں ہوئی مرھٹوں کے سیاسی اقتدار کو بحیثیت ایک متحدہ گروہ کے ہمیشہ کے لئے توڑ دیا۔ پنجاب افغانوں کے پے درپے حملوں کا شکار ہو رہا تھا۔ اور بمصداق۔

کس نہ باشد درسر او ہوش باشد کد خدا

جب افغان اپنے ھی معاملات میں الجھ گئے اور ان کے حملوں سے نجات ملی تو سکھ اپنا سکہ جمانے کی کوشش کرنے لگے۔ مغلیہ سلطنت کے نواب وزیر نے اودھ میں اپنی حکومت قائم کرلی تھی اور دھلی سے اس کے تعلقات محض برائے نام باقی رہ گئے تھے۔ لیکن اسے بھی بنگال کی جانب سے ایک نیا اندیشہ پیدا ہو چلا تھا۔

بنگال کی سیاسی حالت

بنگال میں ایک خاندان نے اپنی غاصبانہ حکومت خوب مستحکم کرلی تھی اور دھلی سے قریب قریب قطع تعلق کرلیا تھا۔ سنہ ۱۷۵۶ع میں وھاں ایک نوجوان اور خودسر نواب مسند نشین ہوگیا۔ لیکن اس کے خلاف بھی خفیہ سازشوں کا ایک لامتناھی سلسلہ شروع ہوگیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسے کلائو کے ھاتھوں نہایت بری طرح شکست ہوئی اور اس کے جانشین کلائو کے ھاتھوں میں کٹ پتلی کی طرح ناچنے لگے۔ انگریزی طاقت نے باوجود چند ابتدائی ناکامیوں کے تھوڑے ھی عرصہ میں اپنے آپ کو تمام دیگر ملکی طاقتوں سے حکمت عملی جنگ و جدل حتیٰ کہ حیلہ و مکر میں بھی زیادہ زور دار ثابت کردیا۔ کلکتہ میں انگریزوں نے قلعہ بندی شروع کردی۔

انگریزی جہازوں کا بیڑا دریائے ہوگلی میں پرچم اڑانے لگا اور فرانسیسوں سے چندرنگر کا شہر فتح کرلیا - تمام علاقۂ بنگال انگریزوں کے حکومت میں آگیا - خاندان مغلیہ کا شہزادہ ولی عہد بنگال میں دوبارہ مغلیہ اقتدار قائم کرنے کے لئے مشرق کی جانب بڑھا مگر اودھ کے نواب وزیر کی غداری اور کلائو کی ہوشیاری نے تمام منصوبے بیکار کردئے - کلائو کو نواب بنگال کی طرف سے اس خدمت کے صلے میں ایک شاندار جاگیر عطا ہوئی - بنگال میں خفیہ سازشوں کا اضافہ کمپنی اور اس کے ملازموں کے لئے فائدہ کا باعث ہو رہا تھا - نواب وزیر بھی اس الجھن کی لپیٹ میں آگیا ، اور شہزادہ ولیعہد کو جو اب شاہ عالم ثانی کے لقب سے تخت نشین ہوچکا تھا نواب وزیر کی معیت میں شکست ہوئی - اب کیا تھا ؟ شہنشاہ دہلی اور نواب وزیر دونوں انگریزوں کے قابو میں آگئے - الغرض سنہ ۱۷۶۵ع میں بنگال ، بہار اور اُڑیسہ کی دیوانی یعنی اختیار وصول مالگزاری دوامی اجارہ داری کے اصول پر شہنشاہ دہلی سے ہمیشہ کے لئے حاصل کرلی گئی اور اس طرح بنگال پر انگریزوں کا قبضہ عہد نامہ کی رو سے بھی قائم ہوگیا -

حکومت انگریزی کی تعمیر

اس وقت سے بنگال بہ شمول بہار و اُڑیسہ مقبوضات انگریزی میں شمار ہونے لگا اور انگلستان کی پارلیمنٹ کی کار روائی میں بھی اس کا ذکر نمایاں طور پر ہونے لگا - جب سنہ ۱۷۷۲ع میں کلکتہ کو مرشدآباد کے بجائے مالگزاری اور خـزانہ کا صدر مقام قرار دیا گیا تو حکومت میں دوعملی بالکل موقوف کر دی گئی اور کمپنی بذات خود ہندوستانی کار پردازوں کی وساطت کے بغیر دیوانی کے فرائض انجام دینے لگے - بنگال کی تاریخ میں انگریزی دور دراصل سنہ ۱۷۷۳ع سے شروع ہوتا ہے جب کہ ریگولیٹنگ ایکٹ [۱] منظور ہوا - یہ ایکٹ سنہ ۱۷۷۴ع میں نافذ ہوا - اس کی رو سے ہندوستان کے عمال حکومت پارلیمنٹ اور وزارت انگلستان کے سامنے جوابدہ قرار دئے گئے - اور انگریزی طاقت کو متحد کرنے کی غرض سے صوبجات بمبئی و مدراس کو بنگال کے ماتحت کر دیا گیا - واضح رہے کہ ابھی براعظم ہند کا اکثر حصہ انگریزی اقتدار سے باہر تھا بلکہ خود بنگال میں انگریزی حکومت

Regulating Act—[۱]

کی حقیقت کو بعض مصنوعی پردوں میں پنہاں رکھا گیا تھا مثلاً کمپنی کے سکہ جات شاہ عالم بادشاہ کے نام سے جاری تھے اور بادشاہ کو نذریں دی جاتی تھیں - لیکن رهنمائی اور پیشروی کی عنان هندوستان کے هاتھوں سے بالکل نکل چکی تھی - هندوستان کے وہ حصے جو ابھی هندوستانیوں هی کے زیر حکومت تھے سب کے سب باهمی اختلاف و نفاق کا مجموعہ تھے - خواہ وہ حصے چھوٹے تھے یا بڑے - اور خواہ کہنہ اور نیم مردہ ریاستیں تھیں یا وهاں نئی حکومتیں اپنا سکہ جما چکیں تھیں یا جمانے کی کوشش میں تھیں - ان کی باهمی کشاکش و رقابت اور ان کی غیر مستقل گروہ بندیاں اس حد تک پہونچ گئی تھیں کہ ان کی وجہ سے تمدنی بدنظمی میں روز بروز اضافہ هوتا جاتا تھا - وہ باهمی مناقشات جو امن و صلح کے زمانے میں کوئی اهمیت نہ رکھتے تھے اب بدنظمی کے زمانہ میں ایسی گہرائیوں تک پہنچ گئے کہ رشتۂ تعلق منقطع هونے کے قریب پہنچ گیا -

تہذیب ' اور اخلاقی و معاشرتی زندگی کی تباهی

بنگال کی دو عملی حکومت سنہ ۱۷۶۵ع سے سنہ ۱۷۷۲ع تک همارے نقطۂ نگاہ سے کسی قدر قابل غور هے - جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے پہلے پہل عنان حکومت هاتھ میں لی تو اس کے پاس ایسے لوگ بہت کم تھے جو مالگزاری کے معاملات سے واقفیت رکھتے اور دیہاتی مفاد سے منصفانہ برتاؤ کرتے - جب تجارتی معاملات هی میں کمپنی کے ملازم بلند نظری سے عاری تھے تو ان سے ملکی معاملات میں بلند خیالی اور حکمت عملی کی توقع رکھنا بعید از عقل تھا بلکہ بمصداق ایک انگریزی مثل کے وہ سونے کے انڈے دینے والی مرغی کو ذبح تک کرنے کو تیار هوجاتے تھے - ڈریک [۱] ' واٹس [۲] اور هال ویلس [۳] کی طرح کے لوگ خوانچہ فروش اور بساطی کی حیثیت کے تاجر تھے وہ اعلی سیاست دانوں کے رتبے کو کب پہنچ سکتے تھے ؟ اعلی سیاست کا یہ ایک ضروری اصول هے کہ لوگ صرف ذاتی مفاد هی کی تلاش میں نہ رهیں بلکہ اپنے اس بڑے گروہ کے مفاد کا جس کے وہ رکن هیں هر وقت خیال رکھیں

[۱]—Drake
[۲]—Watts
[۳]—Holwells

نیز وہ اپنی مطلب براری کی خاطر ان لوگوں کے نقطۂ نگاہ کا بھی خیال رکھیں جن کی جگہیں وہ خود لینا چاہتے ہیں یا جنہیں وہ شکست دینے کے خواہش مند ہیں - اس میں شک نہیں کہ خود کلائو [۱] عالی حوصلگی اور بلند نظری سے کام لینے کے قابل تھا لیکن اس کی شخصیت اور اہمیت ایک فوجی افسر ہونے کی وجہ سے تھی جو محض موقع شناسی اور بروقت رائے قائم کرلینے کی صلاحیت کے سبب سے اس رتبہ پر پہنچ گیا تھا - وہ اپنے دیگر ہم عصر رفیقوں کی طرح نہایت حریص تھا اور کسی اصول کی پابندی کی پرواہ نہ کرتا تھا - اس کی ہر کارروائی کی بہترین غرض یہ تھی کہ کسی طرح کمپنی کی حکومت ہندوستان میں قائم کردے ' بنگال کے مفاد کا خیال نہ خود اسے کبھی آیا اور نہ اس کے رفقائے کار کو - کمپنی کے اکثر عہدہ دار نہایت عامیانہ طبقے کے لوگ تھے اور انہوں نے صرف تجارتی اور کار و باری حالات میں پرورش پائی تھی - جب انہوں نے اپنے آپ کو سیاسی اقتدار کے انتہائی زینے پر پایا تو ان میں ہرگز یہ اہلیت موجود نہ تھی (اور اس لئے خواہ وہ کتنی ہی کوشش کرتے وہ اس میں کامیاب نہیں ہوسکتے تھے) کہ بہترین اور دیانتدار ہندوستانیوں کو مشیرکار بنائیں - تمام عہدہ داروں کا مطمح نظر غارتگری تھا - لہذا کمپنی کے ادنیٰ ملازم جو اپنے اعلیٰ حکام کے نقش قدم پر چلے زیادہ قابل الزام نہیں ہیں - ان عہدہ داروں نے اپنے ذاتی مفاد کو کمپنی کے مفاد سے جس کے وہ ملازم تھے کہیں زیادہ مدنظر رکھا - چنانچہ کمپنی کے ادنیٰ ملازمین بھی عہدہ داروں کی وفاداری کا اتنا ہی دم بھرتے جتنا انہیں حالات کے مطابق درست نظر آتا - جس طرح کمپنی کے انگریز ملازم اپنے انگلستان میں رہنے والے مالکوں کی لا علمی سے فائدہ اٹھاتے تھے اسی طرح کمپنی کے ہندوستانی نمائندے اپنے افسران بالا کی لا علمی سے اپنے اغراض حاصل کرتے تھے - مرشدآباد اور پٹنہ کے نائب دیوانوں پر کلکتہ کے صدر مقام سے کہاں تک نگرانی ہوسکتی تھی - جب خود کلکتہ لندن کی نگرانی سے قریب قریب باہر تھا ؟ بنگال کے عام لوگوں کے مفاد سے دونوں گروہوں میں سے کسی کو گویا کوئی سروکار ہی نہ تھا - تمام ملک میں بد نظمی پھیل گئی - لوگوں کی تہذیب ' ان کے اخلاق اور

Clive—[۱]

معاشرتی زندگی ، ملکی تجارت اور کاشت سب چیزیں تھوڑے ھی عرصے میں تباہ و برباد ھوگئیں -

اقتصادی تباھی سے معاشرتی اور اخلاقی تباھی بھی ھوئی

سیاسی انقلابات کے بعد اقتصادی انقلابات نہایت ھی ھولناک واقع ھوئے اور ان کی اھمیت اور حقیقت کا اظہار صاف صاف الفاظ میں نہیں ھوسکتا ھے - بنگال جو سلطنت مغلیہ کا سب سے زرخیز اور خوشحال صوبہ تھا اور جسے سلطنت ھند کی پیداوار کا ذخیرہ کہا جاتا تھا اس کا اب یہ حال ھوگیا کہ چند ھی دنوں میں غیرآباد ھوکر رہ گیا - کاشتکار زمینیں چھوڑ چھوڑ کر بھاگ گئے - زمینداروں کو کاشت کے لئے کاشتکاروں کی خوشامد کرنی پڑتی تھی - جدید نظام مالگزاری جس کی رو سے نہایت سخت لگان عاید کیا گیا تھا اور اس پر عمل بھی نہایت سختی سے ھونے لگا تھا جو اکثر زمینداروں کی تباھی کا باعث ھوا - ذاتی تعلقات کا لحاظ جو پرانے دستورالعمل کی کامیابی کا راز تھا نئے نظام میں بالکل مفقود تھا - سنہ ۱۷۷۰ع کے قحط کا اثر ملک پر کئی سال تک باقی رھا - انگلستان کا ایک وکیل ، ولیم ھکی [۱] ، سنہ ۱۷۸۲ع اور سنہ ۱۸۰۸ع کے درمیان میں تین بار ھندوستان آیا اور آخری مرتبہ قریباً ڈیڑھ لاکھ روپیہ کی رقم خطیر اپنے ساتھ لے گیا - اس نے سنہ ۱۷۸۹ع کے قحط کا حال اپنی کتاب میں لکھا ھے - اس قحط کے زمانے میں کلکتہ کے شہر میں بےکس اور لاچار لوگوں کا ایک دریا اُمڈا چلا آرھا تھا - نعشیں اور سسکتے ھوئے لوگ جا بجا بر سر راہ پڑے ملتے تھے - متواتر کئی ھفتے تک روزانہ پچاس کی اوسط تعداد میں لوگ مرتے رھے - لیکن یہ لوگ سخت جان اور صابر و شاکر تھے - مصیبتوں کو اُف کئے بغیر جھیلتے رھے اور تنگ آمد بجنگ آمد کی مثل کو حرف غلط کی طرح ثابت کردیا - ۱۸ ستمبر سنہ ۱۷۸۹ع کو لارڈکارنوالس [۲] نے اپنی روئداد میں لکھا ھے کہ " میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ھوں کہ کمپنی کے ھندوستانی مقبوضات کا ایک تہائی حصہ بالکل جنگل اور ویران ھوگیا ھے جو اب صرف وحشی درندوں کا مسکن ھے - کیا دس سال کی اجارہداری اب کسی زمیندار

William Hickey—[۱]
Lord Cornwallis—[۲]

کو اس بات پر مائل کرسکتی ہے کہ وہ ان جنگلوں کو کاٹ کر کاشتکاروں کی حوصلہ افزائی کرے یا خود اپنی تمام محنت و مشقت کے معاوضے کی امیدیں ترک کر دے ۔ کیونکہ غالباً اس عرصے کے اختتام پر بھی اسے اپنی محنت کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بہ مشکل حاصل ہوگا'' ۔ کمپنی کے کاغذات میں جا بجا یہ لکھا ملتا ہے کہ تمام خرابیاں صرف اس پرانے دستورالعمل کا نتیجہ تھیں جو انھیں مغلوں سے ملا تھا حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ خود اس نظام کو سمجھ ہی نہیں سکے جو اکبر بادشاہ کے زمانے سے نہایت احتیاط سے بنائے ہوئے دستورالعملوں کی صورت میں چلا آتا تھا ۔ بقایا وصول کرتے وقت خاص حالات کا خیال رکھا جاتا تھا اور کاشتکاروں کی حالت بھی ہمیشہ پیش نظر رکھی جاتی تھی ۔ لیکن اب تو بقایا بہت سختی کے ساتھ وصول کیا جاتا تھا اور اس میں کسی طرح کوئی تبدیلی نہیں ہو سکتی تھی ۔ جہاں قبل ازیں نادہند لوگوں سے نرمی یا سختی سے عارضی دباؤ ڈال کر کام لیا جاتا تھا وہاں اب پابندئی وقت کے زعم میں زمینیں نیلام کر دی جاتیں اور کاشتکاروں کو مارے مارے پھرنے کے لئے نکال دیا جاتا اور اس زمانے کے لحاظ سے گویا انھیں ذریعۂ معاش سے محروم کر دیا جاتا تھا اگرچہ مار دھاڑ اور سختی سے جبراً روپیہ وصول کرنے کا طریقہ پہلے سے چلا آتا تھا ' مگر اب تو اس میں دوگنی بلکہ چوگنی سختی ہونے لگی ۔ کمپنی کے ادنیٰ ملازم اپنی من مانی کرتے کیونکہ انھیں بخوبی معلوم تھا کہ ان کے غیر ملکی آقا اُن کی چالاکیوں کے متعلق شبہ تو کرسکتے تھے لیکن ان سے واقف ہونا محال تھا ۔ درآنحالیکہ غیر ملکی آقا خود اس اصول پر کاربند تھے کہ جہاں تک جلدی ممکن ہو ملک سے روپیہ اکٹھا کرکے وطن کی راہ لو ۔ اعلیٰ حکام اپنے ماتحتوں سے کہیں زیادہ حریص تھے ۔ اس لئے اپنی حرص پوری کرنے کے لئے انھیں ایسے ذرائع سے بھی دریغ نہ ہوتا جن سے ان کے ماتحت ظلم و جبر سے روپیہ وصول کرسکتے ۔ رسم و رواج جو زمینداری کے مختلف مفاد کے تعلقات میں توازن قائم رکھتے تھے دیہات میں بخوبی سمجھے جاتے تھے ۔ مگر نئے نظام میں صرف روپیہ ہی روپیہ وصول کرنے سے غرض تھی اور ان رسوم کو ذرا بھی دخل نہ تھا ۔ نئی عدالتوں کی کارروائیوں میں بہت تاخیر ہوتی تھی اور کامیابی یا ناکامی کا لوگوں کو کوئی یقین نہ تھا ۔ نیز ضابطۂ کارروائی بھی سخت اور دقیق تھا اس لئے بددیانت اکثر بمقابلہ دیانت دار کے فائدہ اٹھا لیتے تھے اور جو لوگ

قاعدہ کی پابندی کرنا چاہتے تھے وہ مفسد اور چالاک لوگوں کے پھندے میں پھنس جاتے تھے -

سوداگری اور تجارت کے برے استعمال کی وجہ سے
اور بھی بدتر حالت

اگرچہ سوداگری اور تجارت کے حالات زراعت کی پستی کے پورے پورے آئینہ دار تھے مگر ان کے علاوہ کئی ایک اور بھی خرابیاں تھیں جو ایسٹ انڈیا کمپنی کی حیثیت اور تاریخ ہی کا نتیجہ تھیں - کل غیر ملکی تجارت کمپنی کے ہاتھ میں تھی - کمپنی کی حیثیت ایک خاص پہلو رکھتی تھی - اسے دوگونہ اجارہ حاصل تھا - ایک طرف تو اسے اپنے وطن (انگلستان) میں ہندوستانی تجارت کا مکمل حق فروخت حاصل تھا جو کسی اور کمپنی یا شخص کو نہ تھا - اس وقت ہندوستان کی تجارت نفیس پارچہ کی تھی جو انگلستان کی روئی کے جدید کارخانوں کا مقابلہ کرتی تھی - ڈھاکہ کی ململیں اور ساحل مدراس کے سفید لٹھے اپنی نفاست کی وجہ سے مشہور تھے - سنہ ۱۷۷۴ع میں ان پر انگلستان میں ۴۳ فیصدی محصول لگا دیا گیا - اور دوسری طرف انگریزی کمپنی نے فرخ سیر کے فرمان سے سنہ ۱۷۱۷ع میں ہندوستان کے اندر بھی قطعی حق فروخت حاصل کر لیا تھا جس کی وجہ سے وہ نہ صرف یورپین تاجروں سے سبقت لے گئی بلکہ ہندوستانیوں کے مقابلے میں بھی اسے ایک غیر معمولی امتیاز حاصل ہو گیا - کلکتہ کے انگریزی صدر کا دستخط شدہ " دستک " تمام ان اشیاء کو جن کا اس میں ذکر ہوتا تھا چنگی کے متعلق ہر قسم کی روک تھام بلکہ معائنے سے بھی بری کر دیا تھا - اس کا جائز استعمال ہی ملک کے لئے کافی مضرت رساں تھا مگر یہاں تو اس کا نہایت ہی بےحیائی سے ناجائز استعمال کیا جاتا تھا - اور یہی ناجائز استعمال کمپنی اور نوابان بنگال کے درمیان مناقشات کی وجوہ میں سے ایک وجہ بنتا رہا - بلکہ کمپنی نے نواب بنگال کی حکومت کے اس مشورہ کی بھی مخالفت کی کہ نواب کی رعیت کو بھی محصول وغیرہ سے اسی طرح معافی دی جائے - جب کمپنی آقا ہی بن بیٹھی تو یہ خرابی اور رنگ لائی -

ایک اجارہ کے اندر کئی اور اجارے

لیکن کمپنی کے اس اجارے کے اندر ایک اور اجارہ پیدا ہو گیا - نمک،

چھالیا ، تمباکو اور چاول کی ملکی تجارت میں بہت نفع ہوتا تھا کیونکہ یہ عام استعمال اشیاء تھیں - کمپنی کے ملازموں نے اس تجارت پر پورا قبضہ حاصل کرلیا اور نفع سے اپنی جیبیں بھرنے لگے - تیل ، مچھلی ، بھوسا اور بانس وغیرہ روزانہ استعمال کی اشیاء کی فہرست میں شامل کر لئے گئے اور قیمت بڑھانے کے لئے ان کی کل منڈی اپنے ھاتھہ میں لے لی گئی - کمپنی کے ملازموں کی مقرر کردہ قیمتوں پر جبری خرید و فروخت کی شکایت اس قدر بڑھ گئی کہ سنہ ۱۷۶۴ع میں کمپنی کے ڈائرکٹروں کو دخل دینا پڑا اور انھوں نے ملازموں کو ذاتی تجارت کی ممانعت کر دی - مگر ملازمان کمپنی بالکل بےپروائی سے ان احکام کی خلاف ورزی کرتے رھے - کمپنی کے اعلیٰ ملازموں نے جن میں کلائو بھی شامل تھا " مجلس تجارت " کے نام سے ایک جماعت سنہ ۱۷۶۵ع میں قائم کرلی جس کے کارو بار کے لئے نمک ، چھالیہ ، اور تمباکو ایسی نفع بخش اشیاء چنی گئیں - یہ اجارہ اس قدر سود مند ثابت ھوا کہ سنہ ۱۷۶۷ع میں کلائو نے اپنے پانچ حصے ۳۲ ھزار پونڈ (تقریباً ۳ لاکھ ۲۰ ھزار روپیہ) کے عوض فروخت کر دئے - یہ حصے کلائو کو اس بنا پر ملے تھے کہ وہ اس مجلس کا بانی تھا - اسے گورنر ہونے کے باعث پانچ حصے بحیثیت عہدہ دئے گئے تھے حالانکہ اس نے فی‌الواقعہ سرمایہ میں کوئی روپیہ ادا نہیں کیا تھا - اس سے پیشتر نمک کے اجارہ میں صرف نو ماہ کے قلیل عرصے میں ۴۵ فیصدی نفع ھو چکا تھا - یہ تجارت نہ تھی محض ایک لوٹ تھی جو ان ذرائع کے مدد سے جاری تھی جو مسلح قوت اور سیاسی غلبے نے ان کے ھاتھہ میں دے رکھے تھے -

بےقاعدہ اقتصادی تشدد

سنہ ۱۷۷۲ع میں ولیم‌بولٹ [۱] نے ان افعال بد کی پر زور مذمت شائع کی - وہ لکھتا ھے کہ " یہ بات اب بلا شبہہ کہی جا سکتی ھے کہ ملک کی تمام اندرونی تجارت جس طرح وہ موجودہ صورت میں جاری ھے ایک طویل تشدد کا کار زار بن رھی ھے ، اور یہ صورت خاص طور پر کمپنی کی اس تجارت پر حاوی ھے جس میں نقد سرمایے سے مال خرید کر ھندوستان سے غیر ملکوں کو بھیجا جاتا ھے - اس کے مضرت رساں اثرات ملک کا ہر پارچہ

William Bolt—[1]

پاف ، جولاہا اور کاریگر بڑی سختی سے محسوس کر رہا ہے ، کیونکہ ہر ایک شے پر کمپنی کو اجارہ حاصل ہے جس میں انگریز اپنے بنیوں اور ہندوستانی گماشتوں کے ساتھ اپنے حسب خواہش فیصلہ کر لیتے ہیں کہ کاریگر کس قدر مال ان کے حوالے کریگا اور اسے کیا قیمت ملیگی "۔

اس جبر و تشدد کے ہتھیار

یہی بولٹ ایک اور جگہ تشریح کرتا ہے کہ "لفظ بنیا اصطلاحی طور پر اس شخص کے لئے استعمال کیا جاتا ہے (ایسے بنئے خواہ اپنے طور پر خواہ کسی بڑے ہندوستانی تاجر کے گماشتہ کی حیثیت سے کام کرتے ہوں) جس کے ذریعے سے انگریز اپنے تمام تجارتی معاملات سرانجام دیتے ہیں - یہی شخص ان کا ترجمان ، ان کا مہتمم ، ان کا معتمد اور دلال ہوتا ہے - یہی انہیں نقدی بہم پہنچاتا ہے اور ان کا خزانہ تحویل میں رکھتا ہے اور عموماً رازدار بھی ہوتا ہے - ادنیٰ درجہ کے کرانی (محرر) ، چوکیدار ، خانساماں ، چوبدار ، قاصد ، پیادہ ، مشعلچی ، قندیل دار ، ڈولی بردار اور دیگر ادنیٰ ملازموں کے گروہ کثیر کا تقرر بھی اس کے سپرد ہے - وہ ان سب کی دیانتداری کے لئے ذمہ دار اور جوابدہ قرار دیا جاتا ہے اور اپنے آقا کی تمام تجارت چلاتا ہے - اس کے آقا تک کسی ہندوستانی کو رسائی نہیں ہوسکتی سوائے اس صورت کے کہ آقا دیسی زبانوں سے اچھی طرح واقف ہو - غرضیکہ آقا پر اس کا اثر بذات خود اُس اثر سے کئی درجہ زیادہ ہے جو یورپ کے کسی فضول خرچ شریف زادے پر اس کے خانساماں ، قرض خواہ اور اس کی محبوبہ سب کو مل کر حاصل ہوتا ہے - اس کے علاوہ وہ عوام میں بحث و مباحثہ کے موقع پر بعض ایسے اعمال و افعال کے ارتکاب کی ذمہ داری اپنے اوپر لے لیتا ہے جن کے متعلق ان کا آقا خود اقبال نہیں کرنا چاہتا - ایسے تمام بنئے جو بنگال کی بستیوں میں سرکاری دفتروں اور خانگی معاملات میں انگریزوں کی خدمت کرتے ہیں ایک باہمی رشتہ میں منسلک ہوتے ہیں "۔

ان کی ساخت و پرداخت

بولٹ رقمطراز ہے کہ "جب سے اس ملک میں انگریزوں کا اقتدار بڑھنا شروع ہوا معزز ہندو گھرانوں میں سے اکثر لوگ اس فرض اور خدمت گزاری کا بوجھ اپنے کندھوں پر اٹھانے لگے ، بلکہ بعض اوقات تو وہ کسی انگریزی نوکری

حاصل کرنے کے لئے روپیہ بھی صرف کردیتے ہیں - مگر عموماً یہ باتیں زیادہ تر اثر و رسوخ حاصل کرنے کے لئے ہوتی ہیں جو وہ ان ذرائع سے حاصل کرلیتے ہیں - یا اور دیگر فوائد کے لئے - مثلاً بغیر محصول ادا کئے تجارت کرنے کے وسائل پیدا کر لینا وغیرہ - کیونکہ انگریز آقا کی "دستک" کی آڑ میں یہ سب باتیں ممکن ہیں - اگرچہ بنگالی زبان میں بول چال اور لکھنا پڑھنا ایک تاجر کے لئے ضروری ہے مگر اہل یورپ میں کوئی ایسی مثال نظر نہیں آتی جہاں کسی نے زبان میں ایسی مہارت حاصل کی ہو کہ وہ اس قسم کے بنئے کی امداد بغیر اپنا کام چلا سکے [۱] " -

ہنرمندی اور صنعت و حرفت کا زوال

ملکی ہنرمندی ' صنعت و حرفت اور اقتصادی حالات کی تباہی کا اظہار بولٹ نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے : " ملک کے کاریگر اور دستکار ایک فوق‌الادراک ظلم و ستم کا شکار ہیں - درحقیقت کمپنی نے انہیں اپنا زر خرید غلام سمجھ رکھا ہے..... غریب جولاہوں پر طرح طرح کے بےشمار طریقوں سے ظلم کیا جاتا ہے اور اس ظلم کا آلۂکار کمپنی کے نمائندے اور گماشتے ہیں - ان بیکسوں پر جرمانے کئے جاتے ہیں - انہیں قید کی سزائیں دی جاتی ہیں - انہیں کوڑے لگوائے جاتے ہیں اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیجاتی بلکہ ان سے جبراً تمسک بھی لکھوا لئے جاتے ہیں - الغرض ایسے ہی ظلموں سے ملک میں جولاہوں کی تعداد میں سخت کمی واقع ہوگئی ہے اور اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا ہے کہ پارچہ کی تجارت میں مال کی کمی ' گرانی اور ابتری واقع ہوگئی ہے - مزیدبرآں یہی بات مالگزاری میں ایک زبردست کمی کا باعث ہوگئی ہے " -

ہندوستانیوں اور انگریزوں میں ایک دوسرے کی محبت اور عزت کا فقدان

اس قسم کے سیاسی اور اقتصادی حالات کی موجودگی میں یہ امید کب کی جاسکتی تھی کہ طرفین کے محاسن ترقی کریں یا طرفین کے دلوں میں ایک دوسرے کے لئے توقیر و توصیف کے جذبات پیدا ہوں ؟ ہندوستانی

[۱]— بنئے کے متعلق بولٹ کے اس بیان کا برک کے اس بیان سے مقابلہ کیا جائے جو اس نے وارن ہیسٹنگز کے مقدمے میں پیش کیا تھا - دیکھو تقریر روز سوم -

چونکہ مفتوح تھے اس لئے اول تو ان کے کوئی حالات شائع نہیں ہوئے اور اگر کچھ شائع ہوئے بھی ہیں تو ان میں لازمی طور پر فاتحین کا ذکر مودبانہ انداز میں کیا ہے - لیکن باوجود ان باتوں کے اس میں شک کی گنجائش نہیں کہ ہندوستانی انگریزوں پر بہت نکتہ چینی کرتے تھے - چنانچہ سید غلام حسین خاں (صاحب سیرالمتاخرین) نے نئی حکومت کے متعلق چند پرمعنی اشارے کئے ہیں اگرچہ جیسا کہ آئندہ مذکور ہوگا ان کا رویہ انگریزوں کی طرف بالعموم اور وارن ہیسٹنگز کی جانب بالخصوص دوستانہ تھا - چڑھتے سورج کی پرستش کرنے والوں سے تو یہ امید ہی نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ کھلم کھلا اپنے مفاد کے خلاف کچھ کہتے البتہ شاعر میر تقی میر کی خود نوشت سوانح عمری موسومہ "ذکر میر" میں وارن ہیسٹنگز کے سنہ ۱۷۸۳ع میں کے ورود لکھنؤ کا بیان نہایت دلچسپ ہے - میر تقی نواب آصف الدولہ کے مصاحبین میں سے تھے اس لئے قدرتی طور پر ان کی خواہش تھی کہ نواب معزز مہمان کی نسبت جس قدر بہتر کہ سکتے تھے کہیں - چنانچہ وہ استقبال کے تزک و احتشام ' آتشبازی کی شان و شوکت اور ضیافتوں کے امیرانہ مصارف کا ذکر نہایت تفصیل سے کرتے ہیں - مگر جس وقت اُس اخلاقی اثر کا ذکر آتا ہے جو انگریزوں نے ان کے دل پر کیا اس وقت ان کی خاموشی خاص معنی رکھتی ہے - اس زمانے کے کچھ عرصہ بعد میرزا ابو طالب خاں اپنے سفر نامۂ مغرب میں اپنے دل کا راز صاف الفاظ میں کہ سناتے ہیں - وہ لکھتے ہیں کہ "انگریزوں کے عام طبقہ کا امتیازی نشان ان کا اہل مشرق کے ساتھ نفرت انگیز اور ناشائستہ برتاؤ ہے" -

عیسائی مبلغین کا نقطۂ نظر :

(۱) پروٹسٹنٹ فرقہ

جو انگریز یا یوروپین ہندوستان کے متعلق کچھ لکھتے تھے وہ اپنے معلومات دو ذرائع سے حاصل کیا کرتے تھے - اول مبلغین کے ذریعے سے اور دوسرے کمپنی کے ملازموں سے - مبلغین ویسے تو بہت نیک اور سادہ دل انسان ہوتے تھے مگر اُن ابتدائی ایام میں ان کے خیالات تنگ اور محدود ضرور ہوتے تھے - جرمن مبلغ شوارٹ [۱] پہلے پہل سنہ ۱۷۵۰ع میں ساحل کارومنڈل پر

[۱]—Schwartz

اہل ڈنمارک کی آبادی واقع ٹراونکور میں پہنچا - اس نے ہندوستان آنے سے پہلے تامل زبان پڑھی تھی - بعد میں اس نے مدراس کی حکومت کے ماتحت قلعے کی افواج میں پادری کی حیثیت سے ملازمت کرلی اور پھر اہل برطانیہ کے وسیلے سے تنجور کے راجہ کے لڑکے کا اتالیق بن گیا - وہ لوتھرن[۱] فرقہ کا پیرو تھا - دوسرے لوگوں کو وہ " ہندو مسلمان یا رومن کیتھلک نہیں بلکہ بت‌پرست ' موریا پاپائے روم کے پرستار " کہا کرتا تھا - اس کا یہ نہایت پختہ عقیدہ تھا کہ پروتسٹنٹ عیسائیت کے حلقے کے باہر جو چیز ہے وہ اچھی نہیں ہے - اب ہم سمجھہ سکتے ہیں کہ اسے ہندوستان میں کوئی بھلائی کیوں نظر نہ آئی -

(۲) کیتھولک عیسائیوں کا نقطۂ نظر

کارمیلی پادری فرا پاؤلینو بارتولومیو [۲] کو رومن کیتھولک عیسائیوں سے زیادہ دلچسپی تھی - وہ زیادہ عرصہ تک جنوبی ہندوستان میں رہا - ہندوستان میں اس کا زمانۂ قیام سنہ ۱۷۷۶ع سے سنہ ۱۷۸۹ع تک تھا - اس نے جرمن زبان میں ہندوستان کے زمانہ رسم و رواج کے متعلق ایک کتاب لکھی - سنہ ۱۷۹۹ع میں اُس کتاب کا ترجمہ انگریزی زبان میں کیا گیا - اُس نے برهمنوں کا ذکر نہایت سخت الفاظ میں کیا ہے - اُس کے خیال میں ان کی زندگی کا مقصد محض تجارت تھا - اس کو ایسے بہت کم برهمن ملے جو ذی علم تھے یا صاف گوئی سے اس کے سامنے اپنے علم کا اظہار کرتے - بنگال میں اہل برطانیہ کو تو ایسا تجربہ نہیں ہوا - اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس پادری کی برهمنوں کے متعلق کم علمی کا باعث یہی تھا کہ وہ ان سے بالکل الگ تھلگ رهتا تھا - اور اس لئے برهمن بھی اس کو اپنا رازدار نہیں بناتے تھے - اس کا سب سے زیادہ دلچسپ بیان رومن کیتھولک ہندوستانی جماعتوں پر اہل یورپ کے اثر کے متعلق ہے - انکا رجحان اسے سرکشی کی طرف نظر آیا - مالابار میں اس کا تجربہ یہ تھا کہ وہ اندرون ملک کی پچاس جماعتوں کو سمندر کے ساحل پر کی دو جماعتوں کی نسبت زیادہ آسانی سے قابو میں رکھہ سکتا تھا - اس کا سبب " ساحل پر رهنے والوں کا اہل یورپ کے ساتھہ میل جول تھا " -

---

[۱]—Lutheran

[۲]—Fra Paolino Bartolomeo

ہندوستانیوں کے متعلق حکام کی رائے کیوں اچھی نہ تھی؟

مبلغین ہندوستان کے ایک خاص طبقے میں کام کرتے تھے - مگر کمپنی کے حکام کو جن لوگوں سے کام پڑتا تھا وہ اُن سے بہت مختلف ہوتے تھے - مبلغین کو عام طور پر اچھوت اقوام سے سابقہ پڑتا تھا - لیکن کمپنی کے حکام جن لوگوں سے کار و بار رکھتے تھے وہ یا تو چالاک سوداگر ہوتے تھے ' یا وہ ملازمت پیشہ لوگ جو اُس اخلاقی انحطاط کے زمانے میں بد اعمالی اور خود پسندی کا شکار ہو چکے تھے اور جنھیں یورپ کے ان ہوشیار لوگوں کا میل جول صاف گو اور قابل اعتماد نہ بنا سکا - مسٹر لیوک سکرفٹن[۱] نے جو سنہ ۱۷۵۸ع میں مرشدآباد میں بطور برٹش ریزیڈنٹ مقیم تھے سنہ ۱۷۶۳ع میں اہل ہند کے حالات قلمبند کئے ہیں - اگرچہ بعض مقامات پر انھوں نے جلدبازی اور مبالغہ سے کام لیا ہے لیکن عام طور پر اُن کے خیالات موزوں اور درست معلوم ہوتے ہیں - اُنھوں نے تو بنگال کے نواب کی حکومت کی فریب‌کاریوں' اُس کی سازشوں اور خفیہ خبر رسانوں کی کارروائیوں کا نقشہ صاف صاف بلا رو و رعایت کھلے الفاظ میں کھینچا ہے -

وفاداری اور حب‌الوطنی کے جذبات کا قحط

وہ لکھتے ہیں کہ " وفاداری اور حب‌الوطنی کے وہ پاک جذبات جو انسان کو عظیم‌الشان اور قابل تعریف کام کرنے کی طرف راغب کرتے ہیں - یہاں بالکل مفقود ہیں - اس لئے جب ان لوگوں کے دلوں سے خوف دور ہو جاتا ہے تو وہ فرماں‌برداری چھوڑ دیتے ہیں - یہ خوف قائم رکھنے کے لئے حکومت بےشمار جاسوس رکھتی ہے' جو لوگوں کے دل سے خدشے اور وسوسے دور نہیں ہونے دیتے - ایسے جاسوس ملک کے ہر حصے میں متعین کئے گئے ہیں - وہ اپنے آپ کو امرائے عظام کے ساتھ وابستہ کردیتے ہیں - اور اگر ان میں سے کوئی امیر کسی سازش میں حصہ لے تو پہلے خود اس کے ساتھ مل‌کر اُسے جرم کے ارتکاب کے لئے اُکساتے ہیں ' اور بعد میں اُسے دھوکا دے کر راز افشا کردیتے ہیں - اکثر ایسا ہی ہوتا ہے کہ یہ انعام کے لالچ کی وجہ سے بےگناہوں کے خلاف جھوٹی اطلاع دے دیتے ہیں - اس حالت میں بےگناہ اپنی گلو خلاصی کے لئے اپنے دلی دوستوں میں سے کسی کو ملزم ٹھہراتا ہے - اس بےچارے کو

Mrs. Luke Scrafton--[۱]

کیا خبر کہ اس کے خلاف کسی نے شکایت کی - اس طرح دوستوں میں ایک دوسرے کا اعتبار جاتا رہتا ہے جس سے معاشرتی زندگی کا شیرازہ بکھر جاتا ہے - اُن کے دلوں میں کدورت و عناد جڑ پکڑ لیتے ہیں ' اور اُن کی زندگی تلخ ہوجاتی ہے '' -

رشوت ستانی

وہ ایک اور جگہ رشوت ستانی کا بھی ذکر کرتے ہیں - مگر اس معاملے میں کمپنی کا نامۂ اعمال بھی پاک نہ تھا - چنانچہ وہ اس رشوت کا بھی ذکر کرتے ہیں جو کمپنی نے نواب کے صوبہ‌دار مسمی نندکمار کو اس غرض سے دی تھی کہ جب انگریزی افواج چندر نگر پر حملہ‌آور ہوں تو وہ قلع چھوڑ کر بھاگ جائے -

'' وہ ملک جو کبھی سرسبز و شاداب تھا ''

سکریفٹن کو تصویر کا یہ رخ سیاہ نظر آیا - لیکن سلطنت مغلیہ کے زوال اور بیرونی صوبجات پر اس کا اقتدار عملی طور پر ختم ہونے سے پہلے زمانے کی تصویر انہوں نے اس سے مختلف الفاظ میں کھینچی ہے - مغلیہ نظام حکومت کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ نادر شاہ کے سنہ ۱۷۳۹ع کے حملے سے پہلے '' دنیا میں اس سے بہتر کوئی نظام نہ تھا - صنعت و حرفت ' تجارت اور زراعت کو بےحد ترقی حاصل تھی - جبر و استبداد کا شکار صرف وہی لوگ بنے تھے جنھیں اُن کی دولت و ثروت کے وجہ سے خطرناک تصور کیا جاتا تھا '' - زمانہ حال کے ایک مورخ [۱] نے اُسی زمانے کے متعلق زیادہ محتاط الفاظ میں یوں اظہار خیال کیا ہے - '' معاشرتی تاریخ کا ہر طالب علم اس بات کو تسلیم کریگا کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں بنگال کے کسانوں کی حالت فرانس اور جرمنی کے کسانوں کے مقابلے میں بری نہ تھی '' - خیر یہ جملہ معترضہ تھا - اب پھر سکریفٹن کی داستان سنیئے '' جب شاہان مغلیہ کی کمزوری صوبےداروں پر ظاہر ہوگئی اور وہ اپنے اپنے صوبوں میں خود مختار بن بیٹھے ' تو اگرچہ انہوں نے مستقل قوانین میں دست‌اندازی کرنے کی کوشش نہیں کی ' مگر نئے نئے نام وضع کرکے پرانے ٹیکسوں کو دگنا تگنا

[۱] — دیکھو بنگال سنہ ۱۷۵۶—۷ع میں مصنفہ ایس ' سی ' هل - S. C. Hill جلد اول ' مقدمہ صفحہ ۲۳ -

شروع کردیا - زمینداروں نے اُن ٹیکسوں کا بوجھ کاشتکاروں پر ڈال دیا - کچھ عرصہ تک تو پہلے جمع کی ہوئی پونجی نے اس بندوبست کو سنبھالے رکھا ' لیکن جب وہ ختم ہوگئی اور کاشتکاروں کو زیادہ ٹیکس دینے پر مجبور کیا گیا تو وہ مہاجنوں سے بہت سخت شرح سود پر قرض لینے لگے - حکومت کے مطالبے میں اس دوران میں کچھ کمی واقع نہ ہوئی ' اِس لئے مالکان زمین بھی قرض لینے پر مجبور ہوگئے - لیکن اس اثناء میں زمین کی قیمت میں مطلق ترقی نہ ہوئی - نتیجہ یہ ہوا کہ مالکان زمین زر رہن کا سود تک ادا نہیں کرسکتے تھے ' اور اس لئے زمین کا کل لگان غاصب مہاجن ہضم کرلیتے - جب حکومت نے دیکھا کہ اس کی مالی آمدنی روز بروز کم ہو رہی ہے ' اور وصولی میں بھی بتدریج فرق پڑ رہا ہے تو اس نے بالآخر خود وصول کرنے والوں اور اجارہ داروں کو صوبجات میں بھیج دیا - اس طرح زمین کے متعلق مالک زمین کا اختیار چھین لیا گیا ' اور کسانوں کو ظالم ٹھیروں کے رحم پر چھوڑ دیا گیا - لوگوں نے دیکھا کہ جس قدر وہ زیادہ کام کرتے ہیں اُسی قدر زیادہ انہیں ٹیکس کی صورت میں ادا کرنا پڑتا ہے - نتیجہ یہ ہوا کہ کسان اور دستکار صرف اُسی قدر کام کرتے جس کی آمدنی ان کے بال بچوں کا پیٹ پالنے کے لئے کافی ہو - اس قسم کی باتوں سے یہ ملک جو کبھی خوش حال اور مالا مال تھا تھوڑے ہی عرصے میں اس قدر مفلس ہوگیا کہ اب اس کے ہزاروں باشندے قحط و فاقہ سے ہلاک ہوتے رہتے ہیں '' -

خوش حالی اور دولت کی مساوی تقسیم

آگے چل کر لکھا ہے کہ '' اس لئے وہ دولت کی مساوی تقسیم جس سے قومیں خوش حال بنتی ہیں ' اور جس سے ہر طبقے کے لوگوں کو مسرت حاصل ہوتی ہے ' اور ضروریات زندگی افراط سے بہم پہنچتی ہیں ' اب جاتی رہی ہے - اور ملک کی دولت ان ایام میں کچھ تو چند سود خواروں اور لالچی درباریوں کے پاس ہے ' اور باقی اُن غیر ملکی فوجوں کے ذریعے جو صوبہ‌داروں کی طاقت کو بحال رکھنے کے لئے بھرتی کئے جاتے ہیں دوسرے ملکوں میں چلی جاتی ہے - ایسٹ انڈیا کمپنی کو اس بری حالت کا تلخ تجربہ پہلے ہی ہوچکا ہے - اُن کی تجارت کم ہوگئی ہے - اور مصنوعات کی خرید میں بھی انہیں زیادہ قیمت ادا کرنی پڑتی ہے '' -

لارڈ کارنوالس کی مالی اصلاحات کس وجہ سے ناگزیر ہوئیں

کمپنی کے ابتدائی زمانہ حکومت میں متذکرہ بالا خرابیوں میں بتدریج اضافہ ہوتا گیا - آخرکار جب لارڈ کارنوالس کی مالی اصلاحات کا اثر پورے طور پر بروئےکار آیا تو حالت سدھرنے لگی - اقتصادیات کے ماہرین کو اپنے اپنے خیالات اور قیاسات کے مطابق ان اصلاحات میں خواہ کتنے ہی نقائص نظر آئیں ' مگر حقیقت یہ ہے کہ اُس زمانے کے حالات کے لئے ایسا فیاضانہ لائحہ عمل نہایت ضروری تھا جس کے باعث زمین پر سے حکومت کے مطالبے کا بوجھ کم ہو جائے -

معاشرتی زندگی کی تصویر سکریفٹن کے موقلم سے

سکریفٹن کی داستان کا سلسلہ ختم کرنے سے پہلے اُس تصویر پر ایک نظر ڈالنا مناسب ہوگا جس میں انھوں نے ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے نقوش دکھلائے ہیں - ہندوستان میں بدامنی اور بدنظمی کے زمانے میں بھی تالابوں اور آبپاشی کے دیگر ذرائع کو حکومت ضرور قائم رکھتی تھی - لوٹ مار بھی کم ہوتی تھی - اور تو اور جواہرات کے تاجروں کو بھی ہتھیار رکھنے کی ضرورت نہ پڑتی تھی - سڑکیں محفوظ تھیں - ہر دو تین میل پر مسافروں کے لئے سرائیں اور آرام گاہیں بنی ہوئی تھیں - علم نجوم سے عوام کو دلچسپی تھی - خسوف و کسوف کے اوقات باقاعدہ درج کئے جاتے تھے - مگر اس کے ساتھ ساتھ توہمات کی بھی بہتات تھی - لوگ مبارک اور نحس اوقات معلوم کرنیکا بےحد شوق رکھتے تھے - ہندوؤں میں شادیوں کا انتظام بچپن ہی میں کردیا جاتا تھا ' اور جب لڑکا چودہ برس کا ہوتا اور لڑکی دس گیارہ برس کی تو اُن میں رشتۂ ازدواج قائم کردیا جاتا - اکثر دیکھا جاتا تھا کہ بارہ سال کی لڑکی ماں بنی ہوئی بچے کو گود میں لئے پھرتی تھی - گو بانجھ عورتیں بہت کم تعداد میں تھیں لیکن پھر بھی بچوں کی اصلی تعداد زیادہ نہ تھی - اٹھارویں ہی سال میں عورت کا حسن اور شباب ڈھلنا شروع ہو جاتا تھا - ۲۵ سال کی عمر میں تو بڑھاپے کے آثار ظاہر ہونے لگتے تھے - مردوں میں کمزوری تیس سال کے بعد شروع ہوتی تھی - ستی کا رواج عام نہ تھا - یہ صرف بڑے بڑے خاندانوں کی عورتوں تک محدود تھا - نوابوں کے بچے پانچ یا چھ سال کی عمر تک عورتوں اور بچوں کی صحبت میں رکھے جاتے تھے - اس کے بعد انھیں اتالیقوں کے سپرد کیا جاتا تھا جن سے وہ مجالس کے ادب و قواعد سیکھتے

تھے - وہ آداب ظاہری کو ایک خاص اہمیت دیتے تھے ' اور نہایت سختی سے انکی پابندی کرتے تھے - وہ سواری اور فنون جنگ سیکھتے تھے - تلوار ' ڈھال اور کمر میں خنجر ' یہ اُن کے تین بڑے ہتھیار تھے - تیرہ یا چودہ سال کی عمر میں وہ ایسی باتیں سیکھ جاتے تھے جن کا علم انھیں اس عمر میں نہ ہونا چاھئے تھا - مہمان نوازی ایک عام صفت تھی - مگر خاندانوں کے افراد میں باھمی بدگمانی بڑی حد تک موجود تھی - یہانتک کہ باپ اور بیٹے کو ایک دوسرے پر بہت کم بھروسا ہوتا تھا -

طبقۂ نسواں اور معاشرتی زندگی کے حالات
ایک عورت کی زبانی

مسز الائزا فے [۱] کے مکتوبات سے طبقۂ نسواں کے متعلق اور زیادہ مفصل حالات معلوم ہوتے ہیں - بنگال میں ہندو عورتیں اپنے گھروں سے باہر کبھی نہیں دیکھی جاتی تھیں - وہ اپنی آرائش میں بہت زیادہ وقت اور توجہ صرف کرتی تھیں - بال ' بھویں ' ابرو ' دانت ' ہاتھ ' ناخن عجیب و غریب آرائشوں کا تختۂ مشق بنائے جاتے تھے - جوگی ' سنیاسی ' فقیر ' بھیک مانگنے والے ہرجگہ پائے جاتے تھے - جسمانی ریاضت اور چلہ کشی لوگوں میں عام تھی - چرک پوجا کے موقعہ پر جیسا کہ اس زمانے کے مصوروں کی تصویر سے بھی ظاہر ہوتا ہے لوگ کمر میں لوھے کا کنڈا اٹکا کر خود الٹا لٹک جاتے تھے - مدراس میں مسز الائزا فے کو طوائف کا ناچ پسند نہ آیا - مداریوں کی شعبدہ بازیاں اور وزن قائم رکھنے میں اُن کی مہارت انھیں بہت عجیب معلوم ہوئی - انھوں نے طوفان کے موقع پر مدراسی ملاحوں کی تیراکی اور اُن کی غیر معمولی بہادری کا ذکر بھی تعریفی الفاظ میں کیا ہے -

جسمانی تکلیف برداشت کرنے کی طاقت

گو مجموعی طور پر لوگوں کی جسمانی حالت کمزور تھی لیکن سادہ زندگی بسر کرنیکی وجہ سے خاص خاص طبقوں میں جسمانی تکالیف برداشت کرنے کی خاص طاقت اور دلیری و استقلال پایا جاتا تھا - اُرم [۲] لکھتے ہیں کہ کہار ایک دن میں پچاس میل کی مسافرت طے کر لیتے

---

[۱]—Mrs. Eliza Fay

[۲]—Orme

تھے - اور بیس تیس دن تک متواتر چلتے رہتے تھے - ہندوستانی پیادہ فوج یورپین پلٹنوں کی نسبت جب اُن کے پاس کوئی بوجھ نہ ہوتا تھا کہیں زیادہ تیز چلتی تھی اور انھیں تکان بھی کم ہوتا تھا -

اولین اینگلوانڈین لوگوں کے عیوب

کلائو اور اس کے کچھ عرصہ بعد تک ہندوستان میں انے والے انگریزوں کے بارے میں انگلستان میں اچھی شہرت نہ تھی ' اور ان کے عیوب ہندوستانیوں کی طرف منسوب کئے جاتے تھے - ڈاکٹر سیموئیل جانسن [۱] سنہ ۱۷۷۸ع میں کلائو کی خود کشی کا ذکر اپنے عام صاف گو انداز میں یوں کرتے ہیں - '' اس شخص نے اپنی دولت ایسے گناہوں کے ارتکاب سے پیدا کی تھی جن کے احساس نے اُسے خود اپنا گلا کاٹ لینے پر مجبور کیا [۲] '' - انگلستان کی اُس زمانے کی تصانیف میں ان انگریز '' نوابوں '' کا تذکرہ حقارت آمیز الفاظ میں کیا گیا ہے - ان بیانات کے مطابق اُن کے پاس عموماً ہمیشہ بے شمار زر و مال ہوتا تھا جو وہ ہر جائز و ناجائز ذریعے سے اکٹھا کرتے تھے - وہ حریص قسمت آزماؤں میں سے تھے - تہذیب و تربیت اُن کے پاس تک نہیں پھٹکی تھی - گنواروں کی سی خودنمائی البتہ اُن میں موجود تھی - وہ خود غرض ' تنگ ' مزاج ' اور بدچلن ہوتے تھے - ان کے دل میں قانون کی عزت ذرا بھی نہ تھی - مختصر یہ کہ ان کی دولت کی وجہ سے مہذب سوسائٹی انھیں خطرناک نہیں تو کم ازکم قابل تضحیک ضرور سمجھتی ہوگی -

اُن رائوں کا اثر ہندوستانیوں پر

ہمیں یہاں اس سوال سے سروکار نہیں ہے کہ آیا اینگلوانڈین لوگوں کی یہ تصویر صحیح ہے یا غلط - یہ امر لازمی ہے کہ ایسی مجموعی تصویریں جن پر مصور نے رنگ آمیزی میں افراط سے کام لیا ہو صحیح نہیں بلکہ بھری ہوئی اور مضحکہ خیز دکھائی دینگی - مگر ان تصویروں سے یقیناً یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ خیال انگریزی مصنفوں کے ذہن میں ضرور تھا کہ جن عیوب کا ذکر کیا جاتا تھا وہ ہندوستان کے عیوب تھے اور متعدی امراض کی طرح

[۱]-- Dr. Samuel Johnson

[۲]-- جانسن کی سوانحری مصنفہ باصول ' مؤلفہ جی - بی ' ہل ' جلد سوم ' صفحہ ۳۵۰ -

انگریزوں کو چمٹ گئے تھے - ہمیں اس بات کی ضرور تفتیش کرنی ہے کہ آیا یہ خیال صحیح تھا ؟ اگر یہ صحیح تھا تو یقیناً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم نے اپنے اخلاق میں نمایاں ترقی کی ہے ' گو اس خیال سے ہمارے لئے اپنے آبا واجداد پر ناز کرنے کا موقع مفقود ہو جاتا ہے -

لوگ عام طور پر مفلس ' کفایت شعار اور
امن پسند تھے

مانا کہ اٹھارویں صدی کے آخری حصے کے ہندوستانیوں میں بھی ہماری طرح کچھ عیوب تھے - اور بہت اچھا ہوگا اگر ہم یہ دیکھنے کی کوشش کریں کہ ایا وہ عیوب اب تک ہم میں موجود ہیں یا نہیں ؟ اور اگر ہیں تو اپنے سدھارنے کی جد و جہد کریں ' اور اس طرح اپنے ملک کی خدمت‌گذاری کے زیادہ اہل بنیں - لیکن میرے خیال میں اٹھارویں صدی کے آخری حصے کے زوال پزیر زمانے میں بھی اینگلو انڈین خصوصیات مجموعی طور پر ہندوستانیوں کی خصوصیات سے بالکل متضاد تھیں - ہندوستان کی دولت اُس وقت میں بھی اور اب بھی ایک قصہ کہانی ہے - یہ ممکن ہے کہ ادھر اُدھر چند متمول آدمی ہوں ' جیسا کہ بنگال کے جگت سیٹھ یا بعض خود غرض نواب - لیکن ہندوستان کے تمدن کی غرض ہندو اور مسلمان دونوں قوموں میں اور ہی قسم کی تھی - دولت کا جمع کرنا کوئی خاص نیک نامی کا باعث نہ تھا - مجموعی طور پر یہاں کے لوگ غریب اور کفایت شعار تھے - اقتصادی نصب‌العین ضروریات کے تعداد کو گھٹانا تھا نہ کہ دولت کا جمع کرنا - ایک بےاصول دولتمند ہماری قوم میں دوسری قوموں کی بہ‌نسبت جنھوں نے مادی اصولوں کو تہذیب کا معیار سمجھ لیا ہے کہیں زیادہ حقارت سے دیکھا جاتا ہے - جو دولت کسی کے پاس ہوتی تھی اُس کا صحیح استعمال ہی خیال کیا جاتا تھا کہ وہ اُسے اپنے رشتہ‌داروں ' دوستوں اور دوسرے لوگوں کی مدد میں فیاضانہ طریقے سے صرف کرے - ظاہری نمائش سے اُس کی عزت میں کچھ اضافہ نہیں ہوتا تھا - حقیقت میں اگر ہم میں غلطی تھی تو یہ تھی کہ ہم اپنے کو غریب اور کنگال ظاہر کرنا اپنا فخر سمجھتے تھے - دنیا میں ایسے بہت کم ملک تھے جہاں ہندوستان کی طرح محض دولت کی وجہ سے عزت حاصل کرنا دشوار رہا ہو - ہمارے آبا و اجداد کی طبیعتیں

اور عادات دوسرے ملکوں کے لوگوں سے نہ تو زیادہ بری تھیں اور نہ زیادہ اچھی - وارن ہیسٹنگز نے اپنے ریویو آف ایڈمنسٹریشن (نظم و نسق پر تبصرہ) میں ہمارا ذکر کرتے ہوئے ہمیں فرماں‌بردار تسلیم کیا ھے - اور اس بات کی سچائی کا کافی ثبوت موجود ھے کہ ہم سخت سے سخت اشتعال انگیز موقعوں پر بھی قانون شکنی سے پرھیز کرتے تھے -

مرد اور عورت کے تعلقات کا اخلاقی پہلو

مرد اور عورت کے تعلقات کا اخلاقی پہلو ہندوستانی نقطۂ نگاہ سے البتہ کچھ قابل غور ھے - ہماری شریف گھرانے کی عورتوں کی پاکبازی تو ہمیشہ شک و شبہ سے بالا تر رھی ھے - ہمارے مرد بھی اپنے قائم کردہ اخلاقی اصولوں سے دوسرے ملکوں کے مردوں کے بہ‌نسبت زیادہ منحرف نہیں - برطانوی تحریروں سے ہمارے مردوں میں عورتوں کی تعظیم و حرمت کا ثبوت مل سکتا ھے - جب جون سنہ ۱۷۵۶ع میں سراج‌الدولہ نے قاسم بازار کا انگریزی کارخانہ اپنے قبضے میں کیا تو اس کے جمعدار مرزا عمر بیگ نے حرمت و تعظیم کی بنا پر سب انگریز عورتوں کو رہا کردیا یہی نہیں بلکہ انھیں ان کے خاوندوں کے پاس پہنچا دیا - فرانسیسی ایجنٹ مسٹر چندرنگر نے اس معاملے پر یہ رائے ظاہر کی ھے کہ " مور (مسلمان) عورتوں کا بہت احترام کرتے ہیں " - جب اس کے بعد نواب نے کلکتہ فتح کیا تو مسز واٹس [۱] کے کمروں کو حرم تصور کیا گیا ، اور کسی شخص کو اُن کے اندر جانے کی اجازت نہ دی گئی - پھر اُسے اور اُس کے بچوں کو بغیر کسی روک ٹوک کے فرانسیسی کارخانے میں جانے کی اجازت دی گئی - یہ وہی عورت تھی جس نے بیوہ ہوکر دوبارہ شادی کی اور بیگم جانسن کے نام سے مشہور ہوئی - کلکتے میں اس کے گھر پر زبردست مجلسیں ہوتی تھیں - اس بات سے ہمیں انکار نہیں کہ ہماری بہت سی رسوم اصلاح طلب تھیں ، مثلاً کئی قسم کی بد چلنی ، دیوداسیوں کا رواج ، اور مرد اور عورت کی ایک دوسرے پر بے اعتمادی -

جرأت اور جانبازی

موسیو ریمنڈ [۲] فرانسیسی جنھوں نے سیرالمتاخرین کا انگریزی

[۱]—Mrs. Watts
[۲]—Monsieur Raymond

زبان میں ترجمہ کیا ہے اپنے دیباچے میں ہندوستانی مردوں اور عورتوں کی بہادری کی بہت سی مثالیں دیتے ہیں - انھوں نے اس الزام کا نہایت دندان شکن جواب دیا ہے کہ ہندوستانی ڈرپوک ہوتے ہیں اور اُن سے مردانگی کے بہت کم علامات ظاہر ہوتے ہیں - وہ اُس کے خلاف تین زبردست مثالیں پیش کرتے ہیں - حاجی یوسف خاں نے سنہ ۴-۱۷۶۳ع میں مدورا کو بچانے کے لئے نہایت جوش و خروش کے ساتھ انگریزوں کے ساتھ جنگ کی ' اور چند ماہ کے عرصے میں انھیں اس قدر تکلیف ہوئی اور اُن کے اس قدر آدمی مارے گئے کہ فرانسیسیوں کے ساتھ کئی سال کی لڑائیوں میں اس قدر نقصان نہ ہوا تھا - اودھ میں گنتی کے بارہ راجپوت ایک کچی دیوار والے احاطہ میں بےشمار برطانوی افواج کی گوری اور کالی پلٹنوں کے درمیان گھر گئے ' مگر انھوں نے بغیر جنگ کئے ہتھیار ڈال دینے سے انکار کیا - اُن میں سے چھہ تو مارے گئے اور باقی چھہ لڑتے لڑتے زخمی ہوئے اور قید کر لئے گئے - وہی فرانسیسی لکھتے ہیں کہ ایسی مثالیں کمیاب نہ تھیں بلکہ اس کثرت سے تھیں کہ وہ ایک ایسی زنجیر کی کڑیاں معلوم ہوتی تھیں جس میں ایک زمانے میں تمام کی تمام قوم بندھی ہوئی تھی - ان مثالوں کے علاوہ اُس بہادر عورت ' نازک شاہزادی ' کی شجاعت کا واقعہ کس قدر سبق آموز ہے ' جو اپنی فوج کے بیشتر حصے سے جدا ہو گئی تھی اور جس پر ایک زبردست دشمن نے اچانک حملہ کر دیا تھا - جب اس کے محافظین مغلوب ہونے لگے تو اس نے اپنی نقاب اتار پھینکی اور مردوں کی طرح میدان جنگ میں کود کر داد شجاعت دینے لگی - لڑتی جاتی تھی اور اپنے ہمراہیوں سے کہتی جاتی تھی : " دیکھو اگر تم نے عورتوں کا سا رویہ اختیار کیا تو میں تم کو بتلاؤں‌گی کہ عورتیں مردوں کی طرح دلیری کا جوہر دکھلا سکتی ہیں " -

فوجی قابلیت کا جوہر

برطانوی ذرایع سے ہم یہ بھی ثابت کر سکتے ہیں کہ اٹھارویں صدی کے وسط میں ہندوستان کے لوگوں میں جنگی قابلیت اور مردانگی کے جوہر موجود تھے - مسٹر ایس ' سی ' ہل [۱] نے حکومت ہند کے سرکاری دفتر کی مدد سے

S. C. Hill—[1]

یوسف خاں کمانڈانت کی سوانحعمری تیار کی ہے ۔ یوسف خاں قسمت کا دھنی تھا - اپنے ابتدائی عمر میں ترچناپلی میں (سنہ ۳-۱۷۵۲ع) تک اور مدراس میں (سنہ ۹-۱۷۵۸ع) تک انگریزوں کی طرف سے نہایت جانفشانی کے ساتھ لڑا - مسٹر ہل اس کی عادت اور حالات کا خلاصہ ان الفاظ میں پیش کرتے ہیں : '' وہ ابتدا میں ایک غریب کسان تھا - پھر اپنی جنگی قابلیت کی وجہ سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی افواج میں اُس نے عالی مرتبہ پایا - اس کے بعد اُس نے اپنے حسن انتظام سے جنوبی ہند کے دو سرکش ترین صوبوں یعنی مدورا اور تناولی ' میں امن قائم کیا - اور آخرکار جیسا کہ جیمز مل[۱] لکھتے ہیں جب وہ ارکاٹ کے نواب کے خلاف باغی ہونے پر مجبور ہو گیا ' تو دو سال تک اُس زبردست بادشاہ اور اس کے معین انگریزوں کی متحدہ طاقتوں کا مقابلہ کرتا رہا - اور اس طویل مدت کے بعد جب وہ سنہ ۱۷۶۴ع میں مغلوب ہوا تو اپنے دشمنوں کی افواج کے حملوں سے نہیں بلکہ اپنے سپاہیوں کی غداری کی وجہ سے [۲] '' - مسٹر ہل لکھتے ہیں کہ آخری مقابلہ میں وہ نہایت بہادری سے لڑتا ہوا مارا گیا ' اور اس کے ہم عصر انگریز سپاہی اس کی قابلیت ' مستقل مزاجی ' انصاف پسندی اور شجاعت کے مداح تھے '' اور اُس کے افسوسناک انجام پر اظہار تاسف کرتے تھے -

یاس کی کرشمہ سازیاں

اس طرح تصویر میں سفید اور سیاہ دونوں رخ موجود تھے - ایک طرف ہمارے جنگجو مرد اور عورتیں بہادری کے کارنامے دکھلاتے تھے - اور دوسری طرف خارجی حالات کی وجہ سے کسانوں کے استقلال میں فرق آتا جاتا تھا اور بلند طبقے کے لوگوں کے دل میں ہراس پیدا ہوتا جاتا تھا - درباروں میں دھوکے بازی اور غداری کا دور دورہ تھا - سازشیں ہو رہی تھیں - ملک میں خانہ جنگی جاری تھی - باہر سے حملے کا خوف لگا ہوا تھا - غرضیکہ ہمارے ملکی اور معاشرتی حالات میں انتشار کا عالم تھا - اور بدنظمی ہر طرف پھیلی ہوئی تھی - ابھی نئے قانون اور نظم و نسق ' نئے معاشرتی اور سیاسی ادارے ' نئے مذہبی اور اخلاقی خیالات ' نئے

---

[1]—James Mill

[۲]—ایس ' سی ' ہل کی تصنیف '' یوسف خاں '' مقدمہ : صفحہ ۱۰ -

ادبی اور فنی نظریوں ' کا آفتاب طلوع نہیں ہوا تھا - اس عرصے کے دوران میں ہمارے شعرا اور حکما مختلف پیچیدگیوں میں پھنسے ہوئے تھے - ایک مستقل افسردگی اور جذبۂ یاس ان کے دلوں پر طاری تھا - دہلی کے حادثوں نے ان کے تمام پرانے نشانات یک قلم مٹا دئیے تھے - گویا وہ علمی اور روحانی طور پر بے خانماں ہوگئے - اردو شاعری کے پرانے دور کے آخری ایام میں اُس کا سرمایہ محض یاس اور نا امیدی رہ گیا تھا - ہمیں اس زمانے کے دو بہترین شاعروں ' یعنی مرزا محمد رفیع سودا اور میر تقی میر ' کے کلام میں یہی بات نظر آتی ہے -

سودا اور اس کی ہجوئیں

سودا (سنہ ۱۷۱۳-۸۰ع) اُس زمانے میں دہلی میں پیدا ہوئے جبکہ وہاں فرخ سیر کی تخت نشینی کے متعلق جھگڑے ہو رہے تھے ' اور لوگ مختلف گروہوں میں منقسم تھے - انہوں نے زندگی کو ہر پہلو سے دیکھا - اُن کی زمانۂ پختگی کی لکھی ہوئی ہجووں سے اُس زمانے کی ابتری اور بدحالی کا پتہ چلتا ہے - انہوں نے ہر قسم کے لوگوں کی ہجو لکھی ہے - تنگ نظر ملا ' بوڑھے امیر ' پنجابی گنوار ' اطبا ' شعرا ' کنکوے باز ' کمسن لڑکیوں کے سفید ریش دولھا ' اور ان کے علاوہ کئی اور طبقوں کے لوگ بھی ان کے تیر ہجو کا نشانہ بنے ہیں - ایک ملا کے متعلق کہتے ہیں :

فرشتے داڑھی کو ان کی لگاتے ہیں صندل
کرے ہے طائفہ حوروں کا آ گل افشانی

دہلی کی اس ابتر حالت میں مال و زر کی اس قدر قلت تھی کہ اُمرا اپنے متوسلین کے اخراجات تک برداشت نہیں کرسکتے تھے - چنانچہ سودا لکھتے ہیں :

گھوڑا لے کے اگر نوکری کرتے ہیں کسو کی
تنخواہ کا پھر عالم بالا یہ نشاں ہے

پنجابیوں کا ان کی اپنی مخصوص زبان میں خاکہ اڑایا ہے - اطبا اور شعر بازوں کی خاص طور پر دھجیاں اڑائی ہیں - وہ قلم جس سے اطبا نسخے لکھا کرتے ہیں اُس کے متعلق فرمایا ہے :

خامہ نہیں خنجر براں ہے وہ
قاتل ہندو و مسلماں ہے وہ

شاعر کی بے وقوفی پر خفا ہو کر یوں مضحکہ اڑایا ہے :

جو کہے ہے اُسے کچھ نہیں اُس پر دھیان
جسے سمجھے ہے وہ ہوتا ہے اسکو سن حیران

"آوارہ کو بہ کو"

اُن کے تمسخر میں ترشی بھی پائی جاتی ہے - اور اس میں شک نہیں کہ ایسے صاحب فہم اور حساس کے لئے اُس زمانے کی دھلی کی حالت نہایت ناخوشگوار ہوگی - شاہ عالم جو سنہ ۱۷۶۰ع میں تخت نشین ہوئے ' اور جن کی حکومت انگریزی راج کے شروع ہونے سے پہلے ہی آہستہ آہستہ گھٹ گئی تھی ' اُن کی بہت خاطر و دلجوئی کیا کرتے تھے - انھوں نے سودا کو اپنا ملک الشعرا بنانا چاہا - سودا نے کہا کہ مجھے شاھنشاہ نہیں بلکہ خود میرا کلام ملک الشعرا بنائیگا - یہ اُس زمانے کی بات ہے جبکہ انھوں نے اپنی مشہور نظم موسوم بہ "شہر آشوب" لکھی تھی - یہ نظم اردو شاعری کے ہر مجموعے میں درج ہے - یہ دھلی اور سلطنت مغلیہ کے زوال پر نہایت درد ناک مرثیہ ہے - نواب وزیر شجاع الدولہ کو جو سنہ ۷۵-۱۷۵۳ع میں حکمراں تھے ' اور جو فیض آباد میں فوت ہوئے ' اپنے دربار میں قابل آدمی جمع کرنے کا شوق تھا - انھوں نے سودا کو وہاں آنے کی دعوت دی - مگر سودا افسردہ خاطر تھے اور دھلی سے جانا نہیں چاہتے تھے - چنانچہ مندرجہ ذیل الفاظ میں جواب بھیجا :

سودا پئے دنیا تو بہر سو کب تک
آوارہ ازیں کوچہ بآں کو کب تک
حاصل یہی اُس سے نہ ' کہ دنیا ہووے
بالفرض ہوا یوں بھی ' تو پھر تو کب تک

دربار اودھ میں

بعد میں انھوں نے اپنا ارادہ تبدیل کر دیا ' اور سنہ ۱۷۷۱ع کے قریب شجاع الدولہ کے دربار میں پہنچ گئے - چار سال کے اندر اندر شجاع الدولہ کا

انتقال ہو گیا ، اور اُن کے لڑکے آصف الدولہ (سنہ ۹۷-۱۷۷۵ع) تخت نشین ہوئے - انھوں نے اپنا دربار لکھنؤ میں منتقل کر دیا - اب لکھنؤ ہندوستان کا علمی مرکز بن گیا - لکھنؤ کو نئی تہذیب سے بھی جس کی کرنیں کلکتہ سے آہستہ آہستہ پہنچ رہی تھیں تھوڑا بہت مس تھا - ہمارے پاس کوئی وجہ نہیں جس کی بنا پر ہم کہہ سکیں کہ سودا ایسے سخت قدامت پسند پر نئی تہذیب کا کچھ اثر ہوا تھا یا نہیں - وہ سنہ ۱۷۸۰ع میں اس جہان فانی سے کوچ کر گئے ، اور انھوں نے انگریزی گورنر جنرل کا لکھنؤ میں آنا بھی نہ دیکھا -

ہندوستان میں مایوسی کا نظارہ

" شہر آشوب " کے چند مندرجہ ذیل اشعار ظاہر کرتے ہیں کہ ہندوستان پر مایوسی کے کس قدر گہرے بادل چھائے ہوئے تھے - شاہنشاہ ہر قسم کی کمزوریوں کا شکار ہے - اس کی فوج میں بدنظمی پھیلی ہوئی ہے - اور اس کے بےجان شہر پر بربادی اور خاموشی طاری ہے :

پڑے جو کام انھیں تب نکل کے کھائی سے
رکھیں وہ فوج جو مڑتی پھرے لڑائی سے
پیادے ہیں سو ڈریں سر منڈاتے نائی سے
سوار گر پڑیں سوتے میں چارپائی سے

کرے جو خواب میں گھوڑا کسی کے نیچے الول

*　　*　　*　　*

سخن جو شہر کی ویرانی سے کروں آغاز
تو اس کو سن کے کریں ہوش چغد کے پرواز
نہیں وہ گھر نہ ہو جس میں شغال کی آواز
کوئی جو شام کو مسجد میں جائے بہر نماز

تو واں چراغ نہیں ہے بجز چراغ غول

*　　*　　*　　*

خراب ہیں وہ عمارات کیا کہوں تجھ پاس
کہ جس کے دیکھے سے جاتی رہے تھی بھوک اور پیاس

اور اب جو دیکھو تو دل ہووے زندگی سے اداس
بجائے گل، چمنوں میں کمر کمر ہے گھاس
کہیں ستون پڑا ہے کہیں پڑے مرغول

* * * *

جہاں آباد، تو کب اس ستم کے قابل تھا؟
مگر کبھو کسی عاشق کا یہ نگر دل تھا
کہ یوں مٹادیا گویا کہ نقش باطل تھا
عجب طرح کا یہ بحر جہاں میں ساحل تھا
کہ جس کی خاک سے لیتی تھی خلق موتی رول

* * * *

بس اب خموش ہو سودا کہ آگے تاب نہیں
وہ دل نہیں کہ اب اس غم سے جو کباب نہیں
کسی کی چشم نہ ہوگی کہ وہ پرآب نہیں
سوائے اس کے تری بات کا جواب نہیں
کہ یہ زمانہ ہے اک طرح کا زیادہ نہ بول

میر تقی میر

میر (سنہ ۱۸۱۰-۱۷۲۴) آگرہ میں پیدا ہوئے، اور سودا سے عمر میں تقریباً گیارہ برس چھوٹے تھے - ان کا مذاق شعر بہت جلد انہیں دہلی لے آیا، اور انہوں نے بھی دوسرے دلی والوں کی طرح قسمت کا مد و جزر دیکھا - لیکن بمقابلہ اوروں کے انہیں یہ مزید دقت پیش آئی کہ ان کا وطن دہلی نہ تھا - سودا کی بہ نسبت ان میں نیک نفسی زیادہ تھی، اور مذہب کی طرف بھی ان کا رجحان زیادہ تھا - دہلی کی خستہ حالت کو سودا کی طرح میر نے بھی بیان کیا ہے - ان دونوں کے بیانات کا موازنہ کرنا دلچسپ ہوگا - میر بھی سودا کی طرح مایوسی کا شکار ہیں، مگر ان کے قلم سے ترشی کی نسبت درد زیادہ ٹپکتا ہے - وہ سادگی زیادہ پسند کرتے ہیں اور ان کے کلام میں تصنع کم ہوتا ہے - لیکن پھر بھی وہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ اس محبوب شہر میں تسکین قلب نہیں پاتے - ان کی درد انگیز حالت اس سادہ مصرعہ سے ظاہر ہورہی ہے:

ایسی صحبت میں ہم نہ ہوتے کاش!

لکھنؤ کا تصنع

سنہ ۱۷۸۲ع کے قریب سودا کی موت کے بعد (سنہ ۱۷۸۰ع) اور وارن ہیسٹنگز کے لکھنؤ آنے سے پہلے (سنہ ۱۷۸۴ع) وہ آصف الدولہ کی دعوت پر لکھنؤ چلے آئے - وہ تنہائی پسند تھے - نہ تو وہ درباروں کی حاضری کی پروا کرتے تھے، اور نہ خوشامد سے انعام و اکرام پانے کی کوشش ہی کرتے تھے - انہوں نے لکھنؤ میں انگریزوں کے اثر کو ضرور دیکھا ہوگا، گو وہ خود اس قدر عمر رسیدہ ہو چکے تھے کہ ان پر اس کا شاید ہی کچھ اثر ہوا ہو - جب سنہ ۱۸۰۰ع میں کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج کی بنیاد ڈالی گئی، اور یہ کوشش ہوئی کہ اردو زبان کے بہترین ماہروں کو وہاں جمع کیا جائے تو ابتدائی امور کے طے کرنے کے وقت میر کا ذکر بھی کیا گیا - لیکن میر کی عمر اس وقت ۷۶ شمسی سال کی تھی - اس لئے ان کی بجائے ایک نسبتاً کم عمر فاضل، شیرعلی افسوس کو بھیجا گیا - یہ ہرگز قرین قیاس نہیں کہ میر کلکتہ میں خوش رہتے - اردو زبان کے ایک مشہور ماہر کے لئے کلکتہ کی بود و باش ناقابل برداشت جلاوطنی تھی - دهلی سے لکھنؤ پہنچ کر بھی میر محسوس کیا کرتے تھے کہ وہ وہاں اجنبی ہیں، حالانکہ دهلی کے اکثر مشاہیر اهل قلم لکھنؤ آچکے تھے - اس ترقی پذیر شہر میں لباس، عادات، اور طرز زندگی وغیرہ دهلی سے سب مختلف تھا - لکھنؤ کا دربار ان آدمیوں کو ایک نو عروج دربار معلوم ہوتا تھا، جس کی روایات ابھی تشنۂ تکمیل تھیں، اگرچہ دولت کے لحاظ سے اسے فوقیت تھی - اردو ادب کی جو نئی شاہراہ قائم ہو رہی تھی اس میں تصنع اور بناوٹ کا بہت سا حصہ تھا - یہ تصنع دربار کے آداب و قواعد اور فن تعمیر میں بھی ظاہر ہوتا ہے - دهلی کے استاد یہاں معزز مہمانوں کی طرح رہتے تھے، مگر انہوں نے کوئی نئی طرح نہ ڈالی - ان کے خیالات اور طریقے ایک ایسے دور کے ساتھ وابستہ تھے جو قریب ختم تھا، اور جس کے دوبارہ زندہ ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی تھی -

میر کے درد ناک نالے

ان کے وہ اشعار جن میں انہوں نے اهل لکھنؤ (ساکنان مشرق) کو مخاطب کیا ہے بہت مشہور ہیں :

کیا بود و باش پوچھو ہو پورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے

دلی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کردیا
ہم رہنے والے ہیں اسی اجڑے دیار کے

دہلی کی زوال پذیر تہذیب

اس طنز کی تہ میں یہ نظر آتا ہے کہ نواب وزیر کے مدعو کئے ہوئے دہلی کے استادوں اور لکھنؤ کے ترقی پذیر نوجوانوں میں کچھ زیادہ اُنس نہ تھا - دہلی والوں کے صبر کا پیالہ لبریز ہو چکا تھا - انہوں نے جان لیا کہ جب انہوں نے دہلی میں اپنا روحانی گھر کھودیا تو ان کے لئے دنیا میں اور کوئی گھر نہ رہا - نئے دستور کے ساتھ نئے آدمی پیدا ہونگے ' لیکن ان پرانے زمانے کے بوڑھوں کے لئے انقلاب پذیر دنیا پر جس کا رخ سمجھنا محال تھا نئی امیدیں قائم کرنا ایک سعی لاحاصل تھا - میر ان تمام باتوں کے باوجود خود مختار رہے - ان کے اشعار درد ناک مگر شیریں ہیں ' سادہ ہیں مگر پرجوش ' اور ان میں کسی قدر توکل کی بو پائی جاتی ہے - بہر حال سودا کے دل آزار تمسخر سے جو وہ بالکل مختلف خصوصیات ' یعنی خود غرضی اور خود پسندی پر مبنی تھا ' مبرا ہیں - میر کے مندرجہ ذیل اشعار جو ضرب المثل بن گئے ہیں اُن کے جذبات کی اور دہلی کی مٹتی ہوئی تہذیب کی روح ہیں :

ابتدائے عشق ہے روتا ہے کیا — آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا
قافلے میں صبح کے اک شور ہے — یعنی غافل ہم چلے سوتا ہے کیا
سبز ہوتی ہی نہیں یہ سر زمیں — تخم خواہش دل میں تو بوتا ہے کیا
یہ نشان عشق ہیں جاتے نہیں — داغ چھاتی کے عبث دھوتا ہے کیا

ہندو مسلم اتحاد اور رواداری

میر نے ایک نہایت مختصر مگر قیمتی خود نوشت سوانحعمری یادگار چھوڑی ہے - اُس میں انہوں نے ضمناً اپنے زمانے کے حالات لکھے ہیں - یہ سوانحعمری تھوڑی مدت ہوئی مولوی عبدالحق ' سکریٹری ' انجمن ترقی اُردو ' اورنگ آباد ' نے مرتب کی ہے ' اور اس کے ساتھ ایک ناقدانہ مقدمہ بھی لکھا ہے - یہ بات خاص طور پر قابل غور ہے کہ میر کو اپنی رنگا رنگ

زندگی میں ہندو مسلم سوال موجودہ صورت میں نظر نہ آیا - فارسی زبان میں تاریخ لکھنے والوں میں سے بہت سے نام ہندوؤں کے نظر آتے ہیں جیسا کہ سر ہنری ایلیئٹ [۱] کی کتاب '' ہندوستانی مورخین '' کی آٹھویں جلد سے پایا جاتا ہے - ہندو مسلمان مورخین کی طرح واقعات بیان کرتے ہیں - اور اُس زمانے کے حالات اور مذہبی امور کا ذکر کرتے ہوئے بھی ایسے ہی الفاظ استعمال کرتے ہیں جیسے مسلمان مورخین کی تصانیف میں پائے جاتے ہیں -

جب ہم ہندوستان کی فارسی تصانیف کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دونوں قوموں کی ذہنیت میں بھی چنداں فرق نہیں دیکھتے - دیگر معاملات میں بھی '' ذکر میر '' سے پتا چلتا ہے کہ ان کے تعلقات مذہب پر نہیں بلکہ اور چیزوں کی بنا پر قائم تھے -

'' مذہبی تعصب سے اُن کے سینے پاک تھے ''

ذکر میر میں جہاں اُس زمانے کی معاشرت اور حکومت کے بہت سے واقعات ملتے ہیں وہاں ایک یہ بات بھی صاف نظر آتی ہے کہ اُس زمانے میں ہندو مسلم سوال نابود تھا - اُس سے بدتر کونسا زمانہ ہوگا جب کے ملک میں ہر طرف خود غرضی ، خانہ جنگی ، لوٹ مار کی وبا پھیلی ہوئی تھی ، اور زوال اور انحطاط کا انتہائی وقت آگیا تھا ، تاہم ہندو مسلمانوں کے باہمی تعلقات بھائیوں جیسے تھے - وہ لڑتے بھی تھے ، ملتے بھی تھے ، مگر اس دوستی و محبت اور لڑائی بھڑائی میں مذہب و ملت کو کوئی دخل نہ تھا - یہ آفت ان دونوں قوموں کی مشترکہ بدبختی کے زمانے میں پیدا ہوئی ہے - اس کا انجام سب سمجھے ہوئے ہیں مگر اپنے وہم خود داری کے ہاتھوں لاچار ہیں - خود میر صاحب کئی راجاؤں کے متوسل تھے - اُن کی مروت اور انسانیت کا ذکر کس محبت اور عزت سے کرتے ہیں : '' راجہ ناگرمل کی شرافت اور وضع‌داری دیکھئے ، جاٹوں کی چیرہ دستی اور مردم آزاری سے آزردہ ہوکر دلیرانہ قلعہ چھوڑ باہر نکل کر جاتے ہیں ، تو اپنے ساتھ بیس ہزار گھروں کو جو انہیں کے وجہ سے آباد تھے ، اور اکثر ان کے متوسل تھے ، اور جن میں

Sir Henry Elliot—[۱]

ہندو مسلمان سب شامل تھے' ساتھ لے کر جاتے ہیں ...... اگرچہ ملک کی حالت بہت خراب ' خستہ اور ابتر تھی ' عام و خاص ' نواب اور راجہ سب خود غرضی میں مبتلا اور ناعاقبت اندیشی میں گرفتار تھے ' مگر پرانی وضعداریاں برابر چلی جارہی تھیں - بزم ہو یا رزم ' غم ہو یا شادی ' معاملات ہوں یا مطالبات ' ان میں وہ تنگ دلی اور تعصب نہ تھا جس کا جلوہ ہمیں آج کل نظر آتا ہے - بد اخلاقی اُن میں بھی تھی ' بد معاملگی اُس وقت بھی تھی ' غداری اور بے وفائی سے وہ زمانہ خالی نہ تھا مگر سب سے بڑا عیب جسے مذہبی تعصب کہتے ہیں ' اُس سے اُن کے سینے پاک تھے '' -

ایک انگریز مصنف کی شہادت

ہم اُسی زمانے کے ایک انگریز کی تحریر بطور شہادت پیش کرسکتے ہیں - ان کا نام جیمز فاربس تھا [۱] - وہ ایک عالم اور فاضل منتظم تھے ' اور ممتاز شخصیت رکھتے تھے - وہ ہندوستان میں سترہ سال ایک اعلیٰ عہدہ پر فائز رہے - بھڑوچ کے متعلق سنہ ۱۷۷۸ع میں لکھتے ہوئے حیرانی کا اظہار کرتے ہیں کہ وہاں ہندو مسلمانوں میں کوئی تفریق نہیں ' گو یہ عجیب بات تھی کہ پارسیوں میں جو اُس شہر میں کافی تعداد میں رہتے تھے انہیں تفرقہ نظر آیا - وہ اپنی کتاب مرسومہ '' مشرقی سوانح '' میں لکھتے ہیں کہ '' با ایں ہمہ سنہ ۱۷۷۸ع اور اس کے بعد کے حکمرانوں کے عہد میں خواہ ہندو مسلمانوں میں کچھ عداوت پائی جاتی ہو ' مگر یہ یقینی امر ہے کہ اب ان دونوں مذاہب کے پیرو ایک دوسرے کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھنے کے عادی ہوگئے ہیں - '' دو اس قدر مختلف مذہبی اصولوں کے ماننے والوں میں اتنی رواداری کی مثال یہاں کے سوا اور کہیں ملنی بہت مشکل ہے '' -

---

[۱]—James Forbes

دوسرا حصہ

دو تمدنوں کا باہمی تقرب
سنہ ۱۷۷۳ع تا سنہ ۱۸۱۸ع

دوسرا باب : انگریزوں نے اپنے ابتدائی دور میں ہندوستانی تمدن کے ارتقا میں کیا حصہ لیا ؟

تیسرا باب : آداب معاشرت ، اخلاق اور فنون لطیفہ ۔

چوتھا باب : علم ، تعلیم ، اخبارنویسی اور علم ادب ۔

دوسرا باب

انگریزوں نے اپنے ابتدائی دور میں ہندوستانی تمدن کے ارتقا میں کیا حصہ لیا ؟

ہندوستان کی قدیم اور مستند زبانوں کا انحطاط

سنہ ۱۷۷۳ع سے سنہ ۱۸۱۸ع تک وہ زمانہ ھے جب کے سیاسی پہلو سے ہندوستان میں انگریزی سلطنت کی بنیاد مستحکم ہوگئی اور تمام ملک پر اس کی فضیلت اور برتری کا علم لہرانے لگا - اس دور میں اس کے مفاد زیادہ تر سیاسی تھے اور ان مفاد کا خاص پہلو یہ تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مقبوضات بڑھائے جائیں - لیکن اسی کے ساتھ اس زمانے میں تمدنی پہلو سے نہایت اہم انقلابات رونما ہوئے - نئے حالات نے ہندوؤں اور مسلمانوں میں ایک جدید قسم کا اختلاف پیدا کردیا ـ اس زمانے نے دونوں قوموں کی توجہ کو ان کی قدیم اور مستند روایات سے پھیر دیا - ان روایات پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالنے سے واضح ہوتا ھے کہ دونوں قوموں میں باہمی اتحاد و اتفاق کس قدر پیدا ہوگیا تھا ' اور دونوں قوموں کے درمیان سات صدیوں کے ملاپ اور تصادم میں معاملات کے تصفیہ تک باہمی مفاہمت کی صورت بھی پیدا ہوگئی تھی - اس تغیر نے ہندوستان کی سوسائٹی میں ان ممتاز لوگوں کی حیثیت کم کردی جو پرانی وضع اور قدیم روایات کے پابند تھے ' اور اقتصادی اور تمدنی پہلو سے نئی جماعتوں کے ان افراد کا حوصلہ بڑھا دیا جن میں انگریزی اثر کو قبول کرنے اور برطانوی تجاویز کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کا مادہ زیادہ نظر آیا -

مختلف زبانوں میں ہندوستان کی عام زبان

ہندوستان کی دیسی زبانوں نے بتدریج ایک ادبی حیثیت اختیار کرلی اور لوگوں میں تفریق کی ایک ایسی حد فاصل قائم کردی جس کا ہندوستان کے ہندوؤں یا مسلمانوں کو اس درجہ تک کبھی پہلے تجربہ نہ ہوا تھا - آٹھویں صدی عیسوی میں شنکرا اچاریہ کو ہندوستان کے شمالی جنوبی ' مشرقی اور مغربی حصوں میں سیاحت کرنے میں زبان کے اعتبار سے کوئی دقت پیش نہ آئی - انھوں نے اپنی فلسفیانہ تعلیم کے چار مرکز قائم کئے ' شمال میں بمقام بدری ناتھ (ہمالیہ) ' جنوب میں سرینگری (موجودہ ریاست میسور) ' مشرق میں پری اور مغرب میں دوارکا - چودھویں صدی عیسوی میں خواجہ بندہ نواز گیسو دراز اسلام کے ایک مشہور ولی گزرے ہیں - آپ بمقام دہلی پیدا ہوئے تھے - جب سن شعور کو پہنچے تو آپ نے سیاحت شروع کی اور تمام ملک میں اپنے پند و وعظ سے لوگوں کی رہنمائی کی - آپ کا مزار گلبرگہ میں ہے جو اس زمانے میں اعلیٰ حضرت حضور نظام کی قلمرو کا ایک صوبہ ہے - مغلوں کے زمانے میں فارسی زبان ہر ادیب و عالم کی زبان تھی اور اس وجہ سے ملک کے طول و عرض میں ہر سیاح کے لئے یہ زبان مفید ثابت ہوتی تھی - خواہ وہ مسلمان ہو یا ایسا ہندو جس پر اسلامی تمدن کا اثر پڑ چکا ہو - اس جدید دور میں لین دین اور کاروبار میں دیسی زبانیں اظہار خیالات کا ذریعہ بننے لگیں - ان زبانوں کی جدید نشو و نما نے رفتہ رفتہ ان قدیم اور مستند زبانوں کو جو عالمگیر شہرت رکھتی تھیں علما کی ایک خاص جماعت تک محدود کر دیا - اور لسانی تقسیم کا اثر غور و فکر کرنے والی جماعتوں میں نمایاں طور پر نظر آنے لگا - یہ عمل کئی پہلوؤں سے یورپ کی چودھویں ' پندرھویں اور سولھویں صدی عیسوی کے واقعات سے ملتا جلتا ہے - ان صدیوں میں لاطینی زبان رفتہ رفتہ کمزور ہوتی گئی اور یورپ کی موجودہ دیسی زبانیں عروج پکڑتی گئیں - ایک زمانہ تھا کہ یورپ میں ایسے لوگ موجود تھے جو ایک عالمگیر سلطنت یا عالمگیر کلیسا کا خواب دیکھا کرتے تھے ' لیکن مذکورہ بالا عمل کی بدولت یورپ کی قوموں میں اختلاف پیدا ہوگیا - مگر ہندوستان میں اس عمل نے ایک نئی صورت اختیار کی - گو ہندوستان کی بہت سی دیسی زبانوں نے ترقی اور

طاقت کے مدارج طے کر لئے ہیں لیکن وہ انگریزی کا جو نئے حکمرانوں کی زبان ہے مقابلہ نہ کرسکیں - ہم پانچویں باب میں انگریزی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے پھر اس بحث کو چھیڑیں گے - مگر اس امر کا اظہار بیجا نہ ہوگا کہ ہندوستان میں تعلیم‌یافتہ لوگوں کے لئے عام زبان کا مسئلہ ایسا نہیں ہے جو صرف نصب‌العین یا آرزو ہی تک محدود رہا ہے - بلکہ یہ ہمیشہ ایک زندہ حقیقت کی حیثیت رکھتا ہے - سنسکرت' فارسی' ہندوستانی (ایک حد تک) اور اب انگریزی اس حقیقت کی شاہد ہیں -

روشن خیال آدمی جو یورپ سے ہندوستان آئے

سنہ ۱۷۷۴ع سے پہلے ہندوستان میں ایسے روشن خیال انگریز نہیں آئے جن کا اقتدار اس ملک میں مؤثر ہوتا - گو یہ صحیح ہے کہ سنہ ۱۶۱۵—۱۸ع میں سر تامس رو [۱] شہنشاہ جہانگیر کے دربار میں جیمس اول [۲] شاہ انگلستان کے سفیر کی حیثیت سے آئے - سر تامس رو کو آکسفورڈ کی تعلیم و تربیت کے اعلیٰ ترین ثمرات حاصل تھے اور پارلیمنٹ کے ممبر کی حیثیت سے انہیں خاص وقار بھی حاصل تھا لیکن اُن کی اور اُن کے چپلن ریورنٹ ایڈورڈ ٹیری [۳] کی شان سیاحوں یا اُن کلرکوں اور تاجروں سے بالکل جداگانہ تھی جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفتروں اور گوداموں میں کام کرتے تھے - سر تامس رو اور ریورنٹ ایڈورڈ ٹیری ہندوستان میں صرف تین سال رہے - یورپ کی دوسری قوموں نے بھی ہندوستان میں بعض اعلیٰ درجے کے روشن خیال آدمی بھیجے - پرتگیزوں نے اپنے مذہبی پیشوا بھیجے جو جیسوئٹ [۴] فرقے سے تعلق رکھتے تھے - گوا میں ان کی مستقل اقامت تھی - فرانسیسیوں نے اپنے فلاسفر فرانسوا برنیر [۵] کو بھیجا جو مانٹ پلر [۶] یونیورسٹی کے فن طب کے ڈاکٹر اور مشہور فلاسفر گسانڈی [۷] کے شاگرد تھے -

Sir Thomas Roe—[۱]
James I—[۲]
Chaplain the Rev. Edward Terry—[۳]
Jesuit—[۴]
Francois Bernier—[۵]
Montpellier—[۶]
Gassendi—[۷]

وہ سنہ ۱۶۵۹ع سے پانچ یا چھ سال تک دہلی میں رہا - برنیر نے شہنشاہ اورنگ‌زیب کے دربار کے امرا سے فارسی علم ادب اور مشہور فرانسیسی فلاسفر ڈیکارٹ [۱] کے ادبی کارناموں پر اور ہندو پنڈتوں سے ہندوؤں کے علم اور ان کے مذہب اور ادارات پر تبادلہ خیالات کیا - سنہ ۱۷۰۶ع میں اہل ڈنمارک نے ٹرینکوبے بار (جنوبی ہندوستان) میں پراٹسٹنٹ[۲] فرقے کے پہلے مشنری بھیجے - انھوں نے جنوبی ہند کی تہذیب و تمدن میں دلچسپی لی اور اس کی چھان بین اور تحقیقات میں عملی حصہ لیا - ڈاکٹر فرائر [۳] اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے دوسرے سرجن اور رابرٹ اورم [۴] ان اولوالعزم لوگوں کی فہرست سے مستثنیٰ نہیں ہیں - رابرٹ اورم سنہ ۱۷۲۸ع میں بمقام مالا بار پیدا ہوئے - وہ کمپنی کے ایک سرجن کے بیٹے تھے - اول‌الذکر یعنی سرجن صاحبان زیادہ تر اپنے پیشے کے فرائض میں دلچسپی لیتے تھے اور موخرالذکر (اورم) کو ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے مقابلے میں تاریخ کے واقعات حاضر سے زیادہ دلچسپی تھی -

برطانیہ کے روشن خیال افراد : وارن ہسٹنگز

ریگولیٹنگ ایکٹ [۵] (سنہ ۱۷۷۳ع) کے نفاذ سے جس جدید دور کا آغاز ہوا اُس میں ایسے اشخاص برسر اقتدار ہوئے جنھیں ہندوستان کی تہذیب و تمدن کے حالات و واقعات پر غائر نظر ڈالنے کے لئے فطری میلان اور استعداد کے علاوہ ایسا صحیح دماغ بھی عطا ہوا تھا جو نئی چیزوں کی جستجو میں سرگرم رہتا تھا - ان اشخاص میں اولیت کا سہرا وارن ہیسٹنگز [۶] کے سر ہے ان کی تعلیم وسٹ منسٹر [۷] کی مشہور درسگاہ میں ہوئی تھی - مدرسے میں اُن کے ہم عصر بہت سے لوگ تھے جو بعد میں مشہور ہوئے - ان میں حسب ذیل اشخاص خاص طور پر قابل ذکر ہیں :

Descartes—[۱]
Protestant—[۲]
Fryer—[۳]
Robert Orme—[۴]
Regulating Act—[۵]
Warren Hastings—[۶]
Westminster—[۷]

ارل آف شلبرن [۱] جن کو بعد میں مارکوئس آف لینڈاون [۲] (اول) کا خطاب ملا - سنہ ۱۷۸۲ع میں وہ انگلستان کے وزیر اعظم ہوئے -

شاعر کاوپر [۳] ایک شریف‌النفس شخص بنی نوع انسان کا ہمدرد اور غلاموں اور مظلوموں کا حامی تھا -

چرچل [۴] جو اپنی غیر معمولی قابلیت کے بدولت دیکھتے دیکھتے فلاکت سے رفعت و عظمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا اور جو ہجوگوئی کے فن میں غیر معمولی شہرت رکھتا تھا - چرچل نے اٹھارھویں صدی کے آخری نصف حصہ میں اخلاق اور عادات و اطوار ' سیاسیات اور اخبار نویسی کے لحاظ سے انگریزی قوم کی زندگی کے مختلف رنگ دکھائے ہیں ' اور یہ وہ رنگ ہیں جن کا ہندوستان میں اس زمانے کی انگریزی سوسائٹی پر ایک زبردست اور نفرت انگیز اثر پڑا ہے -

سر الائجا امپی [۵] جو ہندوستان میں سپریم کورٹ کے پہلے چیف جسٹس تھے - وارن ہیسٹنگز سے اس شخص کے گہرے دوستانہ مراسم تھے جو زندگی بھر تک قائم رہے - یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ وارن ہیسٹنگز کے عہد میں نندکمار پر مقدمہ چلایا گیا اور سر الائجا امپی نے اسے پھانسی کی سزا دی - اگرچہ انگلستان کے قانون‌دانوں نے قانونی اصطلاح کی بنا پر سر الائجا امپی کو حق بجانب قرار دیا ہے لیکن جہاں تک ہندوستان میں انگریزی انصاف کی پہلی مثال قائم کرنے کا سوال ہے یہ فیصلہ برطانوی قوم کے دامن سیرت پر ایک بدنما داغ ہے - ہیسٹنگز نے پبلک اسکول سے فارغ‌التحصیل ہوکر ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت اختیار کرلی - بنگال اور مدراس میں انہوں نے محنت اور استقلال کے ساتھہ ہندوستانی زندگی اور اس کے کاروبار کے تمام تفصیلی پہلوؤں کے متعلق واقفیت حاصل کی - جب وہ رخصت پر انگلستان گئے تو انہوں نے ڈاکٹر سیموئل جانسن [۶]

[۱]—Earl of Shelburne
[۲]—Marquess Lansdowne
[۳]—Cowper
[۴]—Churchill
[۵]—Sir Elijah Impey
[۶]—Dr. Samuel Johnson

سے جو لندن کے ادبی حلقوں میں ایک نہایت ممتاز حیثیت رکھتے تھے اور لارڈ مینسفیلڈ [۱] سے ذاتی مراسم پیدا کئے - آخرالذکر نے دنیا کے مختلف قوانین کا محاکمہ اور موازنہ کرنے کے بعد انگلستان کے قانون میں بہت سے جدید اصول کا اضافہ کیا اور اپنے فیصلوں میں انگلستان کے تجارتی قانون کو ایک خاص اصول کے مطابق مرتب کرکے انگریزی قانون کو دنیا کے بین الاقوامی قوانین کی فہرست میں سب سے بہتر بناکر پیش کیا - وارن ہیسٹنگز نے سر جوشوا رینالڈس [۲] سے بھی دوستانہ تعلقات قائم کئے جو لندن کی مہذب اور روشن خیال سوسائٹی کے سر کردہ ہونے کے علاوہ ایک ایسے بامذاق اور جدت پسند آدمی تھے کہ اس وقت تمام اعلی طبقے کے لوگ ان سے تصویر کھنچوانا فیشن سمجھتے تھے - یہ دوستی جو ہندوستان میں وارن ہسٹنگز کے گورنر جنرل مقرر ہونے سے پہلے قائم ہوچکی تھی اس وقت بھی رہی جب وہ گورنر جنرل تھے اور اس میں اس وقت بھی فرق نہ آیا جب وہ اس عہدہ سے سبکدوش ہوگئے -

ہندوستان کی تہذیب و تمدن کی تحقیق کے لئے ہیسٹنگز کی سرگرمیاں

ہندوستان میں ہیسٹنگز کے ابتدائی میل جول اور بعدازاں دوستانہ مراسم کا یہاں کے تہذیب و تمدن کے ان ابتدائی مدارج پر بہت بڑا اثر پڑا ہے جو برٹش انڈیا (برطانوی ہند) میں رونما ہوئے- چونکہ انہیں ہندوستانیوں کے جذبات و حسیات سے ہمدردی تھی اور اہل مشرق کے افکار و خیالات سے ایک طرح کا انس تھا اس لئے وہ مشرقی علوم کے سرپرست بن گئے - وہ مسلمانوں کے ان علوم و فنون کے جو ہندوستانیوں میں مروج تھے ایسے گرویدہ ہوگئے کہ اُن کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ فارسی زبان کی تعلیم اکسفورڈ [۳] یونیورسٹی میں انگریزوں کی وسیع تعلیم کا جزو قرار دی جائے - فنون لطیفہ اور مغربی زندگی کی لطافتوں میں اُن کے مذاق کا یہ نتیجہ نکلا کہ مغرب کے بعض اعلی درجہ کے مصور ہندوستان پہنچ گئے - اور انہوں نے اعلی مصوری کے نمونے دکھائے - انہیں ہندوؤں اور مسلمانوں کے ان قوانین سے جو ہندوستان

---

[۱]—Lord Mansfield

[۲]—Sir Joshua Reynolds

[۳]—دیکھو میکالے کے مضامین Essays (وارن ہیسٹنگز) لندن سنہ ۱۸۵۲ع صفحہ ۵۹۳ -

میں مروج تھے دلچسپی تھی جسے غیر معمولی انہماک سے تعبیر کیا جاسکتا ہے - اسی انہماک پر مغرب کے علما اور فضلا نے ہندوؤں اور مسلمانوں کے قوانین کی اس تحقیق پر ترتیب اور جدید شرح کی عمارت کھڑی کی جن کی بدولت ہمارے اصول قوانین قدیم محاوروں اور جملوں کی پابندی سے کسی قدر آزاد ہوگئے ہیں ' مگر یہ کہنا بھی صحیح ہے کہ جو شدید اور غیر متبدل نظام اس وقت قائم ہوا اس پر گذشتہ دو صدیوں کے تغیر پذیر حالات کا کچھ اثر نہ پڑا - اور اس لئے اس نظام کی ترقی رک گئی - اب ہم علم ' فن اور قانون تینوں پر ایک غائر نظر ڈالتے ہیں -

ان امور کا اثر ہندوستانی طبائع پر

وارن ہیسٹنگز کی حکومت کے زمانے میں مشرقی زبانوں کی کئی کتابیں ان کے نام پر معنون کی گئیں - یہ کتابیں زیادہ تر فارسی یا سنسکرت زبان میں تھیں - کیونکہ ہندوستان کی دیسی زبانوں میں ابھی تک نثر نے ایک ترقی یافتہ لٹریچر کی صورت اختیار نہیں کی تھی - ان میں سے بعض کتابوں کے مطالعے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کس طرح مشرقی طبائع پر پہلے ہی جدید اثر کا عمل شروع ہوگیا تھا ' مثلاً " سیرالمتاخرین " میں جو سید غلام حسین خاں طباطبائی نے سنہ ۱۷۸۳ ع میں لکھی ہے اس زمانے کے تاریخی واقعات کو دوستانہ مگر آزاد تنقید کے رنگ میں قلم بند کیا ہے - یہ کتاب اگر ایک طرف مصنف کے لئے موجب ستائش ہے تو دوسری طرف ہیسٹنگز کے لئے باعث عزت ہے جس کے لئے یہ لکھی گئی - مصنف نے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے ابتدائی دور میں بنگال کی آبادی اور مالیہ کی کمی کے اسباب پر بحث کی ہے - ان واقعات پر ان کا تبصرہ اس قدر دلچسپ ہے کہ ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کا ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں -

غلام حسین خاں کی تنقید

جب انگریزوں نے ہندوستان میں اول اول اقتدار حاصل کیا تو انہیں اپنے خلاف نسلی منافرت کے آثار مطلق نظر نہ آئے - اس کے برعکس بقول غلام حسین خاں نظام حکومت میں ان کی ابتدائی ناکامی کا ایک سبب وہ نسلی منافرت تھی جو انگریزوں کی طرف سے ہندوستانیوں کے متعلق ظہور

میں آئی - سید صاحب کی اس شکایت کی تصدیق ان گستاخانہ فقروں سے پائی جاتی ہے جو اس زمانے کے بہت سے انگریزوں کی تحریروں میں ہمارے ادارات، ہمارے اخلاق، ہماری رسم و رواج اور خود ہماری سیرت کے متعلق درج ہیں - سید صاحب نے لکھا ہے کہ نئے حکمران ہندوستان کے قدیم دستور رسم و رواج، اور اس کے ادارات کی حقیقت سے اس قدر بےخبر تھے کہ انہوں نے سرکاری عہدوں پر ہندوستانیوں کے تقرر کے وقت اہمیت اور قابلیت کا کوئی لحاظ نہ کیا - نتیجہ یہ ہوا کہ یہی لوگ انگریزوں کے نظام حکومت کی بدنامی کا باعث ہوئے - مثلاً انگریزوں کی حکومت سے پہلے شریعت اسلامی کے رو سے یہ ضروری تھا کہ جو مسلمان عہدہ قضا پر مامور کئے جائیں وہ علم و فضل اور وقار کے اعتبار سے ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہوں - ہیسٹنگز کے زمانے میں عہدے اجارے پر دئے جاتے تھے اور اس طرح اجارہ در اجارہ کا سلسلہ جاری تھا - غرض کہ عہدے محض روپیہ سمیٹنے اور مالدار بننے کا ذریعہ بن گئے - پہلے عہدہداروں کو ان کی خدمات کا معاوضہ تنخواہ اور جاگیر کی صورت میں دیا جاتا تھا مگر اب اہل مقدمہ سے جنس لی جاتی تھی - پہلے عدالت کا ایک افسر ہوتا تھا جسے داروغہ عدالت کہتے تھے جو ان غریب اور بے سروساماں لوگوں کی دست گیری کرتا تھا جو شہنشاہ اور اس کے وزرا تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے تھے - داروغہ عدالت طلوع آفتاب سے لے کر تین بجے سہ پہر تک اپنے فرائض منصبی انجام دیتا تھا - اگر کسی مقدمہ کا فیصلہ فریقین کی باہمی رضامندی سے نہیں ہوتا تھا تو وہ شہنشاہ یا اس کے وزرا کے لئے جن کے دربار ہفتہ میں دو مرتبہ ہوتے تھے " صورت حال " مرتب کرتا تھا - جدید حالات میں جو آدمی داروغہ اور فوجدار کے عہدوں پر مقرر کئے جاتے تھے وہ اس قدر نالائق اور لالچی ہوتے تھے کے سید صاحب " خدا کا شکر " ادا کرتے ہیں کہ یہ عہدے انگریزوں کو منتقل کر دئے گئے - سید صاحب کی رائے میں غیر ملکی حکومتوں کے جدید نظام سے بظاہر ہندوستانی عہدیدار پایۂ اخلاق سے گر گئے -

بارہ عنوان

سید صاحب کی تنقید بارہ عنوانات پر مشتمل ہے جن میں سے دو کا بیان اوپر آچکا ہے باقی دس حسب ذیل ہیں :

(۳) جو عہدے اعتبار اور ذمہ‌داری کے تھے ان میں حد سے زیادہ تبدیلیاں ہوتی تھیں -

(۴) گورنر جنرل کونسل کی کارروائی بہت سست اور طویل ہوتی تھی -

(۵) نئے حکمرانوں نے لوگوں کو باریابی کا موقع دینے اور ان کی شکایات سننے کے لئے باقاعدہ طور پر اوقات مقرر نہیں کئے -

(۶) انہوں نے ملک کی تجارت پر قبضہ کرلیا اور ملک کے باشندوں کی معاش کے لئے کوئی وسیلہ نہ باقی رکھا -

(۷) زمینداروں کو حد سے زیادہ اختیار دئے گئے جنھیں وہ اپنی رعایا اور کاشتکاروں پر سختی کرنے کے لئے استعمال کرتے تھے -

(۸) گورنر جنرل اور اس کی کونسل اپنے دیگر مشاغل کی کثرت کے باعث اس قدر مصروف رہتے تھے کہ وہ لوگوں کی اپیلوں یا شکائتوں کا جلدی فیصلہ نہیں کرسکتے تھے -

(۹) عہدوں پر ترقی پانے کے لئے ملازمت کی قدامت کے اصول پر عمل کیا جاتا تھا جس کی وجہ سے قابلیت اور استعداد کا درجہ گھٹ جاتا تھا - یہ اشارہ بظاہر کمپنی کے اعلیٰ برطانوی افسروں کی طرف تھا -

(۱۰) انگریز نہ صرف اپنے ہم قوموں بلکہ اپنے ادنیٰ ترین متوسلوں کی رعایت کرتے تھے -

(۱۱) کلکتہ کی عدالت عالیہ کے ضابطے کے قواعد سے غریبوں اور ناواقف لوگوں کے مفاد کو نقصان پہنچتا تھا -

(۱۲) جن امور کا تمام لوگوں کے سامنے کھلے دربار میں فیصلہ ہونا چاہئے ان کے متعلق انگریز خانگی طور پر فیصلہ کردیتے تھے -

انگریزوں کی نسبت سید صاحب کے خیالات

اس قسم کی تنقید انگریزوں کے جدید نظام حکومت کے متعلق ایک روشن خیال ہندوستانی کی معاصرانہ رائے کی حقیقت پر روشنی ڈالتی ہے - اس رائے سے نہ تو یہ ظاہر ہوتا ہے کے سید صاحب انگریزوں کے پٹھو تھے اور نہ اس سے تعصب کی جھلک پائی جاتی ہے ' بلکہ ایک صحیح فیصلے پر

پہنچانے کی معقول خواہش نظر آتی ہے - سید صاحب کی رائے سے یقیناً کسی طرح یہ نہیں ظاہر ہوتا کہ وہ جدید حکومت کو عطیہ خداوندی سمجھتے تھے - گو سید صاحب کا عام میلان اسی طرف ہے کہ اس حکومت کو ایک طے شدہ حقیقت کے طور پر قبول کرلیا جائے اور جو کچھ اس میں حسن و قبح ہو اس میں سے بہترین نتیجہ نکالا جائے - اس امر کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ سید صاحب نے کسی جگہ ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان حد فاصل نہیں کھینچی - سید صاحب کے بیان سے ہم یہ نتیجہ نہیں نکال سکتے ہیں کہ بنگال اس زمانے میں ایک متحدہ ملک نہ تھا - ہندوؤں اور مسلمانوں کو آپس میں لڑانے کی کوششیں پہلے بھی کی گئی تھیں اور اس کے بعد بھی اکثر ہوتی رہیں - مگر زیادہ روشن خیال آدمی سید صاحب کے زمانے تک ان معاملات کو بلند نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے -

برطانیہ کے تین عالم

ہیسٹنگز کی شخصیت کا اس کے ہمعصر ہموطنوں پر اس قدر اثر پڑا کہ وہ مشرقی علوم کے مطالعہ کی طرف راغب ہوگئے - اس اثر سے قابل قدر اور عمدہ نتائج برآمد ہوئے - اس ضمن میں ہم جن تین آدمیوں کا علم و فضل کے اعتبار سے ذکر کرتے ہیں ان کے نام ولکنس [۱] ہیلہڈ [۲] اور سر ولیم جونز [۳] تھے - قانون کے متعلق ہمیں ہیلہڈ اور سر ولیم‌جونز کا دوبارہ ذکر کرنا پڑے‌گا گو یہ اعتبار علم و فضل سر ولیم‌جونز کا پایہ دوسرے دونوں آدمیوں سے بہت بلند تھا لیکن بہتر یہی ہے کہ ہم ان کے علمی کارناموں کے بیان کرنے میں اسی سلسلۂ مدارج کا خیال رکھیں جس کے مطابق یہ ہندوستان میں دنیا کے سامنے نظر آئے -

چارلس ولکنس [۴] جو ہندوستان میں طباعت کی ترقی یافتہ صورت کے بانی تھے

مسٹر چارلس ولکنس جن کو بعد میں سر چارلس کا خطاب ملا اور

---

[۱]— Wilkins
[۲]— Halhed
[۳]— Sir William Jones
[۴]— Charles Wilkins

جن کا زمانہ سنہ ۱۷۵۰ء سے سنہ ۱۸۳۶ء تک کا ہے ' سنہ ۱۷۸۶ء میں ہندوستان سے انگلستان واپس چلے گئے - گو مشرقی علوم کی تحقیقات میں اُن کی سرگرمیوں کا سلسلہ ہندوستان سے روانہ ہونے کے بعد نصف صدی تک جاری رہا لیکن انہوں نے اپنے سب سے بڑے کام کی داغ بیل ہندوستان ہی میں ڈالی تھی اور اسی کی بدولت ہندوستان میں برطانوی مستشرقین کے کام کی ترقی کا راستہ صاف ہوگیا - جب وہ ہندوستان پہنچے تو بالکل جوان تھے - غالباً اُن کے آنے کی تاریخ سنہ ۱۷۶۸ء کے قریب ہوگی - اُس وقت وہ مشرقی یا مغربی علوم میں زیادہ ماہر نہ تھے - انہوں نے مالوہ کی فیکٹری (تجارتی کارخانہ) میں فارسی زبان سیکھی - جو اُس وقت درباری زبان تھی - بنگلہ میں بھی دسترس حاصل کی - جو بنگال میں عام لوگوں کی زبان ہے - اس کے بعد سنسکرت کا مطالعہ کیا - فارسی اور ہندوستانی بنگلہ اور سنسکرت اس وقت عام طور پر ایسی زبانیں تھیں جنھیں ایسٹ انڈیا کمپنی کے علم دوست عہدیدار حاصل کرنا ضروری سمجھتے تھے -

ولکنس ہندوستان میں فن طباعت کی ترقی یافتہ صورت کے بانی تھے - کیونکہ انہوں نے فارسی اور بنگلہ زبانوں کے حروف کے ٹائپ تیار کرکے سانچے میں ڈھالے - یہ غالباً سنہ ۱۷۷۸ء سے پہلے کا واقعہ ہوگا کیونکہ ہیلہد کی " سنسکرت گرامر " اس سال اسی ٹائپ میں بمقام ہگلی چھاپی گئی - ہیلہد اپنے دیباچہ میں لکھتے ہیں -

" مسٹر ولکنس جنھیں بنگال میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی سول سروس میں کام کرتے کئی سال گزر چکے ہیں ایک علم دوست شخص ہیں جنھوں نے گورنر جنرل (وارن ہیسٹنگز) کے مشورہ بلکہ فرمائش سے بنگلہ حروف کا سٹ تیار کرنے کا بیڑہ اٹھایا - انہوں نے یہ کام پایۂ تکمیل تک پہنچایا جس میں انھیں توقع سے زیادہ کامیابی ہوئی - ایک ایسے ملک میں جو اُس وقت یوروپین صناعوں سے اس قدر بے تعلق رہا ہو - مسٹر ولکنس کو ان تمام مختلف' کاموں کا بار خود اٹھانا پڑا جن کا تعلق دھات کے گلانے اور صاف کرنے ' کھودنے ' ڈھالنے اور چھاپنے سے ہے - قابل ذکر امر یہ ہے کہ مسٹر ولکنس نے صرف ایجاد ہی کا کام نہیں کیا بلکہ اس کی تکمیل خود اپنے ہاتھ سے کی - وہ اس معاملہ میں ایسی عجلت سے جو یورپ میں نہیں

پائی جاتی ان تمام رکاوٹوں اور دقتوں پر غالب آئے جو لازمی طور پر ایک مشکل فن کے ابتدائی مراحل کے سدراہ ہوتی ہیں - اس کے علاوہ مسٹر ولکنس کو اپنے اس تجربے میں اکیلے ہونے کے باعث دقت پیش آئی - اس طور پر انھوں نے تن تنہا پہلے ہی کوشش میں اپنے کام کو ایک مکمل حالت میں پیش کیا - اسی تکمیل کے لئے دنیا کے ہر حصے میں دو باتوں کی اشد ضرورت ہوتی ہے یعنی مختلف موجدوں کی مشترکہ کوششیں ہوں اور متعدد زمانے کی تدریجی اصلاحات ہوں -

فارسی اُردو ٹائپ

ولکنس کا فارسی ٹائپ ' فارسی اور اُردو زبان کے اس ٹائپ کا پہلا نمونہ تھا جو ہندوستان میں اٹھارھویں صدی کے اختتام اور اُنیسویں صدی کے آغاز میں دور اول میں استعمال کیا گیا - یہ امر پیش نظر رکھنا چاہئے کہ ان زبانوں کے لئے ٹائپ کی چھپائی کا سلسلہ لیتھو کی چھپائی سے پہلے شروع ہوگیا تھا - یہی ٹائپ یا ایسے ٹائپ جو بعد میں اس کے نمونے پر بنائے گئے کئی سال تک کلکتہ اور بنگال میں استعمال ہوتے رہے - نہ صرف سرکاری قوانین اور ضوابط اس ٹائپ میں چھاپے گئے بلکہ کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج (قائم شدہ سنہ ۱۸۰۰ع) اور انگلستان کے ' ہیلی بری کالج (قائم شدہ ۱۸۰۵ع) کی کتابیں بھی اسی ٹائپ سے چھاپی گئیں ' نیز تقریباً سنہ ۱۸۲۰ع سے سنہ ۱۸۳۷ع تک کے زمانے میں جو مطبوعات کا ذخیرہ اُردو زبان میں اس فرقہ کا چھپا جس کو وہابی کہتے ہیں وہ بھی اس ٹائپ میں شائع ہوا - اس فرقے کے بانی سید احمد صاحب بریلوی اور مولوی کرامت علی صاحب تھے لیکن مسلمانوں نے چھپائی کے فن میں سہولت کے بجائے خوشنویسی کو زیادہ پسند کیا ' اور ٹائپ کی چھپائی کو ترقی دینے اور اپنے حروف میں ایسی تبدیلی پیدا کرنے سے جس سے ٹائپ کی چھپائی سستی پڑ جائے گریز کیا بلکہ پتھر کی چھپائی کو اختیار کیا اور اسی عمل کو اب تک عموماً جاری رکھا ہے ' حالانکہ کتابوں کی ایک بہت بڑی تعداد چھاپنے کے لئے یہ عمل زیادہ گراں ہے اور اس میں صحت بھی کم ہوتی ہے - اس ضمن میں اس امر کا اظہار بےجا نہ ہوگا کہ یورپ میں عربی کی چھپائی جس میں ہر حرف

کا ٹائپ جدا جدا ہوتا ہے سولہویں صدی کے آغاز سے مسلسل اب تک ہوتی رہی ہے [۱] -

سنسکرت بنگالی ' اور دیگر دیسی زبانوں کے لئے ٹائپ - سنسکرت سے تراجم - جب بنگلہ زبان میں ٹائپ کی چھپائی کا پورا رواج ہوگیا تو ہندوؤں کی دوسری زبانوں کے ٹائپ کا راستہ صاف ہوگیا - سنسکرت کی چھپائی کے لئے ناگری ٹائپ زیادہ موزوں ہے - سنہ ۱۷۸۷ع کے قریب ولکنس نے انگلستان میں ناگری ٹائپ ڈھالا کیونکہ اس وقت تک وہ سنسکرت زبان کا عالم متبحر ہوچکا تھا - وارن ہیسٹنگز نے ولکنس کے انگریزی ترجمہ بھگوت گیتا کی پرجوش الفاظ میں تعریف کی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو ترغیب دی کہ اس ترجمہ کو لندن میں شایع کریں چنانچہ سنہ ۱۷۸۵ع میں یہ ترجمہ شائع ہوا - سنہ ۱۷۸۷ع میں ولکنس کا ترجمہ کتاب ہوپدیشا شایع ہوا - اس ترجمے کی بدولت انگریزوں اور دیگر یورپینوں کو ان قصوں کہانیوں کے قابل قدر اور گرانبہا مخزن سے براہ راست مستفید ہونے کا موقعہ مل گیا '

---

[۱]—عربی میں سب سے پہلی مطبوعہ کتاب جو میری نظر سے گزری ہے وہ لندن کی برٹش میوزیم کی لائبریری میں موجود ہے - اس کا نمبر سی ۵۲ ای ۱۷ (C. 52 : E. 17) ہے - اس کتاب کا نام "کتاب صلوۃالسواعي" ہے جس میں رومن کیتھولک مذہب کے اصول کے مطابق دن رات کے مذہبی اوقات میں نمازیں درج ہیں - یہ کتاب سنہ ۱۵۱۴ء میں گریگوونیس (Gregovius) نے بسرپرستی لیو دہم (Pope Leo X) پاپائے روما ملک اٹلی میں چھاپي- انتساب لاطینی زبان میں ہے جو پوپ کے نام ہے - یہ کتاب شام کے ان عیسائیوں کے لئے چھاپی گئی جن کی مادری زبان عربی ہے - اس کا حوالہ "شنورز ببلیاثیکا اراییکا" (Schnurrer's Bibliotheca Arabica, p. 231) کے صفحہ ۲۳۱ میں دیا گیا ہے - میرا خیال ہے کہ اس تاریخ سے پہلے بھی یورپ میں عربی کی کتابیں لکڑی کے بلاکوں سے چھاپی جاتی تھیں ' اور ممکن ہے کہ مصر میں بھی چھاپی گئی ہوں - لیکن ایک طویل مدت تک جستجو اور تحقیقات کرنے کے باوجود میں اس بات کی تصدیق نہ کر سکا - میں نے عربی زبان میں عیسائی مذہب کی ایسی کتابوں کے نمونے دیکھے ہیں جو گریگوونیس کی کتاب کے بعد لکڑی کے بلاک کی چھپی ہوئی ہیں - مسٹر دینش چندرا سین اپنی کتاب موسومہ "ہسٹری آف بنگالی لٹریچر" (صفحہ ۸۴۹) [بنگالی ادب کی تاریخ] میں ایک بنگالی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں جو سنہ ۱۷۱۱ء کے قریب لکڑی کے بلاک سے چھپی تھی - میں برٹش میوزیم کے مسٹر اے - ایس - فلٹن Mr. A. S. Fulton کا رہین منت ہوں کہ انھوں نے مجھے عربی زبان میں ٹائپ کی چھپائی کے ابتدائی تاریخی حالات کا مواد بہم پہنچانے میں مدد دی -

۷

جو پہلے منتشر صورت میں مسلمانوں کی عربی کتاب موسومہ "کلیلہ و دمنہ" سے ان کے کانوں تک پہنچے تھے -

کتبوں کی تحقیقات

مشرقی زبانوں کے حروف کا ٹائپ بنانے اور مشرقی علوم کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کے علاوہ ولکنس کا نام ان قوموں کی فہرست میں سب سے پہلے نظر آتا ہے جنہوں نے علمی پہلو سے ہندوستانی کتبوں کی تحقیقات کا بیڑا اٹھایا - انہوں نے سنہ ۱۷۸۱ع میں مونگھیر کے ایک تام پتر کا ترجمہ کیا جو کسی عطیے کی سند تھا - اس سے تھوڑے عرصے کے بعد انہوں نے ایک اور کتبے کا ترجمہ کیا جو دیناج پور کے ضلع میں ایک پتھر کے ستون پر کھدا ہوا پایا گیا - یہ دونوں کتبے بنگال کے پالا خاندان کے متعلق ہیں جن کا زمانہ سنہ ۷۵۰ع سے سنہ ۱۲۰۰ع تک ہے - حال ہی میں مبصرین نے اس خاندان کی ایسی ہی دوسری یادگاروں پر محققانہ نگاہ ڈالی ہے - یہ یادگاریں بتا رہی ہیں کہ کس طرح بدھ مذہب کی تعلیم کے اثرات بتدریج تانتری خیالات میں منتقل ہوگئے - جو اس وقت بنگال میں پورے طور پر رائج ہیں -

ہلہیڈ : آرین زبانوں کی یکسانیت

نتھینیل براسے ہلہیڈ [۱] جنہوں نے سنہ ۱۷۵۱ع سے سنہ ۱۸۳۰ع تک کا زمانہ پایا ہے بلحاظ اپنے سابقہ حالات کے ولکنس کے مقابلہ میں ایک جداگانہ شخصیت رکھتا تھا - انہوں نے ہیرو پبلک اسکول [۲] اور کرائسٹ چرچ کالج" اکسفورڈ [۳] یونیورسٹی میں تعلیم پائی - اُن کی سنسکرت گرامر کا جو انہوں نے سنہ ۱۷۷۸ع میں شائع کی تھی پہلے ہی ذکر ہوچکا ہے - الگزنڈر ڈو [۴] کی طرح جو اُن سے پہلے گذر چکے تھے اور جنہوں نے سنہ ۱۷۶۸ع میں فرشتہ کی فارسی تاریخ کا ترجمہ کیا تھا - ہلہیڈ نے بھی اپنی کتاب کے لئے ایک پر جوش دیباچہ لکھا - یہ امر ہلہیڈ کی قابلیت پر دلالت کرتا ہے کہ انہوں نے سنسکرت میں اپنے مطالعہ اور غور و فکر کی بنا پر آرین زبانوں کی یکسانیت کے نظریہ

[۱]—Nathaniel Brassey Halhed

[۲]—Harrow Public School

[۳]—Christ Church College, Oxford

[۴]—Alexander Dow

کو پیش کیا - وہ لکھتے ہیں '' مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ سنسکرت کے الفاظ کس طرح فارسی عربی بلکہ لاطینی اور یونانی زبان کے الفاظ سے مشابہت رکھتے ہیں ' اور یہ مشابہت صرف اصطلاحات فنون اور استعارے کے رنگ ہی میں نہیں........ بلکہ زبان کے بنیادی الفاظ اور اصول میں بھی پائے جاتے ہیں '' - ہلہیڈ نے آرین زبانوں کی مذکورہ بالا یکسانیت میں عربی کو بھی شامل کیا ہے جو حال کی تحقیقات سے صحیح نہیں ہے مگر اس کے لئے انھیں معذور سمجھا جاسکتا ہے کیونکہ مقابلے کے اصول کی بنا پر مختلف زبانوں کی تحقیق کے قوانین اُن کے زمانے میں وضع نہیں کئے گئے تھے - لیکن اُنھوں نے اپنی اس تحقیقات سے یہ قیاس کیا کہ فارسی اور سنسکرت جو علی الترتیب ہندو اور مسلمان ادبا اور شعرا کی زبان ہیں اور لاطینی اور یونانی جو یورپ کی قدیم مستند زبانیں ہیں ایک دوسرے سے بلاشبہ مشابہت رکھتی ہیں - اس مشابہت نے ان تینوں جماعتوں کی تہذیب و تمدن کی ترقی کے لئے باہمی اشتراک عمل کا راستہ صاف کر دیا ہے -

ایک راجہ بحیثیت ماہر آثار قدیمہ کے

ہلہیڈ نے کشناگر کے ایک خاص راجہ کا ذکر کیا ہے - '' جو آثار قدیمہ کے علم میں ایسی مہارت اور قابلیت رکھتا تھا کہ اس صدی میں بنگال میں اور کوئی ایسا آدمی پیدا نہ ہوا '' - اگرچہ اس کی طرف سے یہ دعوی کہ قدیم مصر کی تہذیب و ترقی کا سرچشمہ ہندوستان ہے مبالغہ کا پہلو لئے ہوئے معلوم ہوتا ہے لیکن یہ بات خالی از فائدہ نہیں کہ جب مختلف قوموں کی تہذیب و ترقی کا مقابلہ اور تحقیقات کی گئی تو اس سے یہ نتیجہ برآمد ہوا کہ انسان کی تہذیب و تمدن کی اصلی بنیاد ایک ہی ہے اور اُس زمانے کے مغربی محققین کو یہ خیال بہت پسندیدہ معلوم ہوا -

سر ولیم جونز جو مشرقی تمدن کے ایک بڑے محقق تھے

جب ہم سر ولیم جونز کا ذکر کرتے ہیں جنھوں نے سنہ ١٧٤٦ع سے سنہ ١٧٩٤ع تک کا زمانہ پایا ہے تو ہم ان نامور انگریزوں کی جماعت جنھوں نے جدید اصول پر مشرقی زبانوں اور کتابوں کے احیا اور تحقیق کی تنظیم میں حصہ لیا ایک نہایت حیرت انگیز شخصیت سے دو چار ہوتے ہیں - سر ولیم جونز ویلز میں پیدا ہوئے - ان کا باپ ایک ریاضی داں اور نیوٹن کا

شاگرد و دوست تھا - ھیرو کے اسکول اور آکسفورڈ کی یونیورسٹی میں وہ پہلے ہی عبرانی ' یونانی ' لاطینی ' عربی ' فارسی ' فرانسیسی ' ہسپانی اور اطالی زبانوں میں مہارت حاصل کرچکے تھے - اس کے علاوہ وہ جرمن پرتگیزی ترکی اور چینی زبانوں سے بھی واقف تھے - چوبیس سال کی عمر میں انھوں نے فارسی سے فرانسیسی زبان میں نادر شاہ کی تاریخ کا ترجمہ کیا - حالانکہ ان دونوں زبانوں میں سے کوئی بھی اُن کی مادری زبان نہ تھی - جب وہ فرانس میں سفر کر رہے تھے تو انھیں شہنشاہ فرانس کے دربار میں باریابی کی عزت حاصل ہوئی - اس دربار میں یہ لطیفہ مشہور تھا کہ سر ولیم جونز دنیا کی تمام زبانیں جانتے ہیں لیکن اپنی زبان (ویلش) سے بےبہرہ ہیں وہ محض زبان داں ہی نہ تھے - انھوں نے ایشیا کے علوم طبیعات اور علوم ادب کا بھی مطالعہ کیا تھا - قانون میں پوری دسترس رکھتے تھے کیونکہ انھیں سنہ ۱۷۸۳ع میں کلکتہ کی عدالت عالیہ کا جج بناکر ہندوستان بھیجا گیا تھا - ہندوستان میں انھوں نے سنسکرت زبان میں مہارت حاصل کی - سنہ ۱۷۹۴ع میں بمقام کلکتہ ان کا انتقال ہوا -

ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال

اگرچہ سر ولیم جونز ہندوستان میں اپنی ملازمت کے گیارہ سال کے دوران میں بہت مصروف رہے لیکن وہ تقریباً تمام مشرقی علوم پر حاوی ہوگئے تھے - ہندوستان پہنچ کر انھوں نے پہلے ہی سال میں " ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال " کی اس غرض سے بنیاد ڈالی کہ ایشیا کی تاریخ ' علوم طبیعی ' آثار قدیمہ ' فنون لطیفہ ' دیگر علوم ' اور فنون و ادب کے متعلق تحقیقات کی جائے " - وہ اس سوسائٹی کے پہلے صدر تھے - اس سوسائٹی کو ابتدا ہی سے گورنمنٹ کی سرپرستی حاصل رہی - اس کی صدارت گورنر جنرل وارن ہیسٹنگز کو پیش کی گئی لیکن انھوں نے اس بنا پر اس عہدے کے قبول کرنے سے انکار کردیا کہ سر ولیم جونز اس کے لئے زیادہ موزوں ہیں - سنہ ۱۷۸۴ع میں انھوں نے اپنی پہلی تقریر صدارت میں حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا -

مشرق کے متعلق سر ولیم جونز کا تصور

" جب گذشتہ اگست میں میں اس ملک کی طرف جہاز میں آرہا تھا جس کے دیکھنے کی میرے دل میں ایک عرصہ دراز سے تمنا تھی تو میں نے

ایک دن شام کو مشاہدات پر غور کرتے ہوئے خیال کیا کہ ہندوستان ہمارے سامنے ہے ، ایران ہمارے بائیں طرف ہے ، اور عربستان کی بادصبا ہمارے جہاز کے چاروں طرف چل رہی ہے ، یہ منظر میرے لئے ایسا خوشگوار اور دلچسپ تھا کہ اس نے میرے اُس دل میں خیالات کی ایک نئی رو پیدا کردی جو ابتدا ہی سے اس مشرقی دنیا کے دل آویز افسانوں اور انقلاب آفریں تاریخی واقعات پر مسرت کے ساتھہ غور کرنے کا عادی ہوچکا تھا - میں نے جب اپنے آپ کو دنیا کی ایک اعلیٰ ترین اور عظیم الشان تماشہ گاہ کے درمیان کھڑا پایا تو مجھے ایسی خوشی محسوس ہوئی جو احاطہ بیان میں نہیں آسکتی - یہ تماشہ گاہ ایشیا کے وسیع قطعات سے تقریباً چاروں طرف گھری ہوئی ہے اور یہ وہ قطعات ہیں جو اعلیٰ علوم کا گہوارہ اور مفید فنون کا مسرت انگیز سرچشمہ رہ چکے ہیں، جہاں بہادر اور اولوالعزم انسانوں کے عظیم الشان کارناموں کی یاد تازہ ہوتی ہے - ہاں یہی وہ سرزمین ہے جس میں دل و دماغ کے لوگ پیدا ہوئے ، جہاں قدرت کے عجائبات کی کوئی کمی نہیں ، جہاں مذہب ، حکومت ، قوانین ، اخلاق ، رسم و رواج ، زبان اور انسانی چہرے کے رنگ اور خط و خال کی حیرت انگیز بوقلمونی نظر آتی ہے - میں اس امر کا اظہار کئے بغیر نہ رہ سکا کہ ابھی ہمارے سامنے تحقیق اور جستجو کا کیسا ضروری اور وسیع میدان پڑا ہے جس پر ابھی تک کسی نے توجہ نہیں کی - اور ابھی کس قدر ایسی اہم اور کام کی باتیں ہیں جن سے فائدہ نہیں اٹھایا گیا - اور جب میں نے رنج کے ساتھ یہ خیال کیا کہ اس مستغیر نامکمل اور محدود زندگی میں ایسی تحقیقات اور ترقی صرف اسی صورت میں ہو سکتی ہے جبکہ ایسے بہت سے لوگ اپنی متحدہ کوششوں سے کام لیں جو کسی زبردست ترغیب یا تحریک کے بغیر آسانی کے ساتھ اپنے خیالات کو ایک نقطے پر جمع نہیں کرسکتے تو میں نے اپنے دل کو ایک امید سے تسلی دی جس کی بنیاد ان مختلف خیالات پر قائم ہے جن کے اظہار سے خود ستائی کا الزام بھی عائد ہوسکتا ہے - اور یہ خیالات وہ ہیں کہ اگر کسی ملک یا قوم میں متحدہ کوشش کی صورت پیدا ہوسکتی ہے تو وہ بنگال میں میرے ہی ہم وطنوں کی کوشش سے ہوسکتی ہے - ان میں سے چند لوگ پہلے ہی سے میرے دوست تھے اور باقی ماندہ کے ساتھ میں دوستانہ مراسم پیدا کرنے کا متمنی ہوں "

اہم اور دور رس نتائج : ہندوستان میں اس سوسائٹی کا اثر

ہندوستان میں جو انگریز موجود تھے ان کے نقطۂ خیال سے سر ولیم جونز نے یہ ایک معقول بات کہی تھی - ایسے مطالعہ اور تحقیقات سے اہم اور دور رس نتائج پیدا ہوئے - چند سال کے اندر بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کی طرح بمبئی اور مدراس میں بھی اسی قسم کی انجمنیں قائم ہوگئیں - سنہ ۱۸۲۳ع میں لندن میں " رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن اینڈ آئرلینڈ " کی بنیاد ڈالی گئی - اس کے بانی ہنری تامس کولبروک [۱] تھے جنھوں نے کلکتہ میں قابل قدر خدمات انجام دیں اور جن کا ذکر آگے آئے گا - اس سوسائٹی کا یہ مقصد تھا کہ " ایشیا کے علوم و فنون کی اس امید کے ساتھ تحقیقات کی جائے کہ ان میں اصلاح کے لئے آسانیاں بہم پہنچائی جائیں ' علم کو فروغ دیا جائے ' اور انگلستان کی صنعت و حرفت کو ترقی دی جائے " - اس سوسائٹی کے لاطینی مقولے کا یہ مفہوم ہے " جنگلی شاخیں اتنے درخت " جو ہندوستان میں بڑ کے درخت کی طرح ہے جس کی شاخیں زمین تک پہنچ کر جڑ پکڑ جاتی ہیں اور درخت بن جاتی ہیں - لندن کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی ' بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی کے مقابلے میں جو اصل نمونہ تھی ایک بہت بڑے درخت کے مانند ہے - یورپ اور امریکہ میں اور بھی کئی انجمنیں ہیں جن کی نسبت ایک لحاظ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں جو روح پیدا ہوئی اس کی محرک وہ مثال ہے جو بنگال کی ایشیاٹک سوسائٹی نے قائم کی - ان ابتدائی کوششوں کی بدولت مشرق کی طلسمی سرزمین کے دروازے مغرب پر کھل گئے - اس وقت مغرب کے ادبی شعبوں میں بعض ایسی انقلاب انگیز تحریکیں پائی جاتی تھیں جن کے اثر سے معمولی انسانی زندگی کو افسانے کا جامہ پہنا دیا گیا - ان تحریکوں کے ساز سے ایسی ہوائیں آرہی ہیں جنھوں نے بجائے خود تخیل کا ایک نیا مشرق پیدا کردیا ہے - یہ ایک مشہور بات ہے کہ گوئٹے [۲] نے جس کا زمانہ سنہ ۱۷۴۹ع سے سنہ ۱۸۳۲ع تک ہے " شکنتلا " کی تصنیف میں کالیداس کی طباعی کا کھلے دل سے اعتراف کیا ہے - روکرٹ [۳]

---

[۱]—Henry Thomas Colebrooke

[۲]—Goethe

[۳]—Ruckert

نے سنہ ۱۸۴۱ع میں اس امر کی کوشش کی کہ جرمن نظم میں غزل کی صنف کو رواج دیا جائے - شلیگل [۱] نے سنہ ۱۸۰۸ع میں ہندوستان کی دانش و حکمت اور اس کی زبانوں پر اپنے خیالات قلمبند کئے ہیں - انیسویں صدی کے وسط میں امرسن [۲]، تھورو [۳] اور امریکہ کے ان فلسفیوں نے جنھیں ٹرین سینڈنٹلسٹ[۴] کہتے ہیں امریکہ میں ہندوستان کی دانش و حکمت کا مرقع پیش کیا - سنہ ۱۸۵۶ع میں امرسن نے اپنی نظم موسومہ "برهما" لکھی جس میں ہندو فلسفہ سے اعلی ترین خیالات منسوب کئے گئے ہیں - دوسری طرف ان تحریکوں سے جذبات و حسیات کی جو لہریں پیدا ہوئیں ان میں بہ اعتبار تاثیر کے سب سے زیادہ دلچسپ اور قابل ذکر وہ تھی جس نے ہمارے ہی ملک کے تمدن کی صورت بدل دی - جب مغرب کے علم و فضل کے معیار اور طریقے ہندوستانیوں کے دل و دماغ میں گھر کر گئے تو بنگال میں راجندر لال متر اور بمبئی میں بھنڈارکر جیسے آدمی پیدا ہوئے - جن کے علمی کارناموں کا ہم مناسب موقع پر ذکر کریں گے -

مطالعہ اور تحقیق کے لئے وسیع تجاویز

سر ولیم جونز کی بڑی قابلیت یہ تھی کہ انھوں نے طریق کار کا ایک ایسا جامع خاکہ تیار کیا جو معقولیت پر مبنی تھا اور پھر نہایت محنت اور تن دھی سے اسے عملی جامہ بھی پہنایا - مطالعہ اور علمی تحقیق کے معاملے میں ان کے بہت سے خیالات اب متروک ہیں اور ہم ان کے اس خیال پر مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ذہانت کے اعتبار سے اہل یورپ کا درجہ اعلی ترین ہے " - یہ رائے انھوں نے صرف انہیں باتوں سے قائم کی جو رومیوں نے ہماری زوال پزیر سوسائٹی میں دیکھیں - لیکن انھوں نے ادب اور احترام کے ساتھ مشرق کا ذکر کیا ہے اور میکالے [۵] کی طرح ہم پر کبھی فقرے چست

---

[۱]—Schlegel

[۲]—Emerson

[۳]—Thoreau

[۴]—Transcendentalists وہ لوگ تھے جن کے نزدیک انسان کی عقل محض حواس خمسہ پر مبنی نہیں بلکہ ان کی رائے میں انسان کی روح میں ایک خاص روشنی عالم بالا سے آتی ہے -

[۵]—Macaulay

نہیں کئے اور نہ طعن و تعریض کے تیر برسائے - ان کی دلچسپی علمی تحقیق ہی تک محدود نہ تھی جیسا کہ دور حاضرہ کی مشرقی سوسائٹیوں کی دلچسپی محدود ہے - سرولیم‌جونز کی وفات کے بعد ان کے کاغذات میں لائحہ عمل کا جو خاکہ پایا گیا ان کا سرجان شور [۱] نے حوالہ دیا ہے جن کو بعدازاں لارڈ ٹینمیتھ[۲] کا خطاب دیا گیا اور جو سر ولیم جونز کے بعد ایشیاٹک سوسائٹی کے صدر مقرر ہوے - لائحہ عمل کے اس خاکے میں منجملہ ان تجاویز کے جن کا تعلق جغرافیہ تاریخ زبان اور علم ادب سے ہے مفصلہ ذیل علمی تجاویز بھی شامل ہیں -

(۲) سنسکرت کے قدیم کوشا (لغت کی کتابوں) میں جن نباتات کا ذکر آیا ہے ان کی پوری تشریح جدید علم نباتات کے مطابق کی جائے -

(۵) ہندوستانیوں کی قدیم موسیقی کی تحقیق کی جائے -

(٦) ہندستان کے طبی جوہروں اور فن ادویات کی تشریح کی جاے-

(۹) ہندوستان کی قدیم مساحت - ہیئت اور الجبرا پر مقالے لکھے جائیں :

(۱۳) ہندوستانیوں کے نکشتر اور ان کے متعلق پرانوں میں جو قصے اور کہانیاں درج ہیں ان پر روشنی ڈالی جاے -

مذکورہ بالا مسائل کی تحقیقات میں سر ولیم جونز کے وقت سے اب تک کچھ نہ کچھ ترقی ہوتی رہی ہے ' لیکن یہ اس قدر وسیع میدان ہے کہ ابھی کام کرنے والوں کے لئے کام کی بہت گنجائش ہے -

کولبروک : بیکاری کے مسئلہ میں اُن کی بصیرت

ہنری تامس کولبروک جنھوں نے سنہ ۱۷٦۵ع سے سنہ ۱۸۳۷ع تک کا زمانہ پایا ہے ان تینوں آدمیوں سے کم عمر تھے جن کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں وہ سنہ ۱۷۸۲ع میں کمپنی کی سول سروس میں داخل ہوکر ہندوستان آئے اور سنہ ۱۸۱۴ع تک کمپنی کی ملازمت میں رہے - چونکہ وہ اپنی ملازمت کے پہلے نو سال تک ترہوت کے مضافات میں افسر مال کی حیثیت سے کام کرتے

Sir John Shore—[1]
Lord Teignmouth—[۲]

رھے اس لئے وہ تہذیب و تمدن کی ان بڑی تحریکوں سے دور رھے جو کلکتہ میں وارن ھیسٹنگز کے ایما سے عملی صورت اختیار کررھی تھیں لیکن دوسری طرف انھوں نے صوبے کے دیہاتی حالات کے متعلق گہری واقفیت بہم پہنچائی - بنگال کی زراعت پر انھوں نے جو کتاب لکھی ھے اس میں انھوں نے اقتصادی پہلو سے برطانوی حکومت کے کمزور پہلو دکھائے ھیں - لکھتے ھیں : '' ایک ایسی روشن خیال گورنمنٹ کے لئے جیسی کہ یہ ھے اور جس نے برتھن انڈیا کے انتظام کی باگ اپنے ھاتھ میں لے رکھی ھے رعایا کی مفلوک الحال جماعتوں کے لئے کام کا بہم پہنچانا ایسا معاملہ نہیں جسے حقیر سمجھا جائے - ان صوبوں میں کوئی ایسا سرکاری انتظام نہیں جس کے ذریعہ غریب اور بے کس لوگوں کی امداد کی جاسکے - ایسی بیواؤں اور یتیم لڑکیوں کے لئے جو بیماری کی وجہ سے کھیت پر کام کرنے کے قابل نہیں ھیں یا پردہ نشینی اور اپنی معاشرتی حیثیت کے باعث معذور ھیں اگر کوئی کام ذریعہ معاش ھو سکتا ھے تو وہ سوت کاتنا ھے - صرف یہی ایک ایسا کام ھے جسے گھر گرھست عورتیں آسانی کے ساتھ کرسکتی ھیں اور اُن مردوں کے لئے روزی بہم پہنچا سکتی ھیں جو کمزوری یا کسی اور وجہ سے محنت و مشقت کے قابل نہیں رھے - یہ کام یعنی سوت کاتنا گو کلیتاً معاش کے لئے ضروری نہ ھو لیکن تمام لوگوں کے لئے آمدنی کا ایک ذریعہ ھے جس سے کم سے کم غریبوں کی مصیبت رفع ھو سکتی ھے - ان کی مصیبتیں واقعی زیادہ ھیں - بہت سے مفلوک الحال خاندان جو کسی زمانے میں آرام و آسائش کی زندگی بسر کر چکے ھیں غریبوں سے بھی زیادہ مصیبت میں مبتلا ھیں - ھندوستان میں ایسے تباہ خاندان بہ تعداد کثیر موجود ھیں اور خواہ وہ حکومت کی خاص توجہ کے مستحق ھوں یا نہ ھوں لیکن وہ یقیناً گورنمنٹ کی انسانی ھمدردی کے حقدار ھیں '' -

افلاس اور صنعت و تمدن کا زوال

بےکاری کا یہ مسئلہ برطانیہ کے نظام حکومت کی تاریخی الماری میں یقیناً مردے کا ایک ڈھانچہ رھا ھے - بنگال میں انگریزوں کے ابتدائی دور کی نسبت یہ مشہور ھوگیا تھا کہ اس ملک میں بےقیاس دولت ھے جسے کلائو جیسے آدمی ھندوستان سے سمیٹ کر لے گئے - لیکن واقعہ یہ ھے

کہ کمپنی مالدار نہیں ہو رہی تھی بلکہ اس کے نوکروں نے لوگوں کو اپنی حرص و طمع کا شکار بنا رکھا تھا - اس زمانے میں ہندوستان کے امرا اور سپاہی ، زمیندار اور رعیت ، عالم اور صناع ، سب مصیبت اور پریشانی میں مبتلا تھے - جن چند ہندوستانیوں نے غیرملکی جماعت کے ساتھ سازش اور غداری کے لئے اپنے آپ کو پیش کر دیا وہ شہرت اور دولت کے مالک بن گئے اور انھوں نے نئے خاندانوں کی بنیاد ڈالی - لیکن جیسا کہ ہر ملک اور ہر زمانے میں ہوتا آیا ہے دولت کے یہ نئے پجاری صنعت اور تمدن کی برکات سے بالکل ناواقف تھے - انھوں نے اپنے نئے آقاؤں کی صنعت و تمدن کو اختیار کرنے کے جوش میں اپنے ملک کی صنعت و تمدن کا درجہ گھٹا دیا - ان کے بعد زمینداروں کا دور آیا اور زمینداروں کے بعد قانون‌دانوں کا - نئے خاندانوں کے افراد دو یا تین نسلوں کے درمیان میں اپنے ملک کی خواہشات اور جسیات کا زیادہ احترام کرنے لگے لیکن اس وقت تک بےچینی اور بے اطمینانی کی کئی اور صورتیں پیدا ہوگئیں اور ہندوستانی تمدن کے زوال کے اور اسباب رو نما ہوگئے - اس خرابی کے تدارک کے لئے عملی وسائل اختیار کئے گئے - لیکن بیکاری یا افلاس جو کسی نہ کسی شکل میں یا کسی نہ کسی جماعت یا طبقے کے اندر پایا جاتا ہے ہندوستان میں برطانوی حکومت کے شجر کو ہمیشہ گھن کی طرح کھا رہا ہے - انیسویں صدی کے خاتمے پر جب سے طبقہ متوسط کے کم و بیش تعلیم یافتہ طبقے نے رسوخ حاصل کیا ہے یہ مسئلہ پبلک کے سامنے ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے - اس میں کلام نہیں کہ اس مسئلے کا تہذیب و تمدن کی تحریکوں کے ساتھ ایک گہرا تعلق ہے -

سنسکرت زبان کے مطالعہ اور تحقیق میں ترقی

کولبروک کی محنت جو انھوں نے سنسکرت زبان کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے کی نتائج کے لحاظ سے بارآور ثابت ہوئی - محنت کے یہ نتائج ایشیاٹک ریسرچز [۱] کی جلدوں میں ہمیں مختلف مقامات پر نظر آتے ہیں - انھوں نے اپنی ادبی قابلیت کو سنسکرت زبان کے مطالعہ کے لئے مخصوص کردیا اور اس طرح مغرب میں ہندوستان کے تمدن کو ہندو تمدن سے مطابق کرنے کی کوشش کی اور اس حقیقت کو نظر انداز کردیا کہ مسلمانوں نے بھی ہندوستان

[۱]- Asiatic Researches

کے تمدن کو فروغ دینے میں حصہ لیا ہے - انھوں نے هندو فلسفہ کے نہ صرف اعلیٰ طبقوں کا بیان لکھا ہے بلکہ جین جیسے قلیل‌التعداد مگر اہم فرقوں کا بھی ذکر کیا ہے - انھوں نے اس تشریح کے مطابق جو سنسکرت کی قدیم کتابوں میں کی گئی ہے هندوؤں کی ریاضی اور هیئت کی تحقیقات کی - "سنسکرت گرامر" اور (ویدوں پر مضمون سنہ ۱۸۰۵ع) [۱] سے ان کی شہرت اس قدر بڑھ گئی کہ وہ اپنے زمانے میں سنسکرت کے سب سے بڑے عالم سمجھے جاتے تھے - اُن کی بہترین یادگار "دی رائل ایشیاٹک سوسائٹی آف گریٹ برٹن" ہے جس کی بنیاد انھوں نے سنہ ۱۸۲۳ع میں ڈالی جیسا کہ پہلے بیان ہوچکا ہے -

هندوستان کا قانونی علم

اب هم هندوستانی قانون کے مطالعہ اور تحقیق کی طرف توجہ کرتے هیں - ایک چٹھی میں جو وارن هیسٹنگز نے ۲۱ مارچ سنہ ۱۷۷۴ع کو لارڈ میینسفیلڈ [۲] کو بھیجی (جو Keith's Speeches and Documents on Indian Policy Vol. I میں چھپی ہے) یہ لکھا : "منجملہ اُن مختلف تجاویز کے جو بنگال کے صوبوں میں برطانوی مفاد کو ترقی دینے کے لئے حال ہی میں مرتب کی گئی هیں یہ ضرورت اکثر دکھائی گئی ہے کہ بنگال کے لئے ایک نیا قانون وضع کیا جائے ' اور اُن لوگوں کے لئے ایسے قانون بنائے جائیں جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سوا اس کے کہ ان کے دنیاوی حکام ان کے معاملات میں جابرانہ اور خود مختارانہ مرضی سے کام لیں یا غیر معقول فیصلہ صادر کریں ان پر انصاف کے کسی اصول سے حکومت نہیں کی جاتی - اس رائے کو محض مستند کتابوں کے مضامین سے تقویت ہوتی ہے جن میں بڑے وثوق کے ساتھ یہ لکھا گیا ہے کہ تحریری قوانین هندوؤں یا هندوستان کے اصلی باشندوں کے لئے ایسی چیزیں هیں جن کا انھیں مطلق علم نہیں - یہ خیال خواہ کسی سبب سے پھیلا ہو لیکن کوئی بات سچائی سے اس قدر بعید نہیں ہو سکتی جتنا کہ یہ رائے ہے - خود هندوؤں کے قوانین موجود هیں جن میں قدیم‌الایام سے اب تک کوئی تبدیلی نہیں ہوئی - ان قوانین کے مفسر جو هندوستان کی تمام سلطنت میں پھیلے ہوئے هیں ایک

[۱]—Essay on the Vedes

[۲]—Lord Mansfield

ہی زبان بولتے ہیں جس سے باقی ماندہ لوگ بے بہرہ ہیں ' انہیں ریاستوں اور دیگر امرا سے عطیے اور جاگیریں ملتی ہیں ' اور ان فوائد سے معاوضے میں ملتی ہیں جن کی نسبت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ وہ ان کو قوانین کے مطالبے سے حاصل ہوئے ہیں اس کے علاوہ لوگ قوانین کے ان مفسروں کا ایسا ادب اور احترام کرتے ہیں جو بت پرستی کے درجے کے قریب پہنچا ہوا ہے - ان کی اہمیت میں اسلامی حکومت کے قیام سے کوئی فرق نہیں آیا - اس حکومت نے عام طور پر اِن کے خاص حقوق سے کوئی تعرض نہیں کیا اور لوگوں کو اجازت دی کہ وہ بدستور اپنے ان اداروں پر قابض رہیں جن کو زمانہ اور مذہب نے ان کی سمجھ اور عقل سے مانوس اور ان کی ارادت و عقیدت کے لحاظ سے متبرک قرار دیا ہے " -

ہندوستانی قانون نئے نظام میں کس طرح پیوست کیا گیا ہے ؟

وارن ہیسٹنگز آگے چل کر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ اگر ہندوؤں کو اسلامی حکومت کے عہد میں یہ فوائد حاصل تھے تو برٹش گورنمنٹ جو ایک عیسائی حکومت ہے اس قسم کی رعایتوں سے انکار نہیں کرسکتی - اگر ہندوؤں کو ان کے قوانین کی حفاظت سے محروم کردیا گیا تو انہیں شکایت ہوگی لیکن اگر انہیں ایسے قوانین کے سامنے سر تسلیم خم کرنے پر مجبور کیا گیا جن سے وہ قطعاً نابلد ہیں تو یہ صریح ظلم ہوگا - اس* کے بعد وارن ہیسٹنگز انگلستان کے فاضل جج کو مجوزہ قوانین کا ایک نمونہ پیش کرتے ہوئے دو قسم کی عدالتوں کے نظام کی توجیہ کرتے ہیں جن میں سے ایک فوجداری اور دوسری مال کے مقدمات کی سماعت کے لئے ہوگی - ہیسٹنگز بتاتے ہیں کہ انگریزوں نے عدالتی انتظام کی از سر نو جو تنظیم کی ہے اس میں قانون کے اصل اصول کو دوبارہ قائم کرنے کے سوا اور کچھ نہیں کیا -

ہندو قوانین کا مجموعہ

بنگال کے مختلف حصوں سے دس نہایت فاضل پنڈت اس غرض سے کلکتے بلوائے گئے کہ جو بہترین سند دستیاب ہوسکتی ہے اس کے رو سے وہ ہندو قوانین کا مجموعہ مرتب کریں - پنڈتوں نے سنسکرت زبان میں مجموعہ قانون مرتب کیا - اس کا ترجمہ ایک پنڈت کے زیرنگرانی فارسی زبان میں ہوا

(جو اس وقت عدالت کی مروجہ زبان تھی) فارسی ترجمہ سے انگریزی زبان میں ترجمہ ہوا جو لارڈ مینسفیلڈ کو بھیجا گیا - تاریخوں سے معلوم ہوگا کہ یہ ہلہیڈ کے ترجمے کا ایک نامکمل حصہ تھا جو " کوڈ آف ہندو لاز " (ہندو قوانین کا مجموعہ) کے نام سے سنہ ۱۷۷۶ع میں مکمل شایع کیا گیا - چونکہ یہ مجموعہ ترجمہ در ترجمہ ہے اس لئے اسے بہت زیادہ قابل اطمینان نہیں قرار دیا جاسکتا علاوہ بریں خود ترجمہ (فارسی اور انگریزی دانوں) کو بین الاقوامی قوانین کا بہت کم علم تھا - ایسا کام اسی صورت میں تکمیل پاسکتا تھا (اگر لفظ تکمیل کا اس موقع پر اطلاق ہوسکتا ہے) کہ سر ولیم جونز اور کولبروک کی نگرانی میں تیار کیا جاتا چنانچہ بعد میں یہی صورت پیدا ہوئی اور نتیجہ یہ ہوا کہ کولبروک کی کتاب موسومہ " ڈائجسٹ آف ہندو لا [۱] سنہ ۱۷۹۱ع میں شایع ہوئی -

اسلامی قانون

وارن ہیسٹنگز اُسی چٹھی میں لارڈ مینسفیلڈ کو لکھتے ہیں : " اسلامی قانون کے متعلق جو صوبہ بنگال کی (اس وقت صوبہ بہار و اُڑیسہ بنگال میں شامل تھے) کم سے کم ایک چوتھائی آبادی کا دستورالعمل ہے - جناب کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ اسلامی قانون ایسا ہی جامع ، صاف اور مشرح ہے جیسا کہ یورپ کی بہت سی ریاستوں کا قانون ہے - یہ قانون اس وقت مرتب ہوا تھا جب عرب اُن تمام حقیقی علوم کے سرمایہ دار تھے جو اس براعظم کے مغربی حصے میں موجود تھے - جو کتاب ہندوستان کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ قابل سند خیال کی جاتی ہے وہ اسلامی قانون کا ایک مجموعہ ہے جو شہنشاہ اورنگ زیب کے حکم سے مرتب کیا گیا - یہ کتاب بڑے صفحہ کی چار ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو ہمارے مجموعہ قانون کی تقریباً بارہ جلدوں کے برابر ہے " - یہ کتاب مشہور فتاوی عالمگیری ہے جس کا مکمل انگریزی ترجمہ کبھی ختم نہیں کیا جاسکتا مگر مسٹر نیل بیلی [۲] نے اس کے کچھ حصے سنہ ۱۸۵۰ع اور سنہ ۱۸۶۵ع کے درمیان میں شایع کئے ہیں - ہدایہ جو ایک

Digest of Hindu Law—[۱]

Mr. Neil Baillie—[۲]

درسی اور مستند کتاب ہے جیمز ایندرسن [۱] اور چارلس ہملٹن [۲] کو ترجمہ کرنے کے لئے دی گئی تھی - انھوں نے اس کتاب کا ستره سال میں ترجمہ کیا - یہ سنہ ۱۷۹۱ع میں " ہملٹن کی ہدایا " کے نام سے چار کوارٹو (مربع) جلدوں میں شایع ہوئی - کئی لحاظ سے یہ ترجمہ تسلی بخش نہ تھا - اصل کتاب عربی زبان میں تھی - فارسی کا ترجمہ صحت اور خوبی سے نہیں کیا گیا - ہملٹن کا انگریزی ترجمہ اسی فارسی ترجمہ سے ہے - متن اور حاشیہ مخلوط ہیں - لیکن اس وقت کے لئے اس کتاب کا منشا پورا ہوگیا - اکسفورڈ کی باڈلین لائبریری [۳] میں اس کتاب کا جو نسخہ موجود ہے اُس پر اڈمنڈ برک [۴] نے حسب ذیل عبارت لکھی ہے : " اس کتاب میں دماغ کی ایک بڑی طاقت نظر آتی ہے اور یہ ایسا فلسفہ قانون ہے جس میں بہت باریکیاں پائی جاتی ہیں " -

بین‌الاقوامی قوانین کا مطالعہ

سر ولیم جونز جن پر اس تحریک کی نگرانی کا بار اس غرض سے ڈالا گیا تھا کہ ہندو قانون اور اسلامی قانون کے بعض اصول انگریزوں تک پہنچ جائیں (جیسا کہ ہم دیکھ چکے ہیں) بہت سی خوبیوں کے آدمی تھے - انھوں نے خود مسلمانوں کے قانون وراثت (سر اجیہ) کا ترجمہ کیا اور اس کی شرح لکھی - ہدایہ میں قانون کے اس شعبے پر بحث نہیں کی گئی ہے - سر ولیم جونز کلکتہ کی عدالت عالیہ کے جج کی حیثیت سے بالاتر آدمی تھے - قانون کے اصول سے ماہر ہونے کی حیثیت سے ان میں بین‌الاقوامی قوانین کی تحقیق کے لئے بےنظیر قابلیت تھی - ہم اس کے متعلق ایک مشہور مورخ کی رائے درج کرتے ہیں جس کا سر جان شور نے اپنی اس تقریر میں حوالہ بھی دیا ہے جو انھوں نے ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال سنہ ۱۷۹۴ع میں کی تھی - اس سوسائٹی کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں مورخ مذکور لکھتا ہے : شاید صرف وہی ایک ایسا شخص ہے جو قانون کے ہر شعبے میں عبور رکھتا

---

[۱]—James Anderson
[۲]—Charles Hamilton
[۳]—Bodleian Library
[۴]—Edmund Burke

تھا خواہ وسٹ منسٹر [۱] کی سالانہ قانونی کتابیں ہوں یا الپین کی قانونی تشریحات - '' آئی ذی اس [۲] کے قانونی مباحثے ہوں یا عرب اور ایران کے قضاۃ کے فتاوے '' یعنی اُن کو انگریزی ' رومن ' یونانی اور اسلامی قوانین میں پوری مہارت تھی - اس کے علاوہ ہندو قانون کا بھی اس تذکرے میں اضافہ ہونا ضروری ہے -

قانون اور تمدنی ارتقا

ہندو اور اسلامی قوانین جو اس طرح ایک دوسرے کے ساتھ دکھائے گئے ہیں ہندوستان کے باشندوں پر صرف ایسے مقدمات میں عائد کئے گئے تھے جن کا تعلق وراثت ' ترکہ ' شادی ' ذات ' مذہبی رسم اور ہندو یا مسلم اداروں سے تھا - آخری شعبہ یعنی ادارات میں تغیر و تبدل کی گنجائش ہوسکتی ہے اور اس لئے بعد کے قانون موضوعہ اور عدالتی فیصلوں سے اس کی زیادہ صحت کے ساتھ تشریح کر دی گئی ہے - عدالتوں نے دستور اور رواج کے بارے میں بہت بحث اور تحقیقات کی ہے - قانون کی ان ابتدائی کتابوں میں شرح و بسط کے ساتھ ان نتائج کا اضافہ کیا گیا ہے جو اصل کتابوں کے مطالعہ اور چھان بین سے حاصل ہوئے - یہ کتابیں ماہران اصول قانون ' درسی کتابوں کے مصنفین اور نیز جلیل‌القدر ہندو اور مسلمان ججوں کی محنت اور دماغ سوزی کا نتیجہ تھیں - تعزیرات ہند یا انڈین کنٹریکٹ ایکٹ [۳] کی طرح جو بعد کی نسلوں میں وضع کئے گئے ہندو یا اسلامی قانون کا کوئی ایسا سرکاری مجموعہ نہ تھا اور نہ ہے جو کسی مجلس قانون ساز کا مرتب کردہ ہو - بعض اوقات یہ رائے پیش کی گئی ہے کہ ہندو اور اسلامی قوانین کے سرکاری مجموعے کی بھی ضرورت ہے - لیکن تمام باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس تجویز کو مسترد کر دیا گیا ہے اور میرے خیال میں یہ ایک دانشمندانہ فیصلہ ہے - پہلے سے خیال کیا گیا تھا کہ اگر انگریزی زبان میں ہندو اور اسلامی قوانین کے اصول کی کتابیں مہیا کی جائیں تو اُن کی مدد سے انگریزی جج قانون وراثت کے متعلق اپنے موروثی خیالات کو مدنظر

---

[۱]—Westminster

[۲]—Isaeus

[۳]—Indian Contract Act

رکھتے ہوئے ہندوستان میں ایک ایسے قانون کی بنیاد ڈال سکیں گے جو قانونی ترقی کا باعث ہو سکے - ہیسٹنگز کو یہ امید تھی کہ اس کا مرتب کردہ مجموعہ قانون "ایک نئے نظام کی قانونی تکمیل میں مدد دے گا جس سے بنگال میں برطانوی حکومت کا اقتدار اس ملک کے قدیم قوانین کی بنیاد پر قائم ہو جائے گا - اور جس کی بدولت اس ملک کے لوگوں پر آسانی اور اعتدال کے ساتھ، اُن کے خیالات، عادات و اطوار اور مذہبی اور قومی تاثرات کے لحاظ سے حکومت کرنے کی ایک نئی راہ نکل آئیگی" - لیکن رفتہ رفتہ پیشہ ور قانوندان لوگوں نے قانونی نکات کی صحت کے مقصود پر اس وسعت اور لچک کو قربان کر دیا جو قانون میں ہونی چاہئے - بعض صورتوں میں مثلاً قانون وقف میں اسلامی قانون کے متعلق ان کی توجیہ اور تشریح مسلمانوں کے "خیالات، عادات و اطوار اور مذہبی اور قومی تاثرات" کی حدود سے بہت زیادہ تجاوز کر گئی تھی اور خاص قانون کے وضع کرنے سے اس کی تصحیح کرنی پڑی - بہت سی صورتوں میں قانون کو دور حاضرہ کی ضروریات اور حالات کے مطابق عمل میں لانے کی کارروائی ان پرانے قانونی فیصلوں کی بنا پر رک گئی جو قدیم زمانے سے محفوظ رکھے گئے تھے - اس سے یہ سوال بجا طور پر پیدا ہوتا ہے کہ آیا اس طرز عمل کا آخری نتیجہ یہ نہیں ہوا کہ قانون کو ایک ترقی یافتہ رائے عامہ کے بہت پیچھے چھوڑ دیا گیا اور اس طرح زندگی کے بعض شعبوں میں تمدنی ترقی کی رفتار رک گئی -

تیسرا باب

آداب معاشرت، اخلاق اور فنون لطیفہ

ہندوستان میں قدیم برطانوی حکام کی سیرت اور ان کا عام اخلاق

گذشتہ باب میں ہم یہ لکھ چکے ہیں کہ برطانیہ کے اُن چند متمدن اور مہذب اشخاص پر جنھیں ہندوستان کے تمدن سے دلچسپی تھی ہندوستانی حالات کے رد عمل کا کیا اثر پڑا - یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہندوستان کے ادب اخلاق اور فنون لطیفہ کے مطالعہ اور تحقیق میں سرگرمی دکھائی - لیکن اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ بہ حیثیت مجموعی کلکتہ یا لندن میں انگریزی سوسائٹی کے حقیقی نمائندے تھے - انگلستان میں انگریزوں کے طرز عمل سے یہی پایا جاتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بلند و برتر سمجھتے ہیں - ہندوستان کے باشندے جو ان سے دور رہتے تھے ان کی نظروں میں تقریباً وحشی تھے - وارن ہیسٹنگز پر الزام لگانے اور مقدمہ چلانے کے دوران میں برک کی شعلہ فشاں اور فصیح و بلیغ تقریر اور اس کے وہ تعریفی کلمات جو اس نے مسلمانوں اور ہندوؤں کے متعلق استعمال کئے انگریزوں کے اُس جذبے کے خلاف تھے جو برطانیہ کے نامواران قوم کی پرستش کا محرک ہے - یہی وہ جذبہ تھا جس کی بدولت وارن ہیسٹنگز انجام‌کار ان الزامات سے بری قرار دیا گیا اور اس لئے برک کے زور کلام کا قوم کے دل و دماغ پر کوئی اثر نہ پڑا - خود کلکتہ میں اس وقت انگریزی سوسائٹی کی حالت اخلاقی پہلو سے عام طور پر اس‌قدر خراب تھی کہ انگریز مشنریوں نے سخت سے سخت الفاظ میں اس سوسائٹی کے طرز عمل کو قابل نفرین قرار دیا - اس خدمت میں وہ لوگ بھی برابر کے شریک تھے جو مذہب اور اخلاق کو انگریزی قوم کی سیرت کا سنگ بنیاد

تصور کرتے تھے - ابتدائی دور میں ہندوستان میں جو انگریز زیادہ دولت پیدا کرتے تھے انھیں انگلستان میں ''نواب'' کے نام سے مذاقاً پکارا جاتا تھا - بعض انگریز ''نوابوں'' کو دراصل ہندوستانی خطاب بھی ملے ہوئے تھے - انھوں نے ہندوستان کے ان اطوار کو اختیار کرلیا جو ایک زوال پذیر سوسائٹی میں مرغوب اور پسندیدہ خیال کئے جاتے تھے - کلائو کے ہندوستانی خطابات ''ثابت جنگ'' اور ''سیف جنگ'' تھے - مسٹر واٹس [1] کو جو قاسم بازار میں کمپنی بہادر کا ایجنٹ تھا ''زبدۃالتجار'' کہتے تھے - اس کی وفات کے بعد جب اس کی بیوہ نے دوسری شادی مسٹر جانسن سے کی تو بجائے مسز جانسن کے وہ بیگم جانسن کے نام سے مشہور ہوئی جیسا کہ پہلے باب میں بیان کیا گیا ہے - انگریز مرد اور عورتیں دونوں مزے سے حقے کے کش لگایا کرتے تھے جن کی کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں - سنہ ۱۸۰۸ع کے کلکتہ گزٹ میں ان لوگوں کے فائدے کے لئے جو مشرق کی عیش و عشرت کی چیزوں کو پسند کرتے تھے حسب ذیل اشتہار شائع ہوا:—

ایپچ میکے ادب کے ساتھ شہر کلکتہ کی ان یورپین خواتین و شرفا کو جو حقے کا شوق رکھتے ہیں اس امر سے مطلع کرتا ہے کہ اس نے ایسی روح تیار کی ہے جس کی لطیف خوشبو اور نفیس ذائقہ حقے کے لطف کو دوبالا کر دیگا -

کلکتہ ۲۴ فروری سنہ ۱۸۰۸ع

اخلاقیات: قماربازی اور لاٹری

اٹھارھویں صدی کے اخیر میں قماربازی ' شدید شراب نوشی ' نفس‌پرستی اور ذاتی معاملات پر لڑائی وغیرہ ایسے عیوب تھے جو کلکتہ کی انگریزی سوسائٹی میں فیشن کے لحاظ سے لندن کے فیشن سے بھی کچھ بڑھے ہوئے تھے - رفاہ عام کے بہت سے کام پبلک لاٹری کی آمدنی سے تیار کئے جاتے تھے - لاٹری کے کمشنر سرکار کی طرف سے منظور ہوتے تھے - سنہ ۱۷۹۴ع میں انھوں نے ایک لاٹری کا اشتہار دیا جس کے دس ہزار ٹکٹ تھے اور ہر ٹکٹ کی قیمت بتیس روپئے تھی - سڑکیں اور گرجے لاٹری کے سرمائے سے تعمیر کئے جاتے تھے -

---

Mr. Watts—[1]

ٹاؤن ہال اور نہریں لاٹری کے روپئے سے بنائی گئیں - دیسی شفاخانے کی کمیٹی کا یہ فعل قابل داد ہے کہ اس نے سنہ ۱۷۹۳ع میں لاٹری کا روپیہ لینے سے انکار کر دیا - اس سوسائٹی کے ارکان زیادہ تر انگریز تھے لیکن مسیحی مبلغین کا اثر ان پر غالب تھا - سنہ ۱۸۰۵ع سے سنہ ۱۸۱۷ع تک گورنر جنرل لاٹریوں کے سرپرست تھے - سنہ ۱۸۱۸ع میں کلکتہ کی مشہور سڑک چورنگی[۱] کے چھڑ کاؤ کا انتظام لاٹری کمیٹی کے سپرد تھا - یہ کمیٹی سنہ ۱۸۱۷ع میں لاٹری کمشنروں کی جگہ پر مقرر ہوئی - اس طور پر لاٹریوں کے ذریعے سے نہ صرف پبلک کے کاموں کے لئے سرمایہ فراہم کیا جاتا تھا بلکہ بڑے بڑے مکانوں کی خرید و فروخت میں بھی چٹھی ڈالنے کا طریقہ اختیار کیا جاتا تھا -

عیوب اور علاج

باوجود اس نکتہ چینی کے جو اس زمانے کی انگریز سوسائٹی اور انگریز افراد کے طرز عمل پر کی جاسکتی ہے ان کی سیرت کا ایک پہلو ایسا تھا جو اس کے تمام برائیوں کی تلافی کردیتا تھا - مرض اور علاج ایک ہی جسم میں موجود تھے - جو انگریز اپنی قوم کی بہترین روایات کے معیار سے ہٹ گئے تھے ان کے خون میں بھی ان روایات کا اثر موجود تھا - ان کے سر پر ایک زبردست اور طاقتور قوم ان کے افعال پر محاکمہ کرنے کے لئے موجود تھی - اگر قوم کا فیصلہ بعض اوقات سخت ہوتا تھا تو اس کی بدولت وہ بے اعتدالی کے ارتکاب سے رک جاتے تھے ، یہ سختی اس جماعت کو پستی اور زوال کی طرف مائل ہونے سے روک دیتی تھی - جس کا تعلق عارضی طور پر اپنی قوم کی طاقت اور اخلاقی معیار کے ذرائع سے منقطع ہوجاتا تھا - کیونکہ جو جماعت انگلستان یا ہندوستان میں قومی اسٹیج کی صف اول میں جلوہ گر نظر آتی تھی اُسے لازمی طور پر قوم کی ریڑہ کی ہڈی قرار نہیں دیا جاسکتا - وارن ہیسٹنگز کی عجیب ذات تھی وہ تحریصات اور مشکلات سے گھرے ہوئے تھے - پبلک امور کے متعلق ان کی حکمت عملی پر خواہ کیسی ہی نکتہ چینی کی جائے لیکن اس میں کلام نہیں کہ انھوں نے کبھی کوئی ایسا کام نہیں کیا جو ان کے ملک اور ان کی قوم کے مفاد کے خلاف ہو - ان کی

[۱]—Chowringhee

حکمت عملی سے اہل ہند کو خواہ کیسی ہی تکلیفیں پہنچی ہوں مگر وہ ہندوستانیوں کی عزت کرتے تھے اور اس زمانے کے انگریزوں میں سب سے پہلے انگریز تھے جنھوں نے انگلستان اور ہندوستان کے درمیان ایک عام سمجھوتے کی تلقین کی اور اس مقصد کو فروغ دینا چاہا - خود ان کی کونسل کے ممبروں میں ان کے خلاف عناد اور نفرت کا جذبہ پایا جاتا تھا لیکن وہ اپنے ذہن کے پکے تھے اس لئے اپنے جادۂ عمل سے نہیں ہٹے - انھوں نے اپنی چشم بصیرت سے صاف دیکھ لیا تھا کہ برطانوی حکومت کے ماتحت ہندوستان کی صورت حالات کے کون سے پہلو روشن ہیں اور کون تاریک ؟ سنہ ۱۷۸۵ع میں جو تبصرہ انھوں نے اپنے نظام حکومت پر کیا ہے اُس میں انھوں نے عملی پہلو سے ہندوستان میں اچھی حکومت کے نصب العین کو حسب ذیل الفاظ میں ظاہر کیا ہے :—

ہندوستانی سیرت پر ہیسٹنگز کی رائے

" ہندوستان کے باشندے نہایت فرماں بردار ہیں - ان کی ضروریات بہت مختصر ہیں - زمین اور آب و ہوا سہولت کے ساتھ محنت و مشقت کے بغیر انھیں پیداوار بہم پہنچا سکتی ہے - معاش کے وسائل میں پیداوار کا قابل تجارت ذخیرہ جو قدرتی ذرائع اور مصنوعات مروجہ اور جدیدہ سے حاصل کیا جاسکتا ہے بکثرت ہے - اُن سب پر مقدم ملکی حفاظت کے وہ سامان ہیں جو قدرت نے اس سرزمین کو طاقتور ہمسایوں کے مقابلے میں بہم پہنچائے ہیں - یہ سامان ہندوستان کے سربفلک پہاڑ اور کوہستانی سرحدیں اس کی خلیج اور اس کے کثیرالتعداد دریا ہیں جن کے درمیان آمد و رفت کا سلسلہ قائم ہے - اور یہ وہ فوائد ہیں جو روئے زمین کی کسی ایک متحدہ حکومت کو مساوی مقدار میں میسر نہیں - اور جن کی بدولت مجسٹریٹ کے فرائض میں سوا اس کے اور کوئی بات باقی نہیں رہ جاتی کہ وہ رعایا کے متعلق توجہ ' حفاظت اور رواداری کے اصول کو مدنظر رکھے " -

تمدن کے ارتقا کے متعلق سر ولیم جونز کا تصور

جو لوگ وارن ہیسٹنگز کے بعد ہندوستان کے گورنر جنرل مقرر ہوئے وہ بالعموم انگلستان سے تازہ وارد ہوتے تھے - انگلستان کا زبردست سیاسی اثر ان

کی پشت پناہی کرتا تھا وہ ہندوستان میں اپنے رفقائے کار کی مسلسل مخالفت اور رشک و حسد سے بالاتر تھے - بااین‌ہمہ ان سربرآوردہ لوگوں کی طویل فہرست میں کسی نے ہندوستان کی تمدنی ترقی کے لئے ان سے زیادہ کام نہیں کیا - وارن ہیسٹنگز کے معاصرین میں ایسے لوگ بھی تھے جو ہندوستان میں ملازمت کرتے تھے جنھوں نے ہندوستان کے ساتھہ برطانوی تعلق کے تمدنی پہلو کو دیکھا تھا اور جو ہمارے لئے اپنے تصور کا نقش ایسے الفاظ میں چھوڑ گئے ہیں جن سے سچائی کی آواز نکلتی ہے اور جن کی صداقت کا رنگ ہمیشہ قائم رہے گا - سر ولیم جونز نے "سراجیہ" کے ترجمے میں جو دیباچہ لکھا ہے اُس کے اختتام پر لکھتے ہیں -

گورنمنٹ راعی اور رعایا کے باہمی فائدے کے لئے ہونی چاہئے

"میں نے ان صوبوں اور ان کے باشندوں کے کافی حالات کا مشاہدہ کیا اور مجھے اس بات کا یقین ہوگیا ہے کہ اگر ہم یہ اُمید رکھیں کہ ہماری گورنمنٹ لوگوں کے لئے باعث برکت ہو اور ہمارے لئے اس کا فائدہ دیرپا ہو تو ہماری یہ اُمید صرف اسی صورت میں پوری ہوسکتی ہے کہ ہم سردست اپنی ایشیائی رعایا سے تابحد امکان مالیہ نہ وصول کریں ، بلکہ ان کی دولت کا اس سے زیادہ حصہ نہ لیں جتنا کہ درحقیقت سرکاری ضروریات اور خود اُن کی حفاظت و سلامتی کے لئے ضروری ہے - اس دلچسپی کا جو مالکان اراضی کو قدرتی طور پر اپنی زمین میں لینی چاہئے ازالہ نہ کیا جائے بلکہ جہاں تک ممکن ہو اس کو بڑھایا جائے - مالکان اراضی کو اطمینان دلایا جائے کہ ان کی جائداد اُن کے ورثاء کو پہنچے گی - اور جائداد کے متعلق ان کے قوانین جنھیں وہ لفظاً و معناً متبرک سمجھتے ہیں عملی صورت میں ان کے لئے محفوظ ہو جائیں گے - زمین کا لگان اس قدر واجبی ہوگا کہ وہ کاشتکاروں سے زیادہ لگان وصول کرنے کے لئے شکنجے کو استعمال کرنے کا کوئی معقول عذر نہ پائیں گے - اور جب انھیں بجا طور پر اس بات کا بھروسا ہوگا کہ لگان میں اس وقت تک کوئی اضافہ نہ ہوگا جب تک کہ کوئی اشد ضرورت نہ ہو اور جس سے اس تمام جائداد کے خطرے میں پڑنے کا احتمال نہ ہو جس پر وہ قابض ہیں ، اور ہر قانونی معاہدے کی پابندی ہوگی یا اس کی خلاف ورزی کے لئے معاوضے کی ایک خاص اور مناسب مقدار مقرر کی جائے گی اور ہر بےانصافی کی

داد رسی کی جائے گی ' جو بغیر زیادہ روپیہ خرچ کئے ہوئے حاصل ہوگی - اور اُس پوری عجلت سے حاصل ہوگی جو معاملہ پر ضروری غور و فکر کے لحاظ سے حتی الامکان قابل عمل ہو ' تو اُسی وقت بنگال اور بہار کی آبادی لگاتار بڑھتی جائے گی - اور ان کی آمدنی کے وسائل میں مسلسل اضافہ ہوتا جائے گا - اور ہماری قوم کو اس بات کا فخر حاصل ہوگا کہ اُس نے باشندگان بنگال اور بہار کے لئے جن کی آبادی اُس وقت کم سے کم ۲۴ ملین (دو کروڑ ۴۰ لاکھ) ہے راحت اور خوشی کے وسائل بہم پہنچائے ہیں - اور جن کی مسرت آمیز خدمت ان کے محسنوں کو مالا مال اور جن کی مخلصانہ ارادت و عقیدت ہماری سلطنت کی بنیادوں کو مستحکم کردے گی '' -

بصیرت کے دائرے کی وسعت

سر ولیم جونز کے اس تصور سے اس حقیقت کا انکشاف ہوتا ہے کہ اُس کی بصیرت کا دائرہ وارن ہیسٹنگز کی بصیرت سے زیادہ وسیع تھا - یہ دائرہ برطانوی اور ہندوستانی نسلوں کے سلسلے میں اور بھی زیادہ وسیع ہوتا جاتا ہے لیکن مناسب ہے کہ ابتدائی ترقی کے ان آثار اور تغیرات کا تذکرہ کیا جائے کیونکہ ان کے فراموش ہوجانے کا اندیشہ ہے -

قانون کی ابتدائی عدالتیں

بعض مصنفین نے قانون کی نئی عدالتوں اور انصاف کی اس نئی روح پر زیادہ زور دیا ہے جو برطانوی حکومت میں قائم ہوچکی ہیں - لیکن اس مسئلے کا ایک اور پہلو بھی ہے - یہ صحیح ہے کہ ہر ترقی پذیر ملک کے مروجہ علم قانون کا لازمی طور پر یہ مقصد ہونا چاہئے کہ لوگوں میں حفاظت کا احساس زیادہ پیدا ہو اور ان کی معاشرتی ترقی کے لئے وسیع تر موقعے میسر ہوں - بدقسمتی سے ہندوستان میں برطانوی عدالتوں کی جو حد سے زیادہ تعریف کی گئی ہے وہ کم سے کم ابتدائی منزلوں میں حق بجانب قرار نہیں دی جاسکتی - سوال یہ ہے کہ کیا اس زمانے میں انگریزوں کا حقیقی قانون اس قانون سے زیادہ ترقی یافتہ صورت میں تھا جو سلطنت مغلیہ کی عدالتوں میں برتا جاتا تھا - مغلیہ قانون پر یہ الزام عائد کیا جاتا ہے کہ یہ ذاتی اغراض کے لئے فروخت کیا جاتا تھا اور انصاف کے مقصد کو پورا نہیں کرتا تھا - لیکن یہ کیفیت نگرانی کے عام فقدان کا نتیجہ تھی جو حکومت کی بدنظمی

کے دور میں خصوصیت کے ساتھ پائی جاتی تھی - برطانیہ کا نیا ضابطہ قانون مغلیہ عدالتوں کے سادہ قانون کی بہ‌نسبت بہت زیادہ پیچیدہ تھا اور اس لئے انصاف کی بہت کم توقع ہوتی تھی - مغلوں کی حکومت میں داد خواہ آسانی کے ساتھ ہر درجے کے حکام بلکہ شہنشاہ تک کے پاس پہنچ جاتے تھے -

سنگین اور غیر مساوی سزائیں

ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات پر دارالعلوم کی منتخب کمیٹی نے جو مشہور "پانچویں رپورٹ" مورخہ ۲۸ جولائی سنہ ۱۸۱۲ع لکھی ہے وہ اس زمانے کی معلومات کے لحاظ سے جس کا ہم ذکر کر رہے ہیں بڑی قابل قدر ہے - سنہ ۱۷۷۴ع میں سپریم کورٹ کے قیام سے پہلے کلکتہ میں مئر [۱] کی عدالت نے ملزموں کو جو سزائیں دی ہیں ہم ان کی تین مثالیں پیش کرتے ہیں :

(۱) ۳۰ نومبر سنہ ۱۷۶۲ع حملے کا مقدمہ — ہر دو شنبہ کے دن ملزم کو ایک مہینے تک گاڑی کے پیچھے باندھ کر نو زنجیروں والے کوڑے سے سزا دی جائے -

(۲) یکم ستمبر سنہ ۱۷۶۳ع نقب زنی — ملزم کو سزائے موت دی گئی -

(۳) ۲۷ فروری سنہ ۱۷۶۵ع جعلسازی — ملزم سزائے موت کا مستوجب تھا لیکن اُسے معافی دیدی گئی -

آخرالذکر مقدمے کا مہاراجہ نند کمار کے مشہور مقدمے سے مقابلہ کیا جاسکتا ہے جو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ماتحت پہلے بردوان ، ندیا اور ہگلی کا کلکٹر تھا اور بعدازاں بنگال کا نائب صوبہ‌دار بنایا گیا - اُسے سپریم کورٹ میں جعلسازی کا مجرم قرار دیا گیا ، سزائے موت کا حکم سنایا گیا اور اگست سنہ ۱۷۷۵ع میں اُسے پھانسی دے دی گئی - اس مقدمے کی تہ میں سیاسی مصالح تھے اور ظاہر ہے کہ جعلسازی کے مختلف مقدمات میں سزاؤں کی نوعیت بھی بہت مختلف ہوتی تھی -

---

Mayor—[۱]

سپریم کورٹ کی سزائیں

اب ہم تین اور مقدمات کا ذکر کرتے ہیں جن میں سپریم کورٹ نے جمعرات کے روز بتاریخ ۱۸ دسمبر سنہ ۱۸۰۶ع فیصلے صادر کئے جن کی رپورٹ کلکتہ گزٹ میں شایع ہوئی تھی :

(۱) الگزنڈر مور [۱] سپاہی جس نے بمقام متھرا ایک ذاتی لڑائی میں دوسرے سپاہی کو مار ڈالا - ملزم کو قتل انسان کی پاداش میں ایک سال قید اور بیس روپے جرمانہ یا مزید قید کا حکم سنایا گیا -

(۲) اس جیمز ڈمپسی [۲] سپاہی جس نے بمقام الہ‌آباد باکسنگ [۳] ('' گھونسہ بازی '') میں ایک سپاہی کو مارڈالا - ملزم کو قتل انسان کی پاداش میں ایک ہفتہ کی قید اور ایک روپیہ جرمانے کی سزا دی گئی -

(۳) لفٹنٹ چارلس رائن [۴] جس نے بمقام کان‌پور ایک اور افسر کو ذاتی لڑائی میں مارڈالا - ملزم کو قتل انسان کی پاداش میں ایک سو روپیہ جرمانہ اور ایک ماہ قید کی سزا دی گئی -

عدالتوں کے مضرب اخلاق پہلو

گذشتہ باب میں ہم یہ ذکر کرچکے ہیں کہ جدید عدالتوں کا ان کے عہدہ‌داروں کے تقرر اور طریق انصاف کے لحاظ سے سید غلام حسین خاں مصنف '' سیرالمتاخرین '' سنہ ۱۷۸۳ع پر کوئی اچھا اثر نہ پڑا - دارالعلوم کی منتخب کمیٹی کی '' پانچویں رپورٹ '' (سنہ ۱۸۱۲ع) میں جس کا ہم ذکر کرچکے ہیں اس امر کی کافی شہادت موجود ہے کہ کمپنی کے برطانوی ملازم ' جج اور ذمہ دار حکام برطانوی عدالتوں کے نتائج سے بالکل مطمئن نہ تھے - مسٹر ہنری سٹریچی [۵] نے (جو بعدازاں سر ہنری سٹریچی ہوگئے) جو سرکٹ کے ایک جج تھے سوالات کے جواب میں صورت حال کا ایک افسوسناک مرقع کھینچتا ہے - وہ لکھتے ہیں '' لوگ پہلے کی بہ نسبت کسی

---

[۱]—Alexander Moore

[۲]—James Dempsey

[۳]—Boxing

[۴]—Lieutenant Charles Ryan

[۵]—Mr. Henry Strachey

قدر زیادہ شہوت پرست ہوگئے ہیں - عیاری ، دروغ حلفی ، دھوکا اور جھوٹ کے خصائل رذیلہ یقیناً زیادہ عام ہو گئے ہیں - شراب خوری ، بدچلنی ، بداخلاقی اور شہدپن کے اخلاقی عیوب ایسے نظام حکومت میں لازمی طور پر بڑھیں گے جو اگرچہ اسلامی قانون کو کام میں لانے کا دعوی کرتا ہے لیکن ان بداخلاقیوں کی پاداش میں ملزموں کو سزا نہیں دیتا '' - کسی دوسری جگہ مسٹر موصوف یہ رائے ظاہر کرتے ہیں : '' میں اپنی اس رائے کو پیش کرنے کی اجازت چاہتا ہوں کہ انصاف کی کسی عدالت میں اخلاق کا کوئی سبق نہیں پڑھایا جاتا - میرے پاس اس امر کے باور کرنے کے وجوہ موجود ہیں کہ کلکتہ میں قانون کا جو نظام ہم نے قائم کیا ہے اس سے لوگوں کے اخلاق زیادہ خراب ہو گئے ہیں - میں اخلاق کی خرابی کو تمام تر نہ صرف حکومت کیطرف بلا امتیاز سوسائٹی و آبادی اور رقبے کی وسعت کے منسوب کرتا ہوں بلکہ اس خرابی کے کچھ حصے کی ذمہ‌داری سپریم کورٹ پر بھی عائد ہوتی ہے - میں کسی ایسے دیسی کو نہیں جانتا جس کے اخلاق اور عادات و اطوار سپریم کورٹ سے تعلق رکھنے کے باعث خراب نہ ہوے ہوں '' -

پولس اور قانونی عدالتیں : ان کے بااثر ہونے کی شرائط

مسٹر جیمس مل اپنی تاریخ برٹش انڈیا (کتاب ۶ باب ۶) میں پانچویں کمیٹی کی رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے اس مضمون پر بحث کرتے اور لکھتے ہیں : '' جن اسباب سے جرائم رواج پذیر ہوے ان میں انصاف کرنے والی عدالتوں کے رویہ اور دستور کا بھی دخل ہے - عدالتیں اس قدر بداخلاق بیان کی جاتی ہیں کہ وہ ہندوستانی سیرت میں رذالت کا ایک گہرا رنگ بھر دیتی ہیں اور وہ ان دیسی باشندوں کو جو عدالتوں میں جاتے ہیں حد سے زیادہ بگاڑ دیتی ہیں - اس سے بڑھ کر کوئی الزام نہیں ہو سکتا جو عدالتوں کی اندرونی خباثت کے متعلق عائد کیا جاتا ہے جو آسانی کے ساتھ قیاس میں نہیں آسکتا.....یہ ممکن نہیں کہ کوئی عدالت اپنے بدنصیب اہل مقدمہ کو ناکارہ رسوم اور ضابطے کی بھول بھلیوں میں بھٹکائے اور وہ عیاری اور فریب کا مرکز بلکہ مکر و فریب کے فنون کی درسگاہوں کی سرتاج نہ بن جائے - یہ امر بلا شک و شبہ ثابت ہوگیا ہے کہ ہندوستان کی عدالتیں اس قسم کی ہیں اور ان میں سب سے بڑھ کر سپریم کورٹ ہے جو انگریزی قانون کی

۱۰

عدالت ہے " - اس ہمہ گیر بیان میں مبالغہ ہے اور اگر " پانچویں رپورٹ " (ضمیمہ دہم) تمام پڑھی جائے تو اس کے سلسلۂ مضامین سے یہ مبالغہ حق بجانب معلوم نہیں ہوتا - لیکن جن خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے وہ موجود تھیں اور ہمیں تسلیم کرنا چاہئے کہ سواسو برس کے بعد یہ خرابیاں اب بھی پائی جاتی ہیں جو ہندوستان کے خاص حالات کا لازمی نتیجہ ہیں - لیکن ہمیں عدالت کے جدید نظام کی خوبیوں کا بھی اعتراف کرنا چاہئے - قانون میں بتدریج دور حاضر کی ضروریات کے مطابق تبدیلی ہونے لگی - عدالتوں کے طریق کار میں بتدریج اصلاح ہوتی گئی - ان میں آزادی کا جذبہ پیدا ہوتا گیا - وکیلوں اور بیرسٹروں کی ایسی جماعت تیار ہوگئی جو زیادہ ذی علم اور بیدار تھی اور خود عدالتیں ذاتی امور سے بالاتر ہوتی گئیں - گورنمنٹ کے سکرٹری (مسٹر ڈاوڈس ویل)[۱] نے " پانچویں رپورٹ " میں پولیس کے نظام پر سختی کے ساتھ جو نکتہ چینی کی تھی وہ اُس وقت بلا شبہ حق بجانب قرار دی جاسکتی تھی اور اب بھی اس نکتہ چینی کو ایک حد تک حق بجانب قرار دیا جاتا ہے - لیکن ہمیں یاد رکھنا چاہئے کہ پولیس اور قانونی عدالتیں ایک دوسرے کے نظام پر اثر ڈالتی ہیں - اور دونوں کا انحصار لوگوں کی تعلیمی حالت پر ہے یعنی اس بات پر کہ آیا ان میں اچھی شہریت کا احساس پیدا ہوا ہے یا نہیں اور آیا حاکم و محکوم کے درمیان باہمی اعتماد کا جذبہ موجود ہے یا نہیں -

ہندوستانی اخلاق کی تصویر کا پہلو کیوں تاریک ہے؟

ان حالات میں ہم ہندوستانیوں کے عادات و اطوار اور اخلاق کی ان دھندلی اور تاریک تصویروں پر تعجب کا اظہار نہیں کرسکتے جو ان لوگوں نے نیک نیتی سے کھینچیں جنھیں جرائم پیشہ لوگوں یا مقدمہ باز جماعتوں سے سابقہ پڑا - اس سابقے کا ذریعہ زیادہ تر قانونی عدالتیں تھیں یا وہ حکام جو اخلاق کی پستی میں پڑے تھے حکام کے ساتھ میل جول اور سیاسیات کے ناپاک کھیل کھیل رہے تھے - عیسائی مشنریوں نے ان حالات کی جو تصویر کھینچی ہے وہ اور بھی زیادہ دھندلی اور تاریک ہے اور اس کے تین وجوہ ہیں - اول تو ان کے دل میں غیر عیسائی مذاہب کے خلاف تعصب تھا جس کی وجہ سے

[۱]—Mr. Dowdeswell

وہ صورت حال کو اس کے اصلی رنگ میں نہ دیکھ سکے - دوم ان کا سابقہ زیادہ تر ان جماعتوں سے پڑتا تھا جو ہندوستان میں نہایت پست اور ذلیل تھیں - انھوں نے انھیں صورتوں کی تصویر اتاری جو انھوں نے دیکھیں اور اس تصویر کو ہندوستان کے تمام لوگوں کی تصویر سمجھ کر دنیا میں پیش کردی - انھوں نے ہندوستان کے تمام باشندوں کی نسبت یہ سمجھ لیا کہ وہ بت پرست اور بے دین ہیں جو اور " از سر تا پا تاریکی میں ہیں " - سوم اگر یہ عیسائی مشنری غیر برطانوی یوروپین بھی ہوتے تو بھی ممکن تھا کہ جدید سیاسی طاقت اُن پر اپنا اثر ڈالتی اور ان سے کام لیتی جیسا کہ اُس نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازموں میں زیادہ مخلص اشخاص پر اثر ڈالا - اور نیز ایسے اشخاص پر ڈالا جو ہندوستان میں کمپنی کی پالیسی کے ذمہ‌دار تھے - جرمن مشنری شوارتز [۱] کو حکومت مدراس نے سنہ ۱۷۷۹ع میں حیدر علی کے پاس سرنگا پٹم اس غرض سے بھیجا تھا کہ حیدر علی کے مقاصد کی جاسوسی کرے - فرانسیسی مشنری ایبے ڈبوا [۲] سے اسی طرح کرنیل ولزلی [۳] نے جس کو بعد میں ڈیوک آف ولنگٹن کا خطاب ملا سنہ ۱۸۰۰ع میں کام لیا تھا - یعنی ٹیپو سلطان کے ماتحت جو لوگ مسلمان ہوگئے تھے ان کو پھر عیسائی کر لیاجائے - سنہ ۱۸۰۷ع میں مدراس گورنمنٹ نے مشنری مذکور کی اس کتاب کے نسخے کو خرید لیا جو اس نے ہندوؤں کے آداب معاشرت پر لکھی تھی - اس معاملے کی اطلاع کورٹ آف ڈائرکٹرس [۴] کو دی گئی اور انھیں بتایا گیا کہ یہ " انتظام عام حیثیت سے بڑی اہمیت رکھتا ہے " - چارلس گرانٹ [۵] (سنہ ۱۷۴۶ع تا سنہ ۱۸۲۳ع) سکاٹلینڈ کا ایک قابل ذکر باشندہ تھا (جو فرقہ کلیپہم [۶] کا رکن تھا) اس کے مذہبی میلان اور استقلال نے برٹش انڈیا کی ابتدائی تمدنی تاریخ پر ایک گہرا اثر ڈالا ہے - جرمن مشنری شوارتز

Schwartz—[۱]
Abbe Dubois—[۲]
Colonel Wellesley—[۳]
Court of Directors—[۴]
Charles Grant—[۵]
Clapham—[۶]

کا اس پر بہت زیادہ اثر تھا - ہندوستان کے ساتھ گرانٹ کا تعلق چار حیثیتوں سے رہا - سنہ ۱۷۶۷ع سے سنہ ۱۷۷۱ع تک وہ بنگال میں ذاتی تجارت کرتا رہا - سنہ ۱۷۷۳ع سے سنہ ۱۷۹۰ع تک وہ کمپنی کا ایک مشہور اور سربرآوردہ ملازم تھا اور اس نے عیسائی مشنریوں کی بڑے زور سے تائید کی - جب وہ انگلستان واپس پہنچا - تو اس نے ڈائرکٹروں کی مجلس میں ہندوستانی پالیسی پر اثر ڈالا - اور اس سے بھی زیادہ اثر بحیثیت ممبر پارلیمنٹ کے برطانیہ کی رائے عامہ پر ڈالا -

عہدہ داروں اور مشنریوں نے کیا کیا دیکھا ؟

گرانٹ نے سنہ ۱۷۹۲ع میں برطانیہ کی ایشیائی رعایا میں سوسائٹی کی حالت پر اپنے جن مشاہدات کو قلمبند کیا ہے ان میں لوگوں کی سیرت اور اخلاق کے متعلق نہایت جلے کٹے الفاظ استعمال کئے ہیں - بقول اس کے لوگ نہایت خبیث تھے اور ان میں بھی بنگال کے باشندوں کی حالت اور زیادہ خراب تھی - ان کی سیرت' سچائی' ایمانداری اور نیک نیتی کے اوصاف سے معرا تھی ' وہ ان خوبیوں کے مالک ہونے کا دعوی تک نہیں کرتے تھے - بنارس کا ایک شخص ابراھیم علی خاں ایماندار آدمی تھا لیکن اسے مستثنی سمجھنا چاھئے - بحیثیت مجموعی ' لوگ خود غرض ' بزدل اور بےرحم تھے - انہیں اپنے بچوں تک سے محبت نہ تھی - کیونکہ وہ قحط کے دنوں میں انہیں بیچ ڈالتے تھے اور قحط گذر جانے کے بعد بھی ان کے واپس لینے کی کوشش نہیں کرتے تھے - ہمیں تعجب ہے کہ مسٹر گرانٹ نے یہ کیوں دریافت نہیں کیا کہ آیا خود والدین ان خوفناک قحطوں کے بعد زندہ رہتے تھے یا نہیں - حضرت ایبے ڈبوا کو جنھوں نے ہندوؤں کے اخلاق اور عادات و اطوار کا گہرا مطالعہ کیا ہے ان کے سنبھلنے کی کوئی امید نظر نہیں آتی - وہ لکھتے ہیں : " جب تک ان کے جسمانی اور دماغی قوا اس تنگ دائرے میں محدود رہیں گے وہ افلاس کے قعر مذلت میں پڑے رہیں گے " - ان حضرت کی یہ بھی رائے تھی کہ قبل اس کے کہ ان کے سامنے ایک نیا مذھب اور نئے قوانین پیش کئے جائیں یہ ضروری ہوگا کہ ان کی تہذیب ان کے مذھب اور ان کے دستوری نظام کی بیخ‌کنی کر دی جائے اور ان کو بےدین اور وحشی بنا دیا جائے - لیکن اس حالت میں بھی ان حضرت کو اطمینان کی صورت

نظر نہ آئی - بلکہ ان کی یہ رائے تھی کہ ہندوستانیوں کو نئی فطرت اور نیا رجحان کا عطا کرنا ضروری تھا ورنہ ان کی آخری حالت پہلی حالت سے بھی زیادہ ردی ہوجاتی - ہم تصویر کے اس تاریک پہلو کو ہنسی میں اڑا سکتے ہیں اور اس امر پر حیران ہیں کہ جن لوگوں نے ایسے خیالات کو تسلیم کیا تھا وہ کسی قسم کی سیاسی، معاشرتی یا مذہبی کوشش کرنے پر آمادہ ہو سکتے تھے، کیونکہ انھوں نے نہ صرف واقعات بلکہ مستقبل کی تمام امیدوں کے متعلق نا امیدی اور افسردگی کو اپنے دل میں جگہ دے رکھی تھی - خوش قسمتی سے سیرام پور کے مشنریوں اور کلیپہم فرقے کے عیسائیوں نے خود ایسے طریق کار اختیار کئے جو مذکورۂ بالا خیالات سے متضاد تھے اور اس وجہ سے ہندوستان میں تعلیم کو فروغ دینے میں عملی طور پر کافی حصہ لیا -

غیر جانبدار روشن خیال آدمیوں نے کیا کیا دیکھا ؟

انگلستان سے آنے والے آدمیوں میں یا تو سرکاری لوگ تھے یا مشنری، انھوں نے اور ہی قسم کی تصویر کھینچی - تامس ٹوائننگ[۱] سنہ ۱۷۹۲ع میں مدراس میں وارد ہوئے انھوں نے بنگال میں چند سال ایسٹ انڈیا کمپنی کی ملازمت کی - وہ اپنے تجربات کی ایک کتاب ہمارے لئے چھوڑ گئے ہیں - ادنیٰ درجے کے ہندوستانیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں : "مجھے یقیناً ایسی صورتوں کے دیکھنے کی توقع نہ تھی جو ان مضحکہ خیز اور عجیب و غریب شکلوں کے مشابہ تھیں جو میں نے لندن کے سٹیج پر دیکھی تھیں - لیکن مجھے اس بات کی ہرگز امید نہ تھی کہ ان کی شخصیت وحشت اور بھدے پن سے بالکل معرا ہو گی - ان کے چہرے کریہ‌المنظر نہ تھے ان کے خط و خال اور اعضا عورتوں کی طرح نازک تھے اور ان کے اخلاق بھی ویسے ہی شریفانہ تھے" وہ مدراس میں کمپنی کے بوٹانیکل گارڈن (باغ) کا ذکر کرتے ہوئے اس کے پھلوں کی تعریف میں رطب‌اللسان ہیں - حسب ذیل پھل ان کے لئے ایک نئی چیز تھے "تازگی بخش چکوترا، تیز خوشبودار کٹھل، لطیف و ذائقہ دار پپیتا، مزیدار شریفہ، نفیس اور خوش ذائقہ آم جس کی کئی دلپسند قسمیں ہیں، چین کی لیچی، لوکاٹ جو چین کے ایک اور پھل کا نام ہے جس سے آنکھ کو تراوت اور زبان کو لطف حاصل ہوتا ہے" کیلا ان کے لئے

Thomas Twining—[1]

نئی چیز تھا ' انھوں نے اُن کو ساسیج (انگریزی لنگوچہ) سمجھا - نومبر اور دسمبر سنہ ۱۷۹۴ع میں وہ دھلی میں تھے - انھوں نے شہر کو آباد پایا لیکن اس کی آبادی گنجان نہ تھی - باشندوں کی وضع و قطع سے سپاہیانہ شان پائی جاتی تھی - ان کے برتاؤ میں اعلیٰ درجے کا اخلاق نظر آتا تھا - کسی نے اُن کو بدتمیزی کے ساتھ گھور کر نہیں دیکھا - مغل شہنشاہ کی طرف سے جس نواب (سید رضا خاں) نے اُن کا خیر مقدم کیا وہ نہایت ذہین اور فہیم شخص تھا اور اعلیٰ مرتبے کے لحاظ سے اس کے عادات و اطوار میں متانت اور شائستگی پائی جاتی تھی - ملازم ملاقات کی رسم کے موقعوں پر اپنے آقا کے ساتھ ڈھال اور تلوار لےکر جاتے تھے -

دھلی کا دربار

جب تامس ٹوائنننگ کو شہنشاہ کی حضور میں پیش کیا گیا تو انھیں خلعت عطا کی گئی جو نفیس ململ کی تھی - جس پر سنہرا کام بنا ہوا تھا - اسی حیثیت کے طلائی کامدار ڈھیلے جوتے تھے - پگڑی باریک ململ کی تھی - جس پر زری کا کام تھا - انھوں نے سفید ململ کا دوپٹہ جس پر سنہرا کام بنا ہوا تھا اور جس کے سرے پر جو زمین تک لٹکتا تھا طلائی جھالر لگی ہوئی تھی اپنے شانے پر ڈال لیا - انھوں نے ململ کے ایک اور لمبے ٹکڑے کو دوپٹے کے نیچے اور قبا کے اوپر کمر کے گرد لپیٹ لیا - پھر شہنشاہ کے حضور میں پانچ طلائی مہروں کی نذر پیش کی جو تقریباً آٹھ پونڈ کے برابر تھیں - اُن کے منشی کو بھی ایک خوبصورت سبز رنگ کی شال عطا ہوئی اس کے بعد ٹوائنننگ کو شہنشاہ کی طرف سے یہ فرمان ملا " تمھارا کھانا حضوری سے جائےگا " - یہ فرمان کھانے کی دعوت کے مترادف تھا -

ہندوؤں اور مسلمانوں کی پوشاک

دربار کی پوشاک کا دلچسپ بیان ان تفصیلی حالات کے مطابق ھے جو ھمیں اس زمانے کی تصویروں سے معلوم ہوتے ھیں - ہندو اور مسلمان امرا نہ صرف دھلی بلکہ ان بیرونی علاقوں میں بھی جو سلطنت مغلیہ کے نام نہاد مقبوضات میں تھے سرکاری مراسم کی تقریب پر ایک ھی قسم کا لباس پہنا کرتے تھے - ھم سراج الدولہ کی شبیہ [1]

---

[1] ایس - سی - ھل (S. C. Hill) کی کتاب بنگال سنہ ۵۷-۱۷۵۶ء جلد ۱ صفحہ دیباچہ ۲۳ -

کا مہاراجہ تپ کشن بہادر بانئی سوا بازار خاندان کی شبیہ سے مقابلہ کرسکتے ہیں - آخرالذکر کے لئے کلائو نے سنہ ۱۷۶۶ع میں شہنشاہ شاہ عالم سے مہاراجہ کا خطاب اور چھہ ہزار کا منصب حاصل کیا جس کی شبیہ ان - ان - گھوش کی کتاب '' مہاراجہ کی سوانح عمری میں پائی جاتی ہے - ارکاٹ کے خاندان اور حیدرآباد کے خاندان کی معاصرانہ شبیہوں میں بھی اسی قسم کی خصوصیات نظر آتی ہیں -

ان کا باہمی احترام

ہندووں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات کی ابھی تک یہ خصوصیت تھی کہ وہ ایک دوسرے کی عزت کرتے تھے تی - ڈی - بروٹن [۱] نے اپنی کتاب موسومہ '' ایک مرھٹہ کمپ سے مطبوعات '' سنہ ۱۸۰۹ع (صفحہ ۵۱) میں سیندھیا کے دربار اور کمپ میں رزیڈنٹ کی حیثیت سے جو کچھ دیکھا اس کا ایک دلفریب مرقع کھینچا ہے - وہ بیان کرتے ہیں کہ مرھٹے محرم کا تہوار احترام کے ساتھ منایا کرتے تھے - جب فروری سنہ ۱۸۰۹ع میں ہولی کا تہوار محرم کے دنوں میں آپڑا تو اُس موقعے پر انہوں نے ناچ مجرا سے احتراز کیا جو ہولی کا ایک لازمہ تھا - ریاست کا ہر باشندہ جس میں خود مہاراجہ بھی شامل تھا ایک فقیر کی طرح محرم میں سبز رنگ کا لباس پہنتا تھا - اور تعزئے دیکھنے جایا کرتا تھا -

سلطنت مغلیہ کا رعب اور اقتدار

سلطنت مغلیہ کا رعب اور اقتدار ہندوستان میں اب بھی ہندووں اور مسلمانوں دونوں کے دلوں میں بہت زیادہ تھا - سندھیا ابھی تک اصولاً پیشوا کا ایجنٹ تھا اور پیشوا خود سلطنت مغلیہ کا وکیل مطلق تھا - جب سنہ ۱۷۹۵ع میں انگریزوں نے نظام سے رابطۂ اتحاد منقطع کردیا اور نظام کی فوج نے دشمن پر حملہ کئے بغیر کھاروا میں مرھٹوں کے سامنے ہتھیار ڈال دئے تو یہ ایسا واقعہ نہیں تھا جس کے لئے مرھٹہ سردار اپنے آپ کو مبارکباد کے قابل سمجھتے - بلکہ اس سے نوجوان پیشوا کو رنج ہوا اور اس نے اپنے وزیر نانا فرنویس سے کہا : '' مجھے اس پست ہمتی کو دیکھ کر رنج ہوا ہے جو فریقین نے ظاہر کی ہے - ایک طرف مغلوں نے شرمناک طور پر ہتھیار ڈال دئے

T. D. Broughton—[۱]

ہیں اور دوسری طرف ہمارے سپاہی ایک ایسی فتح پر ڈینگیں مار رہے ہیں جو انہوں نے بغیر کسی کوشش کے حاصل کی " (نانا فرنویس کی سوانح عمری صفحہ ۹۹ مرتبہ میکڈونلڈ) [۱] - جب سنہ ۱۸۱۳ع میں تراونکور کی رانی تمبوریٹی نے انگریزوں کے مشورہ اور ترغیب کے خلاف اس بات پر زور دیا کہ مغل شہنشاہ سے اس کے بیٹے کے لئے جو ابھی بچہ ہی تھا گدی نشینی کی خلعت کے لئے درخواست کی جائے تو انگریزوں کو تعجب ہوا اس لئے کہ رانی کی ریاست براہ راست کبھی مغل حکومت کے ماتحت نہیں رہی - اس کے علاوہ اس وقت مغل شہنشاہ کی شخصیت ایک خیالی تصویر سے زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی - (ہندوستان مصنفہ ہملٹن جلد ۱ صفحہ ۴۲۳) -

ایک مصور کا بیان

ایک مصور کے مشاہدات جو ایک برطانوی سیاح تھا ہمارے لئے خصوصیت کے ساتھ دلچسپی کا باعث ہیں کیونکہ اس نے احتیاط کے ساتھ لوگوں کی تمدنی حالت کے پہلو قلمبند کئے ہیں اور ان پہلوؤں کو ان تصاویر سے روشن اور واضح کیا ہے جو اس نے موقع پر بنائیں اس مصور کا نام ولیم ہاجس[۲] تھا جو سنہ ۱۷۸۰ع سے سنہ ۱۷۸۳ع تک ہندوستان میں رہا - ہندوستان جانے سے قبل اُس کی تصاویر کو رائل اکیڈیمی کی نمایش میں جگہ ملی تھی اور وہ خود سنہ ۱۷۸۹ع میں رائل اکیڈیمی کا ممبر منتخب ہوا اس نے ہندوستان کی قدیم یادگاروں کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کیا اور اپنی سیاحت کی ایک کتاب بھی شائع کی - ایک مصور کی حیثیت سے وہ ہندوستانیوں کے چھوٹے اور نازک ہاتھوں کی حقیقت کو دیکھتے ہی سمجھ گیا تھا - یورپین ہاتھوں کے لئے ہندوستانی تلوار کے دستے بہت چھوٹے تھے - کم سے کم جنوبی پریزیڈنسی میں اس نے یہی مشاہدہ کیا - ملک کا عام لباس ململ کا ایک لمبا جامہ تھا جسے ہندو اور مسلمان دونوں پہنتے تھے - کلکتہ دریا کے کنارے پر ایک لمبا شہر تھا جس کی چوڑائی زیادہ نہ تھی - یہ شہر فورٹ ولیم کے مغربی گوشے سے کاسی پور تک پھیلا ہوا تھا جس کا فاصلہ تقریباً ۴½ میل ہے

Mac Donald—[۱]

William Hodges—[۲]

(یہ فورٹ ولیم وہ نیا قلعہ ہوگا جس کی تعمیر سنہ ۱۷۷۳ع میں ختم ہوئی) -
اس سے پایا جاتا ہے کہ کلکتہ کی توسیع شمال اور جنوب کی جانب اس وقت
کے مقابلے میں ابھی تک بہت کم ہوئی ہے اس لئے کہ علی پور اور گارڈن ریچ
ابھی تک شہر کے نواحی علاقے سمجھے جاتے ہیں - عام طور پر آمد و رفت
کے لئے معمولی گاڑیاں (کوچز Coaches جیسی لندن میں ہوتی ہیں) - فٹن ،
دوپہیہ اور ایک گھوڑے کی گاڑیاں ، پالکیاں اور چھکڑے استعمال کئے جاتے تھے -
ولیم ھاجس نے لکھا ہے کہ کلکتہ میں پہلا مکان جس میں فن تعمیر کے پہلو
دکھائے گئے ہیں وارن ہیسٹنگز نے بنوایا تھا - اس کی عمارت ابھی تک علی پور
(کلکتہ) میں ہیسٹنگز ھاوس کے نام سے موجود ہے اور اس زمانے کی وضع و قطع
کا نمونہ ہے -

تعلیمی درس گاہیں : دیہاتی زندگی

کٹرہ مرشد آباد میں اُس نے ایک عام اسلامی درسگاہ کے کھنڈر دیکھے -
مدرسے کی تعمیر کے نمونے میں بعض پہلو ایسے خاص تھے کہ ہم ان کا
ذکر کرنا ضروری سمجھتے ہیں - یہ عمارت ایک بڑے مربع قطعہ میں تھی -
ہر سمت تقریباً ستر فٹ تھی - برآمدے میں علیحدہ علیحدہ کمرے تھے
ہر کمرے کے اوپر ایک گنبد تھا اور کمرے میں روشنی کھڑکی کے ذریعے سے
ہوتی تھی - مقابل کی سمت پر مسجد بنی ہوئی تھی - بھاگلپور کے قریب
اس نے ایک جولاھے کو اپنے کرگہ پر بیٹھا دیکھا پیپل کے درخت کے خوشگوار
سائے میں وہ اپنا کام کر رھا تھا اور ایک دوست اس کے پاس کچھ بجارھا تھا -
وہ بیان کرتے ھیں کہ ملک میں بدنظمی اور فساد کی تباہ کن وبا سے پہلے
اس قسم کے منظر "مغل حکومت کے پر مسرت زمانے میں" عام طور پر پائے
جاتے تھے - انھوں نے دیہات کو صاف حالت میں دیکھا - راستے جھاڑو سے صاف
کئے جاتے تھے اور ان پر چھڑکاؤ ہوتا تھا - گھروں کے دروازوں کے سامنے ریت
بچھائی جاتی تھی - وہ عورتوں کی سادگی اور ان کی اعلیٰ درجہ کی سیرت
کو دیکھ کر دنگ رہ گیا -

انگلستان سے جو مصور آئے

ہم اس مصور کے شکر گزار ہیں کہ اس کی مصوری کے صدقے میں ہمیں
ھندوستانی زندگی کی اس جھلک کے دیکھنے کا موقعہ مل گیا - جس کی

حقیقت سے کلکتہ کے تاجر اور عہدیدار بہت کم آگاہ تھے - اس زمانے میں مغرب کے ایک سے زیادہ جلیل القدر مصوروں نے ہندوستان کی سیاحت کی - زوفانی ان سب میں زیادہ مشہور تھا وہ سنہ ۱۷۸۳ع سے ۱۷۹۰ع تک ہندوستان میں آیا - اس دوران میں اس نے ایسی تصویریں بنائیں جن میں مشہور اشخاص کی شبیہہ کے ساتھ معاشرتی اور تاریخی واقعات کو اس قابلیت کے ساتھ یکجا پیش کیا ہے جو ڈرامے کے فن میں پائی جاتی ہے - اُس کی ایک مشہور تصویر کا نام " کرنل مارڈانٹ کے مرغوں کی لڑائی[1] " ہے - اس میں ایک طرف لکھنؤ کے نواب اور دوسرے طرف انگریز افسر مرغوں کی لڑائی کے انتظام میں مصروف نظر آتے ہیں - شائقین کے حلقوں میں اس تصویر کے کندہ نقوش کی بہت تلاش رہتی - ایک اور تصویر موسومہ " ایسٹ انڈیز میں چیتے کا شکار " ہے جس میں انگریزوں کے ابتدائی دور کی پوری شان و شوکت شکار کے منظر میں دکھائی گئی ہے - کلکتہ کے وکٹوریہ میموریل میں زوفانی کی کئی تصویریں ہیں جن میں سے ایک کا مضمون یہ ہے " ٹیپو صاحب کا بیٹا لارڈ کارنوالس کی حضور میں آتا ہے " - یہ تصویر اس وقت کھینچی گئی ہوگی جب زوفانی ہندوستان سے روانہ ہوچکا تھا - حال ہی میں (۲۸ جون سنہ ۱۹۲۹ع) کو لندن کے کرسٹیز آکشن روم[2] (نیلام گھر) میں ایک تصویر فروخت ہوئی اُس تصویر میں ایک ہندوستانی منظر دکھایا گیا ہے اور زوفانی مع اپنے پالتو بندر کے بیٹھا ہوا تصویر کھینچ رہا ہے - کرنل پولیر[3] اپنے ہندوستانی باورچی کے ساتھ موجود ہے اور کرنل مارٹن[4] جو لکھنؤ میں مارٹینز کالج کا بانی تھا اپنی عمارت کا نقشہ دکھا رہا ہے جو ایک ہندوستانی نوکر اپنے ہاتھ میں لئے ہوئے ہے - یہ تصویر غالباً سنہ ۱۷۸۸ع میں کلکتہ کے ایک مکان میں کھینچی گئی ہوگی -

مغربی مصوروں میں ہندوستان کی تصویروں کا رواج

اُن کے علاوہ مغرب کے اور مشہور مصور بھی تھے جنھوں نے اپنی تصویروں

---

[1]— Colonel Mordaunt's Cock-Match

[2]— Christies Auction Room

[3]— Colonel Polier

[4]— Colonel Martin

کے مضمون کے لئے ہندوستان کو پسند کیا - تامس ھکی[۱] نے سنہ ۱۷۹۹ع میں بمقام سرنگاپٹم اپنی مشہور تاریخی تصویریں تیار کیں - تامس ڈینیل[۲] اور ولیم ڈینیل[۳] جو چچا اور بھتیجے تھے سنہ ۱۷۸۴ع سے سنہ ۱۷۹۴ع تک ہندوستان میں رہے - بعد میں یہ دونوں لندن کی رائل اکیڈیمی کے ممبر منتخب ہوگئے - ان کی "اوریئنٹل سینری" (مشرقی مناظر) سنہ ۱۸۰۸ع جو چھ جلدوں میں ہے اور "اوریئنٹل انیولس" (مشرقی مرقعوں کے سالنامے) جو ولیم ڈینیل نے سنہ ۱۸۳۴ع سے سنہ ۱۸۳۷ع تک کے عرصے میں چار جلدوں میں تیار کئے اور جن کا سلسلہ ان کی ہردلعزیزی کے باعث دوسرے مصوروں نے بھی جاری رکھا اور مجموعہ اس زمانے کی زندگی پر ایسا مصور اور پر ہنر تبصرہ ہے جو ہمارے لئے نہایت قابل قدر ہے - انگلستان میں اس قسم کے لٹریچر کے رواج کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ سنہ ۱۸۳۵ع کی جلد ڈچز آف کنٹ[۴] اور پرنسس وکٹوریہ[۵] (بعد ازاں ملکہ وکٹوریہ) کے نام پر معنون کی گئیں - سنہ ۱۸۴۰ع کی جلد میں (منجملہ دیگر مصوروں کے) کپتان میڈوز ٹیلر[۶] کے مرقعے اور یادداشتیں ہیں کپتان ٹیلر اس وقت نظام کی سرکار میں ملازم تھے - اس سے پہلے کی جلدوں میں تصویروں کے خاکے ولیم ڈینیل کے ہیں جو انھوں نے ہندوستان میں اپنے قیام کے دوران میں تیار کئے تھے - بعد کی جلدوں میں دوسرے مصوروں کے مرقعے درج ہیں - ان میں سے ایک تصویر اکبر شاہ ثانی (سنہ ۱۸۰۲ع سے سنہ ۱۸۳۷ع) کی ہے جو ایک "ایرانی نقاش" نے تیار کی تھی ' ایرانی نقاش سے مراد غالباً ایک مسلمان نقاش ہے جو دہلی کے دربار میں تھا (اوریئنٹل انیول سنہ ۱۸۴۰ع) کلکتہ کے انڈین میوزیم (عجائب گھر) میں ایک چھوٹے پیمانے کی تصویر ہے جس کی نسبت مسٹر پرسی براؤن نے یہ لکھا ہے کہ یہ تصویر اٹھارھویں صدی کے اخیر کی ہوگی اور غالباً کانگڑے کے

Thomas Hickey—[۱]
Thomas Daniell—[۲]
William Daniell—[۳]
Duchess of Kent—[۴]
Princess Victoria—[۵]
Captain Meadows Taylor—[۶]

قلم سے تیار کی گئی ہوئی - یہ ایک ہردلعزیز منظر کی خوبصورت تصویر ہے جس میں دکھایا گیا ہے کہ ملک کے شمالی علاقے کی ایک جماعت فرودگاہ میں آگ کے گرد بیٹھی ہوئی ہے - اس تصویر میں ایک عجیب روشنی کا اثر پایا جاتا ہے غالباً کاغذ پر تصویر کھینچی گئی اور رنگ بھرے گئے - اس سے پہلے کاغذ پر سونے کا پانی چڑھایا گیا ہوگا جس سے چمک پیدا ہوتی ہے (دیکھو رسالہ انڈین آرٹس اینڈ لیٹرس[۱] جلد ۴ حصہ ۱ صفحہ ۱۴) -

انسانی تصویر کھینچنے کا فن

مشہور انگریزی مصور سر جوشوا رینالڈس[۲] اور ان کے شاگرد جیمز نارتھ کوٹ[۳] نے کئی ایسی شبیہیں بنائیں جو ہندوستان تک پہنچیں - کلکتہ کے وکٹوریہ میموریل ہال میں تصویروں کا جو مجموعہ ہے اس میں ان دونوں مصوروں کی تصویریں موجود ہیں - انگریزی فن مصوری میں یہ مصور اس زمانے کے اعلیٰ ترین استاد مانے جاتے تھے - ان کے کام کا اثر ہندوستانی مصوروں پر بھی غالباً پڑا ہوگا - ہندوستانی مصوروں کا ہمارے پاس کوئی مفصل تذکرہ موجود نہیں - گو ہم جانتے ہیں کہ ہندوستانی مصوروں نے دہلی اور لکھنؤ اور غالباً لاہور اور کلکتہ میں اعلیٰ درجے کی تصویریں بنائیں - انڈیا آفس[۴] کے دفتری کاغذات سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ امیرالبحر سر رابرٹ ہارلینڈ[۵] (سنہ ۱۷۷۲ع) میں ہز میجسٹی شاہ انگلستان اور ہر میجسٹی ملکہ انگلستان کی شبیہیں بطور تحفہ کے لائے - اور انہیں شہنشاہ شاہ عالم کی خدمت میں پیش کیا -

فن تعمیر

مصوری کی طرح فن تعمیر میں بھی سیاسی حالات اس امر کے متقاضی ہوئے کہ ہندوستانی صنعت کی بےقدری ہو اور اس کا بازار سرد پڑ جائے اور

---

[۱]—Indian Arts and Letters

[۲]—Sir Joshua Reynolds

[۳]—James Northcote

[۴]—دیکھو انڈیا آفس ریکارڈس ہوم متفرق جلد ۱۱۱ ضمن (۶) ان کاغذات کی نہایت عمدہ فہرست جو ایس - سی - ہل نے مرتب کی ہے دستیاب ہوسکتی ہے - یہ فہرست لندن میں سنہ ۱۹۲۷ع میں شایع ہوئی -

[۵]—Sir Robert Harland

انگریزی صنعت کو عام کیا جائے، اس کو افضل قرار دیا جائے اور انگریزی فیشن کی آواز بلند کی جائے - لیکن تصویر کشی اور فن تعمیر میں کئی قسم کے فرق ہوتے ہیں - شبیہ کشی کے فن کا انگلستان میں اُس وقت بہت زور تھا اور مصوروں کا طبقہ بہت کامیاب تھا - اس طبقے نے تخیل کو حقیقت سے وابستہ کر رکھا تھا - ان کا عمل ایسے کمال کے درجے تک پہنچ گیا تھا کہ وہ ہر ملک اور ہر زمانے کے لئے موزوں ہوسکتا تھا - اس کے برعکس فن تعمیر میں انگلستان اس وقت مسلمہ طور پر کمزور تھا - بطور استثنا آدم برادران[۱] کے کلام کی مثال دی جاسکتی ہے - اس کام کے چار بھائی تھے - اور چاروں میر عمارت تھے - ان میں سب سے زیادہ مشہور رابرٹ آدم تھا (جس نے سنہ ۱۷۲۸ع سے سنہ ۱۷۹۲ع تک کا زمانہ پایا ہے) اس نے لندن میں سٹرینڈ کے پاس اڈلفی کی عمارتیں اس انداز سے تعمیر کیں کہ ان سے دریائے تائمز[۲] کا منظر بخوبی نظر آتا ہے - اس کے علاوہ انہوں نے انگلستان کے مختلف مقامات پر امرا کے لئے اعلی قسم کے بہت سے مکانات بنائے - منجملہ ان کے کیڈلسٹن ہال[۳] واقع ڈربی‌شائر[۴] اُسی نے بنایا تھا جو لارڈ سکارس‌ڈیل[۵] کا مستقر تھا - اُسی مکان سے کچھ جزوی نقشہ کلکتہ کے گورنمنٹ ہاؤس کے لئے اخذ کیا گیا جس کی تعمیر مارکوئس ولزلي نے سنہ ۱۷۹۹ع میں شروع کی اور اس کي تکمیل سنہ ۱۸۰۳ع میں ہوئي جس پر ساڑھے تیرہ لاکھ روپیہ[۶] لاگت آئی - گورنمنٹ ہاؤس کلکتہ کی بڑی خوبي اس کی اندروني آرائش میں ہے - داخلے کے دروازے پر اس کی سیڑھیاں بلند چلی گئی ہیں - باہر سے یہ ایک شاندار عمارت نظر آتي ہے - اس تعمیر کا اثر انگریزوں کے ان ذاتی مکانات کی وضع اور قطع پر بھی پڑا جو اس وقت کلکتہ میں بنائے گئے - ان میں بہت سے مکانات چورنگھي کے گرد اب تک

---

[۱]—Brothers Adam

[۲]—Thames

[۳]—Kedleston Hall

[۴]—Derbyshire

[۵]—Lord Scarsdale

[۶]—لارڈ کرزن نے کتاب برٹش گورنمنٹ ان انڈیا (British Government in India) میں اس گورنمنٹ ہاؤس کا مفصل بیان درج کیا ہے - دیکھو جلد ۱ صفحہ ۳۹-۷۶ -

موجود ہیں - کلکتہ کا ٹاؤن ہال جو گورنمنٹ ہاؤس کے قریب واقع ہے سنہ ۱۸۰۴ع میں پبلک کے چندے سے جو زیادہ تر بذریعہ لاٹری فراہم کیا گیا تھا تعمیر ہوا - ٹاؤن ہال کی عمارت ڈورک[۱] وضع کی ہے جس پر سات لاکھ روپے لاگت آئی تھی - اسی ضمن میں تین اور پبلک عمارتوں کا ذکر کرنا بےجا نہ ہوگا جو کئی سال بعد تعمیر ہوئیں - گو فن تعمیر کے لحاظ سے ہر عمارت انفرادی حیثیت سے کوئی نہ کوئی خوبی رکھتی ہے تاہم مجموعی حیثیت سے وہ کچھ منتشر سی معلوم ہوتی ہیں - چرچ آف انگلینڈ[۲] کا مرکزی گرجا جو کلکتہ کے میدان میں سنہ ۱۸۳۹ع سے ۱۸۴۷ع تک کے عرصے میں تیار ہوا تقلیدی گاتھک[۳] وضع کا ہے، اور موقع و وسعت کے اعتبار سے ہندوستان کے لاٹ پادری کا گرجا ہونے کے قابل نہیں ہے - کلکتہ کی عدالت عالیہ جو سنہ ۱۸۷۲ع میں تعمیر ہوئی تھی بلجیم میں یپرز [۴] کے گاتھک ٹاؤن ہال کی صاف نقل ہے - یپرز وہ قصبہ ہے جس کو جنگ عظیم کا سب سے بڑا قبرستان کہہ سکتے ہیں - وکٹوریہ میموریل کی عمارت میدان میں واقع ہے - اس کا نقشہ سر ولیم امرسن[۵] نے تیار کیا تھا - یہ عمارت سنہ ۱۹۰۶ع سے سنہ ۱۹۲۱ع تک کے عرصے میں تیار ہوئی - اس میں رینےسنس[۶] اور ہندوستانی عربی وضع تعمیر مخلوط پائی جاتی ہے - یہ عمارت لارڈ کرزن کے تخیل کا نتیجہ تھی- اس پر ۷۶ لاکھ سے زیادہ رقم صرف ہوئی- وکٹوریہ میموریل بنانے والوں کا یہ منشا تھا کہ یہ عمارت ہندوستان کے اس وقت کے دارالحکومت میں برطانوی فن تعمیر کا اعلیٰ ترین نمونہ ہو - لیکن جب یہ عمارت زیر تعمیر تھی تو اسی دوران میں دارالحکومت دہلی میں منتقل ہوگیا - اب یہ وکٹوریہ میموریل ہندوستان میں برطانیہ کی تمدنی کوشش

---

[۱]—یونانی فن تعمیر کے تین طبقے شمار کئے جاتے ہیں ان میں سے ایک طبقہ ڈورک (Doric) ہے جس کی خصوصیت سادگی ہے -

[۲]- The Anglican Cathedral

[۳]—Gothic

[۴]—Ypres

[۵]—Sir William Emerson

[۶]—Renaissance کی وضع تعمیر وہ ہے جو پندرھویں، سولھویں صدی عیسوی میں مروج تھی اور جو کسی قدر قدیم زمانہ روم و یونان کے فن پر مبنی تھی -

کے بہت سے پہلوؤں کا ایک خاموش اور تنہا یادگار کلکتہ میں نظر آتا ہے - اگرچہ اس کے نتائج واقعات کے بالکل خلاف نکلے -

کامیابی کے شرائط

باعتبار ہنر فن تعمیر صرف اسی جگہ اپنے مقصد کو پورا کرسکتا ہے جہاں تعمیر کرنے والوں کا مکینں سے براہ راست تعلق ہو اور تعمیر کرنے والے وہاں کے تمدنی اور معاشرتی حالات اور نیز اس فضا کو جو آب و ہوا اور قدرت نے بہم پہنچا رکھی ہے خوب سمجھتے ہوں - اور اُن سے مانوس ہوں - اٹھارھویں صدی کی عام بد نظمی کے زمانے میں بھی جہاں کہیں عمدہ حکومت کی باگ ہندوستانیوں کے ہاتھ میں تھی ہم ایسی عمارتیں دیکھتے ہیں جو خوبصورت اور موزوں ہیں -

اس زمانے کی بعض عمدہ عمارتیں

جب شوارتز نے سنہ ۱۷۷۹ع میں بمقام سرنگاپٹم حیدرعلی سے ملاقات کی اُس نے دیکھا کہ اس کا محل ترشے ہوئے پتھر کی ایک عمدہ عمارت تھی جس میں پتھر کے کثیرالتعداد ستون تھے - اندور میں مشہور ہلکر رانی اہلیہ بائی نے سنہ ۱۷۹۵ع میں بہت سی خوبصورت عمارتیں اپنی یادگار میں چھوڑیں جن کا نمونہ چھتری باغ کے مقبروں میں دکھائی دیتا ہے - ان میں نہایت سبک نقش و نگار بنے ہوئے ہیں - اسی جگہ اُس کا اپنا خالی مقبرہ بھی موجود ہے - جےپور جس کو '' گلابی شہر '' کہا جاسکتا ہے اور جس کی تعمیر عمدہ نقشے کے مطابق کی گئی ہے مہاراجہ سوائی جےسنگھ ثانی کی تعمیر تھی - مہاراجہ کا سنہ ۱۷۴۳ع میں انتقال ہوا - وہ مشہور ''مرزا راجہ'' جےسنگھ اول کا پرپوتا تھا - جے پور کی چوڑی اور باقاعدہ سڑکوں اور پتھر کی شاندار عمارتوں سے ابھی تک فن تعمیر کی جھلک پائی جاتی ہے - امرتسر کے موجودہ طلائی مندر کے گنبد جسے دربار صاحب کہا جاتا ہے تانبے پر سونے کا پتر چڑھا ہوا ہے - یہ عمارت جس کے چاروں طرف تالاب ہے سنہ ۱۷۶۴ع سے کچھ بعد کی ہے - اگرچہ ارد گرد کی موجودہ ادنیٰ عمارتیں تعمیری حسن یا یہاں کی مذہبی فضا کے مطابق نہیں ہیں - پھر بھی بوجہ خلوص اور دلی ارادت کے اصلی عمارت ہندوستان میں اٹھارھویں صدی کے فن تعمیر کی اعلیٰ یادگاروں میں شامل ہے -

لکھنؤ کا فن تعمیر

اگرچہ لکھنؤ کی بعض قابل تعریف عمارتیں اکبر کے عہد کی بنی ہوئی ہیں مثلاً نادن محل اور ابراہیم چشتی کا مزار جو دونوں یحیی گنج میں واقع ہیں لیکن دارالحکومت کی حیثیت سے لکھنؤ کے عروج کا زمانہ آصف الدولہ کے عہد سے شروع ہوتا ہے جنھوں نے سنہ ۱۷۷۵ع سے سنہ ۱۷۹۷ع تک حکومت کی - انھوں نے اپنے دارالحکومت کو فیض آباد سے منتقل کرکے لکھنؤ کو اپنا پایہ تخت بنایا - آصف الدولہ نے شاندار عمارتیں بنوائیں - اُن کے زمانے کا فن تعمیر نہ صرف بجائے خود ایک دلچسپ مطالعہ ہے بلکہ مشرق اور مغرب کے ملاپ کی مثال ایسے حالات میں ہے جو کلکتہ یا برٹش انڈیا کے حالات سے بالکل مختلف ہے - لکھنؤ کی نوابی فضا میں مغربی فن اپنی حکومت کا سکہ چلانے کے لئے نہیں بلکہ مل کر کام چلانے اور خدمت کرنے کے لئے آیا - دراصل دونوں میں کوئی حقیقی اجتماع نہ تھا بلکہ یہ علحدہ علحدہ دو مستقل رجحانات تھے جنھوں نے ایک دوسرے کے ساتھ ساتھ ترقی کی اور اپنے اثر کو اسی طرح استعمال کیا جس طرح اچھے پڑوسی ایک دوسرے پر اثر ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں - آصف الدولہ کے فن تعمیر سے طاقت ، جدت ، نیک نیتی ، خلوص ، اور نئے نقشوں کی تلاش کا جذبہ پایا جاتا ہے - اس میں بڑی خوبی یہ ہے کہ یہ ضرورت سے زیادہ آرائش یا خوبصورتی پیدا کرنے کے لئے اعلیٰ سامان استعمال کرنے کی بجائے صحیح تناسب پر زیادہ زور دیتا ہے - عمارتیں اینٹوں کی بنی ہوئی ہیں اور ان میں استرکاری کی گئی ہے لیکن ان کا نقشہ سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہے اور یہ اچھی بنی ہوئی ہیں - یہ صورت نواب سعادت علی خاں کے عہد تک جاری رہی (جس نے سنہ ۱۷۹۸ع سے سنہ ۱۸۱۴ع تک حکومت کی) لیکن ان کے جانشینوں کے عہد میں فن تعمیر میں بتدریج زوال آنا شروع ہو گیا - یہاں تک کہ نوابوں کے آخری دور میں فن تعمیر کی حیثیت محض نمائشی اور بےڈھنگی تھی اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ جیمس فرگسن[۱] نے جو ہندوستان میں فن تعمیر کا مورخ تھا مذکورہ دور کی عمارتوں پر سخت نکتہ چینی کی ہے -

---

[۱]—James Ferguson

امام باڑہ کلاں جو اُس وقت اور اُس مقام کی تمدنی ضروریات کا مظہر ہے

آصف الدولہ کا امام باڑہ ایک قابل ذکر عمارت ہے - یہ اودھ کے شیعہ حکمرانوں کی معاشرتی اور روحانی زندگی پر پورا عکس ڈالتا ہے - تعمیری پہلو سے امام باڑے کی کامیابی کا سبب وہ خلوص اور دلی ارادت ہے جو اس تعمیر کی محرک تھی - اور یہی خلوص اور دلی ارادت لکھنوی اردو ادب کے بعض شعبوں یعنی مرثیہ اور ڈراما میں کامیابی کا باعث ہوئی جیسا کہ ہم آگے بیان کریں گے - یہ بڑا امام باڑہ سنہ ۱۷۸۴ع میں کفایت اللہ میر عمارت نے بنایا - معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فن تعمیر کے متعلق بہت سی صنعتی اور آرائشی دقتوں کو جو اُسے پیش آئیں کامیابی کے ساتھ حل کیا - اس عمارت کے دو بیرونی دروازے تھے جن میں سے ایک رومی دروازہ ابھی تک موجود ہے - اس سے لکھنؤ اور قسطنطنیہ کے باہمی تعلق کی یاد تازہ ہوتی ہے - (یہ ترکی کا وہ جدید دور تھا جو سنہ ۱۷۷۴ع کے کچک کینارجی کے تباہ کن معاہدے سے شروع ہوا - اس کے بعد یورپ کی ایک بڑی طاقت کی حیثیت سے ترکی کا زوال شروع ہوا - مگر پھر بھی ترکی حکومت نئے دور کی بےسود کوششوں میں مبتلا تھی بااینہمہ اس کا اثر مشرق میں زیادہ تھا) - دو اندرونی صحنوں میں داخل ہونے سے پہلے ہم ایک اور پھاٹک سے گزرتے ہیں جس میں کسائے ہوئے لوہے کی ایک خوبصورت جوڑی لگی ہوئی ہے - اس کے بعد ہم بڑے ہال میں پہنچتے ہیں جو شاہی تقریبوں میں دربار کا کام دیتا تھا - محرم کے پہلے عشرے میں مجالس بھی یہیں ہوتی تھیں - اور اسی میں آصف الدولہ کی قبر ہے - یہ ایک عالیشان ہال ہے جو ۱۶۳ فیٹ لمبا ، ۵۳ فیٹ چوڑا اور ۴۹ فیٹ اونچا ہے - چھت کے نیچے کوئی ستون نہیں - عمارت میں جو مصالحہ لگایا گیا ہے وہ اینٹ اور چونے پر مشتمل ہے - عمارت میں لکڑی ہے نہ پتھر - یہ دنیا کے سب سے بڑے مجوف کمروں میں سے ایک ہے - امام باڑے کی عمارتوں میں ایک مسجد ، ایک مدرسہ ، اور ایک عمدہ باولی ہے جس میں پانی تک پہنچنے کے لئے سیڑھیاں بنی ہوئی ہیں - صحنوں کی ترتیب ، عمارتوں کا اجتماع ، ہر عمارت کا باہمی تناسب اور دوسری عمارتوں کے ساتھ اس کا تعلق ، اور کام کی خلوص

آمیز خوبی جس سے تمام عمارتوں میں مضبوطی اور استحکام پایا جاتا ہے ؛ یہ تمام باتیں امام باڑے کو ایک ایسی یادگار بناتی ہیں جس پر لکھنؤ بجا طور پر ناز کر سکتا ہے -

ریزیڈنسی اور مارٹینیر [۱]

مذکورہ بالا عمارتوں کے علاوہ اور جن یادگاروں کا ہم ذکر کرنا چاہتے ہیں وہ ریزیڈنسی اور مارٹینیر ہیں (مارٹینیر کو کانسٹینشیا [۲] بھی کہتے ہیں) ریزیڈنسی کی عمارت کے کھنڈر ہنگامہ سنہ ۱۸۵۷ع کی وجہ سے محفوظ ہیں - یہ عمارت آصف‌الدولہ کا ایک محل تھا جو سعادت علی خاں نے جن کا زمانہ سنہ ۱۷۹۸ع سے سنہ ۱۸۱۴ع تک کا ہے) برٹش ریزیڈنٹ کے حوالہ کر دی تھی - گو یہ عمارت امام باڑے کی بڑی عمارت کی طرح اینٹ اور چونے کی بنی ہوئی تھی لیکن تعمیر کے لحاظ سے مضبوط تھی اور توپوں کی گولہ باری سے پہلے یقیناً یہ ایک خوبصورت عمارت ہوگی - مارٹینیر ایک مکان کا نام ہے جس کا نقشہ ایک شخص کلاڈ مارٹن [۳] نامی نے تیار کیا تھا - یہ ایک فرانسیسی سیاح تھا جو قسمت آزمائی کے لئے ہندوستان میں بطور سپاہی کے وارد ہوا تھا - سنہ ۱۷۷۶ع میں آصف‌الدولہ کی سرکار میں ملازم ہوا ، اور سنہ ۱۸۰۰ع میں لکھنؤ ہی میں اس کا انتقال ہوا - اب اس عمارت میں اس کی قبر اور مارٹینیر کالج ہے جو یوروپین نژاد لڑکوں کی تعلیم کے لئے مخصوص ہے - یہ عمارت قلعے کی طرح مستحکم ہے جس کا برج ایسی عجیب وضع کا بنا ہوا ہے کہ دور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ کوئی اطالی قلعہ ہے - فرگسن کو اتنی کی یہ نقلی طرز پسند نہ آئی - لیکن عمارت خوب مستحکم بنائی گئی - اور اس نے حوادث روزگار کا قابل تعریف طور پر مقابلہ کیا ہے -

آرائشی اور کارآمد فنون

آرائشی اور کارآمد فنون میں بھی لکھنؤ اس زمانے میں ایک نمایاں حیثیت رکھتا تھا - لکھنؤ کی مینا‌کاری کا ایک بہت خوبصورت نمونہ کلکتہ کے عجائب گھر میں موجود ہے - مسٹر پرسی براؤن نے " انڈین آرٹس

Martiniere Residency—[۱]

Constantia—[۲]

Claude Martin—[۳]

اینڈ لیٹرس " میں اس کا ذکر کیا ہے اور اس کی تصویر بھی دی ہے (دیکھو جلد ۲ نمبر ۱ تصویر ۳) - ڈھاکہ کی ململ ، بنارس اور سورت کا کمخواب ، اور پارچہ بافی کی دوسری خوبصورت اشیا کی ابھی تک قدر اور مانگ تھی - سنار اور جوھری اپنے سادہ اوزاروں سے غیر معمولی طور پر خوبصورت کام بناتے تھے - اس زمانے کی تلواروں اور زرہ بکتر میں بہت سی صنعتی خوبیاں پائی جاتی ہیں - اگر ایک طرف قدیم صنعت و حرفت کی اشیا نے ابھی تک اپنی خوبیوں کا سکہ جما رکھا تھا تو دوسری طرف اُن موقعوں کی بدولت جن سے ھمارے صناعوں نے فائدہ اٹھایا مذکورہ صنعت و حرفت میں نئے فنون کا اضافہ ھونے لگا - ایک شخص محمد غوث نے جو ایک طباع صناع تھا تانبے کی تختی پر کھدائی کے عمل سے فارسی خوشخطی کا نمونہ تیار کیا - اس کا ایک نمونہ جس پر سنہ ۱۲۰۰ھ (مطابق سنہ ۱۷۸۵-۶ع) کا سنہ درج ہے سر ولیم جونز [۱] نے اپنی کتاب میں درج کیا ہے (دیکھو مجموعہ تصانیف جلد ۱ صفحہ ۲۲۹ تصویر ۶) اسی جگہ ایک دلچسپ اردو غزل درج ہے جو غازی الدین خاں کی بڑی گندا بیگم کی لکھی ھوئی ہے - سر ولیم جونز کا بیان ہے کہ غازی الدین خاں " ایک پرلے درجے کا قابل اور ساتھ ھی پرلے درجہ کا شریر شخص ہے جس نے شمالی ھندوستان کے جدید واقعات میں نمایاں حصہ لیا ہے " -

دربار کا ساز و سامان

اُس زمانے میں لکھنؤ ایک ایسے دربار کا مستقر تھا جو اپنی شان و شوکت اور لطیفے کے اعلی مذاق کی وجہ سے ایک خاص شہرت رکھتا تھا - ایک چٹھی میں جو ۱۹ جون سنہ ۱۸۱۵ع کو فتح گڑہ سے لکھی گئی اور جو کلکتہ گزٹ میں چھپی ھوئی ہے اُس نے اس خیر مقدم کے حالات درج کئے ھیں جو ولیعہد نواب وزیر کے کیمپ میں گورنر جنرل لارڈ موئرا [۲] کا کیا گیا (جن کو بعدازاں مارکوئس آف ھیسٹنگز کا خطاب ملا) - بیان کیا جاتا ہے کہ " یہ کیمپ درختوں کے ایک جھنڈ میں واقع تھا اور چونکہ مختلف قسم کی رنگین چیزیں بطور آرائش کے استعمال کی گئی تھیں اس لئے ان سے بڑی چمک

[۱]—Sir William Jones

[۲]—Lord Moira

پیدا ہوتی تھی'' - ناشتے کے دوران میں نواب کے بینڈ نے '' بڑی خوبی اور قابلیت سے مختلف طرزوں میں انگریزی کے نغمے'' سنائے - '' اس کے بعد گانے والی لڑکیوں کا طائفہ پیش ہوا جنہوں نے ناچنے اور گانے کا فن دکھایا - پھر بازیگروں نے اپنا تماشہ دکھایا اور سب سے آخر ناٹک کا کھیل دکھایا گیا - جب ناشتہ ختم ہوچکا تو نواب گورنر جنرل اور اس کے ہمراہیوں کو ایک کمرے میں لے گئے جو قناتوں اور شامیانے کا بنا ہوا تھا - کمرے کے فرش پر سفید قالیچے بچھے ہوئے تھے جہاں مختلف قسم کے طشت' پرتکلف انداز میں دکھائے گئے - جن میں شال اور نفیس کپڑے پڑے ہوئے تھے جن پر سنہرا اور روپہلا کام بنا ہوا تھا - کمرے کے ایک طرف شفاف آئینے پر لارڈ موئرا کی ہو بہو شبیہ تھی جو مسٹر ہوم [۱] کی قابل تعریف تصور کی بنا پر لکھنؤ میں کھینچی گئی تھی - چوکھٹے کے گرد قیمتی اور تراشے ہوئے شیشے کے دو شاخے جھاڑ اس ترکیب سے لگائے گئے تھے کہ رات کے وقت تصویر پر خاص روشنی پڑتی تھی - تصویر کے دونوں جانب کاؤچ بچھے ہوئے تھے جو شاندار طور پر آراستہ تھے'' - لارڈ موئرا نے نواب کو اپنا خوبصورت سبزہ انگریزی گھوڑا بطور تحفے کے پیش کیا جو ہندوستانی وضع کے قیمتی ساز و سامان سے آراستہ تھا - یہ گھوڑا پہلے شاہ ہندوستان کے ولی‌عہد اور نائب‌السلطنت کا تھا - انہوں نے لارڈ موئرا کو ہندوستان روانہ ہونے کے وقت دیدیا تھا -

جہاز سازی

ہندوستان کی ان حرفتوں میں جو اب ناپید ہوگئی ہیں ایک حرفت جہاز سازی بھی تھی - گو ایک بحری قوم کی حیثیت سے اہل ہند نے کبھی امتیازی درجہ نہیں حاصل کیا لیکن اس کے دریا قدیم‌الایام سے تجارت اور جہاز رانی کے لئے ہمیشہ آبی گزرگاہ رہے ہیں - سکندر اعظم کے امیرالبحر نے پنجاب میں بیڑا بنایا - دریائے سندھ اور اس کے معاون زمانہ وسطیٰ کے تمام دور میں پنجاب کی بڑی آبی گزرگاہ تھے - جمنا میں آگرہ اور دہلی تک کشتی چلتی تھی اور گنگا میں الہ‌آباد تک - ہگلی کے مشرق کی طرف تمام بنگال میں دریاؤں کا ایک مکمل جال بچھا ہوا تھا - شہنشاہ اکبر نے بحریات کا ایک ضروری محکمہ قائم کر رکھا تھا - جب انگریزوں نے

---

[۱]—Mr. Homes

بنگال پر قبضہ کیا تو انھوں نے مغل نواڑے کا کام اپنے ھاتھ میں لے لیا جس کے مفصل حالات جیمس گرانٹ موسومہ " بنگال کے مالیات کا تجزیہ " [۱] مطبوعہ سنہ ۱۷۸٦ع میں دئے گئے ھیں جو " پانچویں رپورٹ " میں شامل ھے - اس وقت ۷٦۸ مسلح تیز رفتار جنگی کشتیوں اور دیگر قسم کی کشتیوں کا ایک بحری عملہ زیادہ تر ڈھاکے میں رھتا تھا - اس کا فرض یہ تھا کہ بحری ڈاکوؤں کے حملوں سے بنگال کے ساحل کی حفاظت کرے - عملے کا خرچ ۸½ لاکھ روپے سالانہ تھا - مسٹر رادھا کمود مکرجی نے اپنی کتاب موسومہ " ھندوستانی جہاز سازی " [۲] صفحہ ۲۴۹ میں ان جہازوں کے ایک رجسٹر کا حوالہ دیا ھے جو ھگلی میں سنہ ۱۷۸۱ع سے سنہ ۱۸۳۹ع تک بنائے گئے تھے - ایسے جہازوں کی تعداد ۳۷٦ تھی - برما کی ساگوان لکڑی کشتی کے پیندے ' بازو ' عرشہ اور پیندے کے بیچ کے شہتیر کے لئے استعمال کی جاتی تھی - دیگر شہتیر اور اندرونی تختے سال (لکڑی) کے ھوتے تھے - کشتی کا ڈھانچہ شیشم کا ھوتا تھا - سال اور شیشم کی لکڑی شمالی بنگال ' بہار اور اودہ سے آتی تھی -

جہاز سازی اور جہازی نقشہ کشی کے پارسی ماھر

لیکن برطانوی ھند کی جہاز سازی کی تاریخ کے دلچسپ ترین باب کا تعلق سورت اور بمبئی سے تھا - مالابار اور مغربی گھاٹ کی ساگوان کی لکڑی برما کی ساگوان سے زیادہ اچھی ھوتی ھے - ھندوستان کے مغربی ساحل پر جنجیرہ کا سیدی ' سلطنت مغلیہ کا امیرالبحر ھوا کرتا تھا - لیکن ۱۷۵۹ع میں ایک شدید بحری لڑائی کے بعد اسے اس عہدے سے ھٹا دیا گیا - یہ منصب اور اس کی آمدنی جو ایک لاکھ روپے کے قریب تھی ایسٹ انڈیا کمپنی کو عطا کی گئی - ایک پارسی خاندان جس کی ابتدا لوجی نصروانجی [۳] (سنہ ۷۴—۱۷۳٦ع) سے شروع ھوئی جہاز کا نقشہ تیار کرنے اور جہاز بنانے میں ماھر ھوگیا - اس خاندان کے ارکان نے نہ صرف ایسٹ انڈیا کمپنی کے بحری

James Grant's Analysis of the Finances of Bengal—[۱]
Indian Shipping—[۲]
Lowji Nasarwanji—[۳]

اور تجارتی مقاصد کے لئے جہاز بنائے بلکہ شاہ انگلستان کے شاہی بیڑے کے لئے اس قدر بڑے جہاز تیار کئے جن پر ۷۴ تک توپیں چڑھائی گئیں - بمبئی کی جہاز سازی اس قدر مشہور تھی کہ یہاں پہلے سنہ ۱۸۱۴ع اور پھر سنہ ۱۸۱۹ع میں امام مسقط کے لئے دوم درجے کے بڑے جنگی جہاز تیار کئے گئے - چونکہ یہ جہاز ایک مسلمان فرماں روا کے تھے اس لئے اس کے احترام میں جہازوں کے نام رکھنے کی رسم کی تقریب پر شراب کی بجائے گلاب کا پانی اور عطر استعمال کیا گیا - مذکورہ بالا خاندان نے سوداگروں کے پرائیویٹ جہاز بھی بنائے - سنہ ۱۷۳۶ع سے سنہ ۱۸۶۳ع تک بمبئی کے بنے ہوئے جہازوں کی فہرست ہندوستانی بیڑے کی تاریخ مرتبہ لو [۱] (دیکھو جلد ۱ صفحہ ۵۳۷ لغایت ۵۴۱) سے دیکھی جاسکتی ہے - بمبئی کے یہ بنے ہوئے جہاز بہت مضبوط اور دیرپا ہوتے تھے اور ان کی وجہ سے جہاز سازی اور جہازی نقشہ کشی کے ان ماہرین پارسیوں نے بڑا نام پیدا کیا - یہ جہاز اکثر پچاس سال یا اس سے زیادہ عرصہ تک چلتے تھے - حالانکہ برطانیہ کے بحری بیڑے میں جہاز کی عمر تقریباً بارہ سال ہوتی تھی (دیکھو تھارنٹن کا گزیٹیر [۲] جلد ۱ صفحہ ۹۳—۹۴) - سنہ ۱۸۱۹ع میں مسٹر جمسیتجی بومن جی [۳] نے شاہی بیڑے کے لئے جو پہلا فریگیت (دوم درجہ کا بڑا جنگی جہاز) تیار کیا تھا اس کی اس خوبی کے لئے کہ وہ مضبوط اور بحری اغراض کے لئے موزوں ہے مسٹر موصوف کو ایک عمدہ شہادت ملی - اس کا بنا ہوا جہاز ایچ - ایم - ایس - سالسٹ [۴] معہ پانچ اور چھوٹے جنگی جہازوں کے اور بارہ قیمتی تجارتی جہاز جو اول الذکر کی حفاظت کےلئے تھے سنہ ۹—۱۸۰۸ع کے موسم سرما میں بحیرہ بالٹک میں برف کے تودوں سے گھر گئے - اس حادثے میں اور جہاز ٹوٹ گئے ' صرف بمبئی کا بنا ہوا یہ جہاز بچ گیا -

موسیقی

ہندوستان کے تمدن اور شائستہ لوگ ہندو اور مسلمان دونوں اس زمانے میں موسیقی سے بسا اوقات زیادہ لطف اندوز ہوا کرتے تھے - معلوم ہوتا ہے

[۱]—Low's History of the Indian Navy
[۲]—Thornton's Gazetter
[۳]—Mr. Jamsetji Bomanji
[۴]—H. M. S. Salsette

کہ بعد میں اس کا چرچا کم ہوگیا - اور یہ فن کلیتاً پیشہ وروں کے حوالہ کردیا گیا - اور یہ پیشہ بھی ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ تک گھٹ گیا - موسیقی پر ایک کتاب مفرح القلوب کے نام سے ہے جس کے متعدد قلمی نسخے انڈیا آفس لائبریری میں موجود ہیں - یہ کتاب جس کا مصنف حسن علي عزت دکنی ہے فارسي اور هندوستاني زبان میں ہے - یہ ٹیپو سلطان کے عہد کے پہلے سال یعنی سنہ ۱۷۸۳ع میں شروع ہوئي اور سنہ ۱۷۸۵ع میں ختم ہوئی - سر ولیم جونز نے سنہ ۱۷۸۴ع میں هندوستانی موسیقی پر ایک مضمون لکھا جس کا توسیع شدہ اڈیشن اُن کی کتابوں کے مجموعے میں شائع ہوا (دیکھو جلد ا صفحہ ۴۱۳—۴۴۳) - صوفیوں کے بعض طبقے خاص طور پر موسیقي کے دلدادہ تھے - یہ عجیب بات ہے کہ بنگال جو اُس وقت هندوستاني موسیقي کو فروغ دینے میں سب سے اول نمبر پر ہے سر ولیم جونز کے زمانے میں فن موسیقي میں بہت پیچھے تھا دوسری طرف اُردو شعرا میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خواجہ میر درد (جو دهلی کے رهنے والے تھے اور سنہ ۱۸۱۹ع ہے ۱۷۸۵ع [۱] تک زندہ رہے) موسیقی کے دلدادہ تھے - میر درد کو جس روحانی موسیقی کا ذوق ترکہ میں ملا تھا وہ نقش بندیہ طریق کی روایات سے وابستہ تھا - بہت سے لوگ جو خواجہ کے زمانے میں موسیقی میں اعلیٰ شہرت رکھتے تھے اپنا کلام بغرض اصلاح خواجہ کے پاس لایا کرتے تھے - اُن کے مکان پر مہینے میں دو مرتبہ موسیقی کی باقاعدہ مجالس منعقد ہوا کرتي تہیں - بنارس کے طلائی مندر کے لئے وارن ہیسٹنگز نے موسیقی کی ایک عمارت بطور هدیہ پیش کی تھی - جب وارن ہیسٹنگز پر انگلستان میں الزامات عائد کئے گئے اور اس پر مقدمہ چلایا گیا تو اس کے دوران میں بنارس کے پنڈتوں نے اپنا جو محضر نامہ انگلستان بھیجا اس میں پنڈتوں نے مذکورہ عمارت کے عطیے کا جن عجیب و غریب الفاظ میں اعتراف کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں : "ہم موتے دماغ والے لوگوں کو خوش کرنے کے لئے اس نے اپنے خرچ سے موسیقی کا ایک وسیع کمرہ بنوایا جو وسویسوارا [۲] کے مندر کے پھاٹک کے اوپر ہے - یہ مندر تمام مقدس مقامات کا سر تاج سمجھا جاتا ہے" -

---

[۱]—انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا میں خواجہ درد کے انتقال کا سنہ ۱۷۹۳ درج ہے جو غلط ہے -
[۲]—Viswesvara

چوتھا باب

علم ' تعلیم ' اخبارنویسی اور علم ادب

مشرق میں بھی اچھا مفید علم تھا

میکالے [۱] نے بعد کے زمانے میں (دیکھو پانچواں باب) بغیر سوچے سمجھے مشرقی کتابوں کے متعلق یہ رائے ظاہر کی ہے کہ '' ان کتابوں کی اتنی قیمت بھی نہیں ہوتی جتنی کے اس سادہ کاغذ کی ہوتی ہے جس پر یہ چھپتی ہیں '' - لیکن اس نے یہ حقیقت نظر انداز کر دی ہے کہ یورپ سے نیا علمی سیلاب آنے سے پہلے اہل ہند میں بہت سا مفید علم موجود تھا - جب بنگال ایشیاٹک سوسائٹی اپنے شباب میں علم طبعی اور دوسرے مضامین کے متعلق ہر قسم کی معلومات جمع کر رہی تھی تو اُسے اس کام میں ہندوستانیوں سے قابل قدر مدد ملی جنھوں نے اپنی ہی زبان میں کتابیں لکھیں اور ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کر دیا گیا - دھلی کا ایک شخص اطہر علی خاں نامی اسی طرح کا ایک مصنف تھا اس نے اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر بیا کے حالات بیان کئے ہیں جو ایک عام پرندہ ہے - اُس نے بیا کا قد ' اس کے پروں کے رنگ ' اس کا گھونسلا بنانا اور دوسرے عادات و اطوار ' اس کی خوراک ' اس کے انڈے ' انسان کے زیر نگرانی اس کی تربیت اور اس کے متعلق مختلف قصے کہانیاں سب تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں (دیکھو سر ولیم جونز کا مجموعۂ کتب جلد ۱ صفحہ ۵۴۳—۵۴۴) - اسی طرح ایک اور شخص حکیم میر محمد حسین ہے جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ '' اس نے مفید علم کے ہر شعبے میں مہارت بہم پہنچائی ہے '' سنہ ۱۷۸۳ع میں اس نے لکھنؤ سے کلکتہ کا سفر کیا اور طبی تحقیقات میں

---

[۱]—Macaulay

اپنی معلومات کے ذریعے سے عملی حصہ لیا - اس نے بعض نسخے پیش کئے اور بعض خاص بیماریوں کو ایسے طریقے سے بیان کیا جو قلمبند کرنے کے قابل پایا گیا (دیکھو جونز کا مجموعہ کتب جلد ا صفحہ ۵۵۳ــــ۵۵۸) -

قیمتی دوائیوں اور چیچک کے ٹیکے کا علم

ہندوستانی جڑی بوٹیوں اور دوائیوں کو مغربی طریق علاج میں استعمال کئے ' کوئی زیادہ عرصہ نہیں گزرا - اول الذکر کے استعمال سے بالخصوص کوڑھ کے مرض میں قابل ذکر نتائج ظاہر ہوئے ہیں - چول موگرا کا تیل جو ہندوستان کا ایک قدیم علاج ہے اب تمام دنیا میں کامیابی کے ساتھ جذام کے لئے استعمال کیا جاتا ہے - اور ہزاروں مریضوں کے لئے باعث راحت ثابت ہوا ہے - دمہ کے لئے دھتورے کا دھواں پینا - نکس وامیکا (کچلا) کو بدھضمی اور فالج کے لئے استعمال کرنا ' اور جمال گوٹے کو ایک خاص حد تک جلاب کے لئے کام میں لانا سب ہندوستانی علاج ہیں - (دیکھو مسٹر پی جانسٹن سینٹ [۱] کا مضمون سر جارج برڈوڈ میموریل لکچر [۲] سنہ ۱۹۲۹ع ٹائمز لندن ۱۱ مئی سنہ ۱۹۲۹ع) - یہ بات عام طور پر کم لوگوں کو معلوم ہے کہ چیچک کے مرض کے لئے ٹیکے کا علاج قدیم الایام سے مشرق میں رائج تھا اور اس پر عمل کیا جاتا تھا - '' اناکولیشن '' وہ عمل ہے جس سے چیچک کے شدید حملے کو روکنے کے لئے چیپ سے چیچک کا خفیف مرض پیدا کیا جائے - یہ طریقہ سنہ ۱۷۲۱ع میں ترکی سے انگلستان میں لیڈی میری وارٹلی مانٹیگو [۳] کے ذریعے سے پہنچا جس کا خاوند قسطنطنیہ میں برطانوی سفیر تھا - ڈاکٹر ایڈورڈ جینر [۴] ایک انگریز حکیم نے متعدد تجربوں کے بعد ٹیکے کا علاج بذریعہ '' ویکسی نیشن '' دریافت کیا - '' ویکسی نیشن '' وہ عمل ہے جس سے چیچک کے شدید حملے کو روکنے کے لئے گائے کی چیچک کی چیپ انسان کے بدن میں داخل کی جاتی ہے - اس نے سنہ ۱۷۹۸ع میں اپنے نتائج شائع کئے - صرف انگلستان اور ہندوستان میں نہیں بلکہ دنیا بھر کے لئے اس کا طریق علاج وسیع پیمانے پر اختیار کیا گیا - ہم کلکتہ گزٹ

Mr. P. Johnston-Saint—[۱]

Sir George Birdwood Memorial Lecture—[۲]

Lady Mary Wortley Montagu—[۳]

Dr. Edward Jenner—[۴]

(جون ١٩ سنه ١٨٠٦ع) میں دیکھتے ہیں کہ " کلکته اور اس کے آس پاس کے بڑے بڑے باشندوں نے " ڈاکٹر جھنر کو اپنی شکرگذاری کی سند بھیجي جس کے ساتھ تین ہزار پاونڈ کی رقم بطور چندہ کے تھی اور مزید رقم بھیجنے کا وعدہ کیا - کمیٹی کے ممبر سب انگریز تھے لیکن چندہ بلا شبہه ہندوستانیوں اور انگریزوں دونوں کي طرف سے جمع ہوا ہوگا -

ہندوستانی چندے حکمراں طاقت کو خوش کرنے کے لئے دئے گئے مالدار ہندوستانیوں میں درحقیقت اُس وقت یہ فیشن تھا جیساکہ بعد میں بھی رہا ہے کہ بڑی بڑی رقموں کے چندے ہر ایسے مقصد کے لئے دئے جائیں جس میں انگریزوں کي برسر اقتدار جماعت کو دلچسپی تھی - مہاراجه نب‌کشی بہادر نے (جو سوا بازار خاندان کا بانی تھا) وارن ہیسٹنگز کو مجوزہ کلکته مدرسه کی امداد کے لئے تین لاکھ روپئے کی رقم دی یه تجویز فارسی عربی کی تعلیم کے متعلق تھي - مہاراجه نے انگریزوں کے پاس ایک ادنی منشی کی حیثیت سے اس وقت کام شروع کیا جب سراج‌الدوله بنگال کا حاکم تھا - مہاراجه اپنی دولت اور وجاہت کے لئے انگریزوں کا ممنون تھا - اُس کے علاوہ یه مدرسه کلکته کی ایک بڑی درس‌گاہ بننے والا تھا جس میں تمام ہندوستانیوں کو دلچسپی ہوسکتی تھی - لیکن دو ہزار پاونڈ کا جو ترکه امیر چند (یا اماچرن یا امی‌چند) [١] لندن کے فونڈلنگ ہاسپٹل [٢] کے لئے چھوڑ گیا وہ کسی قدر تعجب انگیز ہے - امیرچند کو اس ہسپتال یا اُس کے مقاصد یا اس کے کام کا کوئی علم نه تھا اور اگر وہ اس ہسپتال کے

---

[١]—دیکھو انسائکلوپیڈیا برٹانیکا Encyclopaedia Britannica چودھواں اڈیشن آرٹیکل امی چند مرقومه مسٹر جے ایس کاٹن Mr. J. S. Cotton اس مضمون میں امي‌چند کو سکھه بیان کیا گیا ہے میري رائے میں یه غلط ہے - میرے خیال میں مسٹر کاٹن کا بیان ایس - سی - ہل S. C. Hill کي کتاب " بنگال سنه ٧—١٧٥٦ع میں " (جلد ١ صفحه دیباچه ۴٢ - ۴٣) سے لیا گیا ہے جہاں بابو ساردا چرن مترا ساهتیا سہیتا (جلد ١ نمبر ١ صفحه ٩ تا ١٥) کی سند کا حواله دیا گیا ہے - " جب کلائو نے امیرچند کو رد کردیا تو اسے مالوہ کي جاترہ پر بھیج دیا گیا " (دیکھو ایس سی ہل کی کتاب بنگال ٧—١٧٥٦ جلد ٢ صفحه ۴٢٥) - یه ایک سکھه کے لئے بے معنی بات ہوتی مگر ایک ہندو کو جلاوطن کرنے کي اچھي تجویز تھی . غالباً امیرچند کھتري تھا جو بنگال میں آباد ہوگیا تھا - نوابي کے دور میں بنگال کے بہت سے سیٹھه اور ساہوکار ان خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے جو شمالی ہند میں رہتے تھے اور بنگال میں آباد ہوگئے تھے -

[٢]—Foundling Hospital

مربیوں کے فہرست میں " کلکتہ کا ایک کالا سوداگر " کا نام پڑھتا تو وہ اُسے اپنی تعریف نہ سمجھتا - کلائو امیرچند کی غداری کے مقابلے میں اس سے زیادہ ہشیار واقع ہوا تھا - لیکن اس میں کلام نہیں کہ امیر چند طاقت کی پرستش کرتا تھا انگریزوں کی طرف سے اس کو دھوکا دیا گیا لیکن اس نے اپنی سہولیت اسی میں دیکھی کہ اس کا کچھ خیال نہ کرے -

ہندو کس طرح چیچک کا ٹیکہ لگاتے ہیں ؟

ہندوؤں میں ٹیکہ لگانے کا جو طریقہ رائج تھا اس کا ذکر نواب مرزا مہدی علی خاں نے اپنے ذاتی مشاہدے کی بنا پر اپنی ایک یادداشت میں کیا تھا جس کا ترجمہ ایشیاٹک رجسٹر (لندن) بابت سنہ ۱۸۰۴ع شایع ہوا تھا - اودھ کا ایک چوبے برہمن شہر بنارس میں رہتا تھا - اس کا کام زیادہ تر انہیں دنوں میں چلتا تھا جب چیچک کی وبا پھیلی تھی - لیکن وہ بھی مانتا تھا کہ جب چیچک کے دانے نکل آئیں تو اس کی کوئی کوشش کارگر نہیں ہوسکتی - اس کا طریق علاج زیادہ تر اس اصول پر تھا کہ مرض کا سدباب کیا جائے یا " چیچک آسانی سے نکلے " - چوبے نے بیان کیا ہے کہ " میں گائے کے دانے کی چیپ سے ایک دھاگے کو تر رکھتا ہوں جس کی بدولت جب میں چاہوں کسی بچے کے جسم پر ایسے دانے نکال سکتا ہوں جن سے تکلیف نہ ہو - اسی کے ساتھ میں بھوانی کی پوجا کرتا ہوں (جسے دیبی ' ماتا اور سیتلا کہتے ہیں اور جس کے ہاتھ میں اس مرض کی باگ ہے) یہ پوجا میں خود بھی کرتا ہوں اور بچے کے باپ سے بھی کراتا ہوں جس کے بعد میں چیپ والے دھاگے کو سوئی میں ڈال کر اسے بچے کے بازو کے بالائی حصہ کے چمڑے اور گوشت میں سے نکال کر اسے وہیں رہنے دیتا ہوں اور اس عمل کو دونوں بازوؤں پر کرتا ہوں جس سے چیچک کے دانے آسانی [۱] سے نکل آتے ہیں " -

چیچک کا نیا ٹیکا فوراً مقبول ہوگیا

ٹیکہ لگانے کا رواج پہلے بہت کم تھا اور صرف اس صورت میں ممکن تھا

---

[۱]—یہ پارہ اور اس کے بعد کے پارے جیمسز فوربس (James Forbes) کی کتاب پر مبنی ہیں (دیکھو اورینٹل میمائرس (Oriental Memoirs) جلد ۲ صفحہ ۳۷۴—۳۷۹) یہ کتاب دو جلدوں میں بمقام لندن سنہ ۱۸۳۴ع میں شایع ہوئی تھی مگر معلوم ہوتا ہے کہ یہ سنہ ۱۸۱۲—۱۳ع میں لکھی گئی تھی -

کہ کوئی ماہر موجود ہو، اور اس عمل پر بہت زیادہ روپیہ بھی صرف ہوتا تھا، لیکن انگلستان اور اس کے بعد دنیا میں عام طور پر ٹیکے کا رواج اس وقت شروع ہو گیا جب ڈاکٹر جیمز نے ٹیکے کے تجربے کئے اور اس میں ترقی کی راہیں نکالیں - ہندوستان میں بھی ٹیکے کی نئی صورت رائج ہوکر فوراً قبول ہوگئی - مسٹر جیمز فاربس [۱] نے سنہ ۱۳-۱۸۱۲ع میں لکھا ہے : ''انگریزوں نے ٹیکے کے عمل کی برکت کو ہندوستان کے ہر طبقے کے لوگوں میں رواج دیا ہے جس کی بدولت ہر سال لاکھوں جانیں چیچک کے مہلک حملے سے بچ جاتی ہیں - اس ہمدردانہ تحریک میں برہمنوں نے تعصب کو بھلا دیا اور ان کے وسیع اور زبردست اثر سے ہندوؤں کی دوسری قوموں نے بھی ٹیکہ لگوانا شروع کر دیا - اس مضمون پر سربرآوردہ برہمنوں نے بہت سی چٹھیاں ہندوستان کے ڈاکٹروں کو لکھیں جن سے چٹھی لکھنے والوں کی الوالعزمی پائی جاتی ہے - ان چٹھیوں میں فراخدلی کے جذبات کا اظہار کیا گیا اور انھیں جذبات کو عملی جامہ پہنایا گیا'' - کلکتہ کے دیسی ہسپتال میں سنہ ۴-۱۸۰۳ع میں گائے کی چیچک کا ٹیکہ ۱۴۹۱ مریضوں پر لگایا گیا - اس کے بعد میں جن آدمیوں کو ٹیکہ لگایا گیا ان کی تعداد بھی اس سال اور آئندہ بھی عرصے تک قریب قریب اتنی ہی پائی گئی (دیکھو کلکتہ گزٹ ستمبر سنہ ۱۸۰۶ع) یہ ایک عجیب بات ہے کہ بعد کی نسلوں میں ہندوستان میں اسی ٹیکے کی بہت کچھ مخالفت ہوئی - بےشک اس مخالفت کا سبب یہ تھا کہ حاکم و محکوم کا باہمی اعتبار کم ہوتا گیا -

آشوب چشم اور موتیابند کا ہندوستانی علاج :
ایک انگریز ڈاکٹر کی شہادت

مسٹر انڈروڈ [۲] جو ڈاکٹر فاربس کا رشتہ دار تھا اور اسی زمانے میں مدراس میں طبابت کرتا تھا اس نے ڈاکٹر مذکور کو ایک تحریر میں لکھا ہے : '' میں یہاں کے دیسی باشندوں کے عام طریق علاج کے متعلق بہت اچھی رائے نہیں رکھتا، تاہم چند بیماریوں بالخصوص آشوب چشم کے مرض میں مجھے ان کے علاج کو ترجیح دینی چاہئے - بسا اوقات آنکھ کی جلن اتنی بڑھ جاتی

Mr. James Forbes—[۱]
Mr. Underwood—[۲]

ہے کہ بینائی کے زائل ہو جانے کا اندیشہ ہو جاتا ہے ' تا وقتیکہ کسی موثر طریقے سے مرض کا جو اس قدر جڑ پکڑ چکا ہو ازالہ نہ کیا جائے - میرے خیال میں اگر پہلے ہی سے اس طریق علاج کی طرف رجوع کیا جائے جسے مدراس میں ''دیسی علاج'' کہتے ہیں تو بہت فائدہ ہو سکتا ہے - ترکیب یہ ہے کہ تھوڑی سی پھٹکری کو گرم توے پر بھون لیا جائے اور اس میں لیمو کا رس ملا کر ایک چپٹے آلے سے اس کی پتلی لئی سی بنالی جائے - سوتے وقت یہ لیپ دونوں پپوٹوں پر آنکھ کی پتلی کے گرد لگا دیا جاتا ہے - اور صبح کے وقت آنکھوں کو املی کے پتوں کے جوش کھائے ہوئے پانی سے دھو دیا جاتا ہے - یہ میرے خیال میں ایسی بیماری کے لئے جس سے آئے دن انسان بصارت سے محروم ہو جاتا ہے بہترین اور حکمی علاج ہے - دیسیوں اور خاص کر غریبوں میں ایسے آدمیوں کی تعداد و حیرت انگیز طور پر زیادہ ہے جو بالکل نابینا ہیں - میں نے ایک مسلمان طبیب کو اکثر دیکھا ہے جو موتیابند کو دور کرنے کے لئے جراحی کا عمل کرتا تھا - وہ آنکھ کی پتلی کے بالکل پیچھے نشتر کی نوک سے ایک چھوٹا سا سوراخ کرتا تھا اور ایک خاص اوزار اس انداز سے استعمال کرتا تھا کہ موتیابند دب جاتا تھا - میں اس طریقے کو دوسرے طریقوں پر جن پر اس وقت تک عمل ہوتا رہا ہے ترجیح دیتا ہوں کیونکہ اس سے آنکھ کو کم نقصان پہنچتا ہے '' -

پرانا علم کیوں قدامت کے راستے میں محدود ہوگیا تھا ؟

اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ ہندوستان کا علم قدامت کے راستے میں محدود ہو گیا تھا ' اس کے عالم لکیر کے فقیر ہو گئے تھے - انہوں نے مغربی دنیا کے علوم کی رفتار کے ساتھ اپنی رفتار قائم نہ رکھی - لیکن اس کی وجہ قابلیت یا سیرت کی کمی نہ تھی - اس کا سبب یہ تھا کہ جب انہیں اقتدار حاصل تھا تو موقعے نہ ملے اور جب اقتدار نہ رہا تو افلاس نے دبا لیا - کلکتہ میں آصف‌الدولہ کا وکیل تفضل حسین خاں سنہ ۱۷۸۸—۹۲ع کے زمانے میں سر آئزک نیوٹن [۱] کی پرنسیپیا [۲] کا لاطینی سے عربی (یا غالباً فارسی ؟) میں ترجمہ کرنے میں مصروف

Sir Isaac Newton—[۱]

Principia—[۲]

تھا - اس نے الجبرا ، میکینکس ، مخروطات ، لاگرتھم کی کتابوں کا ترجمہ کرنے کی بھی کوشش کی - وہ کئی زبانیں جانتا تھا جن میں یونانی بھی تھی - سنہ ۱۸۰۰ع میں اس کا انتقال ہوگیا - اس کی زندگی کے مختصر حالات ایشیاٹک رجسٹر میں شایع ہوئے ہیں - (دیکھو جلد ۵ سنہ ۱۸۰۳ع - اشخاص - صفحہ ۷) - مرزا ابو طالب خاں ایک اور عالم شخص تھے - اُن کی قابل قدر تحقیقات اور قابلیت کے حالات کا ہمارے پاس مفصل تذکرہ موجود ہے جو اس نے خود لکھا ہے - مرزا صاحب بھی لکھنؤ کے رہنے والے تھے لیکن بنگال اور مرشدآباد سے ان کے تعلقات تھے - انہوں نے سنہ ۱۷۰۳—۱۷۹۹ع کے زمانے میں مغربی ایشیا ، افریقہ اور یورپ کے ممالک کی سیاحت کی اور اپنی سیاحت کے حالات فارسی زبان میں لکھے - یہ کتاب اس قدر اہم خیال کی گئی کہ میجر چارلس سٹیوارٹ [۱] نے جس میں فوجی افسر ، مستشرق اور ماہر تعلیم ہونے کے سہ گونہ اوصاف موجود تھے ان کا انگریزی زبان میں ترجمہ کیا - کلکتہ گزٹ (ستمبر سنہ ۱۸۰۷ع) میں مرزا صاحب کے حالات حسب ذیل الفاظ میں بیان کئے گئے : " انہوں نے اپنے دماغ کی صحت یا دل بہلاؤ کے خیال سے متاثر ہوکر جو اس وقت شدید مصائب کے اثرات میں مبتلا تھے - یورپین اقوام کے آداب معاشرت اور اُن کے ادارات کی تحقیق کرنے کا مصمم ارادہ کرلیا " - ہم اُن کے ادبی کام کا آگے چل کر ذکر کریں گے - اگر ایک طرف منتخب اور سرگرم طبیعتیں خیالات کی نئی دنیا تک رسائی پیدا کر رہی تھیں جس کی راہیں ان کے لئے کھلی ہوئی تھیں تو دوسری طرف پرانی وضع کے عالموں کی سیرت سے ایسی باتوں کی جھلک پائی جاتی تھی جن کا تعلق دوسری دنیا سے تھا اور جو ان کی مشرقی پیدائش کا امتیازی نشان تھیں - جو پنڈت مفصلات سے کلکتہ میں جمع کئے گئے تھے اور دو سال تک ہندو قوانین کا مجموعہ مرتب کرنے پر مامور رہے انہیں ان کی محنت کے صلے میں روپیہ پیش کیا گیا لیکن انہوں نے کسی قسم کا معاوضہ لینا قبول نہ کیا - صرف اس قدر خرچ لیا جس سے ان کا گذارہ ہوسکے اور وہ بھی اس لئے کہ وہ اپنے وطن سے دور تھے - وہ اس وعدے سے مطمئن تھے کہ ان کی درسگاہوں کو سرکاری عطیات [۲] ملیں گے -

[۱]—Major Charles Stewart

[۲]—گلیگ کی وارن ہیسٹنگز جلد ۳ صفحہ ۱۵۸ -

عطیات اور تازہ علم کا فقدان

ان انقلابات کی وجہ سے جنھوں نے اٹھارویں صدی میں ہندوستان کے سیاسی مطلع کو تاریک کر دیا تھا ہندو اور مسلمانوں کی درسگاہوں کو در حقیقت سخت نقصان پہنچا - اس نقصان کی دو صورتیں تھیں - بہت سی صورتوں میں یہ درسگاہیں پبلک عطیات سے محروم ہوگئیں - لیکن عطیوں کے نقصان سے بھی زیادہ اہم نقصان اُس امن اور اطمینان قلب کا فقدان تھا جو شاگرد اور استاد دونوں کے دماغی مشاغل کے لئے ضروری ہے - علم کے زندہ معیار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ندیا اور بنارس کی درسگاہیں کمزور ہوتی گئیں - اسلامی مکتبوں اور درسگاہوں کو اور بھی زیادہ نقصان پہنچا - کیونکہ اُن کا براہ‌راست اُن حکومتوں سے تعلق تھا جن کے اقتدار کا خاتمہ ہو چکا تھا - وارن ہیسٹنگز نے سنہ ۱۷۸۰ع میں "علوم کے ان مختلف شعبوں کے لئے جو اسلامی مدرسوں میں پڑھائے جاتے تھے" کلکتہ کا مدرسہ قائم کیا - ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کے سامنے اپنے اس کارروائی کو حق بجانب قرار دینے کے لئے اس نے (۲۱ فروری سنہ ۱۷۸۳ع کو) یہ لکھا کہ "ہندوستان میں اس وقت اس قسم کا یہی ایک مکمل مدرسہ ہے حالانکہ ایسے مدرسے کسی زمانے میں ہر جگہ پائے جاتے تھے اور ان مدرسوں کی مٹنے والی نشانیاں جو باقی رہ گئی ہیں ابھی ہندوستان اور دکن [۱] ہر دارالحکومت قصبے اور شہر میں نظر آتی ہیں" -

بنارس میں سنسکرت کالج

بنارس میں سنسکرت کالج جو سنہ ۱۷۹۱ع میں وہاں کے رزیڈنٹ نے لارڈ کارنوالس گورنر جنرل کے عہد میں قائم کیا تھا کلکتہ مدرسے کا مثنیٰ تھا - اس کالج کے لئے سرمایہ کا انتظام بنارس کے اس حصے کی زائد مالگزاری سے ہونے والا تھا جو بنارس کی ریاست ہے - مقصد یہ قرار دیا گیا کہ "ہندوؤں کے قوانین علم ادب اور گورنمنٹ کی سرپرستی میں ترقی دی جائے اور ساتھ ہی ہندو مذہب کا بھی خیال رکھا جائے کیونکہ وہ ان کے قوانین اور ادب سے بالکل وابستہ ہے جو مضامین پڑھائے جاتے تھے ان کی فہرست بہت وسیع ہے مثلاً وید ، اُپاوید ، ویدانگہ ، درشنہ ،

[۱] — گیلگ کی وارن ہیسٹنگز جلد ۳ صفحہ ۱۵۹ -

دھرم‌شاستر ، پران اور تمام مختلف ودیائیں جو رگنی پران میں مفصل بیان کی گئی ھیں - شعبۂطب کی تعلیم کے لئے ایک ویدیا کا تقرر تجویز کیا گیا ، اور ویاکران کے لئے بھی ویدیا مقرر ھو سکتا تھا گو اس تقرر میں اختیار دیا گیا تھا - چونکہ پنڈتی کا پڑھنا اس کے لئے جائز نہ تھا اس لئے بہتر یہی سمجھا گیا کہ حکیم کے سوا باقی تمام استاد برھمن ھوں - یہ تجویز کی گئی کہ بجز اُن شعبہ جات کے جن کا مباحثہ غیر برھمنوں کی موجودگی میں بوجہ ان کے مقدس ھونے کے جائز نہ تھا [۱] ھر علم میں طلبا کا امتحان سال میں چار مرتبہ رزیڈنٹ کے سامنے لیا جائے -

سنسکرت کالج کے کارنامے کے مختلف رنگ

پروفسروں کا تقرر اور ان کی نگرانی دونوں ایسی باتیں تھیں جن کا انتظام قابل اطمینان طور پر نہیں ھو سکتا تھا - پرنسپل کاشی ناتھ پنڈت سنہ ۱۸۰۱ع میں یا اس کے قریب طرح طرح کی بےعنوانیوں کی علت میں ملازمت سے برطرف کر دیا گیا - ان بےعنوانیوں میں فیس اور طلبا اور استادوں کے جعلی رجسٹر بنانے کا الزام بھی شامل تھا - کالج کمیٹی کے پریزیڈنٹ مسٹر جان‌نیوز [۲] نے اس شخص کے متعلق یہ راے ظاھر کی کہ " میں نے اس سے زیادہ بدمعاش شخص کبھی نہیں دیکھا " - اس دوران میں کئی پنڈت اس سے پہلے مختلف قسم کی بےعنوانیوں کی وجہ سے موقوف کردے گئے تھے - جو اعلیٰ ترین مقاصد کالج سے وابستہ تھے وہ پورے نہ ھوے - اس میں صرف ان چند طلبہ نے تعلیم پائی جو عدالتوں میں پنڈت کے عہدے پر مامور کئے گئے - سنہ ۱۲-۱۸۱۱ع میں کالج کی دوبارہ تنظیم کی گئی اور نصاب تعلیم کے دائرے کو جو پہلے بہت وسیع تھا محدود کردیا گیا - حکومت نے بنگال میں دو سنسکرت کالج قائم کرنے کی تجویز کی - چونکہ عدالتوں کی زبان ابھی تک فارسی تھی اس لئے قانون پڑھنے والے پنڈتوں کے لئے فارسی زبان

[۱]—اس پارے کے اور اس کے بعد کے پارے کے لئے میں مسٹر جارج نکلس (Mr. George Nicholls) کے اس مرقع کا رھین منت ھوں جو مسٹر موصوف نے بنارس پاٹ شالہ کی ابتدا اور ترقی کے متعلق مرتب کیا - مسٹر نکلس ھڈ ماسٹر تھے اور انھوں نے اپنے مرقع کا مسودہ سنہ ۱۸۴۸م میں لکھا تھا - یہ سنہ ۱۹۰۷م میں گورنمنٹ پریس الہ‌آباد میں چھپا -

[۲]—John Neaves

میں بھی ایک درجہ قائم کرنے کی کوشش کی گئی لیکن کسی ایک پنڈت نے بھی ان موقعوں سے جو ان کے لئے بہم پہنچائے گئے فائدہ نہ اٹھایا - حقیقت یہ ہے کہ خود قانون کی تعلیم کا انتظام ناکام رہا - اگر ایک طرف پنڈت اپنے قدیم علم کے بھروسے پر نئی صورت حالات کے مطابق اپنی روش بدلنے پر راضی نہ تھے - تو دوسری طرف معمولی ہندو منشی اور کلرک جو گورنمنٹ کے ملازم تھے فارسی اور انگریزی تعلیم سے فائدہ اٹھاتے رہے - رفتہ رفتہ سرکاری ملازمت اور عدالتی نظام کی تمام صورت بدل گئی اور سنسکرت کالج سنہ ۱۸۴۴ع میں بنارس کالج کے شعبہ سنسکرت میں شامل کردیا گیا -

مشرقی علوم کی ترقی کی پالیسی پر تبصرہ

نتائج کے لحاظ سے کلکتہ کا مدرسہ اور بنارس پاٹ شالہ دونوں ناکام ثابت ہوئے - اور ان کی حیثیت بتدریج تبدیل ہوگئی - وہ اینگلو اورینٹل درسگاہ بن گئے - جن کو مشرقی علوم یا قانونی عدالتوں کے لئے آدمی تیار کرنے سے کوئی سروکار نہ رہا - بنیاد ڈالتے ہی یہ درسگاہیں اعتراض کا نشانہ بن گئیں - ایک طرف عیسائی مشنریوں اور ان کے دوستوں نے یہ اعتراض کیا کہ حکومت کی طرف سے سنسکرت یا عربی میں غیر عیسائی مذہبی تعلیم کی حوصلہ افزائی اور سر پرستی نہ ہونی چاہئے - دوسرے حلقوں میں یہ خیال ظاہر کیا گیا ، جس میں صداقت بھی تھی ، کہ تعلیم کا مجوزہ نصاب بہت زیادہ وسیع ہے اور طلبا کی تعداد کے مقابلے میں اساتذہ کی تعداد بہت زیادہ ہے - تیسرا اعتراض ان لوگوں کی طرف سے ہوا جن کی یہ رائے تھی کہ عیسائی اصول پر انگریزی زبان میں تعلیم کا ہونا ضروری اور مناسب ہے - چارلس گرانٹ اور جیمز فاربس ایسے آدمی جن کا ہم پہلے ہی ذکر کرچکے ہیں اس پالیسی کے زبردست موید تھے - عیسائیت کی طرف میلان کے اظہار کا ہندوستان کے مذہبی حلقوں پر یہ اثر ہوا کہ انگریزی تعلیم کے خلاف ، تعصب کا ایک زبردست طوفان پیدا ہو گیا - اس طور پر قدیمی تحریک کی لہریں کبھی آگے بڑھیں اور کبھی پیچھے ہٹیں ، یہانتک کہ عملی فوائد کے نقطۂ خیال سے سہرا انگریزی کے سر رہا جس کا ذکر اس سلسلے میں بہتر ہوگا جس میں انگریزی تعلیم کی تحریک پر بحث کی گئی ہے -

دیسی زبانوں کی کامیابی کے مقابلے میں قدیم مشرقی تعلیم کی ناکامی

گو ہندوستانیوں کی تعلیم کے لئے سرکاری تحریک کی یہ پہلی صورت ناکام رہی لیکن برطانوی افسروں کی تعلیم کے لئے سرکاری تحریک اور سیرام پور کے عیسائی مشنریوں کی برابر والی تحریک نے ہندوستان کی دیسی زبانوں اور ان کے ذریعے سے ہندوستانی دلوں پر ایک بہت بڑا اثر ڈالا - ناکامی اور کامیابی دونوں کے اسباب بالکل ظاہر ہیں - ناکامی کا سبب یہ تھا کہ واقعات کی منطق نے بوسیدہ اور دقیانوسی تعلیمی نظام کے نشو و نما کو ہر صورت میں غیر ممکن کر دیا - جو لوگ اس نظام کے قائل نہ تھے ان کے لئے اس کا ترقی کرنا اور بھی ناممکن تھا - فورٹ ولیم کالج اور سیرام پور کے عیسائی مشنریوں کی کامیابی (جیسی کچھہ تھی) ان کے مقصد سے مختلف تھی - جو نتائج حاصل ہوے وہ اُن نتائج سے بالکل مختلف تھے جو وہ چاہتے تھے - لیکن اُن کی صحیح اور مخلصانہ آرزو یہ ضرور تھی کہ عوام کے دلوں تک رسائی ہوجائے اور عوام کے دلوں پر واقعی کچھہ اثر پڑا گو اس اثر نے ایک بالکل خلاف اُمید صورت اختیار کی -

فورٹ ولیم کالج

فورٹ ولیم کالج [۱] کی بنیاد سنہ ۱۸۰۰ع میں لارڈ ولزلی [۲] کے ہاتھوں سے پڑی - اس کے قیام کا یہ مقصد تھا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے انگریز ملازموں کو اس میں تعلیم دی جائے - انیسویں صدی کے آغاز میں اس کے ملازم انگلستان کے اُن طبقوں سے لئے جاتے تھے جن کا پایہ تعلیم اور معاشرت کے لحاظ سے سابق کی بہ‌نسبت بلند تھا - لیکن انھیں اس ملک یا اس ملک کی مختلف زبانوں اور روائتوں کا کوئی علم نہ تھا اور اس لئے ان ہندوستانیوں سے مساوی یا بالا تر حیثیت سے نہیں مل سکتے تھے جن کے ساتھہ انھیں ایسی حالت میں کاروبار کرنا پڑتا تھا کہ وہ ہندوستان پہنچتے ہی اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوجاتے تھے - سویلین [۳] عہدے داروں کے لئے ضروری تھا کہ انھیں ملک کی

---

[۱]—Fort William College

[۲]—Lord Wellesley

[۳]—Civilian

رسم و رواج اور اس کی زبانوں کی ایسی فضا میں تعلیم دی جائے جو ان کے اعلیٰ رتبے کے مطابق اور شایاں ہو - قبل اس کے کہ یہ انتظام عملی صورت اختیار کرے کمپنی '' ایسے آدمیوں کو اہم عہدوں پر مامور کرنے کے لئے مجبور تھی جن کے پاس کوئی سند نہ تھی اور جن کی سیرت اور سابقہ تعلقات کا ڈائرکٹروں کو کوئی علم نہ تھا - اس کارروائی سے کمپنی کے معتمد عہدے داروں [۱] کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا - مگر یہ معتمد عہدےدار اپنے خاص فرائض کو انجام دینے کی اہلیت نہ رکھتے تھے '' - کالج کے لئے پورے طور پر سرمایہ موجود تھا - بلکہ کالج پر یہ نکتہ‌چینی کی گئی تھی کہ اس کو قائم رکھنے کے لئے ضرورت سے زیادہ روپیہ خرچ کیا جاتا ہے - اور نوجوان سویلین عہدے داروں کو اس زمانے میں جب وہ اپنی ملازمت کا نیا دور شروع کرتے ہیں '' ایک اچھا وقت '' گذرنے کا موقعہ مل جاتا حالانکہ انہیں ملک کے کسی حصہ میں جہاں وہ مامور ہوں اپنے عہدے کا کام سیکھنا چاہئے تھا - تینوں پریزیڈنسیوں ' کے سویلین عہدےداروں کی تربیت کا انتظام صرف کلکتے میں ہونا مناسب نہ سمجھا گیا کیونکہ یہ انتظام دوسری دونوں پریزیڈنسیوں کو پسند نہ تھا - یورپین مضامین کی تعلیم کے لئے استادوں کی تنخواہ اچھی خاصی تھی اور ان مضامین کی وجہ سے کالج کی تعلیم کا دائرہ حد سے زیادہ وسیع معلوم ہوتا تھا - یورپین پروفیسروں کے علاوہ پڑھانے والے پنڈتوں ' مولویوں اور منشیوں کی تعداد اسی (۸۰) تھی یہ تعداد طلبا کی تعداد کے مقابلے میں اکثر زیادہ ہوتی تھی [۲] -

فورٹ ولیم کالج کی مختصر زندگی

لندن میں کمپنی کے ڈائرکٹروں نے جن کی اس شاندار تجویز کے متعلق سابقہ منظوری حاصل نہیں کی گئی تھی سنہ ۱۸۰۲ع میں اس پر اعتراض کیا اور کالج کو توڑ دینے کا حکم دے دیا - انہوں نے سنہ ۱۸۰۵ع میں فورٹ ولیم کالج کی بجائے انگلستان میں ایک اور کالج قائم کیا جو بعد میں '' ھیلی بری کالج [۳] کے نام سے مشہور ہوا - اس کے علاوہ ہر پریزیڈنسی میں ہندوستانی زبانوں اور قوانین میں اپنے سویلین عہدہ‌داروں کی تعلیم کے لئے ایک مقامی مرکز قرار دیا گیا - اس طور پر فورٹ ولیم کالج کی اس زندگی کا

[۱]—Covenanted Servants

[۲]—دیکھو '' ہندوستانی تفریحات '' مصنفہ ٹیننٹ (Tenant) جلد ۲ صفحہ ۶۲ -

[۳]—Haileybury College

بہت جلد خاتمہ ہوگیا جس کا نقشہ لارڈ ولزلی نے اپنے خیال کے مطابق مرتب کیا تھا گو وہی نقشہ کئی سال بعد تک بنگال پریزیڈنسی میں ایک محدود پیمانے پر مفید کام کرتا رہا [۱] - سنہ ۱۸۵۴ع میں یہ کالج ٹوٹ گیا -

هندوستانی زبان کا مطالعہ

ڈاکٹر جان گلکرسٹ [۲] پرنسپل فورٹ ولیم کالج سنہ ۱۷۸۴ع میں کمپنی کی طبعی خدمت کے سلسلے میں ھندوستان آئے تھے - کالج نے اُن کی سرپرستی اور نگرانی میں ھندوستانی زبان کے باقاعدہ مطالعہ کے لئے ایک زبردست تحریک شروع کردی - انھوں نے خود ایک انگریزی ھندوستانی لغت اور ایک ھندوستانی قواعد شایع کی (دونوں سنہ ۱۷۹۶ع میں کلکتہ سے شایع ھوئیں) اس کے علاوہ اور بہت سی کتابیں کالج کے طلبا کے لئے ھندوستانی زبان میں شایع کیں - دو مقاصد ان کے پیش نظر تھے - اول ایک تو وہ چاھتے تھے کہ ان کے سویلین شاگرد ، ایک ایسی دیسی زبان سیکھیں جو تمام ھندوستان میں بولی جاتی ھو جیسی فارسی اس وقت ملکی انتظامی اور سیاسی اغراض کے علاوہ عام طور پر شرفا اور ادبا کی زبان سمجھی جاتی تھی تاکہ وہ نہ صرف اپنے ماتحتوں یا اعلیٰ درجے کے لوگوں سے بلکہ ھر شخص سے گفتگو کرنے کے قابل ھوجائیں - دوسرے ھندوستانی زبان اس وقت بہ نسبت اور دیسی زبانوں کے کچھ زیادہ ترقی یافتہ تھی اور جغرافیائی پہلو سے ھندوستان میں سب سے زیادہ پھیلی ھوئی تھی اس لئے ڈاکٹر موصوف کی یہ خواھش تھی کہ اس زبان میں ایسی نثر پیدا ھو جو ھندوستان میں عام سرکاری زبان کا کام دے - لارڈ ولزلی کا خیال یہ تھا کہ ھندوستان کے تمام حصوں سے علما اور فضلا کو اسی طرح جمع کیا جائے جس طرح ھندوستان کے والیان ریاست انھیں اپنے ھاں مدعو کیا کرتے تھے اور ایک خوبصورت عمارت میں ایک عظیم الشان دربار منعقد کیا جائے اور پنڈتوں ، مولویوں ، راجاؤں ، نوابوں اور ھندوستانی علمائے دین کے سامنے سال میں چار مرتبہ علمی مباحثے کئے جائیں

---

[۱]—سنہ ۱۸۰۰ع اور سنہ ۱۸۱۸ع کے درمیان اس کالج نے ۳۱ ھندوستانی کتابیں چھاپیں - یہ تعداد ان کتابوں کی تعداد سے زیادہ تھی جو اور زبان میں کالج سے تعلق رکھنے والی چھاپی گئیں (کلکتہ ریویو جلد ۱۳ - صفحہ ۱۴۴—۱۴۷) -

[۲]—Dr. John Gilchrist

اور اس طرح ان کے دلوں پر برطانیہ کی نئی حکومت کی شان و شوکت کا نقش بٹھایا جائے - لارڈ ولزلی اس معاملے میں دل کھول کر روپیہ صرف کرنے پر تیار تھے لیکن ڈائرکٹروں نے اپنے فیصلے سے ان کے تمام منصوبے خاک میں ملادئے [۲] -

کیا فورٹ ولیم کالج اُردو نثر کا گہوارہ تھا ؟

اس امر کا اکثر دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اُردو نثر کی ابتدا فورٹ ولیم کالج سے ہوئی ہے - یہ دعویٰ صرف ایک حد تک صحیح ہے - دہلی کے میرا من جیسے آدمی جنھوں نے سلطنت مغلیہ کے دارالحکومت میں اپنا سب کچھ کھودیا تھا خوش تھے کہ انھیں کلکتہ میں ملازمت مل گئی اور وہ لارڈ ولزلی کی مدح کا گیت گاتے تھے - میر امن نے گورنر جنرل کی نسبت ذیل کے مبالغہ آمیز الفاظ استعمال کئے ہیں - '' اشرف‌الاشراف جن کی تعریف میں عقل حیران اور فہم سرگرداں ہے '' - ڈاکٹر جان گلکرسٹ کے لئے یہ الفاظ استعمال کئے : '' صاحب ذی شان منصبوں کے قدردان '' - در اصل ہندوستانی زبان کی سرپرستی نتیجے کے لحاظ سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھی - لیکن نوجوان برطانوی افسروں کے لئے ایسی ادب کی جو نئی صورت پیدا ہوگئی اور جو ان کو سکھائی گئی اس سے منشیوں اور ان لوگوں میں جو سرکاری حلقوں میں آمد و رفت کا سلسلہ جاری رکھتے تھے ادب کی ایک نئی داغ بیل پڑگئی - رہے پرانے طبقے کے علما یعنی '' سخن دانان ذی شعور '' جن کا حلقہ دہلی اور لکھنؤ میں قائم تھا انھوں نے تو اس کی ہستی اُڑا دی خود میر امن نے بھی کلکتہ میں اپنی کتاب '' باغ و بہار '' کے دیباچے میں دو ضمنی دلائل سے اپنے نئے محاورے کے متعلق عذر خواہی کی ہے - اول یہ کہ وہ غیر ملکوں کی تعلیم کے لئے لکھ رہے تھے - دوم یہ کہ دہلی کی تباہی اور بربادی نے وہاں کے رہنے والوں کو دور دراز مقامات میں منتشر اور ان کی اصلی زبان کو مخلوط کردیا تھا -

---

[۱]—فورٹ ولیم کالج کی بنیاد کے متعلق لارڈ ولزلی کی یادداشتیں اور ان کے قواعد '' ولزلی کے مکتوبات '' مرتبہ مارٹن (Martin) پائے جائیں گے (جلد ۲ صفحہ ۳۲۵—۳۶۱) نیز دیکھو ایشیاٹک رجسٹر جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ - سرکاری بیان میں مقاصد وغیرہ کی کوئی تشریح نہیں - میں نے واقعات سے نتائج اخذ کئے ہیں اور بعض غیر سرکاری ذرائع سے بھی کام لیا ہے -

کسی اہل علم نے کبھی باغ و بہار یا فورٹ ولیم کالج کی دوسری درسی کتابوں کو بطور ادب کے نہیں پڑھا [۱] -

اُردو نثر کی حقیقی نشو و نما کس طرح ہوئی

اُردو نثر کی اصلی بنیاد رائج‌الوقت علمی اغراض کے لئے اس وقت پڑی جب سنہ ۱۸۳۹ع میں فارسی جو قانون ملکی انتظام ، ہندوستانی درباروں سے خط و کتابت اور مقامی دفتروں کی ضروریات کے لئے استعمال کی جاتی تھی اپنی اس حیثیت سے معزول کردی گئي - ہاں یہ حیدرآباد اور نیز دیگر ریاستوں میں فارسی اس کے بعد ہی عرصے تک سرکاری زبان تھی اور فارسی کی بجائے دیسی زبان اتنے ہی عرصے کے بعد رواج پزیر ہوئی - قانون اور قانونی اصطلاحات سے دیسی زبانوں میں صحت کی شان پیدا ہوگئی - عدالتی دفاتر اور درخواستوں میں متواتر استعمال کی بدولت ہر طبقے کے لوگوں کی نظروں میں ان کی وقعت بڑھ گئی - سرکاری احکام اور رپوٹوں میں یہ زبان برابر استعمال ہونے کی وجہ سے صاف اور سلیس اور مبالغے سے پاک ہوگئی اور طول نویسی ، پیچیدگی اور مسجع اور مقفیٰ عبارت کی ان تمام لغویتوں سے پاک ہوگئی جو ادب کا ایک ضروري جز بن گئی تھیں - دیسی زبانوں میں اخبارات کے اجرا کی وجہ سے ان زبانوں کا تعلق واقعات حاضرہ سے پیدا ہوگیا ، اور وسیع دنیا سے تعلق کے باعث اخبارات نے زبانوں کو نئے الفاظ کی دولت سے مالا مال کردیا - انھوں نے قدیم لٹریچر کی بہ‌نسبت جو صرف منتخب حلقوں تک محدود تھا عام لوگوں کی تقریر اور ان کے طرز خیال پر بہت زیادہ اثر ڈالا -

تمام ہندوستان میں کوئی ایک دیسی زبان
مشترکہ زبان نہ ہوسکی

جس مرکز پر ڈاکٹر گلکرسٹ اپنے خیال کی خاص خوبی کو لانا چاہتے تھے وہیں انہیں ناکامی ہوئی - اس وقت کسی دیسی زبان میں نثر کا ایسا

[۱]—سید عبداللطیف (دیکھو ''اردو پر انگریزی لٹریچر کا اثر'' صفحہ ۸۰) عام مروج رائے کا اتباع کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فورٹ ولیم کالج کی تصنیفات '' ہی کی بدولت ایک بڑے درجے تک اُردو نثر کا معیار اس بلند مقام تک پہنچا ہے جو حال کے زمانے میں اُردو مصنفین کو میسر ہوا ہے '' فی‌الواقع فورٹ ولیم کے ترجمے مقفی عبارت سے پاک ہیں - قطع نظر ان کے سنہ ۱۸۳۲ع یا اس سے بہت بعد تک اُردو نثر کي بہت کم تصنیفات شائع ہوئیں -

لٹریچر نہ تھا جو قابل ذکر ہو ' نہ اس وقت کسی دیسی زبان کی وقعت لوگوں کے دلوں میں ایسی تھی کہ اسے نثر کے ادبی اغراض کے قابل سمجھاجاتا - ہندوؤں کے لئے صرف سنسکرت اور مسلمانوں کے لئے صرف فارسی اوو عربی ادبی اور علمی زبانیں تھیں - دیسی زبانوں کی نظم میں قصے یا قدیم روائتیں یا ظریفانہ چٹکلے یا عشقیہ مضامین یا مذہبی گیت یا مذہبی رسوم کے گیت ہوتے تھے - دیسی زبانوں کی نثر روزمرہ کی گفتگو یا عام بات چیت کے لئے استعمال کی جاتی تھی - سوا ایک زبان کے باقی سب مقامی حیثیت سے خاص رقبوں تک محدود تھیں جن کو " دیس " کہتے تھے - یہ ایک مستثنی زبان سلطنت مغلیہ کے تفوق کا نتیجہ تھی - اس کی صحت کی سند دہلی سے لی جاتی تھی - لیکن اس کی شاخیں تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں - افغانستان کی سرحد سے مشرقی بنگال اور ہمالیہ سے دکن تک سب جگہ یہ بولی جاتی تھی - اس زبان کو عام طور پر ہندوستانی یا ہندی یا اسلامی درباروں کے علما اور فضلا کی مجلسوں میں اردو [۱] یا ریختہ کہتے تھے - گلکرسٹ کا یہ خیال تھا کہ اسے انگریز حاکموں اور ہندوستان کے عام لوگوں کے درمیان عام طور پر اظہار خیال کا ذریعہ قرار دیا جائے - میر امن لکھتے ہیں : " صاحبان ذی شان کو شوق ہوا کہ اردو کی زبان سے واقف ہوکر ہندوستانیوں سے گفت و شنید کریں " میر امن سے تصنیف کی جو فرمایش ہوئی اُسے وہ حسب ذیل الفاظ میں بیان کرتے ہیں : " اس قصے کا ٹھیٹھ ہندوستانی گفتگو میں ترجمہ کرو جو اردو کے لوگ ہندو ' مسلمان ' عورت ' مرد ' لڑکے ' بالے ' خاص و عام ' آپس میں بولتے ہیں " اگر فارسی کو جو سرکاری زبان تھی سنہ ۱۸۳۹ع کی بجائے اسی زمانے میں ترک کردیا جاتا تو ممکن ھے کہ اردو فارسی کی جگہہ لے لیتی اور آج تمام ہندوستان میں گفتگو کرنے کے لئے یہ سب کی مشترکہ زبان ہوتی - سنہ ۱۸۳۹ع تک دیسی زبانوں کی ترویج کا خیال صوبوں تک محدود ہوگیا -

---

[۱]—اسے " اردو کی زبان " کہتے تھے نہ کہ " اردو زبان " چنانچہ یہ الفاظ (اردو کی زبان) " باغ و بہار " میں استعمال کئے گئے ہیں - اس کے معنے ہیں وہ زبان جو لشکر اور بازار میں بولی جاتی تھی - میر امن نے فارسی سے چہار درویش کی کہانی کا ترجمہ کرنے کی فرمائش کا ذکر کرتے ہوئے انہیں الفاظ کو استعمال کیا ھے -

ناکامی کے اسباب اور مستقبل کے امکانات

اُس صورت میں اردو کے محاورے اور الفاظ وہ خاص فارسی رنگ اختیار نہ کرتے جن کی وجہ سے یہ مسلمانوں کی خاص زبان ہوگئی - اس کا تعلق سر زمین ہند سے زیادہ قریب ہوجاتا - یہ ہندوستانی ہوتی جیسا فورٹ ولیم کالج کے پرنسپل کا منشا تھا - بعد میں اردو کو ہندوستانی زبان بنانے کی کوششیں کی گئیں - مثلاً لکھنؤ میں انشا کی کوشش قابل ذکر ہے - (جن کا سنہ ۱۸۱۷ع میں انتقال ہوگیا) - بنارس میں پنڈت سدھاکر (جن کا زمانہ سنہ ۱۹۰۰ع کے قریب تھا) کی یہی کوشش تھی - اور الہ آباد میں ہندوستانی اکیڈیمی بھی اسی مقصد سے کام کر رہی ہے - لیکن مرکزی انتظام کے بغیر یہ تحریک قوت نہیں پکڑ سکتی اور اس کی کامیابی کا انحصار اس خواہش پر ہے کہ زبان کے اعتبار سے ہندوستان کی دو بڑی قوموں میں اتحاد ہوجائے - واضح رہے کہ محض فارسی یا عربی الفاظ کو خارج کرنے کی کوشش (جیسا انشا نے کیا تھا) محض ایک چال تھی یا قوت آزمائی تھی جو ایک خاص تصنیف میں ممکن ہے مگر یہ روش زبان میں لچک پیدا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکتی - ایسی زبان انشا کی اس فارسی مثنوی کے ہموزن ہوگی جس سے تمام نقطہ دار حروف خارج کر دئے گئے تھے (جو مثنوی بےنقط کے نام سے مشہور ہے) ایسی زبان کا عوام کی زبان پر کوئی اثر نہیں پڑ سکتا - سری للو لال کوی اور کاظم علی جوان کی مشترکہ محنت کی بدولت فورٹ ولیم کالج میں سنگھاسن بتیسی تیار تو ہوگئی جو فارسی اور سنسکرت الفاظ کا معجون مرکب تھی لیکن اس تصنیف میں اس زبان کا عکس نظر نہ آیا جو دیہات میں بولی جاتی تھی - سری للو لال نے ٹھیٹھ ہندی میں جو نثر لکھی اس نے ایک مثنوی ہندی زبان کی بنیاد ڈالی جس میں سنسکرت کا عنصر بہت زیادہ تھا - یہ برج شاعری کی نفیس زبان سے بالکل مختلف تھی - میر امن یا نہال چند لاہوری کی نثر جو انھوں نے کلکتہ میں لکھی اور نظیر اکبرآبادی (جن کا انتقال سنہ ۱۸۳۰ع کے قریب ہوا) کے ہردلعزیز اشعار میں طرز ادا کے لحاظ سے بہت کم فرق پایا جاتا ہے - اورنگ آباد سے شاعر ولی کے دیوان کی نسبت بھی (جن کا زمانہ سنہ ۱۷۲۲ع کے قریب ہے) ان کی دکنی طرز کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم یہی رائے ظاہر کرسکتے ہیں - سری للو کی پریم ساگر کے

15

الفاظ اور ان برج گیتوں کے الفاظ میں جو کرشن جی کی تعریف میں لکھے گئے جو اُسی زمانے میں یا بعد میں استعمال کئے گئے نمایاں فرق پایا جاتا ہے - اس تحریک سے ایک نئی ٹھیٹھ ہندی پیدا ہوئی جو اس زبان سے جو عام طور پر ہندوستان میں بولی جاتی تھی بالکل علیحدہ معلوم ہوتی تھی - شمالی ہندوستان یا تمام ہندوستان کے لئے ایک مشترکہ زبان کا نصب العین بہت دور جا پڑا - ہندوستان یعنی "مدھیہ دیس" کے محدود علاقے کی زبان میں بھی ہندو مسلمان کا فرق صاف نظر آنے لگا - ممکن ہے کہ انیسویں صدی کے حالات کی وجہ سے اس نمایاں اختلاف کا رونما ہونا قدرتی یا ناگزیر ہو - یہ ایسا سوال ہے جس پر دونوں قوموں کے سربرآوردہ افراد کو غور کرنا چاہئے کہ اب کس قدر قرب کی صورت ممکن ہے تاکہ ہمیں متحدہ ہند کے فائدے حاصل ہوں -

بنگالی زبان اور سیرام پور کے عیسائی مشنری

سیرام پور کے عیسائی مشنریوں کی کوششوں سے ایک نتیجہ یہ نکلا کہ جدید بنگالی لٹریچر کی بنیاد پڑ گئی - چونکہ ایشور چندر ودیا ساگر، بنکم چندر چٹر جی، اور رابندر ناتھ ٹیگور ایسے آدمیوں کی بدولت ہندوستان، بنگالی لٹریچر کا رہین منت ہے - یہ تحرک ایک آل انڈیا تحریک کی حیثیت رکھتی ہے - فورٹ ولیم کالج اگرچہ بنگال میں تھا لیکن اس نے بنگالی زبان کے لئے اتنا کام نہیں کیا جتنا اردو اور ہندی کے لئے - مگر سیرام پور کے معزز عیسائی ایشیاٹک سوسائٹی کے مشترکہ تعلق کے ذریعے سے کالج کے ساتھ وابستہ تھے، کالج نے ان کی مدد کی، انہوں نے کالج کو مدد دی -

انہوں نے اپنی سرگرمیاں کلیتاً تو نہیں مگر زیادہ تر بنگالی زبان کی خدمت کے لئے دکھائیں، یعنی انہوں نے اس زبان کو باقاعدہ بنانے کی کوشش کی - بنگالی زبان کا ٹائپ اور اس کی چھپائی کا انتظام کیا اور بنگالی زبان میں نہ صرف انجیل بلکہ دوسری مفید کتابوں کے ترجمے شایع کئے - انہوں نے انگریزی پڑھائی اور ہندوستان میں مغربی خیالات کو رواج دینے کے معاملے میں دلچسپی لی - عام عیسائی مشنریوں کی وضع سے جو اس وقت تک ہندوستان میں وارد ہوئے تھے ان کی حیثیت بالکل مختلف تھی - بپٹسٹ [۱] فرقے کے پیرو ہونے کی حیثیت سے ان کا مقصد عوام الناس میں

[۱]—Baptist

بلا کسی تکلف یا امتیازی حیثیت کے تبلیغ کرتا تھا - وہ نہ پادری کے منصب کے قائل تھے اور نہ خاص آسمانی اسرار کے معتقد ، بلکہ وہ عام لوگوں کو انھیں کی دیسی زبانوں میں دعوت دیتے تھے ، انھیں کے ادبی اور علمی ترکے سے کام لیتے تھے ، اور عملی قسم کی مغربی تعلیم پیش کرتے تھے - جو لوگ اعلیٰ عہدوں پر فائز تھے ان کے تدبر اور سیاست کے مقابلے میں اِن مشنریوں کے کام زیادہ سادگی و خلوص اور عملی حیثیت رکھتے تھے - چونکہ اُن کی کامیابی کا انحصار اس قدر روپے یا تنظیم پر نہ تھا جس قدر ان کے تین لیڈروں کیری [۱] ، مارشمین [۲] اور وارڈ [۳] کی شخصیتوں پر ، اس لئے اُن کی زندگی کے حالات پر ایک سرسری نظر بےجا نہ ہوگی -

کیری اور تعلیم

ولیم کیری ایک عجیب و غریب شخص تھا وہ انگلستان کے ایک موچی کا شاگرد تھا لیکن باوجود افلاس کے اس کی قوت ارادی اس قدر زبردست تھی کہ اس نے لاطینی ، یونانی ، اور عبرانی زبانوں کے مطالعہ کرنے کا ارادہ کر لیا - جب مذہب نے اس کی خدمات طلب کیں تو اس نے اپنے ہی ملک میں دو سال تک مذہبی خدمت کی ، اور سنہ ۱۷۹۳ع میں پہلے بپٹسٹ مشنری کی حیثیت سے ۳۳ سال کی عمر میں کلکتہ پہنچا - اس زمانے میں عیسائی مشنریوں کو ایسٹ انڈیا کمپنی کے علاقوں میں کام کرنے کی اجازت نہ تھی - اُن کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہ تھا - باوجود اِن دشواریوں کے وہ مالدہ میں پانچ سال تک نیل کے ایک کارخانے میں کام کرتا رہا ، اور اس دوران میں اس نے مذہب کے جھنڈے کو بلند رکھا - سنہ ۱۷۹۹ع میں وہ سیرام پور کی اس بستی میں پہنچا جو اہل ڈنمارک کے قبضے میں تھی - یہ بستی کلکتہ سے جانب شمال ۱۳ میل کے فاصلے پر واقع ہے - ڈینش گورنر نے اس کے مشنری کام کی حوصلہ افزائی کی - اب کیری نے بنگالی زبان میں انجیل کا ترجمہ کیا ، اور وہ تعلیم اور تبلیغ کا کام کرتا رہا - وہ فورٹ ولیم کالج میں سنسکرت اور بنگالی کا پروفیسر ہو گیا ، اور ایشیاٹک

[۱]—Carey
[۲]—Marshman
[۳]—Ward

سوسائٹی کے ساتھ مل کر کام کرنے لگا - گو اس کے حوصلے کو پست کرنے والے اسباب موجود تھے لیکن ایسے آدمی بھی تھے جو اس کو مدد دینے اور همدردی کرنے پر آمادہ تھے - اس نے مارشمین اور وارڈ سے ملکر جو اس کے حامی و مددگار تھے مشرقی اور مغربی تعلیم اور سائنٹفک (علمی) مطالعہ کا مرکز قائم کیا جس نے هندوستان کی تمدنی تاریخ پر گہرا اثر ڈالا ھے - ایک ماهر نباتات کی حیثیت سے اُس "فلورا میڈیکا مصنفہ راکسبرگ" [۱] کو مرتب کیا - راکسبرگ هندوستان میں مغربی علم نباتات کا سب سے پہلا ماهر تھا - کیری نے " ایگری هارٹیکلچرل سوسائٹی " [۲] کی بنیاد ڈالی - اس کا یہ مقصد تھا کہ زراعت اور باغبانی کے فن کو ترقی دی جائے - یہ مجلس ابھی تک موجود ھے - اسے علم حیوانات میں بھی خاص دلچسپی تھی - سنہ ۱۸۳۴ع میں اُس کا سیرام پور میں انتقال ہوگیا - اُس کی بیوی نے جو ان کے تمام کاموں میں مددگار تھیں " سیرام پور میں هندوستانی عورتوں کی تعلیم کے لئے ایک انجمن قائم کی جس کے ماتحت ایک مرتبہ چودہ نسوانی مدرسے تھے " -

مارشمین اور بنگالی اخبار نویسی

جوشو مارشمین [۳] ایک جولاہے کا بیٹا تھا ، اور اُس نے انگلستان میں مدرس کا پیشہ اختیار کیا - وہ عمر میں کیری سے سات برس چھوٹا تھا - سنہ ۱۷۹۹ع میں وہ سیرام پور کی بپٹسٹ مشن میں شامل ہوگیا اور کلکتہ میں هندوستانیوں کے مدارس میں کام کرتا رہا - اُس کی بیوی نے ایک بورڈنگ هاوس قائم کیا تھا - سنہ ۱۸۱۱ع میں اس نے کلکتہ میں مفلس عیسائیوں کے بچوں کو تعلیم دینے کے لئے بینوولینٹ انسٹیٹیوشن [۴] کی بنیاد ڈالی - مگر جونیر پریزیڈنسی چپلن صاحب [۵] اس کی مخالفت میں آواز بلند کئے بغیر نہ رہے کیونکہ ان کے خیال میں مارشمین کی درسگاہ سے کلکتہ میں چرچ آف انگلینڈ کے مدارس کے متعلق " مضر میلان " پیدا

---

[۱]—Flora Medica of Roxburg

[۲]—Agri-horticultural Society

[۳]—Joshua Marshman

[۴]—Benevolent Institution

[۵]—Junior Presidency Chaplain

ہونے کا اندیشہ تھا [۱] - اس نے اپنے بیٹے جان کلارک مارشمین [۲] کے ساتھ اپنے مشن کی ادبی سرگرمیوں میں حصہ لیا ، اور دریا کے کنارے پر سیرام پور کالج کی ایک خوبصورت عمارت بنوائی جہاں سے دریا کے پار وائسرائے کا بارک‌پور پارک [۳] نظر آتا ہے - یہ عمارت ابھی تک موجود ہے اور اس میں دلچسپ کتابوں کا کتب‌خانہ بھی ہے - لیکن دونوں مارشمین باپ اور بیٹے خصوصیت کے ساتھ بنگالی اخبار نویسی کے بانی قرار دئے جاسکتے ہیں - جے - سی - مارشمین پہلا شخص تھا جنھوں نے کلکتہ کے نواح میں کاغذ کا کارخانہ قائم کیا - اس وقت تک کاغذ پٹنہ یا ملک کے دوسرے حصوں سے آتا یا ممالک غیر سے منگایا جاتا تھا ، اور دونوں صورتوں میں کاغذ پر زیادہ لاگت آتی تھی - نیا کاغذ سستا تھا اور مغربی اصول کے مطابق تیار کیا جاتا تھا ، اور اس لئے اخبار نویسی کی روز مرہ کی ضروریات کے لئے موزوں تھا - دیسی مدارس کے لئے ابتدائی کتابوں کا پہلا سلسلہ جے - سی - مارشمین ہی نے مرتب کیا تھا - اُس کا آخری کام ہسٹری آف انڈیا (تاریخ ہند) کی قابل تعریف تالیف تھا جو دو جلدوں (سنہ ۱۸۶۳ع) میں شایع ہوئی - یہ کتاب اُس نے بجا طور پر " بنگال کے دیسی نوجوانوں " کے نام معنون کی - اس میں مولف نے ہندوستان کی مدنی ترقی کی طرف تھوڑی سی توجہ مبذول کی ہے -

وارڈ اور فن طباعت

سیرام پور کے مذکورۂ بالا تین آدمیوں کی جماعت کا تیسرا شخص ولیم وارڈ ایک برھئی کا بیٹا تھا ، جس نے اپنی جوانی میں انگلستان میں چھپائی کا کام سیکھا تھا - وہ سنہ ۱۷۹۹ع میں بحیثیت بپٹسٹ مشنری کے ہندوستان آیا - ہندوستان آنے سے قبل اس نے اپنے ملک میں مفصلات کے کئی اخباروں کی ادارت کا فرض انجام دیا - طباعت اُس کے کام کا ایک خاص شعبہ تھی - اُس نے سیرام پور پریس کی نگرانی کا کام اپنے ذمہ لیا - اور بیس مختلف زبانوں میں انجیل کے ترجمے چھاپے اور بنگالی ٹائپ کو رواج دیا - وہ ہندوؤں کی تاریخ ادب ، ان کے دیوتاؤں کے حالات ، ان کے معاشرت ، ان کے رسوم ، اور ان کے فلسفےمیں دلچسپی لی تھی - چنانچہ ان

---

[۱] — دیکھو کلکتہ گزٹ مورخہ ۳۱ جولائی سنہ ۱۸۱۱ع صیغۂ اشتہارات -

John Clark Marshman — [۲]

Barrackpur Park — [۳]

مضامین پر اس نے تین جلدوں میں ایک ضخیم کتاب لکھی جو سیرام پور میں (سنہ ۱۸۱۱ع میں) شایع ہوئی - اس کے بعد کا اڈیشن لندن میں (سنہ ۱۸۲۲ع میں) شایع ہوا - گو اُس نے ہندوؤں کے موجودہ حالات کو مایوسی کی نظر سے دیکھا ہے لیکن ان کے مستقبل کے متعلق اس کو بہتری کی امید تھی - اُس کے دیباچے کے حسب ذیل الفاظ اس جوش کو ظاہر کرتے ہیں جو اس کے دل میں ہندوستان اور خود اپنے ملک کے لئے تھا : '' ہندوستان کو وہ اعلی تہذیب حاصل کرنی چاہئے جس کی اسے ضرورت ہے - اس تہذیب کو ترقی دینے کی وہ بخوبی اہلیت رکھتا ہے مغربی ادب اس کی تمام زبانوں میں سرایت ہو جانا چاہئے ' تو پھر برطانیہ کے بندرگاہوں سے لیکر ہندوستان کے بندرگاہوں تک سارا سمندر ہمارے تجارتی جہازوں سے معمور نظر آے گا ' اور ہندوستان کے مرکز سے اخلاقی تمدن اور سائنس تمام ایشیا کو سیراب کردیگا - کبھی کسی ایک قوم کو نفع پہنچانے کا ایسا اچھا موقعہ نہیں ملا یعنی ایک کروڑ آدمیوں کو معقولیت اور مسرت کی زندگی کے اعلی مقام تک پہنچانا اور ان کے ذریعے سے تمام ایشیا کو علم اور تہذیب کی روشنی سے منورکرنا '' - گو تاریخ کی دیوی ایک صدی گزرنے کے بعد برطانیہ کے اس جذبے پر مسکراتی ہو جس پر اپنے منہ میاں مٹھو کی مثل پوری اترتی ہے پھر بھی ہم اسے اچھا خواب سمجھتے ہیں -

حق طباعت کے اجرا سے پہلے کے اخبارات

جب ہم ہندوستان کی اخبارنویسی کے حالات پر غور کرتے ہیں تو ہمیں یہ نہ سمجھ لینا چاہئے کہ ہمارے ملک میں اخبارنویسی کا آغاز موجودہ مطبوعہ اخبار کی صورت میں ہوا - اس خیال کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ ڈاک کا سلسلہ سنہ ۱۸۴۰ع میں ڈاک کے ٹکٹ کی ایجاد سے شروع ہوا - ڈاک کا عمدہ اور بہتر انتظام سرکاری اغراض کے لئے قدیم زمانے سے جاری ہے [۱] - محمد تغلق کے عہد میں سنہ ۱۳۳۳ع عام اور خاص ڈاک کے مفصل حالات تاریخ میں پائے جاتے ہیں - اکبر کے عہد میں بھی ڈاک کا انتظام تھا [۲] - اسی طرح سلطنت مغلیہ کے زمانے میں سرکاری اغراض کے

[۱]--دیکھو مصنف هذا کی کتاب موسومہ '' ہند کے تین مسافر '' صفحہ ۳۵ -
[۲]--دیکھو آئین اکبری -

لئے خبروں کو جمع کرنے ، لکھنے ، بھیجنے ، اور پہنچانے کا باقاعدہ انتظام تھا - خبروں کو جمع کرنے اور بھیجنے والے کو " خبر رساں "، لکھنے والے " وقائع نویس " " یا واقعہ نویس " کہتے تھے - ڈاک کی چٹھیاں یا روز نامچہ پہنچانے والے کو ہرکارہ یا قاصد کہتے تھے - اٹھارھویں صدی میں جب مرکزی حکومت کمزور ہوگئی اور رسل و رسائل کی آمد و رفت میں بےقاعدگی پیدا ہوگئی تو بہت سی چھوٹی چھوٹی طاقتوں نے ڈاک کا اپنا انتظام کرلیا - لیکن اگر پبلک کے براہ‌راست استعمال کے لئے خبر پہنچانے کا باقاعدہ انتظام مقصود ہے تو پھر مطبع کا ہونا ضروری ہے - اور ہندوستان میں مطبع کا رواج اس وقت تک نہیں ہوا جب تک بنگال میں انگریزی حکومت قائم نہیں ہوگئی -

دو مقامات جہاں سے خبریں آتی تھیں

فارسی اخبارات کے ذریعے سے ہندوستان میں خبروں کی اشاعت کا دلچسپ تذکرہ ایک انگریزی کتاب سے ، معلوم ہوتا ہے جو سنہ ۱۸۰۱ع میں بمقام کلکتہ چھپی - اس کتاب کا نام " ہندوستانی انٹیلی‌جنس اینڈ اوریئنٹل انتھولوجی ، [۱] ہے - اس میں ہندوستان ، پنجاب اور افغانستان کے اندرونی صوبوں کے ان واقعات کی داستان درج ہے جو فارسی اخبارات سے اخذ کئے گئے - خبریں دہلی ، پشاور ، کابل اور دیگر مقامات سے بذریعہ " اخبار " اور " قاصد " ملتی تھیں - یہ ان بڑے بڑے مرکزوں میں جمع کی جاتی تھیں جو سیاسی حیثیت سے خاص اہمیت رکھتے تھے - مثلاً شمالی ہند کے مرہٹہ سرداروں کے درباروں میں ، سیندھیا کے فرانسیسی جنرل مانشیور پیرن [۲] کے دربار میں ، علی بہادر نواب باندہ کے دربار میں ، اور برطانوی قسمت آزما سیاح جارج ٹامس [۳] کے دربار میں جس نے ہانسی حصار میں ایک جاٹ حکومت قائم کی تھی جو تھوڑے عرصے تک زندہ رہی -

انگریزی اخبارات : بنگال گزٹ

چونکہ ہندوستان میں طباعت کا پہلا کام انگریزی زبان میں تھا ، اس لئے حسب توقع پہلے اخبارات انگریزی زبان میں چھپے ، اور ہندوستان

Hindustani Intelligence Oriental Anthology—[۱]

Monsieur Perron—[۲]

George Thomas—[۳]

کے انگریز ناظرین کے لئے جاری کئے گئے - ہندوستان میں سب سے پہلے جس انگریز نے اخبار جاری کیا وہ جیمس آگسٹس ہکی [۱] تھا - یہ شخص ایک تاجر کے حیثیت سے ہندوستان میں اپنی قسمت آزمانے کے لئے آیا - دیوالیہ ہوگیا ' اور سنہ ۱۷۷۶ع میں کلکتہ جیل میں رہا - جب اپنی میعاد پوري کرچکا تو اس نے سنہ ۱۷۸۰ع میں " ہیکز بنگال گزٹ " جاري کیا - شروع هي میں حکام اس سے ناراض ہوگئے - اور وارن ہیسٹنگز (گورنر جنرل) اور سر الائجا امپی [۲] (چیف جسٹس) پر حملہ کرنے کی پاداش میں گرفتار ہو گیا ' اور اسے قید اور جرمانے کي سزا دي گئی - مارچ سنہ ۱۷۸۲ع میں اس کا چھاپاخانہ بھي ضبط کر لیا گیا اور اس قلیل‌العمر اخبار کی زندگی کا خاتمہ ہوگیا - میں نے بنگال گزٹ کے فائلوں کا معائنہ کیا ہے - اس اخبار کے مضامین زیادہ تر اس قسم کے ہوتے تھے جن سے شہر کلکتہ کے یوروپین باشندوں کو دلچسپی تھی - لیکن ایک دو خبریں ایسی بھی ہوتی تھیں جو ہندوستانیوں کی دلچسپی کا باعث ہوں - ۶ مئی سے ۱۳ مئی سنہ ۱۷۸۰ع کے پرچوں میں هم یہ دو خبریں دیکھتے ہیں : کلکتہ میں ایک یوروپین مکان سے ایک میل کے فاصلے پر ایک چیتے نے باغ میں ایک غریب عورت کو پکڑ لیا - اُس زمانے میں بھی نوکر بہت زیادہ اجرت طلب کرتے تھے اور اس وقت تک کام نہیں کرتے تھے جب تک ان کی دیکھ بھال نہیں ہوتی تھی اس لئے سرکاری قواعد کے واسطے چاروں طرف سے آواز بلند ہو رہی تھی - ۶ سے ۱۳ اکتوبر کے پرچوں میں ہم یہ شکایت دیکھتے ہیں کہ یوروپینوں نے بغیر لائسنس کے شراب کي کثیرالتعداد دکانیں کھول رکھی تھیں - نوکر ان دکانوں میں آتے تھے اور بدمست ہو جاتے تھے -

" ایشیاٹک مسیلینی " [۳]

اس سے هم یہ قیاس کر سکتے ہیں کہ اس وقت " ہیکز بنگال گزٹ " کے پڑھنے والے کس قسم کے لوگ تھے - لیکن کلکتہ میں انگریزی سوسائٹی کا ایک زیادہ تمدن اور خاص حلقہ بھی موجود تھا - اس حلقے کے لئے ایک

James Augustus Hicky—[۱]

Sir Eli Jah Impey—[۲]

Miscellany—[۳]

سہ ماہی رسالہ بنام "دی ایشیاٹک مسیلینی" [۱] جاری کیا گیا تھا جو دو سال یعنی سنہ ۱۷۸۵ع سے سنہ ۱۷۸۶ع تک جاری رہا - سنہ ۱۷۸۹ع میں یہ نئے روپ میں نمودار ہوا - یہ اخبار اپنی ادبی حیثیت کے اعتبار سے ممتاز تھا - کلکتہ میں اس کی ایک جلد ایک اشرفی (ایک پونڈ سات شلنگ چھ پنس) کو فروخت ہوتی تھی - اُس کے نامہ نگاروں میں مسٹر ڈبلیو چیمبرز [۲] ' سر ولیم جونز [۳] (دونوں سپریم کورٹ کے جج تھے) "اور دیگر ادبی مذاق رکھنے والے انگریز اصحاب تھے جو اس وقت ہندوستان میں رہتے تھے - اس میں مشرقی زبانوں کے تراجم اور نقلیں شایع ہوتی تھیں - اس کے علاوہ اس میں نفیس ادبی اقتباسات درج ہوتے تھے - کچھ خبریں بھی ہوتی تھیں جو قلیل اور باسی ہونے کے باوجود صحت کے لحاظ سے قابل اعتبار سمجھی جاتی تھیں -

کلکتہ گزٹ اور دیگر اخبارات

ان ابتدائی ایام میں کلکتہ میں اگر کوئی اخبار حقیقی معنوں میں انگریزی اخبار کہلانے کا مستحق تھا تو وہ کلکتہ گزٹ تھا - یہ ایک نیم سرکاری ہفتہ وار اخبار تھا جو ہر جمعرات کے روز شایع ہوتا تھا - اس کے مضامین کی تفصیل یہ تھی : سرکاری اعلانات ' احکام ' ایڈیٹوریل [۴] تبصرہ ' ہر قسم کی خبریں ' خط و کتابت ' نظمیں ' معاشرتی جلسوں کے حالات ' عدالت عالیہ کے مقدمات کی رپورٹیں ' اور دیگر اخبارات کے اقتباسات جن میں انگلستان کے اخبارات کے اقتباسات بھی ہوتے تھے ' اور اشتہارات ' غبارے پر چڑھنے کے واقعات بھی بعض اوقات خبروں میں پائے جاتے تھے - یہ اخبار سنہ ۱۷۸۴ع میں گورنر جنرل اور کونسل کی منظوری اور سرپرستی سے جاری ہوا تھا ' اور مسٹر ایف گلیڈون [۵] (اس کے پہلے ایڈیٹر) کو اخبار کے سرکاری حصے کے لئے مضامین بہم پہنچائے جاتے تھے - اس کے سرورق پر ایسٹ انڈیا کمپنی کی مہر کا سرکاری نشان ہوتا تھا - لیکن گورنمنٹ سرکاری اعلانات کے

[۱]—The Asiatic Miscellany
[۲]—Mr. W. Chambers
[۳]—Sir William Jones
[۴]—Editorial
[۵]—Mr. F. Gladwin

سوا اخبار کے دیگر مضامین کے متعلق اس کے انتظام کی ذمہ‌دار نہ تھی - جن اخبارات سے اقتباسات لئے جاتے تھے ان میں مدراس انٹیلیجنس [۱] (آمن ابتدائے دسمبر سنہ ۱۷۸۵ع)، مدراس کوریر [۲] (فروری سنہ ۱۷۸۶ع)، انڈین گزٹ آف کلکتہ [۳] (جون سنہ ۱۷۸۹ع)، بمبئی گزٹ [۴] (سنہ ۱۷۹۱ع)، بمبئی کوریر [۵] (نومبر سنہ ۱۷۹۴ع) وغیرہ کے نام آتے ہیں ان کے علاوہ حسب ذیل اخبارات کا حوالہ دیا گیا ھے : " دھلی کے اخبارات " (۱۳ اپریل سنہ ۱۸۱۵ع)، " لاھور کے اخبارات " (۳ دسمبر سنہ ۱۸۱۲ع)، " لاھور نیوز پیپرس " (۸ دسمبر سنہ ۱۸۱۴ع) اور " اخبارات از ھلکر کیمپ " (۸ دسمبر سنہ ۱۸۱۴ع)، جن سے یہی مراد لینی چاھئے کہ یہ پبلک یا نیم پبلک نوعیت کے فارسی اخبارات تھے - خط و کتابت میں دھلی اور ملک کے دیگر حصوں سے اسی چٹھیاں (غالباً فارسی زبان) میں موصول ہوتی تھیں جن میں خبریں دی جاتی تھیں - ان کے علاوہ پرائیویٹ چٹھیوں کے اقتباسات بھی درج ہوتے تھے - اشتہارات کے مضامین سے مختلف امور پر روشنی پڑتی تھی مثلاً خوراک، مشروبات، نرخنامہ، کرائے، مزدوری کی شرح، مروجہ کتابیں، تصویریں، فرادی فالم، لاٹریاں، تفریحات، اور دیگر ایسی باتیں جن سے اینگلو انڈین سوسائٹی کو دلچسپی تھی - جون سنہ ۱۸۱۵ع سے جب کلکتہ گزٹ گورنمنٹ گزٹ ہو گیا تو اس کی حیثیت بدل گئی مگر اس میں ایک عام اخبار کے کچھ پہلو قائم رہے - سنہ ۱۸۲۳ع کے بعد یہ ہفتہ میں دو مرتبہ شایع ہوتا تھا - سنہ ۱۸۳۲ع میں اس کی اخباری حیثیت کا خاتمہ ہو گیا - اور گورنمنٹ گزٹ نے اپنی موجودہ صورت اختیار کرلی جس میں خالص سرکاری مضامین ہوتے ہیں - اس امر کا ذکر خالی از دلچسپی نہیں کہ لندن گزٹ جو دنیا کا موجودہ قدیم‌ترین اخبار ھے سنہ ۱۶۶۶ع میں یعنی کلکتہ گزٹ سے صرف ایک صدی سے کچھ عرصہ پہلے جاری کیا گیا تھا - شروع میں اس اخبار میں بھی سرکاری مضامین کے علاوہ معمولی خبریں ہوتی تھیں -

---

[۱]—Madras Intelligence

[۲]—Madras Courier

[۳]—Indian Gazette of Calcutta

[۴]—Bombay Gazette

[۵]—Bombay Courier

ہندوستان میں برطانوی اخبارنویسوں کی مشکلات

ہمیں اینگلو انڈین اخبار نویسی کی تاریخ کا مزید ذکر کرنے کی ضرورت نہیں - اس ابتدائی زمانے میں کلکتہ گزٹ ہی ایک ایسا اخبار تھا جس کو گورنمنٹ کی سرپرستی حاصل تھی - مگر اس پر بھی سنہ ۱۷۹۶ع میں کسی مضمون کی وجہ سے جو ناپسند کیا گیا تھا اخبار مذکور معرض عتاب میں آگیا جس کی معذرت اس بنا پر کی گئی کہ ایڈیٹر کلکتہ سے غیر حاضر تھا - اور بھی کئی اخبارات تھے جو وقتاً فوقتاً مصیبت میں مبتلا رہے - ہمیں اس پر تعجب کرنا چاہئے کیونکہ خود انگلستان میں فرانسیسی انقلاب کی تحریک کی وجہ سے وہاں کے اخبارات کے لئے زمانہ موافق نہ تھا - ایک طرف سنہ ۱۷۹۲ع کا ایکٹ انسداد اہانت میں تھا دوسری طرف سنہ ۱۷۹۸ع کا ایکٹ اخبارات کے لئے تھا جس کے رو سے اخبارات کو سخت سزائیں دی جاتی تھیں - ان کے علاوہ پٹ [۱] کی گورنمنٹ کے عہد میں کئی ایسے قوانین بنائے گئے جن کے رو سے نہ صرف اخبارات کی روش پر اثر ڈالا جاتا تھا اور ان کی نگرانی کی جاتی تھی بلکہ ان کی قیمتوں کے تقرر اور ان کی تقسیم کے طریقے کے لئے بھی قواعد بنائے گئے تھے - اخبارات سے ٹکٹ کا محصول اور اشتہارات کا ٹیکس وصول کیا جاتا تھا - یہ تھے وہ حالات جن میں دنیا کے مشہور ترین اخبار "ٹائمز" کی ابتدا سنہ ۱۷۸۸ع میں لندن میں ہوئی جس نے ایک مستقل لیکن ایک آزاد قومی اخبار نویسی کی روش قائم کی ، اور جس نے دنیا کے اخبارات میں اعلیٰ جگہ حاصل کی [۲] - ہندوستان میں اخبارات پر سنہ ۱۷۹۹ع میں احتساب قائم کیا گیا - اگرچہ احتساب کی کارروائی سنہ ۱۸۱۹ع میں ہٹالی گئی ، لیکن اخبارات کی آزادی کے راستے میں روڑا اٹکانے والے قوانین بدستور جاری رہے - یہ انگلستان میں سنہ ۱۸۳۰ع اور اس کے بعد کی آزادانہ تحریک کا نتیجہ تھا کہ سر چارلس مٹکاف [۳] نے سنہ ۱۸۳۵ع میں اخبارات ہند کو درحقیقت آزادی عطا کی - گو اینگلو انڈین اخبارات کی روش گورنمنٹ کے خلاف حقیقی طور پر معاندانہ

---

[۱]—Pitt

[۲]—ٹائمز پہلا اخبار تھا جس نے ۱۸۱۴ع میں سٹیم پریس سے کام لیا -

[۳]—Sir Charles Metcalfe

نہ تھی پھر بھی وہ ظاہرا گورنمنٹ پر نکتہ‌چینی کیا کرتے تھے - چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے کئی مرتبہ انگریز ایڈیٹروں کو ملک بدر کر دیا تھا جس کی مثالیں سنہ ۱۷۹۴ع ' سنہ ۱۸۰۳ع اور سنہ ۱۸۲۳ع میں پائی جاتی ہیں - اس موقعے پر ہمیں ایک باادر انگریز اخبار نویس کا ذکر کرنا چاہئے - جیمز سِلک بکنگھم [۱] نے سنہ ۱۸۱۸ع میں کلکتہ جرنل [۲] جاری کیا - لیکن اُن کی تحریریں سرکاری حکام کے لئے اس قدر دل آزار تھیں کہ ہندوستان میں رہنے کے لئے ان کا لائسنس سنہ ۱۸۲۳ع میں منسوخ ہو گیا اور انھیں ملک بدر کر دیا گیا - اس زمانے میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو نہ صرف ہندوستانیوں پر بلکہ یورپینوں پر بھی غیر معمولی اختیارات حاصل تھے - مگر بکنگھم نے انگلستان میں جہاں وہ پارلیمنٹ کے ممبر بن گئے تھے اس سوال کو اٹھایا - مقدمے کی روئداد کے لئے ایک سالم پارلمینٹری بلو بک [۳] (کتاب ارزق) (نمبر ۶۰۱ سنہ ۱۸۳۴ع) کی ضرورت پڑی - آخر کمپنی کو انھیں دو سو پاونڈ سالانہ کی پنشن کی صورت میں معاوضہ دینا پڑا - انھوں نے انگلستان میں (سنہ ۱۸۲۸ع) میں ایک ہفتہ‌وار ادبی پرچہ اتھینیم [۴] کے نام سے جاری کیا جس کو بعد میں دوسرے لوگوں نے ایک طویل عرصے تک کامیاب اور معزز بنائے رکھا تا آنکہ یہ سنہ ۱۹۲۱ع میں اخبار دی نیشن [۵] میں جذب اور گم ہوگیا -

فارسی اور بنگالی کے اخبارات جو ٹائپ میں چھپتے تھے

ہندوستان کی زبانوں کے اخبارات کے متعلق عام طور پر یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایسا پہلا اخبار بنگالی زبان میں ہفتہ‌وار " سماچار درپن " شایع ہوا تھا جو سیرام پور کے مشنریوں نے سنہ ۱۸۱۸ع [۶] میں جاری کیا تھا -

[۱]—James Silk Buckingham

[۲]—Calcutta Journal

[۳]—Blue-book

[۴]—Athenaeum

[۵]—The Nation

[۶]—برگس کی کتاب موسومہ " کرونالوجی آف انڈیا " میں " سماچار درپن " کا سنہ ۱۸۲۱ع دیا گیا ہے مگر ہمیں صحیح تاریخ (سنہ ۱۸۱۸م) - شیمین کی کتاب موسومہ لائف اینڈ ٹائمز (Life and Times) جلد ۲ صفحہ ۱۷۵ اور کلکتہ ریویو (Calcutta Review) جلد ۱۳

بنگالی زبان کا بھی یہ پہلا مطبوعہ اخبار نہ تھا - یہ فخر بنگال سماچار کو حاصل ہے جو گنگادھر بھٹاچاریہ نے سنہ ۱۸ - ۱۸۱۶ع میں جاری کیا تھا لیکن سماچار درپن نے زیادہ عمر (۳۷ - ۱۸۱۸ع) پائی - اس میں مختلف خبریں اور معلومات زیادہ ہوتی تھیں اور اس کی اشاعت کا حلقہ زیادہ وسیع تھا [۱] جیسا ہم بیان کرچکے ہیں قلمی تحریریں جن میں خبریں ہوتی تھیں مذکورہ بالا سنہ سے بہت پہلے فارسی زبان میں شایع ہوتی تھیں - دوسرے باب میں ہم نے بیان کیا ہے کہ ولکنز نے سنہ ۱۷۷۸ع سے پہلے فارسی اور بنگالی ٹائپ ڈھالا - ہندوستان میں غالباً فارسی زبان کی طباعت بنگالی زبان کی طباعت سے پہلے تھی کیونکہ فارسی زبان اُس زمانے اور اُس کے بعد کئی سال تک تمام ہندوستان کی مروجہ سرکاری زبان رہی - اخبارات کی طباعت کے متعلق اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ فارسی اگر سنہ ۱۷۸۴ع سے پہلے نہیں تو اس سنہ میں ضرور طباعت کے لیے استعمال کی گئی - کلکتہ گزٹ کے پہلے ہی نمبر (۴ مارچ سنہ ۱۷۸۴ع) میں ایک فارسی کالم تھا جو ٹائپ کے حروف میں چھپا ہوا تھا - اس کالم کا عنوان یہ تھا : '' خلاصہ اخبار دربار معلیٰ بہ دارالخلافت شاہجہان آباد '' - یہ مغل شہنشاہ کے دربار میں '' واقعہ نویس '' کا روزنامچہ تھا جس کے روزمرہ کے واقعات فارسی کے مقابل کے کالم میں انگریزی ترجمے کے ساتھ شایع ہوتے تھے - یہ سلسلہ کئی نمبروں تک ہفتہ‌وار جاری رہا - مذکورہ روزنامچے کے مضامین '' کورٹ سرکلر '' کے مضامین سے کچھ زیادہ ہوتے تھے - اس میں مختلف قسم کی عام خبریں بھی ہوتی تھیں - میرے خیال میں ہندوستان کی ایک مروجہ زبان میں یہ پہلا مطبوعہ اخبار تھا - جس طرح کلکتہ گزٹ نیم سرکاری انگریزی اخبار تھا اسی طرح یہ فارسی کالم بھی دہلی کا نیم سرکاری روزنامچہ سمجھا جاسکتا ہے - کلکتہ گزٹ کے آخری نمبروں میں فارسی اور بنگالی کی اطلاعات اور اشتہارات

صفحہ ۱۲۵ میں ملتی ہے - ٹرنکیبار کے ڈینشن مشنریوں نے بھی اس سے پہلے اٹھارھویں صدی میں جنوبی ہند میں ایک کاغذ کا کارخانہ اور ایک مطبع مالابار زبان میں (غالباً کناری زبان سے مراد ہوگی) جاری کیا تھا - دیکھو کلکتہ ریویو جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۳ - لیکن میں نے کوئی ایسی تحریر نہیں دیکھی جس سے یہ پایا جائے کہ انھوں نے کسی دراوڑی زبان میں اخبار شائع کیا ہو -

[۱]—دیکھو سشل کمار ڈے کی بنگالی ادب کی تاریخ صفحہ ۲۳۶ -

ٹائپ کے حروف میں چھپتے تھے - بنگالی بنگال کی مقامی زبان سمجھی جاتی تھی اور فارسی ہندوستان کی عام زبان -

بنگالی ، فارسی اور اردو کے اخبارات

جب بنگالی زبان کا سماچار درپن سنہ ۱۸۱۸ع میں نکلا تو اس وقت مارکوئس آف ہیسٹنگز گورنر جنرل تھے - انھوں نے اس اخبار کی تجویز کو پسند کیا - اس کی حوصلہ افزائی کی اور اپنے ہاتھ سے ایڈیٹر کو چٹھی لکھی - اسی کے ساتھ ایک فارسی اڈیشن شایع کیا گیا جس کے لئے ڈاک کے محصول میں رعایت خاص رعایت کردی گئی - انگریزی اخبارات [۱] کے لئے ڈاک کے محصول کی جو شرح منظور تھی اس کا ایک چوتھائی فارسی اڈیشن کے لئے تجویز کیا گیا - سنہ ۱۸۲۲ع کے قریب ۸ صفحوں کا ایک هفتہ‌وار فارسی اخبار "جام جہاں نما" کے نام سے نکلا - اس کا ایک ادبی ضمیمہ اردو میں تھا - جس میں تاریخ عالمگیر کا اردو ترجمہ شایع ہوتا تھا - اردو ضمیمے کا سلسلہ دو سال سے کم عرصے تک قائم رہا ، لیکن فارسی اخبار برابر جاری رہا ، اور سنہ ۱۸۲۸ع میں کلکتہ میں اس کا اپنا مطبع ہوگیا - دوسرے فارسی اخبارات کے نام یہ تھے :— آئینۂ سکندری کلکتہ سنہ ۱۸۳۱ع (ایک ادبی پرچہ تھا) - سلطان‌الاخبار کلکتہ ، مہر عالم افروز کلکتہ ، مہر منیر کلکتہ ، اور اخبار لدھیانہ سنہ ۱۸۳۹ع - آخرالذکر اخبار امریکہ کے عیسائی مشنریوں نے لدھیانہ میں جاری کیا تھا - اس طور پر مشرق میں کلکتہ سے مغرب میں لدھیانہ تک تمام ملک کے اندر فارسی زبان کے اخبار کا جال پھیل گیا - سلطان‌الاخبار کے متعلق واضح ہو کہ اس کی ادارت کی باگ فسانۂ عجائب کے مصنف مرزا رجب‌علی بیگ سرور کے ہاتھ میں تھی جو لکھنؤ کے آسمان ادب کے ایک درخشاں ستارے تھے - میں اس اخبار کی صحیح تاریخ دریافت نہ

---

[۱]—دیکھو کلکتہ ریویو جلد ۱۳ صفحہ ۱۳۵ - اس پارے کا باقی‌ماندہ حصہ رسالہ خیالستان (لاہور اپریل سنہ ۱۹۳۰ع) کے ایک مضمون بعنوان "فارسی اخبار عہد کمپنی میں" پر مبنی ہے جس کے راقم لکھنؤ کے سید شہنشاہ حسین اصغری ہیں - یہ مضمون ایک اور مضمون پر مبنی تھا جو خان بہادر اے ایف ایم عبدالعلی محافظ دفتر گورنمنٹ آف انڈیا کے قلم سے تھا - افسوس ہے کہ مجھے مسٹر عبدالعلی کا اصل مضمون نہ مل سکا -

کرسکا ' اور نہ اس سال یا اس زمانے کا پتا چلا جب مرزا سرور کلکتہ [۱] میں رھے - بیان کیا جاتا ھے کہ سرور نے اپنے اخبار میں زبردست جسارت کی روش اختیار کی - انھوں نے پولیس کے انتظام اور حکومت کی تجاویز پر نکتہ چینی کرنے میں جرأت دکھائی - لکھنؤ کی تربیت سے سرور کی سیرت میں آزادی کا جوھر اور ان کے قلم میں صحیح اور برجستہ اثر پیدا ھو گیا ھوگا -

گجراتی اخبار نویسی کے پارسی موجد

بمبئی کے طرف پارسیوں نے ھندوستانی اخبار نویسی کی بھی اسی طرح داغ بیل ڈالی جس طرح انھوں نے ھندوستانی تجارت مصنوعات ' اور عملی فنون کے لئے ترقی کا راستہ صاف کیا - اس ضمن میں دو نام ممتاز نظر

---

[۱] ــــ فسانہ عجائب کا سنہ سنہ ۱۸۲۸ع تھا نہ کہ سنہ ۱۸۲۵ع جیسا " سیرالمصنفین " مرتبۂ تنہا جلد ا صفحہ ۱۲۹ میں لکھا ھے - سنہ ۱۸۲۵ع کا سنہ گارسن دی تاسی (Garcen de Tassy) کی فرانسیسی کتاب تاریخ ادب ھندوی و ھندوستانی دوسرا اڈیشن جلد ۳ صفحہ ۱۸۸ میں دیا گیا ھے لیکن یہ سنہ سب سے پہلی لتھوگراف (Lithograph) کاپی کا ھوگا جو دی تاسی نے استعمال کی - در اصل فسانہ عجائب نصیرالدین حیدر شاہ اودہ کے جلوس کے پہلے سال یعنی سنہ ۱۸۲۸ع مطابق ۱۲۴۴ھ میں مکمل ھوا (دیکھو بیل کی اورینٹل بایوگرافیکل ڈکشنری (Beale's Oriental Biographical Dictionary) سنہ ۱۸۹۴ع صفحہ ۳۹۴ - دی تاسی (De Tassy) نے سرور کی وفات کا سنہ سنہ ۱۸۶۹ع دیا ھے - تنہا کہتے ھیں کے انھوں نے یہ بات ایک تذکرے میں دیکھی کہ سرور لکھنؤ میں سنہ ۱۸۴۳ع تک رھے لیکن وہ یہ خیال نہیں کرتے کہ وہ سنہ ۱۸۵۶ع سے پہلے لکھنؤ سے چلے گئے - زتشی صاحب اپنی کتاب گلدستۂ ادب (صفحہ ۱۲) میں گارسن دی تاسی کا حوالہ دیتے ھوئے لکھتے ھیں کہ سرور سنہ ۱۸۴۷ع لکھنؤ میں رھے - اور ایک اور کتاب سے یہ لکھتے ھیں کہ سنہ ۱۸۶۳ع میں کلکتے گئے - میں نے گارسن دی تاسی کا حوالہ جو انھوں نے دیا ھے دی تاسی کی کتاب میں تلاش کیا مگر نہ ملا - سلطان الاخبار (حسب حوالہ مذکور صفحہ ۳۰) کے لئے شہنشاہ حسین کا سنہ سنہ ۱۸۳۰ع ھے - ممکن ھے کہ سنہ ۱۸۲۸ع میں لکھنؤ میں فسانہ عجائب لکھنے کے بعد وہ سنہ ۱۸۳۰ع کے قریب اس اخبار کو مرتب کرنے کے لئے کلکتے گئے اور اس کے بعد وہ لکھنؤ واپس چلے آئے اور سنہ ۱۸۴۳ع کے بعد پھر کلکتے پہنچے اور واجد علی شاہ کے عہد (سنہ ۱۸۴۷-۵۶ع) میں انھوں نے لکھنؤ میں پھر کام کیا اور کلکتہ میں بعد ازاں شاہ کی جلاوطنی کے دوران میں ان کے شریک حال رھے - اور سنہ ۱۸۶۳ع کے بعد کسی سال اپنے وطن واپس پہنچے جہاں ان کا انتقال ھوگیا - غالباً اس نامعلوم تذکرہ نویس کو سنہ ۱۸۴۳ع کے سنہ کے متعلق غلطی ھوئی ھے - یا ممکن ھے کہ تنہا صاحب کی یادداشتوں میں کچھہ خلط ملط ھوگیا ھو اور یہ بھی ممکنات سے ھے کہ اس تخلص کے دو مختلف سرور ھوں -

آتے ہیں اور دونوں کا تعلق ایسے خاندان سے ہے جس کے ارکان پارسیوں کے مذہبی پیشوا تھے - ملا فیروز (۱۸۳۰ــــ۱۷۵۸ع) نے قدیم زردشتی مذہب کی تحقیقات کے لئے بہت کام کیا' اور پارسیوں میں مذہبی روح پھونکی - گورنمنٹ کو ان پر اعتماد تھا' اور انہوں نے جارج سوم کے نام پر جارج نامہ کے نام سے برطانوی حکومت پر ایک فارسی نظم لکھی اور ملکہ وکٹوریہ کے نام اسے معنون کیا - ان کی لائبریری اب تک بمبئی کا ایک پبلک ادارہ ہے - سنہ ۱۸۲۲ع میں انہوں نے مسٹر فردون جی مرزبان [۱] کے ساتھ مل کر گجراتی اخبار بمبئی سماچار کی بنیاد ڈالی جو ابھی تک بمبئی میں ایک سربرآوردہ گجراتی اخبار کی حیثیت سے موجود ہے - مرزبان ایک تجربہ‌کار جلدساز تھے اور انہوں نے سنہ ۱۸۱۲ع میں اپنا مطبع جاری کیا - وہ ملا فیروز کے ساتھ اپنی قوم کے لئے مختلف ادبی تحریکوں میں شریک ہوگئے - بمبئی سماچار ہندوستان کا قدیم ترین موجودہ دیسی اخبار ہے -

کامیاب اخبارنویسی کے لئے شرائط

اس طور پر ہم دیکھتے ہیں کہ ہندوستان کی اخبار نویسی برطانوی ہند کی تاریخ کے ابتدائی حصے میں شروع ہوئی' اور حکومت نے بھی ایک بڑی حد تک اس کی سرپرستی کی - لیکن در حقیقت کامیاب اخبار نویسی کے حوصلہ مندانہ کام کے لئے چار باتوں کا ہونا ضروری ہے : (۱) عمدہ اور سستی چھپائی - [۲] ایک عملی تعلیم جس کا زندگی کے ان جذبات سے تعلق ہو جن کی روح لوگوں کے ایک بڑے طبقے کے دل میں سرایت کرگئی ہو - (۳) پبلک معاملات میں ایک وسیع عام دلچسپی' جس میں سیاسیات' سرکاری انتظام' معاشرتی تحریکیں' اور بیرونی واقعات شامل ہوں - (۴) ایک ہدایت یافتہ رائے عامہ جو ضروری نہیں ہے کہ متحدہ ہو لیکن وہ کسی حد تک اتحاد کی خواہشمند ہو' اور گورنمنٹ اور ان لوگوں کی پالیسی پر جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ایک ذمہ‌دارانہ حیثیت رکھتے ہیں اثر ڈالنے کے قابل ہو - اس زمانے میں ان شرائط میں سے کوئی شرط بھی پوری نہ ہوئی اور اس لئے اس زمانے کے اخبارات محض آثار قدیمہ اور عجائبات میں شمار ہونے کے قابل

Mr. Fardunji Marzban—[1]

هیں ، گو اِس لحاظ سے دلچسپ هیں کہ وہ اس تحریک کے پہلے پھل تھے جو اُس وقت سے اب تک طاقت پکڑتی گئی ھے -

ادبی هندوستان : تین آوازیں

اس زمانے کي ادبی تحریکوں کا ذکر کرتے ہوئے ھمیں تین آوازوں کو پیش نظر رکھنا چاھئے (۱) کمزور اور بےجان هندوستان کی آواز (۲) ایک نئے هندوستان کی آواز جو بیرونی اثرات میں جنم لے رھا تھا اور (۳) اس هندوستان کی آواز جو ابھی تک پرانے دستور کے مطابق اپنے قدیم لب و لہجے میں اپنے جذبات کا اظہار کرتا تھا اور اپنے اندر کی مخفی قوتوں سے غیر محسوس طور پر اپنی هئیت تبدیل کر رھا تھا -

قریب بمرگ هندوستان کی نظم

اٹھارھویں صدی عیسوی کے خاتمے پر هم نے دھلی کے شعرا کے متعلق قریب مرگ هندوستان کی بعض آوازوں پر غور کیا تھا - ان کے علاوہ اور دلچسپ نظمیں هندو اور مسلمان دونوں شاعروں کی هندی زبان میں صوفیانہ طرز پر پائی جاتی هیں - گلال صاحب اور بھیکا صاحب اٹھارھویں صدی کے آخري نصف حصے کے شاعر گزرے هیں - وہ ان صوفیوں کی ابتدائی نسل کی روایات کے حامل تھے جنھوں نے هندی زبان میں کیشو داس اور بلا صاحب کے جذبات قلمبند کئے - ان دونوں کو دھلی کی ابتدائی روایات ترکے میں ملی تھیں جن کے حامل یاری صاحب تھے (جن کا زمانہ سنہ ۱۶۶۸ع سے سنہ ۱۷۲۳ع تک تھا) - ان تحریکوں کی دو شاخیں علیحدہ علیحدہ مگر همجنس تھیں - شونرائن نامی ایک راجپوت نے غازی پور کے نزدیک (سنہ ۱۷۳۴ع کے قریب) ایک نئے فرقے کی بنیاد ڈالي اور ذات پات کی بندھنوں اور بت پرستی کے عقیدوں کو بالائے طاق رکھ دیا ، اور هندوؤں اور مسلمانوں کو اپنے اپنے مذھبی رسوم ادا کرنے کی اجازت دی - ان کا دعویٰ تھا کہ شہنشاہ محمد شاہ نے (جن کا سنہ ۱۷۴۸ع میں انتقال ھوا) ان کی سرپرستی کی - پنا واقع بندیلکھنڈ کے ایک کائستھ پران ناتھ نامی نے بھی دونوں مذھبوں کو ملانے کی کوشش کی ، اور هر مذھب کے پیرووں کو اجازت دی کہ اپنے اپنے خاندان کی رسوم پر قائم رھیں - اس کا سرپرست چھتر سال نامي شخص چھتر پور کا بانی تھا (جس کا سنہ ۱۷۳۲ع میں انتقال ھو گیا) یہ تحریکیں اور ابتدائی پنتھ جن کی بنیاد

سابقہ صدیوں میں پڑی زمانے کے حالات اور رفتار کے مطابق تھے اور انہوں نے آئندہ نسل میں برہمو سماج کی تحریک کی جدید صورت اختیار کرلی - آخرالذکر [۱] تحریک خالص مذہبی تھی حالانکہ اس سے پہلے کی تحریکیں شاعرانہ اور ادبی حیثیت بھی رکھتی تھیں - بنگالی نظم کی اس صنف کے گیتوں میں جو شاعروں کے کبی طبقے کے نام سے منسوب تھے مذہبی مضامین ہوتے تھے اور اٹھارھویں صدی کے اخیر میں عوام‌الناس میں رائج ہوگئے -

دیار مغرب کے متعلق ایک ہندوستانی سیاح کی نثر

جدید ہندوستان مغرب کے میل جول سے ایک نئی صورت اختیار کر رہا تھا- اس میں وہ طبقہ بھی تھا جو قصداً مغرب کے خیالات کی جستجو کر رہا تھا - اس کی مثال مرزا ابوطالب خاں کی شخصیت سے مل سکتی ہے - مرزا صاحب نے سنہ ۱۷۹۹ع سے سنہ ۱۸۰۳ع تک ایشیا ' افریقہ اور یورپ کی سیاحت کی اور اپنے سفر کے حالات فارسی زبان میں لکھے - یہ حالات اس قدر اہم سمجھے گئے کہ ہیلی‌بری میں مشرقی زبانوں کے پروفیسر میجر چارلس‌سٹیوارٹ[۲] نے ان کا ترجمہ کیا - مرزا صاحب سنہ ۱۷۵۲ع میں بمقام لکھنؤ پیدا ہوئے - مرشدآباد اور بنگال کی حکمراں جماعت سے عام طور پر ان کے تعلقات قائم تھے - جب بنگال پر انگریزوں کا تسلط ہوگیا تو وہ اودھ چلے آئے لیکن بنگال کے ساتھ اُن کے تعلقات قائم رہے - نئی حکومت سے ان کے دوستانہ مراسم تھے ' اور اکثر کلکتے جایا کرتے تھے - سنہ ۱۷۹۳ع میں کپتان ڈی رچرڈسن [۳] نے جو تین سال کی رخصت پر یورپ روانہ ہوے مرزا صاحب کو بطور رفیق کے اپنے ساتھ لے لیا ' اور چونکہ انہیں اہل مغرب کی زندگی اور ان کے خیالات سے واقفیت حاصل کرنے کا شوق تھا اس لئے انہوں نے سفر کے اس موقعے کو غنیمت سمجھا ' او ساتھ ہی یہ اُمید ان کے دل میں ہونے لگی کہ برٹش گورنمنٹ کے ماتحت انہیں مشرق میں کسی سفیر کا عہدہ مل جائے گا - اس خواہش میں ان کو ناکامی ہوئی -

---

[۱]—اس پارے کے لئے دیکھو ایف - ای - کے - (F. E. Keay) کی مرتبہ کتاب ادب ہندی صفحات ۶۷' ۶۸ اور ۶۹ - کبی شاعری کے لئے دیکھو ایس - کے - ڈے (S. K. De) کی تاریخ ادب زبان بنگالی صفحہ ۳۰۶' ۳۰۷ -

[۲]—Major Charles Stewart

[۳]—Captain D. Richardson

لیکن انگلستان میں ان کی بڑی آؤ بھگت کی گئی - مرزا صاحب کو بادشاہ (جارج سوم) اور ملکہ شارلٹ کے دربار میں باریابی کا شرف حاصل ہوا - انگلستان کے امرا ، سلطنت کے وزرا اور کنٹربری کے لاٹ پادری سے بھی ملنے کا شرف حاصل ہوا - اور لندن کے لارڈمیئر [۱] شہر کے سب سے بڑے مقامی عہدہ دار کی ضیافت میں بھی وہ شریک ہوئے - سنہ ۱۸۰۷ع میں ان کا انتقال ہوا - اور کلکتہ گزٹ میں ان کی وفات پر ایک مختصر مضمون شائع ہوا - یہ عزت اُس زمانے میں ہندوستان کے باشندے کے لئے ناممکن اور محال سمجھی جاتی تھی -

انگلستان کے متعلق مرزا ابوطالب خاں کے خیالات

یورپ اور یورپین طریقوں ، برطانیہ اور اس کے اداروں کے متعلق ایسے شخص کے کیا خیالات تھے ؟ مرزا صاحب نے اپنے جذبات کو آزادی کے ساتھ سپرد قلم کیا - انہوں نے نہ تعصب کو جگہ دی اور نہ بیجاستائش کو - انہوں نے برطانیہ کی مہمان نوازی کا دلی خلوص سے اعتراف کیا - اور '' خوش باش دمے کہ زندگانی این است '' کے اصول کو مدنظر رکھا - وہاں کی کھانے پینے کی چیزیں ان کی رائے میں نہایت نفیس تھیں - انگریز عورتیں ان کے خیال میں حسین تھیں اور ناچنے میں نہایت سلیقہ مند اور ماہر تھیں - مرزا صاحب نے انگریزی موسیقی کی تعریف کی ہے - باغات میں شیشے کے مکانوں [۲] میں ہر قسم کے میوہ جات لگائے جاتے تھے - ان کو دیکھ کر مرزا صاحب کو بڑا تعجب ہوا اور وہ اس جدت سے اسقدر متاثر اور متعجب ہوئے کہ انہوں نے تفصیل میں اپنی کتاب کے کئی صفحے وقف کر دئے - ان کے نزدیک یہ ایک بڑی عجیب بات تھی - اکسفورڈ [۳] کی سیر کے بعد مرزا صاحب نے بلنھیم [۴] کا محل دیکھا جو ڈیوک آف مارلبرو [۵] کی قیام گاہ ہے - مرزا صاحب نے اس عمارت کو اُن تمام مکانات پر جو کہ ان کی نظر سے

Lord Mayor—[۱]
Glass Houses—[۲]
Oxford—[۳]
Blenhein—[۴]
Duke of Marlborough—[۵]

گزرے تھے ترجیح دی ہے - یہاں تک کہ انہوں نے بادشاہ کے محل ونڈسر کیسل [۱] کو بھی مستثنی نہیں کیا - شکار اور ہر قسم کے کھیلوں کی روح افزا تفریح کو بھی انہوں نے اپنی کتاب میں جگہ دی ہے- ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ''انگلستان میں شکاری کتوں کی جسقدر مختلف نسلیں پیدا کی جاتی ہیں اس قدر اور کسی ملک میں نہیں پائی جاتیں'' - مرزا صاحب نے حافظ کے تتبع میں لندن کی تعریف میں ایک فارسی قصیدہ لکھا - لیکن بدقسمتی سے وہ شاعر نہ تھے - انہوں نے جس قدر شہر دیکھے تھے لندن ان سب میں بڑا تھا - لیکن لندن کی وسعت و عظمت کے علاوہ وہ اُس کی اور کئی خوبیوں کا ذکر کرتے ہیں - رات کے وقت سڑکوں ' بازاروں اور دوکانوں کی تیز روشنی کا ان کے دل پر ایک گہرا اثر پڑا - انہوں نے لندن میں جابجا جو کھلے مربع باغ [۲] پائے اُن کی بھی تعریف کی ہے - وہ لندن کی زندگی سے پورے طور پر لطف اندوز ہوئے - اگر ایک طرف لندن کے قہوہ خانے وہاں کے کلب گھر اور تفریحی جلسے جن میں انواع و اقسام کی غیر معمولی پوشاکیں اور مصنوعی چہرے [۳] استعمال کئے جاتے تھے اہل لندن کی زندگی کا ایک پہلو دکھاتے تھے تو دوسری طرف ان کی گوناگوں سرگرمیاں اُسی زندگی کا دوسرا پہلو دکھاتی تھیں - ان میں انکی ادبی ' موسیقی اور علمی انجمنیں شامل تھیں - علمی یعنی سائنٹیفک مجالس میں رائل سوسائٹی [۴] کا بھی ذکر ہے - ان کے علاوہ مرزا صاحب نے انگلستان کے رائل اکسچینج [۵] اخباروں ' بنکوں ' چھاپے خانوں اور عام کاروباری زندگی پر بھی نظر ڈالی ہے - انہوں نے یہ خیال ظاہر کیا اور صحیح بیان کیا ہے کہ انگریز قوم فرداً فرداً اور علیحدہ علیحدہ بھیک منگوں کو خیرات نہیں دیتی ' بلکہ خیرات کا انتظام پبلک کے باقاعدہ انجمنوں کے ذریعے سے ہوا کرتا ہے انگلستان میں ڈاک گاڑیاں [۶] سات آٹھ دن میں ایک ہزار میل کا سفر طے کرتی تھیں - انہوں نے اس انتظام کی بھی تعریف کی ہے - برطانیہ کے بیڑے اور اس کی جہاز رانی کے فن کے متعلق بھی

Windsor Castle — [۱]
Squares — [۲]
Masks — [۳]
The Royal Society — [۴]
Royal Exchange — [۵]
Mail Coaches — [۶]

تعریفی الفاظ استعمال کئے ہیں - انہوں نے انگلستان کی کلوں ، مشینوں اور اُن کے متعلق فنون کا مشاہدہ کیا - ان کی خوبیوں کو بیان کیا ہے - اُن سب کارخانوں کی تعریف مرزا صاحب نے کی ہے جن میں مشین سے لوہا ڈھالا جاتا تھا ، یا دھاتوں میں کھدائی کا کام کیا جاتا تھا ، یا چھریاں ، چاقو وغیرہ بنائے جاتے تھے ، یا لوہے کا ہر قسم کا کام بنایا جاتا تھا - آئرلینڈ [۱] کے کسانوں کی مفلسی سے متاثر ہوکر انہوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ " ہندوستان کے کسان آئرش کسانوں کے مقابلے میں آسودہ حال ہیں " -

انگلستان کے باشندوں کے متعلق مرزا صاحب کے خیالات

مرزا صاحب نے منصفانہ طور پر انگریزوں کی خوبیوں اور برائیوں کو دلیل کے ساتھ بیان کیا ہے - نہ کسی عیب کو چھپایا اور نہ کسی عیب پر تعصبانہ زور دیا ہے - وہ انگلستان میں اس اصول کو تو پسند کرتے ہیں کہ مقدمات کی سماعت بذریعہ جیوری [۲] ہو ، لیکن وہ اس کے روادار نہیں ہیں کہ انصاف کے مقصد پر قانون غالب ہو جائے - وہ ہندوستان میں انگریزوں کی قانونی عدالتوں کے مداح نہیں ہیں - انہوں نے انگریزی قانون کے سخت اور مبہم ہونے پر شدید نکتہ چینی کی ہے - آزادی کے مضمون پر ان کی رائے اعتدال پر مبنی ہے - اگرچہ کسی اور منظم حکومت کے مقابلے میں انگلستان کے عام لوگوں کو زیادہ آزادی حاصل تھی لیکن مساوات کا نمائشی پہلو اس کے حقیقی پہلو کی بہ‌نسبت زیادہ غالب تھا - غریبوں اور امیروں کے طبقوں میں آرام و آسائش کا جو فرق تھا وہ ہندوستان کی بہ‌نسبت انگلستان میں زیادہ پایا جاتا تھا - اسی طرح عورتوں کی آزادی کے متعلق ان کی رائے تھی کہ جو بظاہر زیادہ آزادی انگلستان میں پائی جاتی تھی اس کے ساتھ انگریز عورتوں کے لئے بمقابلہ مسلمان عورتوں کے زیادہ پابندیاں موجود تھیں - مرزا صاحب نے ایشیائی عورتوں کی آزادی پر ایک رسالہ لکھا تھا - جو سنہ ۱۸۰۱ع میں ایشیاٹک اینوئل رجسٹر [۳] میں شایع ہوا تھا - انگریزی قوم کی جن خوبیوں کی مرزا صاحب نے تعریف کی ہے ان میں حسب ذیل

---

[۱]—Ireland

[۲]—Jury

[۳]—Asiatic Annual Register

قابل ذکر ہیں : یعنی اچھے طبقوں میں حرمت و خودداری کا بہت زیادہ احساس، عام لوگوں کی حالت کو سدھارنے کی خواہش، شائستگی اور اخلاق کے متعلقہ قواعد اور قوانین کی پابندی - خلوص اور معاملے کا کھراپن - برطانوی سیرت کے جن پہلوؤں کو مرزا صاحب نے قابل اعتراض قرار دیا ہے ان میں سے چند یہاں درج کئے جاتے ہیں : یعنی بےدینی، کثرت نمائش و آرائش کی زندگی، دوسری قوموں سے حقارت، بایں ہمہ مرزا صاحب لکھتے ہیں کہ ان میں سے بہت سی برائیاں انگریزوں کی فطرت میں داخل ہیں بلکہ حد سے زیادہ خوشحالی کی وجہ سے پیدا ہوگئی ہیں -

لکھنؤ کی شاعری

مرزا صاحب ایک بامروت نکتہ چیں تھے - انھیں دنیا بھر کا تجربہ حاصل تھا - بلکہ محب‌عالم کا لقب بھی انپر صادق آتا ہے - کلکتہ کی انگریزی سوسائٹی میں بھی گو وہ اُس طبقے کے نہ تھے ہر دلعزیز تھے - لیکن جب ہم اپنی توجہ ان کی تصنیفات سے ہٹاکر لکھنؤ کے دربار کے طرف منعطف کرتے ہیں تو فضا بالکل بدل جاتی ہے - لکھنؤ وہ مقام تھا جہاں اُس وقت اندرونی طاقتیں قدیم روایات کی صورت کو بدلنے کے لئے بتدریج اپنا کام کر رہی تھیں - اور جہاں ادب قدیم وضع کی پابندی اور دربار کی محدود زندگی کی جکڑبندیوں سے آزاد ہونے کی جدوجہد کر رہا تھا - اس ضمن میں ہم سید انشا کی زندگی اور شاعری پر ایک اجمالی نظر ڈالتے ہیں -

انشا کے غیر معمولی کمالات

سید انشاالله خاں انشا اُن حکماء کے خاندان سے تھے جن کا تعلق دربار دہلی سے تھا - اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں جب ملک کے اندر بدامنی اور بےچینی کا دور دورہ تھا ان کے والد مرشدآباد کے دربار میں چلے گئے - انشا اسی شہر میں پیدا ہوئے - ان کا سال پیدائش تقریباً سنہ ۵۷—۱۷۵۶ ع تھا [۱] - ہونہار بروا کے چکنے چکنے پات، انشا ابتدا ہی سے جدت پسند

[۱]—جسقدر تذکروں کا مجھے علم ہے ان میں سے کسی میں انشا کی تاریخ پیدائش نہیں پائی جاتی - "آب حیات" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے والد نواب سراج‌الدولہ کے دربار میں تھے اور انشا وہیں پیدا ہوئے - سراج‌الدولہ کے مختصر عہد حکومت کا زمانہ ۵۷—۱۷۵۶ع تھا -

واقع ہوئے تھے - ذہین بلا کے تھے اور ہر مضمون میں طبع آزمائی کی حیرت انگیز استعداد رکھتے تھے - انہیں ہر چیز سے دلچسپی تھی - موسیقی سے ، شاعری سے ، مختلف زبانوں سے ، علوم و فنون سے اور آدمیوں کے عادات و اطوار سے - مسلمانوں کی عام ادبی زبانوں یعنی عربی اور فارسی میں تو انہیں بڑی مہارت حاصل تھی ہی لیکن ان کی ذہانت و طباعی اس طرف مائل تھی کہ وہ عام لوگوں کی مختلف بولیوں یعنی اردو ، پنجابی ، برج ، پوربی ، کشمیری ، پشتو ، مرہٹی اور شاید بنگالی میں استعداد حاصل کریں - انشا پہلے شخص تھے جنہوں نے اردو کی نظم میں انگریزی الفاظ کو رواج دیا - ستار بجانے اور اس کے ساتھ گانے میں بھی مہارت تھی - بنگال میں انگریزی انقلابات کے بعد وہ شاہ عالم کے دربار میں دہلی چلے گئے - جب سنہ ۱۷۷۱ع کے خاتمے پر شہنشاہ شاہ عالم کے جا بجا بھٹکنے کا سلسلہ ختم ہوگیا اور وہ دہلی میں داخل ہوئے تو ہم قیاساً کہہ سکتے ہیں کہ انشا تقریباً بیس سال کی عمر میں سنہ ۱۷۷۶ع کے لگ بھگ شاہ عالم کے دربار میں پہنچے - لیکن دہلی کا زوال پذیر دربار اس نوجوان اور طباع شاعر کے لئے موزوں نہ تھا ، جو پہلے ہی نئی دنیا کی اس جھلک کو دیکھ چکا تھا جو بنگال کے راستے سے ہندوستان میں اپنا جلوہ دکھا رہی تھی - دہلی میں شاعر اپنی ایک نرالی دنیا میں رہتے تھے - یہاں انشا نوجوان اور وہاں وہ لوگ کہن سال - انشا نئی طرز کی تلاش میں تھے اور وہ لوگ سودا اور میر تقی میر کے راستے پر چلنا چاہتے تھے - انشا کی ظرافت اور بذلہ سنجی نے ان کے قلم میں شوخی پیدا کر رکھی تھی - مگر قدیم وضع کے شاعر اپنے ہی وقار میں مست تھے - جیسا مولانا آزاد '' آب حیات '' کے صفحہ ۲۶۱ پر لکھتے ہیں :

'' اگرچہ یہ لوگ نوشت خواند میں پختہ اور بعض ان میں سے اپنے اپنے فن میں بھی کامل ہوں ، مگر وہ جامعیت کہاں ؟ اور جامعیت بھی ہو تو وہ بیچارے بڈھے پرانی لکیروں کے فقیر - یہ طبیعت کی شوخی ، زبان کی طراری ، تراشوں کی نئی پھبن ، ایجادوں کی بانکپن ، کہاں سے لائیں ؟

اور اسیکو ہم انشا کی پیدائش کا تقریباً صحیح سال قرار دے سکتے ہیں - میں نے انکی زندگی کی دوسری تاریخوں میں کم و بیش قیاس سے کام لیا ہے - لیکن ہم وثوق کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ انکا انتقال سنہ ۱۸۱۷ع میں ہوا -

دھلی اور لکھنؤ میں انشا کا دور

شاید دربار کے سفید ریش شاعروں کے دل میں حسد کی آگ بھڑک اٹھی یا ممکن ھے کہ نوجوان تازہ وارد شاعر گستاخی سے پیش آیا ھو - نتیجہ یہ ھوا کہ فریقین کے درمیان تلخ اور تیز الفاظ کی جنگ چھڑ گئی اور دھلی میں انشا کا قافیہ بالکل تنگ ھو گیا - یہ بھی ممکن ھے کہ دھلی کے دربار نے جس کی حالت نازک تھی انشا کو لکھنؤ کے دربار کی طرف جانے کے لئے مجبور کردیا ھو - چنانچہ وہ اسی زمانے میں لکھنؤ روانہ ھوگئے جب آصف‌الدولہ کے عہد (سنہ ۱۷۹۷ع) کا خاتمہ یا سعادت علی خاں کے عہد حکومت (۱۷۹۸—۱۸۱۴ع) کا آغاز تھا - لکھنؤ کے دربار میں وہ سعادت علی خاں کے مصاحب ھو گئے ' لیکن یہاں بھی انہوں نے اپنے حریفوں پر اُن ھی تیز اور تلخ الفاظ سے حملہ کیا جن کی وجہ سے دھلی میں انکا رھنا ناممکن ھو گیا تھا - جب تک وہ نواب کے معتمد رھے وہ ادبی پہلو سے ایک خود مختار حاکم کی طرح حکومت کرتے رھے - اُن کے جس کلام کی وجہ سے انھیں بقائے دوام کی شہرت حاصل ھوئی اس کا زیادہ حصہ اسی زمانے میں مکمل ھوا - سنہ ۱۸۱۰ع کے قریب وہ نواب کے عتاب میں آگئے - ان کے زندگی کے آخری ایام تنہائی اور مصیبت میں کٹے - ایک نوجوان بیٹے کی موت کا غم بھی انھیں گھلا رھا تھا - دربار سے علیحدگی کی بےعزتی کی وجہ سے دماغ میں فتور پیدا ھوگیا - سنہ ۱۸۱۷ع لکھنؤ میں انتقال ھوا تو ایسی حالت میں کہ نہ کسی کو ان کے مرنے کی خبر ھوئی اور نہ ان کی نعش پر کوئی آنسو بہانے والا تھا - ادبی حیثیت سے سید انشا کا انتقال سنہ ۱۸۱۰ع ھی میں ھو چکا تھا -

انشا کی طباعی

انشا کی طباعی اور ذھانت کا خاص پہلو ان کی ظرافت و بذلہ سنجی تھی - اُن کی قابلیت کا یہی وہ امتیازی رنگ تھا جس کی بدولت وہ شہرت اور محبوبیت کے اعلیٰ مقام تک پہنچے اور بعد میں اُسی کی وجہ سے گرفتار بلا بھی ھوئے - کیا عجب ھے کہ اچھے اور خوش‌گوار حالات میں انشا کا ادب اردو میں وھی رتبہ ھوتا جو ادب اٹلی میں شاعر کارڈکی [۱] کا ھے - کارڈکی

---

[۱]—Carducci

کی ظرافت تمام ملک اتلی میں عوام الناس کی زبان پر ہے - انشا نے عوام کی زبان کو دربار کے حلقوں میں رائج کردیا - اور اگرچہ انھوں نے اپنی جدت سے قدیم وضع کے بہت سے شعرا کے جذبات کو صدمہ پہنچایا لیکن لکھنؤ کے ادب میں ایک ایسے اصول کی داغ بیل ڈالی جس کا ایک پہلو آگرہ میں ان کے ہمعصر نظیر کی شاعری میں پایا جاتا ہے - مگر نظیر کی شاعری میں سنجیدگی زیادہ ہے اور انشا میں بذلہ سنجی - دونوں عوام کی زبان استعمال کرتے ہیں - انشا کی تحریر میں روانی تھی - انھوں نے مختلف اقسام کے محاوروں کو صرف اور استعمال کیا - وہ اُس زبان کی قدر کرتے تھے جو عوام میں بولی جاتی تھی - روز مرہ کی زندگی سے وہ استعاروں اور تشبیہوں کی تلاش میں رہتے تھے - اس طرح انھوں نے اردو کے قالب میں ایک نئی روح پھونک دی - لکھنؤ کو اردو کے ایک قائم کردہ مخزن کی حیثیت حاصل ہو گئی - آئندہ نسل میں انیس اور امانت نے مرثئے اور ڈرامے کے ادبی شعبوں میں ایک نئی شان پیدا کردی اس لئے کہ ان کی دلچسپی انھیں شعبوں میں تھی جس زمانے میں (سنہ ۱۷۹۰ع تا سنہ ۱۸۱۰ع) لکھنؤ کی ادبی مجلسوں اور مشاعروں میں انشا کی قابلیت اور فضل کا ڈنکا بجتا رہا - ان کی خصوصیت شاعری میں جدت پسندی اور نئے طرزوں کی تلاش تھی - اور اس لحاظ سے ہم کہہ سکتے ہیں کہ انشا کی شاعری نے شعرا مذکور کے لئے راستہ صاف کیا -

ہندوستانی نثر جس میں فارسی یا عربی کے الفاظ قطعی نہ تھے

فارسی یا عربی الفاظ کی آمیزش کے بغیر جو داستان انشا نے ہندوستانی نثر میں لکھی وہ صرف پچاس صفحوں پر مشتمل ہے - (دیکھو "آب حیات" صفحہ ۲۷۰) - لیکن انشا نے اپنے قول کو جس کا داستان کے شروع میں اس نے ذکر کیا ہے پورے طور پر نباہا ہے جیسا حسب ذیل اقتباس سے ظاہر ہوتا ہے :-

"ایک دن بیٹھے بیٹھے یہ بات اپنے دھیان چڑھی ، کوئی کہانی ایسی کہئے جس میں ہندی چھٹ ، اور کسی بولی کی پٹ نہ ملے - باہر کی بولی اور گنواری کچھ اس کے بیچ میں نہ ہو - تب میرا جی پھول کر کلی کے روپ کھلے - اپنے ملنے والوں میں ایک کوئی بڑے پڑھے لکھے پرانے دھرانے ٹھاگ

بڑے ڈھاگ یہ کھڑاگ لائے ' سر ہلا کر منھ تھتا کر ' ناک بھوں چڑھا کر ' گلا پھلا کر ' لال لال آنکھیں پتھرا کر لگے کہنے : " یہ بات ہوتی دکھائی نہیں دیتی - ہندوی پن بھی نہ نکلے اور بھاکھا بھی نہ ٹھس جائے - جیسے بھلے مانس اچھوں سے اچھے لوگ آپس میں بولتے چالتے ہیں' جوں کا توں وہی سب ڈول رہے اور چھاؤں کسی کی نہ پڑے - یہ نہیں ہونے کا " - *** میں نے *** کہا *** " مجھ سے نہ ہو سکتا تو بھلا منھ سے کیوں نکالتا ؟ *** کہتا جو کچھ ہوں کر دکھاتا ہوں " -

روز مرہ استعمال کے عام الفاظ : انگریزی الفاظ

یہ شاید انشا کے علمی زور آزمائی کی نمائش تھی - اگرچہ الفاظ ہندی کے ہیں لیکن ان کی ترکیب میں اکثر مصنوعیت پائی جاتی ہے - عام آدمی یقیناً اس طرح گفتگو نہیں کرتے - لیکن دوسری تصنیفوں میں جہاں عربی اور فارسی الفاظ کے متروک کرنے میں اس سختی کے ساتھ عمل نہیں کیا گیا ہے ہندی کے بہت سے سادہ الفاظ ' جملے اور ترکیبیں قدرتی طور پر آجاتی ہیں - اس طرح زبان اُس زبان کے قریب پہنچ جاتی ہے جسے عام لوگ بولتے ہیں - چونکہ انشا نے ہندی کے سادہ اور ناتراشیدہ الفاظ کو زور شور سے استعمال کیا ہے اس لئے مصحفی نے جو ان کا حریف تھا ان کو بھاٹ کا ڈاہل لقب دیا - جب انگلستان کے بادشاہ جارج سوم کو دماغی عارضے سے صحت حاصل ہوئی تو اس تقریب پر انشا نے غالباً سنہ ۱۸۰۱ع یا سنہ ۱۸۰۴ع میں ایک " قصیدہ درتہنیت جشن " لکھا جس میں انگریزی الفاظ بلا تکلف استعمال کئے گئے ہیں - مثلاً

پوڈر Powder (غازہ)

کوچ Couch (سوفا)

گیلاس Glass (جس سے پانی پیا جاتا ہے)

بوتل Bottle (شراب کی بوتل)

پلٹن Paltan (دراصل پلاٹون (Platoon) ہے جو رجمنٹ (Regiment) کے معنی میں اردو میں استعمال ہوا ہے)

ارگن Organ (آلہ موسیقی)

اردلی	Orderly	(کسی اعلیٰ عہدیدار کا پیش خدمت)
بگل	Bugle	(منھ سے بجانے کا باجا مثل قرنا و شہنائی)

واضح رہے کہ یہ تمام الفاظ اب ہماری زبان کا جزو بن گئے ہیں - اور انشا کے کلام میں انکی وہی صورت پائی جاتی ہے جو ابتک مستعمل ہے - ہندوستان میں انگریزوں کے لفظ ٹفن (Tiffin) کو انشا نے تپن لکھا ہے - انگریزی الفاظ کا استعمال انشا کے کلام میں باموقعہ اور موزوں ہے نہ کہ مضحکہ کے طور پر جیسا کہ لسان‌العصر حضرت اکبر الہ‌آبادی کے کلام میں پایا جاتا ہے -

شعر میں خاص مفہوم کے اظہار کے لئے بحر اور وزن کا آزادانہ استعمال

لکھنؤ کی شاعری میں جدید لفظوں اور ترکیبوں کی آمیزش کا دلچسپ منظر اس شدید لفظی جنگ میں دکھائی دیتا ہے جو مرزا عظیم بیگ اور انشا میں چھڑی ہوئی تھی - قدیم شاعروں کی بدترین روایات کے مطابق وہ ایک دوسرے کی عیب جوئی میں منہمک دکھائی دیتے تھے - عیب جوئی کا یہ انہماک ترکیب نظم، قافیہ بندی اور بحر میں پایا جاتا تھا - معلوم ہوتا ہے کہ ایک دفعہ عظیم نے رجز کے بحر میں رمل کی بحر استعمال کی اور انشا نے اس پر ان الفاظ میں حملہ کیا :

" گر تو مشاعرے میں صبا آج کل چلے
کہیو عظیم سے کہ ذرا وہ سنبھل چلے
پڑھنے کو شب جو یار غزل در غزل چلے
اتنا بھی حد سے اپنی نہ باہر نکل چلے
بحر رجز میں ڈال کے بحر رمل چلے "

عظیم کے جواب سے یہ مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ آیا نظم میں معانی کو ترجیح دی جائے یا صرف پرانے قواعد نظم کو - چنانچہ اس کا جواب یہ تھا :

" موزونی و معانی میں پایا نہ ہم نے فرق
تبدیل بحر سے ہوئے بحر خوشی میں غرق

روشن ہے مثل مہر یہ از غرب تا بہ شرق
شہزور اپنے زور میں گرتا ہے مثل برق
وہ طفل کیا گرے گا جو گھٹنوں کے بل چلے ''

اس امر کا اعتراف کرنا چاہیے کہ معانی کے اعتبار سے بحر کی موزونی کے معاملے میں کامیابی کا سہرا عظیم کے سر رہا - گو اس زمانے میں شاعری کی قدیم روایات کے اعتبار سے یہ ایک بہت بڑی بدعت تھی - حقیقت یہ ہے کہ خود انشا بھی اس قسم کی بدعتوں سے نہ بچ سکے - اور نظیر (اکبرآباد) تو ان سے بھی ایک قدم آگے بڑھے ہوئے تھے جن کا ذکر اس موقعے پر بےجا نہ ہوگا -

نظیر : عوام کا شاعر

نظیر کو یہ فوقیت حاصل ہے کہ وہ زندگی کے مختلف پہلو خواہ تاریک خواہ روشن کے شاعر تھے - ان کے کلام میں شہری بازار اور دیہاتی کھیت ' دہقانی صناع اور بنجارہ ' ہندو ' مسلمان ' سکھ اور صوفی ' نظارۂ قدرت اور فلسفہ - ان سب مضامین کا ذکر ہے - بایں ہمہ ان کی شخصیت پر لاعلمی کا پردہ پڑا ہوا ہے - مخمور اکبرآبادی اور پروفیسر شاہباز نے حال ہی میں نظیر کی شاعری پر ناقدانہ نگاہ ڈالتے ہوئے اپنے تبصرے کو شایع کیا ہے اور اُس کے متعلق چند واقعات کا استنباط کیا ہے - نظیر یقیناً آگرہ (اکبرآباد) میں رہتے تھے ' اور ان کی زبان سے اسی ہندوستانی کا عکس نظر آتا ہے جو اس نواح میں فی‌الحقیقت بولی جاتی تھی - گو وہ آگرہ کو اپنا شہر بتاتے ہیں لیکن اس امر میں کلام ہے کہ آیا وہ اسی شہر میں پیدا ہوئے - آگرہ پر ان کی نظم ان الفاظ سے شروع ہوتی ہے '

'' شہر سخن میں اب جو ملا ہے مجھے مکان
کیونکر نہ اپنے شہر کی خوبی کروں بیاں ''

نظیر نے آگرہ کے باغوں ' اس کے بازاروں ' اس کے دریائے جمنا ' اس کے پیراکوں اور اس کی فن موسیقی کی تعریف کی ہے - واقعات سے ہم یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ان کا سنہ ۳۰ - ۱۸۲۸ع کے قریب انتقال ہوا - لیکن ہمیں نہ تو ان کی تاریخ پیدائش کا علم ہے اور نہ اس بات سے واقفیت ہے کہ انہوں نے کس طریقے سے زندگی بسر کی - اتنی بات یقینی معلوم ہوتی ہے کہ وہ

درباروں میں جانے کے عادی نہ تھے - اور تو اور ہمیں یہ بھی معلوم نہیں کہ ان کا اصلی نام کیا تھا - ہم صرف ان کا تخلص جانتے ہیں - اندرونی شہادت سے معلوم ہوتا ہے کہ نظیر ہر قسم کے آدمیوں اور ان کی حالتوں اور زندگی کے تمام درجوں سے تعلق قائم رکھنے کی کوشش کرتے تھے - وہ اپنے مذاق میں آزاد اور بے تعصب تھے - ان کے الفاظ کا ذخیرہ درباری شاعروں کے ذخیرۂ الفاظ کی طرح محدود نہ تھا - بلکہ وہ الفاظ کا خود ایک مجسم گنجینہ تھے جو مختلف مضامین میں رنگینی پیدا کرتے تھے - مثلاً برسات کی بہاریں ، آگرہ کی تیراکی ، موسم سرما و گرما ، چاندنی رات ، ہولی و دیوالی ، جنم کنھیا جی ، بانسری ، نانک شاہ گرو ، حضرت سلیم چشتی ، روضہ تاج گنج ، بیمار نامہ ، جوگی نامہ اور جوگن نامہ ، کلجگ ، وغیرہ - غرض انہوں نے ہر ایسے مضمون پر خامہ فرسائی کی جس سے عام لوگوں کو دلچسپی ہوتی ہے - ان کی نظمیں تقریباً عام مروجہ قصوں اور دیہاتی کہانیوں کی حیثیت رکھتی ہیں گو ان میں صوفیانی رنگ کی جھلک نظر آتی ہے - ان کے کلام میں عجیب قسم کی لچک ، روانی اور زندہ دلی پائی جاتی ہے جو فوراً حافظے پر قابو پا جاتی ہے - ان کے بعض اشعار جو ان کی نظموں میں بار بار پائے جاتے ہیں اب ضرب المثل ہوگئے ہیں - مثلاً

کل جگ نہیں ، کرجگ ہے یہ * یاں دن کو دے اور رات لے
کیا خوب سودا نقد ہے * اِس ہاتھ دے ، اُس ہاتھ لے

ادبی نقطۂ خیال سے یہ امر باعث مسرت ہے کہ نظیر کی شاعری پر غور و فکر اور اس کے کلام کو آگرہ [۱] میں سرگرمی اور جوش کے ساتھ مرتب کیا جارہا ہے - " آب حیات " میں اس کا ذکر تک نہیں کیا گیا - بااین ہمہ اس کے اشعار انیسویں صدی کی ہندوستانی شاعری میں تصنع کے خلاف بغاوت کا پیش خیمہ ہیں -

[۱]—یہ باب اور نیز چھٹا باب جس میں اردو ڈرامے کے آغاز کا بیان ہے لکھنے کے بعد مسٹر رام بابو سکسینا کی " تاریخ ادب اردو " میری نظر سے گذری - اور یہ دیکھ کر نہایت خوشی ہوئی کہ بہت سی باتوں میں ان کی اور میری رائیں ملتی جلتی ہیں - نظیر کی تنقید جو انہوں نے اپنی کتاب کے سات صفحوں میں لکھی ہے اُس سے مجھے پورا اتفاق ہے - اردو ادب کی تاریخ لکھنے کا طرز جو انہوں نے اختیار کیا ہے میری رائے میں بالکل صحیح ہے - اور میں اُمید کرتا ہوں کہ وہ اسی پیرایے میں آیندہ اور وسیع مضامین شایع کریں گے -

تیسرا حصہ

نیا نظام بتدریج اثر انداز ہوتا ہے
سنہ ۱۸۱۸ع تا سنہ ۱۸۵۷ع

پانچواں باب : تعلیم عمومی کا آغاز -
چھٹا باب : مذہب اور ادب میں نئی طاقتوں کا ظہور -
ساتواں باب : اخبارنویسی ' معاشرتی اصلاح ' اقتصادیات اور سیاسیات -

پانچواں باب

تعلیم عموسی کا آغاز

اس دور کی سرگرمیوں کا مرکز تعلیم ھے

اس دور کی سرگرمیوں کا سب سے بڑا مرکز تعلیم ھے - اس وقت ھندوستان میں جدید طریقۂ تعلیم کی بنیاد رکھی گئی - اور اکثر دیگر تمدنی تحریکات کا سرچشمہ بھی یہی تعلیم تھی - ان تحریکات کو یا تو براہ راست تعلیم جدید کا نتیجہ سمجھئے یا ایک بہت تیز رو سیلاب کے مقابلے میں قدیم طاقتور کا رد عمل خیال کیجئے - ھندوؤں کے مذھبی خیالات و احساسات میں خاص طور پر تغیر و تبدل ظاھر ھونے لگا اور ان سے ایسی تحریکات پیدا ھوگئیں جن کا اثر غیر محسوس طور پر موجودہ ھندوستان کی زندگی پر پڑتا رھا - یہ تحریکات اصلی تیزی کے ساتھ تو بعد میں شامل ھوئیں لیکن ھندو سوسائٹی کے خیالات و احساسات میں ایک زبردست اضطراب پیدا ھو گیا ، اور اس کا رد عمل ایسی صورتوں میں ظاھر ھوا جو ھماری قومی زندگی کے مطالعے کے سلسلے میں کافی دلچسپی کا سامان بہم پہنچاتی ھیں - اس دور میں ھندوستان کے خیالات و احساسات کے اظہار کا ذریعہ زیادہ تر اخبارنویسی تھا ، اور حقیقی ملکی اخبارنویسی کے قدیم بنیاد رکھنے والوں کی وجہ سے ھمارا تعلق سیاسیات اور معاشرتی اصلاح سے پیدا ھو جاتا ھے -

اقتصادیات اور ادب

اس کے ساتھ ھی سنہ ۱۸۱۹ع میں ھندوستان کے سیاسی نظم و نسق کے قیام کے اقتصادی صورت حالات میں بھی رفتہ رفتہ تغیر و تبدل کی صورت

پیدا ہونے لگی یہ تغیر و تبدل ہر حالت میں ہندوستان کے لئے مفید ثابت نہ ہوا - اس نے ہندوستان کو سیاسی نظم و نسق سے بھی زیادہ انگلستان کا محتاج بنا دیا - لیکن اس سے ہماری اقتصادیات اور جدید حالات میں مطابقت پیدا ہوگئی اور ہمیں ایسے اقتصادی سامان بہم پہنچے جن سے ہمارے تعلقات دنیا کی تحریکات کے ساتھ مضبوط ہو گئے - ادبی دنیا میں برطانوی ہند نے ابھی آنکھ بھی نہیں کھولی تھی مگر لکھنؤ کے شاہی دربار کی سر پرستی کی بدولت اردو زبان دو اصناف ادب یعنی مرثیہ اور ڈراما میں ترقی کر رہی تھی - مرثیے کی قوت اختراع اور شاعرانہ وسعت کا تو اودھ کے بعد قریب قریب خاتمہ ہو گیا - لیکن ہندوستانی ڈراما بدستور ان بنیادوں پر ترقی کرتا گیا جو لکھنؤ میں رکھی گئی تھیں - دوسری دیسی زبانوں میں جو اسی قسم کی تحریکات جاری تھیں ان کو بعد میں تمام ہندوستان میں خاص اہمیت نصیب ہوئی -

بنگال کی فوقیت : ایک متوسط طبقے کی پیدائش

اس زمانے میں تعلیم اور دیگر معاملات میں صوبہ بنگال کی فوقیت نمایاں ہے - جس کی وجہ صاف ظاہر ہے - ہندوستان میں بنگال ہی پہلا صوبہ تھا جہاں برطانوی اثر پورے طور پر پھیلا دوسرے صوبے ابھی بیدار بھی نہیں ہوئے تھے کہ بنگال میں انگریزی تعلیم بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگی - بنگالیوں کے اثر پذیر دماغ بڑی تیزی سے نئے اثر قبول کر کے ترقی کرنے لگے - دوامی بندوبست سے زمینداروں کی ایک نئی جماعت پیدا ہو گئی جب اس نئے نظام کی خامیاں مٹنے لگیں تو زمینداروں کی بدولت مفصلات کے مال و متاع کا انگلستان کو جانا کسی حد تک مسدود ہوگیا ' اور سرپرستی کے چھوٹے چھوٹے مرکز پیدا ہو گئے جن سے ایک حد تک مرشدآباد کے نوابی دربار کی گزشتہ سرپرستی کا بدل حاصل ہونے لگا - اس زمانے میں برطانوی صدر مقام یعنی کلکتہ سے ہندوستانی صنعت اور دستکاری کو کوئی امداد نہیں ملی ' بلکہ غیر ملکی مال کی مسلسل درآمد اور غیر ملکی مذاق کے مطابق نئے فیشن کے باعث ملکی دستکاری کو نقصان پہونچتا گیا - لیکن تجارتی سرگرمیوں کے لئے عالمگیر غیر ملکی تجارت نے نئی شاہراہیں کھول دی تھیں - جہازی کاروبار میں چھوٹے چھوٹے عہدوں پر ہندوستانی ملازم بھی رکھے جاتے

تھے - اور سرکاری سرگرمیوں میں اضافے کے باعث متوسطالحال بنگالی گھرانوں کو بہت سے موقع ملنے لگے تھے - طبی اور قانونی تعلیم کی بدولت (جو نئے طریقے پر دی جاتی تھی اور مذہب کے اثرات یا مذہبی رہنمائی سے بالکل آزاد ہو کر ایک پیشہور جماعت پیدا ہو گئی) اگرچہ ابھی صرف ابتدائی سیڑھیوں پر پاؤں رکھنے کی اجازت تھی لیکن یہ جماعت بتدریج بڑھتی گئی اور اسے معلوم ہونے لگا کہ سرکاری ملازموں کی روز افزوں جماعت ھی سے ہملوگوں کو فوائد پہونچ سکتے ھیں - یہی دونوں جماعتیں گویا متوسط طبقے کی ریڑھ کی ھڈی تھیں جن کو اخبار نویسی کے جدید دور میں اپنی آواز بلند کرنے کا اچھا موقع ملگیا -

قدیم زبانوں کی تعلیم کی مانگ میں کمی - دیسی زبان اور انگریزی کی خواھش میں اضافہ

چوتھے باب میں ہم نے قدیم زبانوں کے ذریعے سے ھندوستانی برطانوی تعلیم کے لئے ابتدائی کوششوں کے آغاز اور ان کی ناکامی ' نیز فورٹ ولیم کالج کے ذریعے سے اُردو اور بنگالی زبان کی تحصیل کے متعلق آزمائشی کوششوں پر تبصرہ کیا تھا - اعلیٰ سرکاری حلقوں کی ان کوششوں کے ساتھ ھی ساتھ بعض دیگر تحریکات کمتر درجہ کے لوگوں نے بھی جاری کر رکھی تھیں - یہ دیگر تحریکات نسبتاً زیادہ کامیاب ثابت ہوئیں کیونکہ یہ مقامی زبان کے ذریعے سے ھندوستانی زندگی کے اصل اصول سے قریب تر تھیں ' اور جن لوگوں کے ھاتھ میں ان کی باگ تھی ان کے سینوں میں اخلاقی جوش اور ذاتی قربانی کے جذبات اتھ رہے تھے - انہوں نے اپنا دائرۂ نظر بنگال ھی تک محدود رکھا اور اُس وقت تک ھندوستان بھر کی ترقی کے خواب نہیں دیکھے - لیکن اپنے دائرۂ عمل کو محدود کرلینے کے باعث ان کے عمل میں زیادہ قوت اور جوش پیدا ھوگیا تھا ' اور ان کی سرگرمیوں کے ٹھوس نتائج زیادہ دیر پا ثابت ہوئے - عیسائی مشنریوں نے بلا شبہ تعلیم و تدریس کی طرف بہت توجہ کی - لیکن لوگوں کو اپنے مذھب میں لانے کا جذبہ ان کی تعلیمی کوششوں کے لئے حجاب رھا - ھندوستانیوں کو ان کے مذھب کی نہیں بلکہ ایسی تعلیم کی ضرورت تھی جس سے انہیں مالی فائدہ حاصل ھو - جب تک انگریز ججوں کی امداد کے لئے اور سنسکرت ' عربی یا فارسی کی کتابوں میں سے دھرم شاستر یا شرع محمدی کی توضیح

و تشریح کے لئے ہندوستانیوں کو بطور قانونی افسر ملازم رکھا جاتا تھا اُس وقت تک ایسے افسروں کی کسی قدر ضرورت رہتی تھی ' اور سنسکرت ' عربی اور فارسی کی علمیت مذہبی مقاصد میں کام آنے کے علاوہ کسی حد تک مالی منفعت کا ذریعہ بھی ہوتی تھی - یہ سلسلہ غدر کے بعد تک رہا ' لیکن اس کی اہمیت میں تیزی کے ساتھ کمی ہوتی گئی ' اور اس کے ساتھ ہی مذہبی ضروریات کے سوا اس علمیت کی ضرورت اور خواہش بھی گھٹتی گئی - ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی زمانے میں بھی صوبۂ بنگال میں بنگالی زبان کی تھوڑی بہت ضرورت رہتی تھی ' کیونکہ ناخواندہ کاشتکاروں اور مزدوروں سے سابقہ پڑنے کے باعث ادنیٰ درجہ کا بنگالی عملہ ضروری تھا - لیکن ایسے ملازموں کی ضرورت پھر نہ تھی جو نوابی درباروں اور افسروں سے گفت و شنید کے سلسلے میں شستہ فارسی استعمال کرسکتے تھے - اسی لئے ان ملازموں کو معاوضہ بھی کم ملتا تھا - لیکن جب ان افسروں کی آسامیاں ازادی گئیں ' تو بنگالی زبان کی ضرورت زیادہ ہوگئی ' اور عدالتوں اور دفتروں میں سرکار کے مقرر کردہ بنگالی داں عملہ اور مترجموں کی تعداد تیزی سے بڑھنے لگی ' اور اس کے ساتھ ہی بنگالی تعلیم کی خواہش میں بھی اضافہ ہوگیا - لیکن عملہ کے اعلیٰ درجوں میں انگریزی سے واقف ہونے کی بھی ضرورت ہوتی تھی جس نے بتدریج دفتر کی زبان کا درجہ حاصل کرلیا تھا - اس لئے انگریزی زبان کی قدر و قیمت بہت بڑھی اور اس کی تحصیل کی خواہش بہت تیزی سے پیدا ہوئی -

دیسی زبانوں کے مدارس اور دیہاتی مدارس

ایک شخص مسٹر ایلرٹن [۱] نے جو مالدہ کے نیل کے کارخانے میں ملازم تھا جہاں بپٹسٹ فرقے کا مشنری کیری [۲] بھی کام کرتا تھا اُنیسویں صدی کے آغاز میں دیسی زبان کے چند مدارس قائم کئے - کارخانے کے کام سے جو وقت فرصت کا ملتا تھا اس میں انہوں نے طلبہ کے لئے بنگالی زبان میں مختلف کتابیں تصنیف کیں - مسٹر مے [۳] نامی ایک مشنری نے سنہ ۱۸۱۴ع میں چنسرہ کے تچ قلے میں دیسی زبان کا پہلا مدرسہ جاری کیا - اگر ہم ایسٹ

[۱]— Mr. Ellerton

[۲]— Baptist Carey

[۳]— Mr. May

انڈیا کمپنی کے بعض افسروں کی انفرادی کوششوں سے قطع نظر کرلیں تو کمپنی نے بحیثیت گورنمنٹ اہل ہند کی تعلیم کے سلسلے میں اب تک کوئی کوشش نہیں کی تھی - لیکن کمپنی کے سنہ ۱۸۱۳ع کے چارٹر (پارلیمنٹ کی سند) میں اس کی معمولی پیمانے پر ابتدا ہوگئی - اس میں ایک لاکھ روپیہ " علم و ادب کی تجدید و ترقی اور ہندوستانی اہل علم کی حوصلہ افزائی نیز برطانوی مقبوضات میں علوم سائنس کے اجرا اور ترقی کے لئے " مخصوص کر دیا گیا - اس تجویز میں کارآمد چیز صرف ایک لاکھ روپیہ تھا - طریق کار کی تشریح صاف نہ تھی ، اور جن الفاظ میں اس کا اظہار کیا گیا تھا وہ قدیم روایات سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے - لیکن اس سے اتنی بات ہوگئی کہ گورنر جنرل مارکوئیس آف ہیسٹنگز نے مسٹر مے کے مدرسے پر توجہ مبذول کی ، اور اس کے لئے چھ سو روپیہ ماہوار امدادیہ رقم مقرر کردی - مدارس کے متعلق ایک تحریر کے سلسلے میں انہوں نے اس امر کو تسلیم کیا ھے کہ " دیہاتی مدرسوں کی مسکین مگر کار آمد جماعت " سب سے پہلے توجہ کی مستحق ھے -

مشنری ، حکومت ، اور غیر سرکاری ادارات

سنہ ۱۷۱۵ع میں خود ہندوستانیوں نے کلکتہ اور اس کے گردونواح میں کئی درسگاہیں قائم کیں - لیکن تعلیم میں پرانی لکیر کے فقیر رھے - طریقہ تعلیم پرانا تھا اور درسی مضامین کا دائرہ بہت محدود تھا - ترقی یافتہ اور جدید قسم کی کوئی درسی کتاب نہ تھی - طلبا میں بہت بڑی تعداد برہمنوں کی تھی - پہلے پہل برہمنوں کے لڑکے دوسری ذاتوں کے لڑکوں کے ساتھ ایک ھی چٹائی پر بیٹھنے کے لئے تیار نہ تھے - یہ خامیاں رفتہ رفتہ دور ہوتی گئیں ، اور ایک پسندیدہ اور بہتر صورت پیدا ہونے لگی - حکومت کا مقصد زیادہ تر یہ تھا کہ ایک " کرانی " (کلرک) جماعت تیار کی جائے - پس انگریزی اور دیسی زبان دونوں کی تعلیم و تدریس میں اسی مقصد کی تکمیل کو مدنظر رکھا جاتا تھا - مشنریوں کا نصب العین اس سے زیادہ وسیع تھا - لیکن جیسے پہلے بیان ہو چکا ھے تبدیلی مذہب کے متعلق ان کی سرگرمیوں کو اونچی ذاتوں کے بنگالی مشکوک نگاہوں سے دیکھتے تھے - ان لوگوں کے لئے اعلیٰ تعلیم کے جو ذرائع مہیا کئے گئے تھے ان سے

انہوں نے خوب فائدہ اٹھایا - لیکن جونہی وہ خود اپنی درسگاہیں قائم کرنے کے قابل ہوئے انہوں نے عیسائی درسگاہوں کی مذہبی تعلیم کو خیر باد کہہ دیا۔ ڈیوڈ ہیر [۱] ایسے بعض ایثار پیشہ انگریزوں اور راجہ رام موہن رائے ایسے بعض وسیع الخیال بنگالیوں نے اہل ہند کی تعلیم کے ابتدائی زمانے میں بہت قابل قدر خدمات سرانجام دیں - اس کے متعلق ان کی ذاتی کوششوں کا ذکر آگے آئے گا -

مضامین دائرۂ تعلیم اور طریقہ‌ہائے تعلیم میں توسیع :
مدرسین کی تربیت

پڑھنا ، لکھنا اور حساب ، دنیا بھر میں ابتدائی تعلیم کے اولین مراحل شمار ہوتے ہیں - لیکن ان دنوں ہندوستان میں تعلیم و تدریس محض ان تین چیزوں پر تھی - اور ان کا مقصد یہ سمجھا جاتا تھا کہ متوسط طبقے کے لڑکے تو کلرکی کرکے روزی کما سکیں اور کاشتکار اور دستکار لوگ ادنیٰ درجے کے عملے کی دست برد سے اپنی حفاظت کرسکیں - لیکن دور اندیش اور سرگرم ماہرین تعلیم نے بہت جلد اس نصب‌العین کو بلند کردیا - لوگوں کو فوراً ہی اس امر کا احساس ہوگیا کہ جغرافیہ ستاروں اور سیاروں کے متعلق معمولی سی واقفیت ، علوم طبیعات و علم پیمائش کا تھوڑا بہت علم کھیتی باڑی اور صنعت و حرفت میں کارآمد ثابت ہوتا ہے - نیز تعلیم کی مدد سے مزید تحصیل کی قابلیت حاصل ہونے کے علاوہ یہ معیار زندگی کلرکوں کے لئے بھی ایسا ہی مفید ہے جیسا کسی اور کے لئے ہوسکتا ہے - سیرام پور (سریرام پور) میں ایک نارمل اسکول مدرسین کے لئے کھولا گیا ، اور ہیر نے مدرسین کی امداد اور ناتربیت یافتہ مدرسین کے طریق تعلیم میں باقاعدگی پیدا کرنے کی غرض سے معائنہ وغیرہ کے لئے پنڈت مامور کئے - کوشش کی گئی کہ پرانی وضع کے دیہاتی مدرس کو جس کی حیثیت گاؤں کے ایک موروثی عہدہ‌دار یا خاندانی گرو کی ہوتی تھی نئے سانچے میں ڈھالا جائے تاکہ وہ نئے حالات کے مطابق کام کرسکے اور طلبا کی جو نئی پود پیدا ہو رہی ہے اس کی تعلیم و تدریس کے لئے نئے طریقے استعمال کر سکے - یہ نئی پود کے طالب علم نہ فرش پر حروف گھسیٹ لیتے

[۱]—David Hare

کو کافی قابلیت جانتے تھے اور نہ سیاہی اور نرسل سے تاڑ پتر پر لکھ لینے کو انتہائی تعلیم سمجھتے تھے - سنہ ۱۸۱۷ع میں کلکتہ کی انجمن کتب درسی کی بنیاد رکھی گئی - اس کا مقصد یہ تھا کہ انگریزی اور مشرقی زبانوں میں مفید اور کارآمد کتابیں تیار کی جائیں اور چھاپ کر ارزاں قیمت پر یا مفت بہم پہنچائی جائیں - لیکن شرط یہ تھی کہ ان میں مذہبی کتب شامل نہ ہوں - گورنر جنرل کی خاطر مارشنس ھیسٹنگز [۱] نے خود کئی ابتدائی کتابیں تیار کیں جو غالباً انگریزی میں تھیں [۲] - سنہ ۱۸۱۸ع میں موجودہ مدارس کی امداد و اصلاح اور نئے مدارس قائم کرنے کے لئے انجمن مدارس کلکتہ قائم کی گئی - ڈیوڈ ھیر نے نہ صرف اپنی گرہ سے مالی امداد دی بلکہ لوگوں سے بھی چندہ جمع کیا ، اور وہ اس پوری تحریک میں مدد دیتے رہے - انھوں نے بنگالی لڑکیوں کی تعلیم کے سلسلے میں انجمن تعلیم اطفال کلکتہ کی بھی اسی قسم کی خدمات انجام دیں - یہ انجمن سنہ ۱۸۲۰ع میں قائم ہوئی تھی جس نے لڑکیوں کی تعلیم میں باقاعدگی پیدا کرنے کے لئے قابل قدر کام کیا - زنانے اسکولوں کے لئے استانیاں حاصل کرنا اور بھی دشوار تھا ، اس لئے تعلیم نسواں کی تمام عمارت نئی بنیادوں پر تعمیر کرنی پڑی -

بنگالی رہنماؤں کی سرگرمیاں : ہندو کالج کا قیام

اس دوران میں روشن خیال بنگالی رہنما بھی انگریزی کی اعلیٰ تعلیم کو ترقی دینے میں خاموش نہ تھے - " اپنی مدد آپ " کے اصول پر عمل کرتے ہوئے انھوں نے جس بنیادی اور قابلیت کا ثبوت دیا اُس کا اب تک پورا اعتراف نہیں ہوا - انھوں نے ایسی طاقتوں کو متحرک کردیا جن سے ہندوستان بھر کی کایا پلٹ گئی اس میں شک نہیں کہ چیف جسٹس سر اڈورڈ ھائڈ ایسٹ [۳] ایسے فراخ دل اور عالی مرتبت انگریز اپنے نام اور اثر سے ان تحریکات کی کھلے دل سے امداد کیا کرتے تھے ، لیکن ہمیں ان خاموش ہستیوں یعنی غیر سرکاری افراد کو ہرگز فراموش نہیں کرنا چاہئے

---

[۱]—Marchioness of Hastings

[۲]—کلکتہ ریویو - جلد ۱۳ (۱۸۵۰) صفحہ ۱۲۱ -

[۳]—Sir Edward Hyde East

جو پس‌پردہ کام کرتے تھے اور اس سلسلے میں تمام محنت و مشقت کا بار اٹھاتے رہے - بعض اوقات یہ لوگ تحریک کی بہتری کے لئے قصداً اپنا نام چھپاتے تھے سنہ ۱۸۱۶ع میں هندو کالج کے قیام پر غور و خوض کیا گیا - ایک دن رام موهن رائے ایک جلسے میں بت پرستی کے خلاف بڑے زور شور سے تقریر کر رہے تھے - هیر بغیر بلائے جلسے میں پہنچ گئے - یہ همیشہ آزادانہ تحریکات میں هندوستانیوں کے ساتھ شامل هونے کے خواهش مند رهتے تھے - چنانچہ دونوں میں گہری دوستی پیدا هوگئی جس کا اثر دونوں کے خاندانوں پر بھی پڑا اور یہ تعلقات رام موهن رائے کی بے وقت موت کے بعد بھی قائم رہے - هیر نے عدالت عالیہ کے چیف جسٹس کو بھی هندو کالج کی تجویز کے موافق کرلیا - چنانچہ چیف جسٹس هی کے مکان پر ایک جلسہ هوا جس میں " هندوستانی نوجوانوں کی تعلیم کے لئے " کالج قائم کرنے کا فیصلہ هوگیا - رام موهن رائے کے نام سے قدیم عقیدہ کے هندوؤں کے بھڑک جانے کا اندیشہ تھا ' چنانچہ ان لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لئے رائے کو کمیٹی کے ارکان میں شامل نہیں کیا گیا - کالج کے لئے هندوستانیوں سے چندہ اکٹھا کیا گیا - جو شخص ۵۰۰۰ روپیہ چندہ دے وہ زندگی بھر کے لئے کالج کا گورنر بن جاتا تھا - چیف جسٹس کو صدر بنایا گیا ' اور گورنر جنرل اور کونسل کے ارکان سرپرست بن گئے - اس طرح یہ کام اعلیٰ ترین سرکاری افسروں کی سرپرستی میں اور قدیم عقیدہ کے لوگوں کی منظوری سے جاری کر دیا گیا - هندو کالج میں تعلیم و تدریس کا کام سنہ ۱۸۱۷ع میں شروع هوا تھا -

انگریزی زبان اور انگریزی خیالات کا غلبہ

کالج کی تعلیم دو حصوں میں تھی - ایک ابتدائی یا تمهیدی اور دوسری اعلیٰ یا کالج کی تعلیم - منظور شدہ تعلیمی زبانیں تین تھیں - انگریزی ' بنگالی اور فارسی - لیکن زیادہ زور انگریزی پر دیا جاتا تھا - تعلیم و تعلم کی فضا میں نمایاں حصہ انگریزی کا تھا - طلبا میں انگریزی خیالات اس تیزی سے ترقی کرنے لگے کہ قدامت پسند گروہ بھڑک اٹھا ' اور اسے تسلی دینے اور ٹھنڈا کرنے کی ضرورت محسوس هوئی - گورنر جنرل ارل آف منٹو [۱] کی یاد داشت مورخہ ۶ مارچ ۱۸۱۱ع میں تجویز کیا گیا تھا کہ کلکتہ کے

[۱]—Earl of Minto

مدرسہ اور بنارس کے سنسکرت کالج کو مضبوط کیا جائے ' اور دیگر مقامات پر نئے مشرقی کالج قائم کئے جائیں - اس وقت سنسکرت کے لئے دو مرکز پیش نظر تھے - ایک ندیا اور دوسرا ترہت - لیکن سنہ ۱۸۱۹ع کے بعد دونوں کا خیال ترک کردیا گیا - انگریز مستشرقین جن میں پروفیسر ایچ - ایچ ولسن [۱] بھی شامل تھے کلکتہ میں ایک سنسکرت کالج کے قیام پر زور دیتے تھے - لیکن بنگالی جو انگریزی زبان کا مزہ چکھ چکے تھے اس تجویز کے بالکل خلاف تھے - چنانچہ رام موہن رائے نے سنہ ۱۸۲۳ع میں حکومت سے مندرجہ ذیل الفاظ میں احتجاج کیا تھا :—

سنسکرت کی تعلیم کے خلاف رام موہن رائے کا احتجاج

" ہم دیکھتے ہیں کہ حکومت ہندو پنڈتوں کے ماتحت ایک درسگاہ ایسی تعلیم دینے کے لئے قائم کرنا چاہتی ہے جو پہلے ہی سے ہندوستان میں رائج ہے - ان پاٹ شالوں سے (جو نوعیت کے اعتبار سے ویسی ہی ہے جیسی لارڈ بیکن [۲] سے پہلے یورپ میں موجود تھیں) صرف اس بات کی توقع ہو سکتی ہے کہ نوجوانوں کے دماغ میں صرف و نحو کی وہ موشگافیاں اور فلسفیانہ امتیازات ٹھونس دئے جائیں جو عملی طور پر ان نوجوانوں اور سوسائٹی کے لئے بہت کم کار آمد ہوسکتے ہیں ' بلکہ بالکل بیکار ہیں - ان پاٹ شالوں میں طالب علم وہی معلومات حاصل کرینگے جو آج سے دو ہزار سال پہلے بھی اہل ہنر کو حاصل تھیں ' اور ان میں اُن فضول اور بے معنی لطافتوں کا اضافہ ہو جائیگا جو خیالی گھوڑے دوڑانے والوں نے اُس وقت سے آج تک پیدا کی ہیں - اور یہ بالکل وہی چیزیں ہیں جن کی تعلیم پہلے ہی سے ہندوستان کے ہر حصے میں عام ہے " -

قدیم تعلیم اور نئی ضروریات کا مقابلہ

رام موہن رائے نے بتایا کہ زبان سنسکرت اس قدر مشکل ہے کہ اسے حاصل کرنے کے لئے زندگی بھر کی مدت درکار ہے - انہوں نے لکھا کہ " اس کٹھن منزل کے طے کرنے پر جو علمیت حاصل ہوتی ہے وہ اس قدر و قیمت کی نہیں کہ اس محنت کا صلہ تصور کرسکیں جو اس کی تحصیل میں

H. H. Wilson—[۱]
Lord Bacon—[۲]

صرف کرنی پڑتی ہے " - ان کی رائے تھی کہ اگر اس زبان کو قائم رکھنا ضروری ہو تو ایک نیا سنسکرت کالج کھولنے سے بہتر ہوگا کہ انعامات اور بھتا وغیرہ سے ان پنڈتوں کی امداد کی جائے جو ملک کے ہر حصے میں موجود ہیں - اس کے بعد انہوں نے سنسکرت ویاکرن ' نیائے شاستر اور ویدانت کی قدیم تعلیم کے بے مصرف ہونے پر بحث کی ہے - لکھتے ہیں " اس کے علاوہ ویدانتی عقیدہ ہمارے نوجوانوں کو بہتر نہیں بنا سکتا کیونکہ اس کی تعلیم یہ ہے کہ یہ تمام چیزیں جو ہمیں نظر آتی ہیں دراصل ان کی کوئی ہستی نہیں - باپ بھائی وغیرہ کی کوئی حقیقی ہستی نہیں ہے ' اور اس لئے وہ کسی حقیقی محبت کے مستحق نہیں ہیں - پس جس قدر جلد ہم ان سے چھٹکارا حاصل کرلیں اور دنیا کو چھوڑ جائیں اتناہی بہتر ہوگا -

سائنس کے حقوق

اس تخریبی تنقید کے بعد تعمیری مشورہ پیش کرنے کی غرض سے رام موہن رائے نے مندرجہ ذیل الفاظ میں جدید سائنس کے حقوق کی ترجمانی کی ہے - " اگر برطانوی پارلیمنٹ کا منشا ہندوستان کو جہالت میں مبتلا رکھنا ہوتا تو سنسکرتی نظام تعلیم اس مقصد کی تکمیل کے لئے بہترین آلہ تھا - لیکن چونکہ حکومت کا مقصد ہندوستانی آبادی کی اصلاح ہے اس لئے اُسے جدید اور ترقی یافتہ نظام تعلیم جاری کرنا چاہئے جس میں ریاضی ' علم طبیعیات ' کیمسٹری ' اناٹمی اور دیگر ایسے مفید علوم شامل ہوں جن کی تعلیم کے اخراجات کی مجوزہ رقم کے اندر اس طرح انتظام ہوسکے کہ چند یورپ کے فارغ التحصیل اہل علم اس تعلیم کے لئے مقرر کئے جائیں اور ایک ایسا کالج قائم ہوجائے جو ضروری کتابوں ' آلات اور دیگر سامان سے آراستہ ہو " -

ہندو کالج اور سنسکرت کالج ایک ہی عمارت میں

یہ جھگڑا عارضی طور پر ایک سمجھوتے سے طے ہوگیا - جس میں یہ فیصلہ کیا گیا کہ کلکتہ میں ایک سنسکرت کالج سرکاری خرچ سے کھولا جائے ' لیکن یہ نیا کالج اور ہندو کالج جس کی کوئی مستقل ذاتی عمارت نہ تھی ایک ہی عمارت میں واقع ہوں - ہندو کالج کا وجود سراسر غیر سرکاری ذرائع کا مرہون منت تھا ' اور اس کے اخراجات عام چندہ سے پورے ہوتے تھے جس

میں حکومت کا کوئی ہاتھ نہ تھا - چنانچہ اس نئی تجویز سے ہندو کالج کے بانیوں کے دل میں قدرتی طور پر خدشہ پیدا ہوگیا کہ کہیں یہ حکومت ہی کے زیر اثر نہ ہوجائے - لیکن ان لوگوں پر واضح کردیا گیا کہ حکومت صرف اسی روپیہ کے متعلق اپنی نگرانی رکھنا چاہتی ہے جو وہ خود دیگی - نئی مشترکہ کمیٹی میں پروفیسر ایچ - ایچ ولسن کو بھی شامل کیا گیا - اور اصل ہندو کالج کی نگرانی کے لئے ڈیوڈ ہیر قریب قریب ہر روز حاضر ہوا کرتے تھے - حکومت نے کالج کی عمارت کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار روپیہ دیا، اور ڈیوڈ ہیر نے اپنی زمین دےدی جو کالج کے احاطے کے شمال میں واقع تھی - نئی عمارت کا سنگ بنیاد جیسا اس کے کتبے سے ظاہر ہوتا ہے سنہ ۱۸۲۴ع کو بنگال کی فری میسن برادری [۱] کے صوبجاتی گرانڈ ماسٹر [۲] نے " برادری کے کثیر مجمع نیز مجلس تعلیمات عامہ کے صدر اور ارکان کی موجودگی میں " رکھا تھا -

اورینٹل سیمینری : قدیم مذہبی خیالات کے لوگوں کا کالج

سنہ ۱۸۲۳ع میں اورینٹل سیمینری (درسگاہ شرقیہ) کی بنیاد رکھی گئی - اس کا نصب العین بمقابلہ ہندو کالج کے قدیم مذہبی خیالات پر مبنی تھا - لیکن انگریزی کی تعلیم اس کے مقاصد میں بھی ویسی ہی شامل تھی - اس درسگاہ کا قیام ایک فرد واحد بابو گورموہن آدی کی کوششوں کا نتیجہ تھا، اور اس کے اخراجات محض ہندوستانی ذرائع سے پورے کئے جاتے تھے -

مغربی تعلیم کے اثرات

مغربی تعلیم کے نشے کو طلبا کے دماغ میں سرایت کرتے کچھ زیادہ دیر نہ لگی - ہندو طلبا کے دل و دماغ کو عیسائی مشنریوں کے اثر سے محفوظ رکھنے کی کوششوں میں ہندو کالج کے سر پرستوں کو ایک اور مشکل کا سامنا ہوا - ہندو کالج کے ابتدائی ایام میں اس کے ممتاز ترین اساتذہ میں مشہور فیمون یوریشین شاعر اور فلسفی ایچ - ایل - وی - ڈیروزیو [۳] (۱۸۰۹—۱۸۳۱) بھی شامل تھا - وہ اٹھارہ سال کی عمر میں ہندو کالج میں معلم مقرر ہوا -

---

[۱]—The Fraternity of Free Masons

[۲]—Grand Master

[۳]—H. L. V. Derozio

یہ شخص دہریہ تھا - کالج کی مجلس انتظامیہ اس نئی لہر کے باعث بہت پریشان تھی جو طلبا میں پیدا ہو رہی تھی اور جس کا اظہار '' ہندو دھرم برباد ! قدامت پرستی برباد !! '' وغیرہ کے نعروں میں ہوا کرتا تھا - مجلس مذکور نے اساتذہ کو ہدایت کی کہ '' طلبا کے ساتھ ہندو دھرم کے متعلق بات چیت نہ کیا کریں ' '' نیز حکم دیا کہ وہ '' کسی ایسے فعل کی اجازت نہ دیں جو ہندو دھرم کے نقطۂ نظر سے ناشائستہ ہو ' '' اور اس کا اشارہ خاص طور پر خورد نوش کی طرف تھا - سنہ ۱۸۳۱ع میں ڈیروزیو کو مستعفی ہونے پر مجبور کیا گیا اور وہ چند ماہ بعد ہیضے میں انتقال کرگیا - طلبا میں جو لامذہبی کا جذبہ پیدا ہو رہا تھا اس کا سدباب کرنے کے لئے سکاتھ مشنریوں [۱] نے سنہ ۱۸۳۳ع میں ڈاکٹر ڈف [۲] کے ماتحت کلکتہ میں پرس بی ٹیرین [۳] کالج (جنرل اسمبلیز اِنسٹی ٹیوشن) قائم کیا جس کی کامیابی کے باعث ہندوستان کے دوسرے شہروں میں بھی اسی قسم کی درسگاہیں قائم ہوگئیں - کلکتہ میں ڈاکٹر ڈف کے کالج اور بمبئی میں ڈاکٹر جان ولسن[۴] کے کالج کا دایرہ عمل بشپ کالج (چرچ آف انگلینڈ) کی نسبت جو سنہ ۱۸۲۰ع میں کلکتہ میں جاری کیا گیا تھا بہت زیادہ وسیع تھا - بنگال میں مذہبی اعتبار سے جو نئے واقعات رونما ہو رہے تھے ان پر ہم آگے چل کر تبصرہ کریں گے - لیکن یہ بات یہاں قابل ذکر ہے کہ کلکتہ کی بنگالی سوسائٹی میں انگریزی تعلیم مکالے کی سنہ ۱۸۳۵ع والی تحریر سے بہت عرصہ پہلے سے ایک ایسے کالج کی تحت میں اپنا کام کر رہی تھی جو قائم تو متفقہ کوششوں سے ہوا تھا لیکن وہ پریذیڈنسی کالج کی شکل میں اب تک ہندوستانی خیالات و احساسات پر گہرا اثر ڈالتا رہا ہے - فروری سنہ ۱۸۲۴ع میں جب بشپ ہیبر [۵] گورنر جنرل کے دربار میں شریک ہوئے تو انہوں نے بہت سے ایسے بنگالی دیکھے جو '' انگریزی میں نہ صرف روانی بلکہ خوش اسلوبی سے بات چیت کرسکتے تھے ''۔

Scottish Missionaries—[۱]
Dr. Duff—[۲]
Presbyterian College—[۳]
Dr. John Wilson—[۴]
Bhishop Heber—[۵]

مجلس تعلیمات عامہ اور اس کا نظام کار

اوپر بیان ہوچکا ہے کہ تعلیم کے لئے حکومت کی طرف سے اولین مالی امداد اس وقت دی گئی جب ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر سنہ ۱۸۱۳ع میں ایک لاکھ روپیہ کی رقم اس مقصد کے لئے مقرر کی گئی - لیکن اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کی بہت کم کوشش کی گئی - اس سلسلے میں سب سے پہلا عملی قدم سنہ ۱۸۲۳ع میں اٹھایا گیا جب مجلس تعلیمات عامہ مقرر کی گئی ' اور ایک لاکھ روپیہ سالانہ کی امداد یکم مئی سنہ ۱۸۲۱ع سے شمار کرکے اس کے حساب میں جمع کردی گئی - اس مجلس کے نظام کار اور لائحۂ عمل (پروگرام) ہم مندرجہ ذیل پانچ حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں -

(۱) ندیا اور ترہت میں سنسکرت کالج کھولنے کا ارادہ ترک کردیا جائے اور کلکتہ میں ایک سنسکرت کالج کھولا جائے -

(۲) ہندو کالج کو ' جس کے غیر سرکاری روپیہ سے قائم ہونے کا ذکر ہم کسی قدر تفصیل سے کرچکے ہیں اور جس میں انگریزی ادب اور انگریزی سائنس کی تعلیم دی جاتی تھی ' مزید ترقی دی جائے - ہم اوپر بتا چکے ہیں کہ ہندو کالج کو نئے سنسکرت کالج کے ساتھ ایک ہی عمارت میں جگہ دی گئی تھی اور آخرکار سنسکرت کالج ہندو کالج میں جذب ہوگیا -

(۳) دہلی اور آگرہ میں دو نئے کالج مشرقی ادب کی تعلیم کے لئے قائم کئے جائیں - یہ کالج لارڈ ایمہرسٹ [۱] کے سنہ ۱۸۲۸ع میں ہندوستان سے رخصت ہونے سے پہلے کھولے گئے تھے - لیکن انگریزی تعلیم کی خواہش نے ان مقامات پر بھی غلبہ حاصل کرلیا - چنانچہ انگریزی کالج تو ترقی کرتے گئے اور حال ہی میں یونیورسٹیوں کا درجہ حاصل کرچکے ہیں اور مشرقی درسگاہیں لوگوں کی یاد سے محو ہو گئیں - سنہ ۱۸۲۷ع میں بنارس کے سنسکرت کالج اور کلکتہ کے مدرسہ میں بھی انگریزی کی جماعتیں کھولنے کی تجویز کی گئی - واقعہ یہ ہے کہ سنہ ۱۸۳۰ع میں بنارس میں ایک انگریزی درس گاہ " انگلش سیمینری " قائم کی گئی اور سنسکرت کالج سنہ ۱۸۴۸ع کے بعد اینگلو سنسکرت کالج بنا - اسی طرح کلکتہ کا مدرسہ بھی رفتہ رفتہ ایک اینگلو اورینٹل درس گاہ بن گیا - ان دونوں درس گاہوں میں اب تک

---

[۱] — Lord Amherst

مشرقیت کا رنگ غالب ہے، لیکن ملک کی عام زندگی پر ان کا اثر بہت کم ہے -

(۴) تعلیمی تحریک کی مضبوطی کی غرض سے سنسکرت اور عربی کتابوں وسیع پیمانے پر طبع کی جائیں - تجویز کا یہ حصہ سراسر ناکام رہا - اس کا ذکر آگے آتا ہے -

(۵) یورپ میں تصنیف شدہ سائنس کی کتابوں کا عربی اور مشرقی زبانوں میں ترجمہ کرنے کے لئے قابل مستشرقین کو مقرر کیا جائے - اس میں سخت نقصان کے ساتھ ناکامیابی ہوئی - ترجمے پر ۱۶ روپے فی صفحہ خرچ ہوتے تھے - پھر اُسے نہ تو طالب علم سمجھ سکتے تھے اور نہ معلم - چنانچہ تجویز کیا گیا کہ مترجم ہی کو اپنے ترجمے کا مطلب سمجھانے کے لئے ملازم رکھا جائے اور اس پر مزید تین سو روپیہ ماہوار خرچ ہوجاتا تھا -

قدیم مشرقی تعلیم کی ناکامی : انگریزی کی مانگ

مجلس تعلیمات عامہ کی دسمبر سنہ ۱۸۳۱ع کی رپورٹ ایک معلومات سے بھری ہوئی دستاویز ہے - جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو قدیم مشرقی تعلیم کو سہارا دینے میں کتنی مخالفت کا مقابلہ کرنا پڑتا تھا - ہر طرف انگریزی تعلیم کی مانگ تھی - وہ لکھتے ہیں کہ یہاں "انگریزی زبان پر اس قدر قدرت اور اس کے ادب اور سائنس سے اس قدر واقفیت حاصل کرلی گئی ہے جس کی مثال یورپ کی کسی درس‌گاہ میں شاذ ہی ملے گی - انگریزی کا مذاق دور دور تک پھیل گیا ہے، اور ہر طرف غیر سرکاری درس‌گاہیں .... قائم ہو رہی ہیں" - انجمن کتب درسی کی انگریزی کتابیں تو دو سال میں (۳۱۰۰۰) اکتیس ہزار فروخت ہو گئیں اور سنسکرت کتابوں کی مانگ اس قدر کم تھی کہ تین سال کی بکری سے طباعت کے اخراجات توکجا اتنی آمدنی بھی نہ ہوئی کہ انھیں دو ماہ تک گودام میں رکھنے کے اخراجات ہی پورے ہوجاتے - مشرقی تعلیم سے کوئی دنیوی فائدہ حاصل نہ ہوتا تھا اس لئے طلبا کو لالچ اور وظائف کے ذریعے سے یہ تعلیم حاصل کرنے پر آمادہ کرنا پڑتا تھا - انگریزی تعلیم سرکاری ملازمت کا ذریعہ اور زینہ تھی، اس لئے نہ صرف کلکتہ میں بلکہ مفصلات میں بھی اس کا رواج زوروں پر تھا -
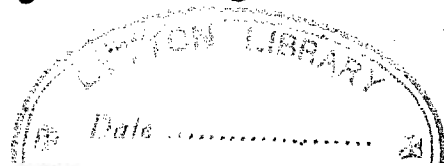
سنہ ۱۸۳۵ع کی تجاویز کوئی نئی بات نہ تھی - بلکہ انگریزی کی زبردست مانگ کا ایک ثبوت تھا

جس تجویز اور لائحۂ عمل کا سنہ ۱۸۳۵ع میں واضح طور پر اعلان کیا گیا اس کی اہمیت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے مذکورہ بالا حالات کو پیش نظر رکھنا اشد ضروری ہے - یہ کوئی نیا لائحۂ عمل نہ تھا - بلکہ خود هندوستانیوں کے متوسط طبقے کے زبردست مطالبے کو پورا کیا گیا تھا - مسلمانوں پر ابھی تک اپنی طاقت و عظمت کی تباہی کا صدمہ اس قدر غالب تھا کہ وہ کلرکی یا حکومت کے ماتحت دوسری ادنیٰ ملازمتوں کی خواهش نہ رکھتے تھے - هندوؤں کو چونکہ نئی تعلیم سے ایک نیا درجہ حاصل ہونے لگا تھا اس لئے ان کا مطالبہ اور بھی قوی ہو رہا تھا - جیسا سر چارلس تریولین [1] اول نے اپنی کتاب " تاریخ تعلیم هند " میں لکھا ہے دیگر ممالک میں متوسط طبقے کے نوجوان بہت جلد ان پیشوں میں جذب ہو جاتے ہیں جو شریفانہ کہے جاتے ہیں - مثلاً کلیسیا ' طب ' تجارت ' دستکاری ' انجینیری ' یونیورسٹی کی پروفیسری ' قانون اور بحری اور بری فوج - انیسویں صدی کے نصف اول میں یا تو ان پیشوں کے اعلیٰ ترین عہدوں کا دروازہ هندوستانیوں پر بند تھا ' یا خود یہ پیشے خاص ذاتوں یاجماعتوں تک محدود تھے ' اور یا پھر ان کی جو صورت هندوستان میں رائج تھی اسے حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا - اس لئے هندوستانی نوجوان بڑی تیزی سے کلرکی پر ٹوٹ پڑے اور ان میں سے رام موهن رائے (جنھیں بعد میں راجہ کا خطاب ملا) ایسے بعض اصحاب نے سرکاری ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد اپنی سرگرمیوں کے باعث عوام میں خاص شہرت و اہمیت حاصل کرلی -

انگریزی زبان نے هندوستان کی مشترکہ زبان بنکر هندوستانی خیالات میں کیونکر تبدیلی پیدا کی

سنہ ۱۸۲۹ع کے اس واضح اعلان سے کہ آئندہ انگریزی ' هندوستان کی سرکاری زبان ہوگی ' انگریزی کی تحصیل لازمی ہوگی - حکومت (شعبۂ فارسی) کے ایک خط میں جو ۲۶ جون سنہ ۱۸۲۹ع کو مجلس تعلیمات عامہ کو لکھا گیا تھا مندرجہ ذیل فقرہ نظر آتا ہے : " یہ حکومت برطانیہ کی خواهش

---

[1] – Sir Charles Trevelyen

اور مسلمہ لائحۂ عمل ہے کہ اپنی زبان کو ہندوستان میں رفتہ رفتہ اور آخر پورے طور پر سرکاری کاروبار کی زبان بنا دیا جائے'' - اس نے فارسی کا بحیثیت سرکاری زبان خاتمہ کردیا - اس سے اعلی درجوں کی انگریزی تعلیم کو قوت حاصل ہوئی - لیکن چونکہ انگریزی بالکل غیر ملکی زبان تھی ' اس لئے عوام کے لئے اردو ' بنگالی اور دوسری دیسی زبانوں کا سیکھنا ضروری ہوگیا - اب ہندوستانیوں کے پاس کوئی مشرقی زبان سرکاری طور پر مشترکہ زبان نہ رہی - لیکن مشترکہ زبان کی حیثیت میں انگریزی مختلف جماعتوں کے ذہن اور خیالات میں بتدریج تبدیلی پیدا کرنے لگی ' اور اس سے زندگی کے تمام شعبہ‌جات میں نئی خواہشات ' نئے فیشن ' نئے معیار اور نئے عزائم پیدا ہو گئے -

انگریزی زبان کو بالائی صوبجات کی نسبت کلکتہ میں
کیونکر جلد غلبہ حاصل ہوگیا

تاہم انگریزی تعلیم کی خواہش جو کلکتہ میں اس قدر نمایاں تھی بالائی صوبوں میں بہت آہستہ آہستہ پھیلی - جس وجہ سے کلکتہ میں اس خواہش کا اس قدر غلبہ تھا وہی وجہ ملک کے بالائی حصہ مثلاً فتح گڑہ ایسے شہر میں (جو اس علاقے میں واقع تھا جسے اب صوبجات متحدہ کہتے ہیں) انگریزی کے نہ پھیلنے کی ہوئی - کلکتہ میں انگریزی‌داں کلرک کو حکومت کے ماتحت یا کلکتہ کے کسی تجارتی یا جہازی کاروبار کے دفتر میں فوراً کوئی نہ کوئی اچھی جگہ مل جاتی تھی - لیکن فتح گڑہ میں اس قسم کا کوئی موقع نہ تھا - وہاں معدودے چند افراد کے لئے قدیم اور مذہبی تعلیم کی مانگ تھی - مسٹر شور [۱] جج فتح گڑہ سنہ ۱۸۳۴ع میں لکھتے ہیں کہ '' فی الحال جب تک انگریزی تعلیم سے کوئی ملازمت یا تنخواہ حاصل نہیں ہوتی اگر کچھ لوگ انگریزی پڑھینگے بھی تو ان کی تعداد بہت کم ہوگی [۲] '' - انہوں نے مفتی ولایت‌اللہ کے مقامی کالج کی کسی قدر حوصلہ شکن داستان

Mr. Shore—[۱]

[۲]—انڈیا آفس ریکارڈز ' ہوم مسلینیس ' آنریبل فریڈرک جان شور جج فتح گڑہ کی خط و کتابت ' نمبر ۷۰۹ ' صفحہ ۱۹۹ لغایت ۲۰۲ -

یہاں کی ہے - مفتی صاحب نے ایک خوبصورت عمارت تیار کرائی اور اس کے لئے کچھ سرمایہ وقف کردیا - وہ چاہتے تھے کہ کالج کا کام جاری رکھنے میں حکومت مدد کرے ' اور مقامی مجلس نے امداد کے لئے سفارش بھی کردی - لیکن کلکتہ کی مجلس تعلیمات عامہ نے جو دور دراز فاصلے پر تھی اسپر ذرا بھی توجہ نہ کی - ان کا محدود سرمایہ کلکتہ کے لئے بھی بمشکل کفایت کر سکتا تھا ' اور کلکتہ سراسر انگریزی تعلیم کا طالب تھا - اس مجلس کا دائرۂ نظر قریباً کلکتہ ھی تک محدود تھا -

مکالے [۱] کے خیالات

مجلس تعلیمات عامہ میں انگریزی تعلیم پر بڑی بڑی بحثیں ہوتی تھیں اور بہت کچھ اختلافات پیش آتے تھے - مستشرقین اور (ان کی رہنمائی میں) ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی پر تینوں جماعتیں نئی تجویز کو ہندوستانیوں کے لئے ناموافق سمجھتی تھیں - جو طبقہ ہندوستان میں انگریزی حکومت کے اعلیٰ عہدوں پر تھا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ہندوستانیوں میں ایک انگریزی داں اہل دماغ طبقہ ظاہر ہو کیونکہ وہ اسے برطانوی حکومت کے دوام کے لئے خطرناک سمجھتا تھا - لیکن لارڈمکالے کی ہندوستان میں آمد سے انگریزی تعلیم کا پلہ بھاری ہوگیا - لارڈ موصوف ماہ جون سنہ ۱۸۳۴ع میں (سنہ ۱۸۳۳ع کے چارٹر [۲] کے ماتحت) حکومت ہند کے نئے رکن قانون کی حیثیت سے مدارس میں وارد ہوئے - مجلس تعلیمات عامہ نئے سرے سے مرتب ہوئی اور وہ اس کے صدر بنائے گئے - انہوں نے اس سوال کی ایک نئے انگریزی نقطۂ نظر سے جانچ پرتال کی - ایک طرف تو وہ مشرقی تعلیم کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے اور دوسری جانب اہل ہند کو اُس چیز کی برکات سے فائدہ پہونچانے کے لئے آمادہ تھے جسے وہ اپنی اعلیٰ تہذیب سمجھتے تھے - اپنی وسیع‌الخیالی کے باعث انہوں نے برطانوی حکومت کے لئے سیاسی خطرے کے متعلق دلائل فوراً رد کردئے - اُن کے نزدیک اس خطرے میں پڑنا اس بات سے بہتر تھا کہ ہندوستانی (ان کے خیال کے

Macaulay—[۱]

Charter—[۲]

مطابق) سراسر جہالت اور اوہام پرستی میں مبتلا رہیں - تعلیم کے متعلق ۲ فروری سنہ ۱۸۳۵ع کی تحریر میں انھوں نے دو تاریخی مثالوں (تجدید یورپ اور تاریخ روس) کی طرف اشارہ کیا ہے جن کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ ان کے باعث '' ایک ملک کی تمام سوسائٹی کے دل و دماغ میں ایک نئی لہر پیدا ہوگئی - تعصبات کا خاتمہ ہوگیا - علوم کی اشاعت ہوئی - مذاق میں شستگی پیدا ہوگئی اور ایسے ملکوں میں علوم و فنون اور سائنس کا دور دورہ ہوگیا جو تھوڑے ہی عرصہ پہلے جہالت کے بھنور میں پھنسے ہوئے تھے '' - پھر انھوں نے ان مثالوں اور ہندوستان کے حالات میں مطابقت دکھائی اور اپنے مخصوص پر زور اور دلفریب انداز میں انگریزی کے ذریعے تعلیم دینے کی سفارش کی -

سرکاری روپیہ صرف انگریزي تعلیم پر خرچ کرنے کا فیصلہ

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے ۷ مارچ سنہ ۱۸۳۵ع کو ایک ریزولیوشن بنایا - اس میں فیصلہ کیا گیا کہ آئندہ سرکاری روپیہ صرف انگریزی تعلیم پر خرچ کیا جائےگا - مشرقی درسگاہوں کے متعلق یہ فیصلہ ہوا کہ اگر کچھہ طالب علم ان میں تعلیم حاصل کرنے کے لئے خود بخود آئیں تو انھیں روکا نہ جائے - لیکن دوران تعلیم میں ان طلبا کی مالی امداد نہ کی جائے - سرمایے کے متعلق قرار داد کے الفاظ یہ تھے کہ یہ سب کا سب روپیہ '' آئندہ ہندوستانیوں کو انگریزي زبان کے ذریعے سے انگریزی ادب اور سائنس کی تعلیم دینے پر صرف کیا جائے '' - اس قرار داد سے حکومت نے انگریزی تعلیم کی تحریک کی باگ اپنے ہاتھہ میں لے لي اور اس سے سرکاري روپیہ قدیم مشرقی تعلیم پر خرچ ہونے کا سلسلہ بند ہوگیا - جیسا پہلے ذکر ہو چکا ہے برطانوی علاقے میں انگریزي تعلیم کی زبردست خواہش حکومت کے اس طرف متوجہ ہونے سے پہلے ہی زوروں پر تھی - پنجاب ایسے دیگر علاقوں کے متعلق بھی جو ابھی برطانوي اقتدار کے ماتحت نہیں آئے تھے سر چارلس تریویلین سنہ ۱۸۳۸ع میں لکھتے ہیں نہ وہاں اعلیٰ طبقہ انگریزی تعلیم کا مطالبہ کر رہا تھا - یہ صرف ایک زبان کی تعلیم کا سوال نہ تھا - بلکہ نئي معلومات ، نئے انداز خیالات ، نیز زندگی ، مذہب ، سیاسیات اور حکومت کے متعلق نئے نقطۂ نظر کی تعلیم کا سوال تھا - اس آخري

اثر کا احساس تو مکالے [۱] کو تھا لیکن خو لوگ تعلیمی امور کے ذمہ دار تھے ان کے دماغ میں یہ خیال صاف طور پر موجود نہ تھا - چنانچہ یہ اثرات مختلف اطراف میں ایک غیر معین انداز اور مختلف رفتار سے موجود رہے - اور اس طرح ان سے ایک صدی بعد کی نسلوں کے لئے ایک افسوسناک صورت حالات پیدا ہوگئی -

اعلیٰ طبقے کی تعلیم

اب جو مسائل زیر غور تھے ان میں حکومت کے مقرر کردہ اشخاص کی نگرانی میں زمینداروں کی تعلیم ' طبی اور قانونی تعلیم ' اور دیسی زبانوں کے ذریعے عوام کی تعلیم بھی شامل تھیں - انگریزوں کی آمد کے بعد اعلیٰ طبقہ ' تعلیم میں نسبتاً پیچھے رہ گیا تھا ' اور ان لوگوں کو ھندوستان کے نئے اور تغیر پزیر نظام کی جانب مائل کرنے کے لئے خاص تدابیر اختیار کرنے کی ضرورت پڑی -

قانونی تعلیم میں جدید حالات کے مطابق تغیر و تبدل

جوں جوں قانون کے دائرۂ عمل میں توسیع ہوئی وکلا کی جماعت جو برطانوی قوانین اور دستورالعمل کا مطالعہ کرتی تھی ' بڑھتی گئی - فروری سنہ ۱۸۳۵ع سے بنگال کی عدالتوں میں بحث و مباحثہ اور عدالتی کارروائی کے لئے بنگالی اور فارسی کے ساتھ انگریزی زبان کے استعمال کی اجازت دی گئی ' جس سے ھندوستانی وکلا کی ایک ایسی جماعت پیدا ہونے لگی جسے نہ صرف انگریزی زبان بلکہ انگریزی قانون اور ضابطے پر بھی قدرت حاصل تھی - اس عمل کی تکمیل مشہور و معروف مجموعۂ قانون (تعزیرات ھند اور ضابطۂ فوجداری) کے نفاذ سے ہوگئی' جنھیں شروع تو مکالے نے کیا تھا لیکن قانون کا درجہ غدر کے بعد حاصل ہوا - سنہ ۱۸۶۱ع میں عدالتہائے عالیہ کے قیام سے قانونی تعلیم کی وقعت اور بھی بڑھ گئی -

طبی تعلیم میں جدید حالات کے مطابق تغیر و تبدل

طبی تعلیم کو بھی نئی سطح پر آنے اور انگریزی سانچے میں ڈھلنے کے لئے مختلف مراحل سے گزرنا پڑا - کلکتہ کا دیسی ھسپتال سنہ ۱۷۹۲ع میں قائم ہوا

[۱]—Macaulay

اور اسی وقت سے عام چندہ اور سرکاری امداد کے ذریعے سے چلتا رہا - دیسی زبانوں کی تعلیم کے متعلق ایڈم [۱] کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۰۷ع کے قریب کلکتہ میں ایک طبی درسگاہ موجود تھی جہاں ہندوستانی زبان میں تعلیم دی جاتی تھی - سنہ ۱۸۳۸ع میں ڈاکٹر ٹائلر [۲] کو سنسکرت کالج میں اناٹومی [۳] کا معلم مقرر کیا گیا ' اور ان کی امداد کے لئے چند پنڈت رکھے گئے - یہاں سب اسسٹنٹ سرجنوں کو دیسی زبانوں میں تعلیم دی جاتی تھی - کلکتہ کے میڈیکل کالج میں جو سنہ ۱۸۳۵ع میں قائم ہوا قطعی طور پر انگریزی زبان میں طبی تعلیم کا کام شروع کیا گیا - ڈیوڈ ہیر نے اس کالج کے قیام میں مدد دی اور سنہ ۱۸۳۷ع سے ۱۸۴۱ع تک اس کے سکریٹری کی خدمات انجام دیتا رہا - ۱۸۱۰ع اور ۱۸۳۰ع کے درمیان ہیضے کی وبا پھوٹ پڑی - نیز لارڈ ہیسٹنگز کی وسط ہند کی مہمات کے سلسلے میں جو کثیرالتعداد فوجی جوان میدان جنگ میں جمع تھے ان کی طبی ضروریات شدت سے محسوس ہوئیں - ان دونوں امور کے باعث طبی سہولتوں کے ناکافی انتظام کی جانب توجہ ہوئی ' اور عام انگریزی تعلیم کے ساتھ نئی طبی تعلیم بڑی تیزی سے ترقی کرنے لگی - سنہ ۱۸۴۵ع میں بمبئی میں گرانٹ میڈیکل کالج قائم ہوا جس کے ساتھ ایک عمدہ نباتاتی باغیچہ بھی تھا - سنہ ۱۸۴۴ع میں کلکتہ میڈیکل کالج سے دو ہندو طالب علموں کو لندن میں طبی تعلیم کی تکمیل کے لئے انگلستان بھیجا گیا - ان کے اخراجات دوارکا ناتھ ٹیگور [۴] نے دئے جنھیں ہم " ہندوستانی طلبا کے لئے یورپین تعلیم کا بانی " کہہ سکتے ہیں -

ڈیوڈ ہیر : اُن کی شخصیت

اہل ہند کی تعلیم کے ابتدائی مراحل کو کامیاب بنانے کے لئے ڈیوڈ ہیر نے جو شاندار اور بے لوث خدمات انجام دیں ان کے باعث اُس کو غیر معمولی

---

[۱]—Adam

[۲]—Dr. Tyler

[۳]—Anatomy

[۴]—دوارکا ناتھ ٹیگور ایک دولتمند مخیر اور مصلح تھے - انہوں نے کئی مرتبہ انگلستان کا سفر کیا اور ہندوستان میں واپس آنے پر پرائسچت کرنے سے انکار کردیا - وہ لندن کے کینسل گرین قبرستان (Kensal Green Cemetery) میں مدفون ہیں -

شہرت حاصل ہوئی - اُس کا باپ لندن میں گھڑی ساز تھا اور اس کی تربیت بھی اسی پیشے میں ہوئی تھی - سنہ ۱۸۰۰ع میں وہ ۲۵ سال کی عمر میں کلکتہ پہنچا اور اُس کے کاروبار کو اس قدر فروغ حاصل ہوا کہ ۱۶ سال کے عرصہ میں اُسنے خاصہ سرمایہ جمع کرلیا اور کاروبار سے دست بردار ہو گیا - اس کے بعد وہ اپنے ملک کو واپس نہیں گیا بلکہ یہیں رہ کر اُس نے اپنی زندگی کا بہترین حصہ اُس ملک کی اعزازی خدمت میں صرف کر دیا جس نے اُسے ضروریات زندگی سے بےنیاز کر دیا تھا ' لوگوں کے دلوں میں اس کی یاد اب تک ایک سعادت مند اور فرمابردار منہ بولے فرزند کی حیثیت سے باقی ہے - سنہ ۱۸۱۶ع سے اپنی موت کے دن تک جو سنہ ۱۸۴۲ع میں ہیضے کے عارضے سے کلکتہ میں واقع ہوئی تھی ' ڈیوڈ ہیر مشہور و معروف اور محترم ہستیوں میں شمار ہوتا رہا - اپنی مخصوص سفید صدری اور پرانی وضع کے گیٹر [۱] پہنے وہ کلکتہ میں ایک درسگاہ سے دوسری کی جانب ' ایک جلسے سے دوسرے جلسے میں ' اور ایک دوست سے دوسرے کے پاس جاتا نظر آتا تھا - وہ اسی طرح تعلیمی سرگرمیوں کی حوصلہ افزائی کرتا - مختلف مفاد اور خیالات میں اتحاد پیدا کرتا اور ہندوستان کو روزانہ زندگی کی ضروریات میں اپنے پاؤں پر کھڑا ہونے کے قابل بنانے کے لئے اپنے کاروباری تجربے سے کام لیا کرتا تھا - وہ خود کوئی عالم فاضل شخص نہ تھا لیکن اپنی شخصیت کے باعث وہ اکثر کامیاب رہا - وہ بےتکلف کلکتہ کی ہندوستانی سوسائٹی کے ساتھ گھل مل کر رہتا تھا وہ ہندوستانیوں کی تفریح اور تماشوں میں حصہ لیتا ' ان کے بچوں کو پیار کرتا اور انہیں کھلونے دیا کرتا - اس نے اہل ہند کے دلوں میں اپنے لئے اُنس ' محبت اور اعتماد کے جذبات پیدا کرلئے ' اور اس کی مساعی نمایاں طور پر کامیاب ہوتی تھیں کیونکہ وہ ہندوستانیوں سے محبت کرتا تھا اور اس قسم کی شیخیاں نہیں بگھارتا تھا کہ میں نے اہل ہند کی شاندار خدمات انجام دی ہیں یا انہیں کوئی " بر تر " تہذیب یا مذہبی یا اخلاقی برکات عطا کی ہیں - راجہ رام موہن رائے اور دوارکا ناتھ ٹیگور کے ساتھ اس کے مدت‌العمر دوستانہ تعلقات رہے ' اور یہ لوگ ہمیشہ اس کی ترقی کی سرگرمیوں میں ہاتھ بٹاتے رہے - سنہ ۱۸۳۱ع میں جب رائے انگلستان میں تھے تو لندن میں وہ ڈیوڈ ہیر کے بھائیوں کے ساتھ جو تجارتی

---

[۱]—Gaiters

کاروبار کرتے تھے بیڈفورڈ سکوئیر [۱] میں اقامت گزیں ہوئے - اور پھر ان میں سے ایک بھائی ان کے ساتھ پیرس گیا جہاں انھیں " بے تکلف بادشاہ " لوئی فلپ [۲] کے ساتھ شرکت طعام کا فخر حاصل ہوا - جب سنہ ۱۸۳۳ع میں رائے برسٹل گئے جہاں ان کا انتقال ہوگیا اس وقت ڈیوڈ ہیر کی ایک بھتیجی مس ہیر ان کے ساتھ تھیں اور رائے کی تجہیز و تکفین کے موقع پر بھی ہیر خاندان کے نمائندے موجود تھے - جیسا اوپر ذکر ہوچکا ہے ڈیوڈ ہیر نے ہندو کالج کے قیام اور ترقی میں نمایاں حصہ لیا تھا - اور دیسی زبانوں کی درسگاہوں نیز ہندوستانی ادب کے لئے بھی اس نے کچھ کم کوشش نہیں کی - وہ بڑی فیاضی سے تعلیمی تحریکات کی مالی امداد کیا کرتا - اس کے علاوہ اس نے رفاہ عامہ کی کئی تحریکات میں حصہ لیا - مثلاً پریس کی آزادی ، عام جلسے کرنے کی آزادی ، اور دیوانی مقدمات میں جیوری کی معرفت سماعت کا حق حاصل کرنے میں وہ کوشاں رہا - سنہ ۱۸۳۵ع میں ہندوستانی مزدوروں کو جزیرہ ماریشس [۳] بھیجنے کا سلسلہ شروع ہوا تھا اور سنہ ۱۸۳۸ع میں جب اس کے متعلق زیادتیاں اور بے عنوانیاں ظاہر ہوئیں تو اس نے ہندوستانی مزدوروں کا ساتھ دیا اور ان کی حمایت کرتا رہا اس کی زندگی کی داستان ہندوستانی اور انگریز بھی خواہان ہند دونوں میں نئی روح پھونکنے کا ذریعہ بن سکتی ہے [۴] -

دیسی زبانوں کے ذریعے عام تعلیم

دیسی زبانوں کے ذریعے عام تعلیم کے مسئلے پر حکومت نے انگریزی تعلیم کے مسئلے سے بہت دیر کے بعد پوری توجہ کی - اس میں شک نہیں کہ مشنری اور غیر سرکاری ادارات ابتدا ہی سے اس سلسلے میں کوشاں تھے ، لیکن ان کی کوششوں کے نتائج مقامی تھے ، اور ان کا دایرہ صرف کلکتہ کے گردونواح تک محدود تھا - قدیم دیہاتی مدارس و مکاتب کو محفوظ رکھنے کی سرگرم کوششوں کے باوجود یہ درسگاہیں بڑی تیزی سے مٹ رہی تھیں - یہ بات صاف

[۱]—Bedford Square

[۲]—Louis Philippe

[۳]—Mauritius

[۴]—دیکھو اس کی سوانح عمری مصنفہ پیارے چند مترا -

ظاہر تھی کہ دیسی زبان کے ذریعے سے مفید عملی تعلیم قدیم مشرقی زبانوں یا انگریزی ' کی نسبت بہت آسانی سے دی جاسکتی تھی - " کورٹ آف ڈائرکٹرز " نے اپنی تحریر مورخہ ۱۸ فروری سنہ ۱۸۲۴ع میں جس کا مسودہ ' جیمز نیل ' [۱] نے تیار کیا تھا لکھا کہ " ہمارا بڑا مقصد ہندو تعلیم نہیں بلکہ صحیح قسم کی تعلیم ہونا چاہئیے " - اور ساتھ ہی یہ رائے ظاہر کی تھی کہ مشرقی کتابوں میں جو علوم سائنس موجود ہیں ان کی تعلیم سے وقت ضایع ہوگا اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ دیسی زبانوں کو دائرۂ بحث سے باہر سمجھتے تھے - مکالے نے اپنی تحریر میں جو اس سے گیارہ سال بعد لکھی گئی یہ فرض کرلیا کہ دیسی زبانیں اس مقصد کے لئے موزوں نہیں ہیں - اُن کا یہ خیال دیسی زبانوں کی ترقی کے اُس مرحلے پر بھی صرف اعلیٰ تعلیم کے متعلق حق بجانب تسلیم کیا جاسکتا تھا - طب جدید کی ابتدائی تعلیم پہلے ہی چند سال سے ہندوستانی زبان میں دی جا رہی تھی - مجلس تعلیمات عامہ سنہ ۱۸۳۵ع کی سرکاری قرارداد کے بعد کی رپورٹ میں درج ہے کہ " ہمارا اصل مقصد دیسی زبانوں کا ادب تیار کرنا ہے اور ہماری تمام کوششوں کا مدعا اسی مقصد کی تکمیل ہونا چاہئیے " - حکومت نے اس رائے کی تائید کی -

کارآمد تعلیم کی اشاعت رک گئی جس سے فنون لطیفہ اور دستکاریوں کو نقصان پہنچا

لیکن اس سے زیادہ درست رائے یہ ہوتی کہ دیسی زبانوں کے ذریعے سے کارآمد تعلیم دینا فوری مقصد ہے جس کی تکمیل کے لئے مجلس کی کوششوں کا زیادہ حصہ وقف ہونا چاہئیے - کسی سرکاری مجلس کے لئے دیسی زبان کا ادب تیار کرنا ممکن نہیں - بلکہ دیسی زبانوں کے ادب کی حوصلہ افزائی میں بھی سرکاری کوششوں کو ناکامی ہوتی رہی ہے - دیسی زبانوں کے ادب نے اُن زبانوں کے استعمال کرنے والوں کی طبائع اور ضروریات کے مطابق نیز اُس اعلیٰ ادبی معیار کے موافق ترقی کی ہے جو اِن لوگوں کو متعدد قدیم و جدید مشرقی اور انگریزی مثالوں کے آزادانہ مطالعے سے حاصل ہوا - اس کے لئے تو زمانہ چاہئیے تھا - لیکن عوام میں کارآمد تعلیم کی اشاعت کی فوری ضرورت

---

[۱] James Neill—

تھی ، اور اس کی تکمیل دیسی زبانوں ہی کے ذریعے سے ہوسکتی تھی - نیز یہ کام فوراً کیا جاسکتا تھا - اس فرض کی انجام دہی میں کوتاہی کے باعث ہماری بہت سی دستکاریوں اور کارآمد فنون لطیفہ کو بہت نقصان پہنچا - ہمارے کاریگر پرانی پگڈنڈیوں پر چلتے رہے ، اور دنیا ایسے کھلے راستے پر چل رہی تھی جن کا ان بےچاروں کو ذرا بھی علم نہ تھا - یہ اُسی پرانی کاریگری کے مالک رہے جس کی اب بازار میں کوئی قدر و منزلت نہ تھی - اور ہماری اقتصادی حالت روز بروز دگرگوں ہونے لگی - صنعتی نظام اور مشینری [۱] کی ترویج تو ناگزیر تھی لیکن اگر ہمارے یہاں کوئی معمولی تعلیم یافتہ دستکار جماعت موجود ہوتی ، جو اپنی موروثی استعداد سے نئے حالات کے مطابق کام لیتی ، تو ہندوستان میں ایک ترقی کا سیدھا راستہ نکل آتا اور اس کی عدم موجودگی میں پرانی نسل پہلے تباہ ہوگئی اور نئی نسل نئے حالات کے مطابق کام کرنے کے قابل بعد میں ہوئی -

انگریزی اور دیسی زبانوں کی تعلیم کا ثمرہ

انگریزی اور دیسی زبانوں کی تعلیم کے مابین کوئی تناسب قائم نہ رہنے کے باعث تعلیمی حلقوں میں بہت بے اطمینانی پیدا ہوگئی - لارڈ آکلینڈ [۲] نے اپنی تحریر مورخہ ۲۹ نومبر سنہ ۱۸۳۹ع میں اس کا ذکر کیا اور دیسی زبانوں میں اچھی کتابیں بہم پہنچانے کی ضرورت پر توجہ دلائی - ذرائع تعلیم تو صاف الفاظ میں انگریزی اور دیسی زبانیں قرار دی گئی تھیں - لیکن ابھی تک دیسی زبانوں کی تعلیم کے متعلق کوئی مکمل تجویز پیش نظر نہ تھی - ساری فضا انگریزی تعلیم سے معمور ہونے لگی ، اور انگریزی درس گاہوں کے طالب علموں کو دنیا میں ترقی کرنے کے لئے آئے دن مواقع ملتے رہے - لارڈ ہارڈنگ کی حکومت نے ۱۰ اکتوبر سنہ ۱۸۴۴ع کو ایک قرارداد میں سب سے پہلے اسامیوں کے لئے سرکاری درس گاہوں کے تعلیم یافتہ امیدواروں کو ترجیح دینے کا فیصلہ کیا - اس لئے جہاں تک سرکاری ملازمت کا تعلق تھا اعلیٰ ترین عہدے ان لوگوں کے حصے میں آتے تھے جنھوں نے انگریزی تعلیم حاصل کی ہو - دیسی زبانوں کی تعلیم

[۱]—Machinery
[۲]—Lord Auckland

سے نہ صرف یہی کہ کوئی معقول مالی فائدہ حاصل نہیں ہوتا تھا بلکہ یہ اعلیٰ معلومات حاصل کرنے کا ذریعہ بھی نہ رہ گئی تھی - یہ ہندوستانی دماغ کو اس نئی اور کارآمد تعلیم سے آگاہ نہیں کرتی تھی جس کے باعث ہمارے کاریگر اپنے فنون اور صنعتوں کی کایا پلٹ دینے کے قابل ہوجاتے ' جیسا اس سے بعد کی نسل میں جاپان میں ہوا - اس کے علاوہ ملک کے دیہاتی حصوں میں کسی وسیع سلسلے کے ذریعے سے اس کا کوئی انتظام بھی نہیں کیا گیا تھا -

صوبجات متحدہ میں قدیم مشرقی زبانوں ' اردو ' ہندی اور انگریزی کے تعلقات

صوبجات مغربی و شمالی میں (جو اب صوبجات متحدہ میں شامل ہیں) قدیم مشرقی زبانوں کا مسئلہ بمقابلہ انگریزی اور بمقابلہ دیسی زبانوں کے سنہ ۱۸۴۶ع میں بھی زیر بحث تھا - ڈاکٹر جے - آر - بیلنٹائن [۱] پرنسپل بنارس ہندو کالج نے اس سال کے متعلق اپنی رپورٹ میں چند اشارات کئے ہیں - انگریزی کے مطالعے کے متعلق ان کے پنڈتوں کا اور طلبہ کا رویہ " ہرگز حوصلہ افزا نہیں " تاوقتیکہ اس مقصد کے لئے وظائف کے ذریعے مالی ترغیب نہ دی جائے - دیسی زبانوں کی تعلیم کے سوال نے اس صوبے میں اردو اور ہندی کے تعلقات کے باعث پیچیدہ صورت اختیار کر رکھی تھی - (برج بھاشا کی شاعری کو چھوڑ کر) ہندی زبان کا ابھی کوئی معیار قائم نہیں ہوا تھا - اردو سرکاری زبان تھی - اور لفٹننٹ گورنر نے رپورٹ کے متعلق اظہار خیال کرتے وقت اسی بات کو قابل عمل قرار دیا تھا کہ اس زبان کو " ہندوستان کے اس حصے میں اعلیٰ تعلیم یافتہ اشخاص کے مابین تبادلۂ معلومات کا عام ذریعہ بنا دیا جائے " - لیکن آخرکار انگریزی کو اعلیٰ تعلیم اور برتر تمدن کی زبان مقرر کرنے کے لئے ہندوستان کے مجموعی اور عام رجحان کو ان صوبجات میں بھی غلبہ حاصل ہوگیا - اور سر اینٹنی میکڈانل [۲] کی لفٹننٹ گورنری (۱۸۹۵ - ۱۹۰۱) کے وقت سے اردو اور ہندی کے باہمی تعلقات میں بھی بہت کچھ تبدیلی واقع ہوگئی -

[۱]—Dr. J. R. Ballantyne

[۲]—Sir. Antony Macdonnell

باضابطہ دیہاتی تعلیم: دیسی زبانوں کے ذریعے سے کارآمد تعلیم کی اشاعت

باضابطہ دیہاتی تعلیم کے لئے ایک نظام عمل تیار کرنے کا کام باقاعدہ طور پر ایک صوبجاتی حکومت نے اپنے ذمہ لے لیا - یہ صوبجات مغربی و شمالی کی حکومت تھی جس کی باگ ان دنوں جیمز ٹامسن [1] کے ہاتھ میں تھی - وہ دس سال کی طویل مدت یعنی سنہ ۱۸۴۳ع سے ۱۸۵۳ع تک لفٹننٹ گورنر کے عہدے پر فائز رہے - انھیں یہاں کے لوگوں کے متعلق گہری واقفیت تھی، اور وہ مالیہ کے متعلق اصلاحات، نہروں اور ذرائع آمد و رفت کی ترقی اور تعلیم عمومی کے ذریعے سے اس صوبے میں گہرا اثر چھوڑ گئے - تعلیم کے متعلق ان کا کام دو قسم کا تھا - سنہ ۱۸۴۸ع میں رڑکی انجنیرنگ کالج کے قیام سے اہل ہند پر ایک غیر ملکی زبان میں اعلیٰ ادبی تعلیم حاصل کئے بغیر فنون کے کام میں عملی استعداد حاصل کرنے کا راستہ کھل گیا - بعد میں اس تجویز کا دائرہ بہت وسیع ہوگیا، لیکن اس کی ابتدائی صورت سے اگرچہ وہ معمولی پیمانے پر تھی صحیح طریقے کی فنی تعلیم کا آغاز ہوتا ہے - ان کا دوسرا تعلیمی کام یہ تھا کہ انھوں نے دیسی زبانوں کے دیہاتی مدارس کے لئے ایک مکمل نظام تیار کیا - انھوں نے صوبے کی حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیتے ہی اپنی تجاویز کو عملی جامہ پہنانا شروع کردیا - انھوں نے انگریزی کے ذریعے سے تعلیم و تدریس کالجوں تک محدود کردی اور چھوٹی چھوٹی انگریزی درس گاہیں بند کردیں - مساحت ایسے کارآمد مضامین کی تعلیم میں دیسی زبان استعمال ہونے لگی - سنہ ۱۸۵۰ع میں اس نظام کو وسعت دے کر زراعتی تعلیم کو بھی اس میں شامل کرلیا گیا -

جیل خانوں میں تعلیم

انھوں نے ہر طبقے کے لوگوں کو علم سے فائدہ پہونچانے کی کوشش کی - اور سنہ ۱ - ۱۸۵۰ع میں آگرہ اور مین پوری کے جیل خانوں میں تعلیمی تجربے کی آزمائش کی گئی - لفٹننٹ گورنر نے لکھا ہے کہ " انتظام اور پابندی قواعد کے لئے کوئی چیز قیدیوں کی تعلیم کے برابر کارآمد نہیں ہوسکتی "- لیکن اس رائے میں قیدیوں کی تعلیم کے فوائد کا دائرہ تنگ کردیا گیا
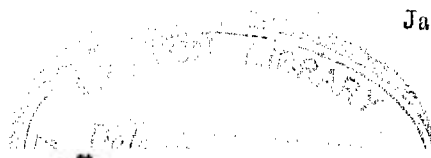
[1]— James Thomason

ہے اس میں شک نہیں کہ جب تک قیدی جیل خانے میں رہے قواعد کی پابندی بڑی اچھی چیز ہے ، لیکن یہ بات اس سے بھی زیادہ قابل تعریف ہے کہ اس کی عادات میں اصلاح ہو جائے ، اور اسے جیل سے باہر نکلنے پر عزت کے ساتھ روزی کمانے کا ذریعہ ہاتھ آجائے اور اس طرح سوسائٹی کے گمراہ اور غلط کار ارکان کا راستہ جرائم کی ترغیبات سے صاف ہو جائے - تعلیم کی مفید نوعیت کے باعث اس تجربے میں فوری کامیابی حاصل ہوئی - پھر لکھا ہے کہ " ریاضی کی جانب عام رجحان پایا جاتا ہے - اس کی بنا پر پیمائش اراضی ، کلوں کے کام اور تجارتی کاروبار کی عملی طور پر ترغیب دی جائے -

دیہاتی یا حلقہ بندی مدارس

سنہ ۱۸۵۴ع میں مدارس کو دیہات کے مختلف حلقوں میں تقسیم کیا گیا اور اس وجہ سے وہ حلقہ بندی مدارس کہلانے لگے - ان کے اخراجات تعلیمی ابواب کے ذریعے پورے کئے جاتے تھے ، اور اس طرح مقامی محصول کی آمدنی مقامی ضروریات پر خرچ ہوتی تھی- مسٹر ٹامس کو اپنے قائم کردہ نظام کے نتائج دیکھنا نصیب نہ ہوئے ، کیونکہ وہ سنہ ۱۸۵۳ع میں اپنے عہدے کے دوران ہی میں انتقال کر گئے - لیکن اس نظام کا ان کے معاصرین پر گہرا اثر پڑا اور دیگر صوبجات اسے بطور نمونہ پیش نظر رکھتے تھے - ان کے انتقال پر لارڈ ڈلہوزی [۱] نے ان کی خدمات کی تعریف کی اور جب دیکھا کہ بنگال میں دیسی زبانوں کے تعلیمی نظام کو قطعی ناکامی ہو رہی ہے حالانکہ صوبجات مغربی و شمالی میں اس کی نمایاں کامیابی ہوئی تھی تو انہوں نے بنگال میں بھی اسی نظام کے مطابق کام کرنے کا مشورہ دیا (تحریر مورخہ ۲۵ اکتوبر سنہ ۱۸۵۳ع) - مسٹر تھارنٹن [۲] سنہ ۱۸۵۴ع میں (گزیٹیر - جلد ۴ صفحہ ۱۸۹) بحیثیت مجموعی ہندوستان کی تعلیمی حالت کے متعلق لکھتے ہیں :
" سیمنریز (یعنی انگریزی درسگاہوں) کو جہاں اعلیٰ تعلیم دی جاتی ہے عام طور پر کامیاب کہا جا سکتا ہے - دیسی زبانوں کے درس و تدریس کی کوششوں میں اگرچہ برطانوی حکومت نے دیسی ہی سرگرمی کا اظہار کیا ہے لیکن اسے اس قدر کامیابی نہیں ہوئی - ان کوششوں کے بہترین نتائج صوبجات

---

[۱]—Lord Dalhousie

[۲]—Mr. Thoronton

مغربی و شمالی میں برآمد ہوئے جہاں نئے بندوبست کی بدولت جس کے ماتحت اراضی سے تعلق رکھنے والوں کے حقوق تحریر میں آگئے بالکل وہی تحریک بہم پہنچی جس کی ضرورت تھی - اپنے مسلمہ حقوق معلوم کرکے انہیں محفوظ رکھنے کی تمنا لوگوں کے دل میں لکھنے' پڑھنے' حساب اور مساحت کا فن حاصل کرنے کی خواہش پیدا کرتی ہے - ان میں چند مزید ابتدائی علوم کا آسانی سے اضافہ ہو سکتا ہے' اور کچھ زیادہ مدت نہ گزرنے پائیگی کہ مذکورہ بالا صوبجات کے باشندوں کی کثیر تعداد ان تمام قسموں کی تعلیم پر بخوبی قادر ہو جائیگی جو ان کی روزانہ کی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں - نیز اُن سے کسی قدر آگے نکل جانے والوں کی تعداد بھی کچھ کم نہ ہو گی -

کیا وجہ تھی کہ صوبجات متحدہ نے دیسی زبان کی تعلیم میں
تو دوسرے صوبوں کی رہنمائی کی لیکن
عام تعلیم میں پیچھے رہ گئے-

یہ سرکاری حلقوں کی بظاہر ایک اچھی رائے تھی - لیکن بعد کے واقعات سے یہ رائے حق بجانب ثابت نہیں ہوئی - صوبجات مغربی و شمالی (جو اب صوبجات متحدہ میں شامل ہیں) دیسی زبانوں کی تعلیم کا ایک نظام جاری کرنے میں سب سے آگے تھے لیکن اب حالت یہ ہے کہ تعلیمی اعتبار سے وہ ہندوستان کے پسماندہ ترین صوبوں میں شامل ہیں - ان کی پہلی ظاہری کامیابی کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے اس وقت کی فوری عملی ضروریات کی تکمیل کردی اور اس تکمیل کا تعلق مسٹر تامسن کے مالی اور تعمیرات عامہ کے لائحہ عمل سے بھی تھا - ان کی ناکامی کی وجہ یہ ہوئی کہ وہ بڑھتی ہوئی ضروریات کے ساتھ ساتھ آگے بڑھنے میں ناکام رہے اور غدر کے بعد جو صورت پیدا ہوگئی تھی لوگوں کو اس کا مقابلہ کرنے کے قابل نہ بنا سکے - مدراس' بمبئی اور بنگال تو انگریزی تعلیم میں روز افزوں ترقی کر رہے تھے' اور وہاں سنہ ۱۸۵۷ع میں یونیورسٹیوں کے قیام' نیز انگریزی تعلیم کے بدولت ترقی کی شاہراہیں کھل جانے کی وجہ سے وہاں کے رفاہ عامہ میں دلچسپی لینے والے سرگرم باشندے صف اول میں آگئے - لیکن الہ آباد کو یونیورسٹی کے لئے سنہ ۱۸۸۷ع تک انتظار کرنا پڑا -

دیسی زبانوں کی تعلیم پر انگریزی تعلیم کا رد عمل

دیسی زبانوں کی تعلیم پر انگریزی تعلیم کا رد عمل بہت گہرا ہوا - بنگالی زبان اور ادب کی فوری ترقی بہت بڑی حد تک اسی کا نتیجہ تھی - انگریزی تعلیم براہ‌راست اہل ہند کے صرف ایک محدود حصے تک پہنچ سکتی ہے - لیکن اس امر کا اقرار ضروری ہے کہ اس کے اثر میں بڑی قوت سے سرایت کرتے ہیں - مکالے کا وہ خیال غلط نہ تھا جس کا اظہار انہوں نے سنہ ۱۸۳۵ع میں ان الفاظ میں کیا ؛ " ہمارے لئے اپنے محدود ذرائع کی مدد سے تمام لوگوں کو تعلیم دینے کی کوشش کرنا ناممکن ہے " - اور اسی بنا پر انہوں نے (خود ان کے الفاظ میں) ایک " ترجمانوں کی جماعت " تیار کرنے کی رائے دی - ان کا یہ خیال جو تین چوتھائی صدی تک پورا نہ ہو سکا اس کی وجہ یہ تھی کہ ہندوستان میں حکومت کی طرف سے جو انگریزی تعلیم تھی وہ بالکل ایک بےجان ڈھانچے کی سی رہی - گذشتہ چند سال میں جب اس نے زبردست قوت حاصل کرلی ہے تو اس کے ناکام ہونے کا احساس ہو رہا ہے اور اس کے باعث جو نقصان پہنچا ہے اس کی تلافی کے لئے طویل مدت درکار ہوگی - جن " محدود ذرائع " کا مکالے نے رونا رویا ہے وہ صرف مرکزی حکومت سے تعلق رکھتے تھے - تعلیمی ابواب کے طریق نے جس کے ذریعے مقامی تعلیم کے اخراجات مقامی ذرائع سے پورے ہو جاتے ہیں اس تکلیف کو بڑی حد تک دور کردیا ہے - لیکن انگریزی تعلیم کی غیر تسلی بخش نوعیت کا دیسی زبانوں کی تعلیم کی نوعیت پر بھی رد عمل ہوا - پہلے ابال کے بعد دیسی زبانوں کی تعلیم نہ صرف ہندوستان کو روحانی غذا بہم پہنچانے سے بلکہ دستکار اور متوسط طبقے پر عملی کاروبار اور عملی پیشوں ، نیز کاشتکاروں پر سائنس کے اصولوں کے مطابق زراعت کے دروازے کھولنے سے بھی قاصر رہی - اس لئے اس کی راہ میں دوہری رکاوٹ حائل تھی ، اور ہندوستان کی تعمیر میں بہت ہی کم حصہ لیا - ایک تیسری رکاوٹ‌یہ تھی کہ ایک ہی صوبے میں بہت سی مختلف دیسی زبانیں مستعمل ہیں - حال میں یہ رکاوٹ کم ہونے کے بجائے اور بھی زیادہ ہوگئی ہے ، اور ہر ایسے شخص کو اس پر خاص توجہ کرنی پڑیگی جو متحدہ قوم کے خواب کو ایک قابل قدر نصب‌العین سمجھتا ہے ، اور جلد از جلد اس کو عملی جامے میں دیکھنے کے لئے کوشاں ہے -

سر چارلس وڈ کی تجویز : سنہ ۱۸۵۴ع

اس دور کا تعلیمی تبصرہ ہم بجا طور پر سر چارلس وڈ [۱] کے ماہ جولائی سنہ ۱۸۵۴ع کے مشہور تعلیمی مراسلے کے ذکر پر ختم کر سکتے ہیں - یہ تعلیمی مراسلہ تاریخ انگلستان کے اُس دور سے تعلق رکھتا ہے جسے "پامرسٹونین" [۲] کہا جاتا ہے جب انگلستان کی فضا امن و امان خوشحالی، اور دنیا میں انگلستان کے مشن کے خیالات سے معمور تھی - سر چارلس وڈ ارل آف ایبرڈین [۳] کی " وزارت متحدہ " میں بورڈ آف کنٹرول کے صدر تھے جس کا تعلق ہندوستان سے تھا - اسی وزارت نے سنہ ۱۸۵۳ع میں مسٹر گلیڈسٹون [۴] کا مشہور بجٹ منظور کیا تھا جس سے سماجیات میں معاشری ترقیوں کا سلسلہ جاری ہوا - سنہ ۱۸۵۳ع میں کمپنی کے چارٹر کی تجدید کے موقع پر سر چارلس وڈ نے ایک اصلاحی ایکٹ پارلیمنٹ سے منظور کرایا تھا جس کے ذریعے سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اختیارات اور سرپرستی کا دائرہ محدود ہوگیا - بنگال کے لئے ایک علیحدہ صوبجاتی حکومت قائم ہوگئی، اور انڈین سول سروس کی کایا پلٹ گئی، یعنی اسے ایک محدود حلقے کے مخصوص حق کے بجائے ملازمت عامہ کی شکل دی گئی جس کے لئے امیدواروں کا انتخاب انگلستان میں امتحان مقابلہ کے ذریعے سے ہونے لگا - لارڈ ڈلہوزی کی نظر میں اس اصلاح کو کچھ زیادہ وقعت حاصل نہ تھی - وہ اپنے ایک ذاتی خط میں (۲۳ جولائی سنہ ۱۸۵۳ع میں لکھتے ہیں : " مسودۂ قانون ہند ایک لغو چیز ہے........ سنہ ۱۸۵۲ع سے اب تک ہر کام بےڈھنگے پن سے ہوتا رہا ہے" - تاہم تعلیم کے متعلق برطانوی حکومت کے خیالات اور ارادے ہندوستان کے نہایت پر جوش تعلیمی کارکنوں سے بھی وسیع تر تھے - جب یہاں لارڈ ڈلہوزی تعلیم نسواں کو قومی اہمیت کا کام سمجھ کر کلکتہ میں اس کے قیام کے لئے مسٹر بیتھیون [۵] کی مدد کر رہے تھے، اور زنانہ درسگاہوں کو مردانہ مدارس کی طرح حکومت

[۱]—Sir Charles Wood

[۲]—Palmerstonian

[۳]—Earl of Aberdeen

[۴]—Mr. Gladstone

[۵]—Mr. Bathune

کے زیر اقتدار لا رہے تھے ' اور صوبجات مغربی و شمالی کا لفٹننٹ گورنر دیہاتی تعلیم کا ایک مکمل نظام مرتب کر رہا تھا ' تو لندن میں سر چارلس وڈ اپنے مشہور معروف مراسلے کی تیاری میں مصروف تھے جس میں بقول لارڈ ڈلہوزی کے " ہندوستان بھر کے لئے ایک ایسا تعلیمی نظام تھا جسے مقامی حکومت اعلیٰ کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی " - یہ تجویز ہر پہلو سے مناسب تھی - تعلیم کا سلسلہ دیسی زبانوں کے مختلف‌المدارج دیہاتی مدارس سے شروع ہوکر اینگلو ورنیکلر اسکولوں اور ہائی اسکولوں سے ہوتا ہوا کالجوں اور یونیورسٹیوں تک پہنچتا تھا - لیکن یہی تناسب اس تجویز کے لئے کسی قدر نقصان وہ بھی ثابت ہوا کیونکہ اس کے باعث نئے نظام تعلیم میں ثانوی کی کسی ایسی تجویز کا کوئی امکان نہ رہا جو بذات خود مکمل ہو - پرانے ہندو مسلم دیسی مدارس کو بھی نئے نظام میں شامل کرلیا گیا - وہ اس طرح کہ سرکاری امداد کا سلسلہ شروع کر دیا گیا اور اس کا ساتھ قدرتی طور پر سرکاری معائنے کی شرط بھی رکھی گئی - مختصر الفاظ میں اس کا مقصد اہل ہند کے ہر طبقے میں مغربی تعلیم کی اشاعت تھا اور اس تکمیل کے لئے اعلیٰ درجوں میں انگریزی زبان اور عوام کے لئے دیسی زبانیں ذریعۂ تعلیم تجویز کی گئی تھیں - سنہ ۱۸۵۷ع کے غدر کے باعث ہندوستان کے بالائی صوبجات میں اس تجویز کی تکمیل میں تاخیر واقع ہوگئی - لیکن کلکتہ ' بمبئی اور مدراس کی یونیورسٹیاں سنہ ۱۸۵۷ع میں قانونی طور پر قائم کردی گئیں - اس ہمہ‌گیر تعلیمی لائحۂ عمل کی ضروریات کی تکمیل کے لئے سنہ ۱۸۵۵ع میں سررشتۂ تعلیم مرتب کیا گیا - اس محکمے نے تعلیمی کونسل کی جگہ لےلی - تعلیمی کونسل ۴۳-۱۸۴۲ع میں پرانی مجلس تعلیمات عامہ کی جگہ مقرر کی گئی تھی لیکن اس کا تعلق زیادہ تر انگریزی اور دیسی زبانوں کی اعلیٰ تعلیم سے رہا - جدید تعلیم کی عام تحریک کے سلسلے میں سنہ ۱۸۵۴ع میں کلکتہ سکول آف آرٹس (درسگاہ فنون لطیفہ) قائم ہوگیا ' جسے سنہ ۱۸۶۴ع میں حکومت نے اپنے ہاتھ میں لےلیا - اس سکول کے سلسلے میں دوسرے صوبوں میں بھی آرٹس سکول قائم ہونے لگے - اور لارڈ نارتھ بروک [۱] کے عہد میں سنہ (۶-۱۸۷۲ع میں) فنون لطیفہ کی تعلیم کو اور بھی وسعت و قوت حاصل ہوئی -

---

[1]—Lord Northbrook

چھٹا باب

مذہب اور ادب میں نئی طاقتوں کا ظہور

قانون کا مذہب پر کیا اثر ہوا

کسی قوم کی مذہبی زندگی اور مذہبی خیالات پر اس کی تعلیم اور اقتصادی و معاشرتی ماحول میں تغیر و تبدل کا اثر ہونا لازمی ہے - ہم اپنی اندرونی زندگی کو ایک مقدس مقام کی طرح بیرونی اثرات سے محفوظ رکھنے کی کتنی ہی کوشش کریں لیکن یہ اثرات اپنے لئے اس طرح راستہ بنا لیتے ہیں جس طرح سورج کی شعاعیں گاتھک گرجاؤں میں چند چھوٹے روزنوں کے ذریعے سے داخل ہو جاتی ہیں - ہندوستان کی برطانوی حکومت نے شروع ہی سے مذہبی معاملات کے متعلق قطعی طور پر غیر جانبدار رہنے کا وعدہ کر رکھا تھا ' اور جس قانون کے مطابق یہ اہل ہند کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتی تھی اس میں بھی اس نے ہندوستان کے مذہبی قوانین اور رسوم معلوم کرنے کی کوشش کی - لیکن جب ان قوانین کو ایک معینہ صورت میں لانے لگے تو معلوم ہوا کہ ملک میں دھرم شاستر اور شرع محمدی کے دائرے میں کئی قانونی فرقے موجود ہیں اور ان کے علاوہ مقامی ' خاندانی اور قبائلی رواجوں کے باعث کئی شاخیں پیدا ہوگئی ہیں - حکومت نے ان سب کو تسلیم کرکے عملی جامہ پہنایا - جوں جوں ہندوستان کی عدالتیں انگریزی قانون کے زیر اثر آتی گئیں ان معاملات کا حلقہ جن پر دھرم شاستر اور شرع محمدی کا اطلاق ہوتا تھا زیادہ تنگ ہوتا گیا - خود یہ مذہبی قوانین بھی مختلف مسلمہ عقاید کے ناموں سے اور ان تحریری فیصلوں کے زیر اثر ' جو وقتاً فوقتاً برطانوی عدالتوں سے صادر ہوتے رہے مستحکم ہو گئے - قانون بنانے والے بھی سرگرمی سے کام کرنے لگے ' انھوں نے قوانین عامہ کا ایک مکمل مجموعہ تیار کیا

جس میں فوجداری ' دیوانی ' آئینی اور تجارتی قوانین کے ساتھ ھی ساتھ دیگر ضابطے اور قانون بھی شامل تھے - یہ سب کے سب انگریزی قانون پر مبنی تھے جس میں ہندوستان کے حالات کے مطابق ضروری ترمیم کرلی گئی تھی - انیسویں صدی کے وسط تک صرف چند معاملات ایسے رہ گئے جن میں ابھی تک مذھبی اور ذاتی قوانین سے کام لیا جاتا تھا ' مثلاً خاندانی تعلقات (جو شادی ' طلاق ' ذات پات ' اور گود لینے کے حقوق وغیرہ پر مشتمل تھے) قوانین وراثت نیز مذھبی و خیراتی اور اوقاف ' ولایت ' ھبہ اور شفعہ کے متعلق چند معاملات - لیکن یاد رکھنا چاھئیے کہ جن چیزوں میں دھرم شاستر اور شرع محمدی سے کام لیا جاتا تھا ان میں بھی خالص دھرم شاستر یا شرع محمدی نہیں بلکہ اُن کی وہ صورت تھی جس میں ان کی تشریح اینگلو انڈین عدالتوں میں یا آخر میں انگلستان کی پریوی کونسل میں ہوتی تھی - ان قوانین کو اینگلو ہندو اور اینگلو مسلم قوانین کہنا بیجا نہ ہوگا -

مغرب کے معاشرتی ' ادبی اور فلسفی خیالات

مذھبی زندگی اور خیالات و احساسات پر قانونی اور عدالتی اثرات سے قطع نظر کرکے مغرب کے معاشرتی ادارات اور ادبی و فلسفی خیالات و احساسات کا تمدنی اثر بھی بہت گہرا پڑا - جن معاملات پر دھرم شاستر اور شرع محمدی کا اطلاق ہوتا تھا ان میں اگر عدالتوں نے ان قوانین کی تشریح کو ایک مستقل اور غیر متاثر چیز نہ بنا دیا ہوتا تو تمدنی اثر اور بھی گہرا ہوتا - جو خیالات صدیوں سے نشو و نما پا رھے تھے اور ابھی تک بلا چون و چرا تسلیم کر لئے جاتے تھے تعلیم نے ان میں بہت کچھ ترمیم کردی - یہ عمل دو صورتوں میں ظاھر ہوا - ہندو اور مسلمان دونوں میں بہت سے ایسے خیالات و رواج پیدا ہوگئے تھے جن کی تصدیق ان کے مذاھب سے نہ ہوتی تھی بلکہ ان میں سے اکثر تو ان مذاھب کی قدیم تعلیم کے خلاف تھے - پرانی کتابوں کے اچھے اور گہرے مطالعے سے بہت سی غلط فہمیاں اور خرابیاں رفع ہوگئیں اور قدیم ترین تعلیم اصلی شکل میں سامنے آگئی - اس کام میں اُس روشنی سے اور بھی آسانی پیدا ہوگئی جو ھماری تاریخ پر غیر ملکی علما اور کاروباری اشخاص نے ڈالی - یہ لوگ واقعات کو ایک ایسی کسوٹی پر پرکھتے تھے جو معلمین کے اس

محدود طبقے کو پسند نہ تھی جس نے اپنے لئے خاص اغراض اور مفاد قائم کرلئے تھے - ترمیم کے اس عمل کی ایک دوسری اور اہم تر صورت بھی تھی - ہمارے اپنے خیالات اور معیار زندگی ترقی کرگئے اور ہم کو اپنی علمیت کی حدود میں توسیع کا موقع ملا - نیز وہ دائرۂ نظر بھی وسیع ہوگیا جس میں ہمارے خیالات و احساسات کے پرانے نظام جاگزیں تھے -

عیسائی مشنری

اس دور میں نئے حاکم یہاں کیا اثرات لائے؟ سنہ ۱۸۱۳ع کے بعد عیسائی مشنریوں کو برطانوی ہند میں تعلیم اور تبلیغ کی اجازت دی گئی - اس سے پہلے بھی وہ بالواسطہ یہ کام کر رہے تھے لیکن لوگوں کے مذہب پر انھوں نے کوئی اثر نہیں ڈالا تھا ' اگرچہ دنیوی تعلیم کے معاملے میں ان کے اثرات اور خدمتیں بہت شاندار تھیں - سنہ ۱۸۱۳ع کے بعد نہ صرف غیر سرکاری مشنری عیسائی مذہب کی تعلیم دینے لگے بلکہ فوجی پادریوں کے کام کی نگرانی کے لئے سرکاری تنخواہ پر بشپ اور آرچ ڈیکن بھی مقرر کئے گئے - اس سلسلے میں جو بشپ مقرر کئے گئے ان سے ابتدائی گروہ میں سب سے نمایاں شخصیت بشپ ہیبر [۱] کی ھے جو سنہ ۱۸۲۳ع سے سنہ ۱۸۲۶ع تک ھندوستان میں رھے - ان کے روزنامچے سے معلوم ھوتا ھے کہ وہ مشنری طور پر دورہ کرتے اور اپنے فرائض انجام دیتے رھے - ان کے پیشرو نے کلکتہ میں بشپ کالج قائم کیا تھا اور ان کے جانشینوں نے بعض اوقات اس امر کا دعویٰ کیا ھے کہ ھندوستان کے بشپ نیم مشنری حیثیت رکھتے ھیں - لیکن ان متعدد محترم افراد کے باوجود جنھوں نے ایک صدی سے زیادہ مدت تک ھندوستان میں مشنری خدمات انجام دیں یہ دعویٰ نہیں کیا جاسکتا کہ انھوں نے ھندوستان کے مذہب پر براہ راست کوئی نمایاں اثر ڈالا ھے -

دنیوی اثرات

یاد رکھنا چاھئیے کہ ھندوستان میں برطانوی سوسائٹی کی فضا بحیثیت مجموعی مذہبی نہیں بلکہ دنیوی رھی ھے - ابتدائی زمانے میں یہ آج کل سے بھی زیادہ دنیوی تھی - اور ان غیر مذہبی بلکہ بعض اوقات

[۱]—Haber

خلاف مذہب برطانوی اثرات نے اہل ہند کے دل و دماغ اور اطوار کو بلا واسطہ عیسائی اثرات کے مقابلے میں بہت زیادہ متاثر کیا ہے - ہمیں اس سے بحث نہیں کہ وہ اثرات اچھے تھے یا برے - برطانوی ہند کی مذہبی ترقی کے متعلق سیاسی اور رفاہ عام کی تحریکات کی قدر و قیمت کا اندازہ کرنا مشکل ہے - لیکن اس میں شک نہیں کہ ڈیوڈ ہیئر ایسی غیر مذہبی شخصیت (جس کا گذشتہ باب میں ذکر ہوچکا ہے) بریڈلا [۱] ایسے دہریہ اور مسز بیسنٹ [۲] ایسی تھیوسافسٹ نے (جو ان سے بہت بعد ہندوستان میں آئیں) اہل ہند کے دل و دماغ اور احساسات پر بہت زیادہ گہرا اثر ڈالا ہے - اور اہل ہند کا میلان بھی ان کی طرف زیادہ رہا ہے -

فری میسن

نسلی اور معاشرتی امتیازات مٹانے میں فری‌میسن برادری نے بھی کافی حصہ لیا - اور ہندوستان میں انگریزی تعلیم کی ابتدائی تحریک کے ساتھ یقیناً اس کا گہرا تعلق تھا - فری‌میسن برادری کا آغاز ہندوستان میں ایسے وقت میں ہوا تھا جب انگریزوں اور ہندوستانیوں کا ہمرتبہ رعیت کی حیثیت میں باہمی میل جول ، وہم و گمان میں بھی نہیں آسکتا تھا - معلوم ہوتا ہے کہ بنگال میں ایک فری‌میسن انجمن (انگلش کانسٹی‌ٹیوشن) سنہ ۳۰ - ۱۷۲۸ع ہی میں قائم ہوگئی تھی - اور یہ بات خاص طور پر قابل توجہ ہے کیونکہ کاغذات کی رو سے خود انگلستان میں بھی اس کی مصدقہ تاریخ صرف سنہ ۱۷۱۷ع سے شروع ہوتی ہے - کاغذات سے معلوم ہوتا ہے کہ راجر ڈریک [۳] جو حادثۂ بلیک ہول کے وقت کلکتہ کے گورنر تھے سنہ ۱۷۵۵ع سے پہلے ہی فری‌میسن برادری کے اعلیٰ ترین رکن تھے - مدراس میں پہلی فری‌میسن انجمن سنہ ۱۷۵۲ع میں اور بمبئی میں سنہ ۱۷۵۸ع میں قائم کی گئی - کلکتہ گزٹ (۳۱ جولائی سنہ ۱۸۱۳ع) سے معلوم ہوتا ہے کہ کلکتہ کی فری‌میسن برادری نے نئے نئے گورنر جنرل کا جام صحت ان الفاظ کے ساتھ پیا تھا : " ارل آف مائرا - فری‌میسن نظام انجم کا وہ درخشاں ستارہ جس

Bradlaugh—[۱]
Mrs. Besant—[۲]
Roger Drake—[۳]

کا نام برادری کی فلاح و بہبود کے لئے اس کی مسلسل کوششوں کے باعث برادری کے ہر فرد کے دل پر پتھر کی لکیر ہے '' -

یہ برادری اہل ہند کے لئے تعلیمی درسگاہوں کی عملی طور پر حمایت کرتی تھی - گذشتہ باب میں ذکر ہوچکا ہے کہ کلکتہ کے ہندو کالج کی نئی عمارت کا بنیادی پتھر سنہ ۱۸۲۴ع میں بنگال کی فری میسن برادری کے صدر نے رکھا تھا - اسی طرح بنارس کالج کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد ۲ نومبر سنہ ۱۷۴۷ع کو ہز ہائی نس مہاراجہ بنارس اور شمال مغربی صوبجات کی فری میسن برادری کے صوبجاتی ڈپٹی گرانڈ ماسٹر نے فری میسن رسوم کے ساتھ رکھا تھا - اس وقت سے فری میسن تحریک نے ہندوستان میں بہت ترقی کرلی ہے - اگرچہ اس کی کارگزاری عام لوگوں کے سامنے نہیں آتی لیکن ہماری تمدنی اور معاشرتی ترقی پر اس کا اثر توجہ کے قابل ہے - اب اکثر فری میسن انجمنوں میں ہندوستانی ارکان شامل ہیں جنہیں اپنی سوسائٹی میں اثر و رسوخ حاصل ہوتا ہے - ان میں سے کم از کم ایک انجمن ایسی ہے جو اپنی کارروائی اُردو زبان میں سرانجام دیتی ہے - انگلستان کی انجمن اعلیٰ کے ماتحت اب ہندوستان میں قریباً دو سو انجمنیں ہیں جن کے ارکان کی اوسط تعداد فی انجمن پچاس کے قریب ہے [۱] - اور اسی طرح سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ کی اعلیٰ انجمنوں کے ماتحت ہندوستان میں اور انجمنیں بھی ہیں -

راجہ رام موہن رائے :

ان کی تعلیم اور بت پرستی پر ان کے حملے

برطانوی ہند میں مذہبی خیالات کے ایک نئے فریق کے اولین اور ممتاز ترین رہنما راجہ رام موہن رائے تھے (۱۷۷۴—۱۸۳۳) [۲] - جو بیداری اور تحریک انہوں نے آزادانہ مذہبی خیالات میں پیدا کر دی تھی وہ اب تک برہموسماج میں موجود ہے ' اگرچہ اس کی شکل میں کسی قدر تبدیلی واقع

[۱]—اس پارا کے لئے کچھہ مواد مسٹر پی - جی - پی - ہلز (Mr. P. G. P. Hills) لائبریرین ' گرانڈ لاج آف انگلینڈ ' نے بہم پہنچایا ہے - اس لئے میں ان کا بہت شکرگزار ہوں -

[۲]— ڈکشنری آف انڈین بایوگرافی ' مصنفہ بکلینڈ میں ان کا سن پیدائش سنہ ۱۷۷۲ م درج ہے جو غلط معلوم ہوتا ہے - دیکھو نکل میکنکل کی تصنیف میکنگ آف موڈرن انڈیا ' صفحہ ۱۷۴ -

ہوگئی ہے - ان کے خیالات مختلف اثرات کی وجہ سے قائم ہوئے تھے - تھوڑی سی عمر میں انھوں نے عربی اور فارسی پڑھ لی - ان دنوں فارسی اور اسلامی تعلیم بنگال میں اعلیٰ تعلیم کا جزو سمجھی جاتی تھی - سنسکرت کی تکمیل انھوں نے بنارس میں کی - انگریزی تعلیم شروع کرنے سے پہلے ہی انھوں نے پندرہ سال کی عمر میں بت پرستی پر بنگالی زبان میں حملے شروع کردئیے تھے - ان کی دلیل یہ تھی کہ بت پرستی کا جو طریقہ ان دنوں رائج تھا اس کی تصدیق ویدوں کی تعلیم سے نہیں ہوتی - یہ ان کی نئی دریافت نہ تھی آج ہر باخبر ہندو کو اس کا احساس اور اعتراف ہے - قدیم مسلمان مصنفین میں سے البیرونی نے مسلمانوں کے فتح ہند کے قدیم ترین ایام میں ہندوستان کے متعلق اپنی کتاب (۳۳-۱۰۳۰) میں اس امر کی تصریح کی ہے - لیکن نوجوان رام موہن رائے نے اس کے اعلان و اشاعت میں ایسے جوش و خروش کا اظہار کیا کہ انھیں اپنے والد اور گھر سے الگ ہونا پڑا - انھوں نے انگریزی، فرانسیسی، لاطینی، یونانی اور عبرانی زبانیں پڑھیں اور اس وجہ سے یہ تمام بڑے بڑے مذاہب کی مقدس کتابوں کا خود مطالعہ کرسکتے تھے - ان کا ذریعہ معاش سرکاری کلرکی تھی جس سے یہ ۳۹ سال کی عمر میں سبکدوش ہو گئے -

ان کے کارنامے اور زندگی کے آخری ایام

اس کے بعد انھوں نے کلکتہ میں سکونت اختیار کرلی اور اپنے مذہبی خیالات کی اشاعت کرنے لگے جو مختلف ہدایت سے اخذ کئے گئے تھے - انھوں نے مذہبی کتابوں کا سنسکرت سے انگریزی اور بنگالی میں ترجمہ کیا - انھوں نے پھر ایسے انگریزوں سے میل جول پیدا کیا اور بنگالی نوجوانوں کے لئے انگریزی تعلیم کی تحریک حمایت کی - اوپر ذکر ہوچکا ہے کہ وہ ہندو کالج کے بانیوں میں تھے اگرچہ انھوں نے اس سے اپنا تعلق ظاہر نہیں کیا تاکہ پرانے خیال کے لوگ ان کے جدید مذہبی خیالات کے باعث، کہیں کالج سے بدظن نہ ہوجائیں - انکا بنگالی اخبار سمباد کومدی (۱۸۱۹) اولین بنگالی اخبارات میں سے تھا - جیسا آگے چل کر معلوم ہوگا - انھیں رفاہ عام کے مسائل اور معاشرتی اصلاح سے گہری دلچسپی تھی - دہلی کے مغل شہنشاہ نے انھیں راجہ کا خطاب عطا کیا اور اپنے مالی حقوق کی وکالت کے لئے سفیر بنا کر انگلستان بھیجا - اس

سفارت پر راجہ رام موہن رائے کے سوانح نگاروں نے بہت کم توجہ کی ہے ' لیکن انڈیا آفس کے ریکارڈ میں اُس کے متعلق کاغذات موجود ہیں [۱] - وہ انگلستان میں سنہ ۱۸۳۱ع سے سنہ ۱۸۳۳ع تک مقیم رہے - اس اثنا میں سنہ ۱۸۳۲ع میں جو مشہور ریفارم بل کا سال ہے ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کے از سرنو بدلنے کا معاملہ زیر بحث تھا - اس میں انہوں نے دارالعوام کی منتخب کمیٹی [۲] کے روبرو مفاد عامہ کے مسائل پر اپنے خیالات ظاہر کئے - سنہ ۱۸۳۳ع میں وہ برسٹل چلے گئے اور اسی سال وہاں ماہ ستمبر میں بخار کے مرض میں انتقال کرگئے - ان کی قبر آرنوز ویل قبرستان [۳] میں موجود ہے جو برسٹل سے باہر تھوڑے ہی فاصلے پر واقع ہے - حال ہی میں وہاں راجپوت چھتری کی شکل کا ایک چھتر بنا دیا گیا ہے - لیکن پہلے یہ اُس مکان کے باغیچہ میں دفن ہوئے تھے جس میں ان کا انتقال ہوا تھا - اور ان کی تجہیز و تکفین ان کے یونی‌تیرین [۴] اور دوسرے آزادانہ مذہبی خیالات کے احباب نے بڑی تعظیم و تکریم سے کی تھی - اُن کی یاد تازہ رکھنے کے لئے وہ ہندوستانی جو انگلستان میں مقیم ہیں ' ہر سال برسٹل جاتے ہیں جہاں شہر کا میئر [۵] اور دیگر شہری حکام ان کا استقبال کرتے ہیں -

مذہبی اصلاح مختلف لوگوں کے نقطۂ نظر سے

اگرچہ راجہ صاحب بہت سے معاملات میں دلچسپی لیتے تھے ' لیکن ان کا محبوب ترین مشغلہ مذہبی اصلاح تھا - ہندو کالج اور انگریزی تعلیم کے ابتدائی ایام میں بلا شبہ اس بات کا خطرہ تھا کہ کہیں ہندوستان کا نوجوان طبقہ مذہب سے بالکل الگ نہ ہو جائے - عیسائی مشنریوں نے اس لہر کو روکا ' لیکن وہ نوجوان ہندوستانی کو عیسائی مذہب کے دایرے میں نہ لاسکے - رام موہن رائے ان کے مخالف نہ تھے ' لیکن جب انہوں نے اپنی کتاب '' یسوع کے احکام '' میں جو سنہ ۱۸۲۰ع میں بنگالی زبان میں شائع ہوئی تھی حضرت عیسیٰ کی الوہیت سے انکار کردیا تو سیرامپور کے مشنری بہت

---

[۱]—ہوم مسلینیس (Home Miscellaneous) جلد ۷۰۸ -

[۲]—Select Committee

[۳]—Arno's Vale Cemetery

[۴]—Unitarian

[۵]—Mayor

ناراض ہوئے اور ان پر حملے کرنے لگے - اس پر بڑی شدومد سے بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری ہوگیا اور رام موہن رائے کا میلان پھر روز بروز ہندو دھرم کی جانب ہوتا گیا - بشپ ہیبر نے بھی جو اپنے خیال کے مطابق تنگ نظر نہ تھے ان کا ذکر حقارت سے ان الفاظ میں کیا ہے کہ یہ وہ برہمن ہیں جو خدا کو مانتے ہیں مگر کتابوں کو نہیں مانتے - لیکن وہ ایسے لوگوں کو چرچ آف انگلینڈ کے بلند نقطۂ نظر سے دیکھتے تھے - ان کی نظر میں سیرام پور کے مشنری، اور ایسے عیسائی جو چرچ آف انگلینڈ کا اتباع نہیں کرتے تھے اور وہ لوگ جو خدا کو مانتے تھے اور کتابوں کو نہ مانتے تھے سب یکساں تھے - ۱۹ دسمبر سنہ ۱۸۲۳ع کو انھوں نے ان لوگوں کے متعلق اپنے روز نامچے میں لکھا ہے کہ "ہماری راہ میں دو بڑی رکاوٹیں ہیں - ایک تو وہ برہمن ہیں جو خدا کو مانتے ہیں لیکن کتابوں کو نہیں مانتے - انھوں نے اپنا پرانا مذہب ترک کردیا ہے اور خود اپنا ایک نیا فرقہ قائم کرنا چاہتے ہیں - اور دوسری رکاوٹ وہ عیسائی ہیں جو چرچ آف انگلنڈ سے منحرف ہیں - بظاہر وہ بھی اسی کام میں مصروف ہیں جو ہم کر رہے ہیں - ان آخرالذکر لوگوں کا رویہ خلق آمیز ضرور ہے اور یہ ہماری کامیابی پر خوشی کا اظہار بھی کرتے ہیں - لیکن کسی وجہ سے ہماری راہ میں روڑے اٹکانے اور ہمارے مقابلہ میں ہماری درسگاہوں کے قریب اپنے مدارس قائم کرنے سے باز نہیں رہتے - اس کے علاوہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں اپنی مصروفیت اور سرگرمیوں کے لئے ہم سے ذرا فاصلہ پر نئے میدان تلاش کرنے کی بہ نسبت ہماری درسگاہوں کے طلبا کو اپنی طرف کھینچنے میں آسانی نظر آتی ہے" -

رائے کے مذہب کی ترقی : برہمو سماج کا آغاز

رائے اور مشنریوں میں مذکورہ بالا مباحثہ انگریزی زبان میں ہوتا تھا - اس لئے انگلستان اور امریکہ کے "یونی تیرین" اور "تھی اسٹک" [۱] حلقوں کی توجہ ان کی طرف ہوگئی - ان حلقوں کو رائے کی تحریک سے بہت ہمدردی تھی - اور انھوں نے بڑی خوشی سے اس کا خیر مقدم کیا - اگر ان دنوں ہندوستان میں کوئی جدید خیالات کا اسلامی طبقہ موجود ہوتا تو وہ بھی بلا شبہ رائے کو اپنے عقیدے سے قریب تر سمجھ

---

[۱]—Theistic

کر ان کا خیر مقدم کرتا - خود یونی‌ٹیرین فرقے کو انگلستان میں تعزیری قوانین سے سنہ ۱۸۱۳ع میں بریت نصیب ہوئی تھی - اور ان کے دیوانی حقوق تو ۱۸۲۸ع تک سلب رہے - امریکہ میں مشہور یونیٹیرین رہنما ڈبلیو - ای - چیننگ [۱] تقریباً اُسی زمانے میں چھوٹے چھوٹے رسائل کے ذریعے سے اپنے عقاید کی اشاعت کر رہے تھے جب رائے ہندوستان میں مصروف بحث تھے - اس کے بعد رائے مغربی طریقے پر کام کرنے لگے - انھوں نے تنظیم کا کام شروع کردیا - یونی‌ٹیرین کمیٹی کے طریق‌کار پر ان کے نظام کو ذرا بھی کامیابی نہ ہوئی - سنہ ۱۸۲۸ع میں انھوں نے برھمو سماج کی بنیاد ڈالی [۲] - ان کے خیالات سنہ ۱۸۳۰ع کے امانت نامے میں مندرجہ ذیل الفاظ میں قلمبند ہیں - '' پرستش اسی ذات کی ہونی چاھئے جو غیر فانی ھے - جس کا پتا تلاش سے نہیں ملتا - جو تغیر سے محفوظ ھے اور جو تمام کائنات کو پیدا کرتی اور قائم رکھتی ھے '' - یہ ہندو دھرم میں پرستش کا ایک نیا طریقہ تھا - اس میں کسی مورتی یا بھیلنٹ ' بلیدان کی اجازت نہ تھی - لیکن رائے نے اپنا جنیو قائم رکھا اور عملی طور پر مقدس گایتری کی پوجا کرتے رہے - ویدوں کی کتھا باقاعدہ ایک ایسے کمرے میں ہوتی تھی جہاں عملی طور پر شودروں کو رسائی نہ تھی ' اگرچہ امانت نامے میں '' ہر قسم اور ہر روش '' کے لوگوں کا ذکر تھا - کسی ایسے طریق عبادت کے خلاف سخت کلامی کی اجازت نہ تھی جو دوسرے فرقوں میں قابل احترام ہو ' اور تبلیغ کا کام ایسے طریق پر کرنے کا حکم تھا جس سے '' تمام مذاھب ' خیالات اور عقائد کے لوگوں کے مابین اتحاد کا رشتہ مضبوط ہو '' - جس سال اس امانت نامے کی تکمیل ہوئی اسی سال رائے انگلستان کو روانہ ہوگئے ' جہاں سے (جیسا پہلے ذکر ہو چکا ھے) انھیں واپس آنا نصیب نہ ہوا -

مہا رشی دیوندر ناتھ تیگور

جن لوگوں کو رائے کلکتہ میں چھوڑ گئے تھے ان کے ہاتھ میں نئی

W. E. Channing—[1]

[۲]—کیشب چندرسین کی رہنمائی میں بعد کی ترقیوں اور سادھارن برھمو سماج کے قیام کے پیش نظر آخرالذکر لوگوں کو اس امر سے انکار ھے کہ رائے کی جماعت کی حیثیت ایک سبھا سے زیادہ تھی - وہ کہتے ہیں کہ حقیقی سماج یا برھمو مذہب کا جنم بعد میں ہوا - دیکھو شوجداس دتا کی کتاب '' دی ہولنڈ دی مین '' کومیلا (بنگال) ۱۹۳۰ -

جماعت بارہ سال تک کمزور ہوتی گئی حتیٰ کہ سنہ ۱۸۴۲ء میں مہا رشی دیوندر ناتھ ٹیگور (رابندر ناتھ ٹیگور کے والد) نے اسے اپنے ہاتھ میں لیا۔ امانت نامے کے رو سے مادی معاملات امینوں کے حوالے کردئیے گئے تھے جن کا باحیثیت اور معاملہ فہم ہونا ضروری تھا۔ یہ امین اس تحریک کو دنیوی پہلو سے قائم اور جاری رکھنے کے لئے ذمہ دار تھے۔ روحانی معاملات ایک "مقامی نگراں" (یا خادم دین) کے سپرد تھے جس کے متعلق امانت نامے میں درج تھا کہ وہ "نیک نام ہو اور اس کی علمیت، پاکیزگی اور اخلاق حمیدہ مسلمہ ہوں"۔ لیکن یہ لوگ ایک نئی جماعت میں نئے خیالات کو ترقی دینے کے لئے کافی نہ تھے۔ مہا رشی دیوندر ناتھ (۱۸۱۷—۱۹۰۵) روحانی اوصاف سے بخوبی متصف تھے۔ انہوں نے انگریزی تعلیم ہندو کالج میں پائی تھی۔ اگرچہ رام موہن رائے کے امانت نامہ میں ان کے چچا کو بھی امین مقرر کیا گیا تھا لیکن دیوندر ناتھ کی تربیت کسی فرقہ وارانہ فضا میں نہیں ہوئی تی۔ برہمو سماج کی حیثیت اُس وقت ایک فرقے کے بجائے محض ایک جماعت کی تھی۔ دیوندر ناتھ نے سنہ ۱۸۳۹ء میں تتوابودھنی سبھا (انجمن تبلیغ حق) کے نام سے ایک الگ سبھا قائم کی اور "تتوابودھنی پترکا" کے نام سے بنگالی زبان میں ایک اخبار جاری کیا جس کی ادارت کے فرائض اکھے کمار دت [1] انجام دیتے تھے۔ دیوندر ناتھ پکے خدا پرست بن گئے۔ سبھا کی دوسری سالگرہ کے موقع پر انہوں نے فرمایا: "انگریزی تعلیم کی اشاعت کے باعث اب ہم جاہلوں کے مانند لکڑی اور پتھر کو خدا سمجھ کر ان کی پرستش نہیں کر سکتے"۔ سنہ ۱۸۴۲ء میں وہ برہمو سماج میں شامل ہوگئے اور اسے تنزل اور خرابی کی حالت سے نکال کر اس کی تجدید و تنظیم کرنے لگے۔ وہ ایک متمول خاندان سے تھے اور اس لئے انہوں نے سماج کی تقویت کے لئے ایک مطبع اور رسالہ بھی جاری کردیا۔ انہوں نے خود تو جنیو چھوڑ دیا لیکن اپنے چھوٹے بچوں کو پہننے سے منع نہ کیا۔ اسی طرح انہوں نے ذات پات اور معاشرتی اصلاحات کی بھی تشریح نہیں کی کیونکہ وہ ہندو سوسائٹی سے بالکل قطع تعلق کرنا نہیں چاہتے تھے۔ اُس وقت قانون کی ایسی حالت تھی کہ اگر وہ ہندو دھرم کے مسلمہ رسم و رواج سے قطع تعلق کر لیتے تو ان کے بچوں کی شادی میں بہت رکاوٹ پیدا ہوتی۔

[1]—Akhay Kumar Datta

ان کے عقائد اور طریقۂ تعلیم

اُنھوں نے اپنے عقاید کی بنیاد ارتقائی اصول پر رکھی - ویدوں کے ہر قسم کی غلطیوں سے مبرا اور منزہ ہونے کا عقیدہ ترک کردیا ' اور خدا کے متعلق اپنے خیالات کی ترجمانی کے لئے زیادہ تر اُس مذھبی حس پر انحصار رکھا جو ہر انسان میں موجود ہے - فرماتے ھیں " میری خواھش ہے کہ تمام انسان جن میں ادنیٰ طبقے کے لوگ بھی شامل ھیں برھم کی پرستش کریں - اس لئے میں نے فیصلہ کیا کہ جو لوگ گایتری کی مدد سے پرستش کر سکتے ھیں وہ اسی طرح کرتے رھیں - لیکن جو یہ نہیں کر سکتے ان کو اس امر کی آزادی ہو کہ وہ کوئی آسان طریقہ اختیار کر لیں جس کے مطابق وہ ' خدا کے دھیان میں مگن ' ہو سکیں " - یہ آخری الفاظ پرستش کے متعلق مہا رشی دیوندر ناتھ ٹیگور کے خیالات کا نچوڑ ھیں - تیرتھ یاترا ' مذھبی رسوم اور ریاضت شاقہ کو اچھا نہ سمجھا جاتا تھا - مہا رشی دنیا سے کسی قدر الگ تھلگ پاکیزہ اور عارفانہ زندگی بسر کرتے تھے - ان میں مذھبی شیفتگی کا جوش و خروش ایک نوجوان نے پیدا کیا - یہ کیشب چندر سین (۱۸۳۸—۸۴) تھے جو سماج میں سنہ ۱۸۵۷ع میں شامل ہوئے - کئی پہلوؤں میں ان دونوں اصحاب میں سے ایک کے کام سے دوسرے کے کام کی تکمیل ہوتی تھی - اور جب تک ان میں اتحاد عمل رھا دونوں عملی تبلیغ کے قیام اور ترقی کے لئے برھمو سماج کے نوجوانوں کی تربیت میں کوشاں رھے - دیوندر ناتھ نے کیشب چندر سین کو کلکتہ سماج کا خادم دین مقرر کردیا اور کیشب نے ان کو مہا رشی کا خطاب دے دیا - لیکن کیشب چندر مہا رشی کی میانہ روی سے آزاد ہونے کے لئے بےقرار تھے ' اور سنہ ۱۸۶۵ع میں یہ ایک دوسرے سے الگ ہوگئے - برھمو سماج میں تفریق پیدا ہوگئی جس کا ذکر اگلے دور میں کیا جائے گا -

دیگر تحریکات

انگریزی تعلیم کے اجرا سے بنگالی نوجوانوں میں مذھبی بحث و مباحثے کا رواج ہوگیا تھا - بعد میں جب لوگ اخبارنویسی ' قانون اور سیاسیات میں زیادہ دلچسپی لینے لگے تو مذھبی تحقیق اور اصلاح کا جوش سرد پڑگیا ' لیکن نئے خیالات کی اشاعت کے لئے چند روزہ انجمنیں اور اخبارات ہمیشہ

وجود میں آتے رہے - اس قسم کی ایک انجمن کا ذکر کلکتہ ریویو [۱] میں آتا ہے جس کا نظام کار کسی حد تک تھیوسافیکل سوسائٹی سے ملتا تھا جو اس سے مدتوں بعد قائم ہوئی - یہ انجمن فروری سنہ ۱۸۴۳ع میں " ہندو تھیوفلانتھرافک سوسائٹی " [۲] کے نام سے کلکتہ میں قائم کی گئی تھی اور اس کا مقصد خدا کی محبت اور انسان کی محبت کے جذبات کی ترقی تھا - اس نے بنگالی میں کچھ چھوٹے چھوٹے رسالے ' سنسکرت اور بنگالی میں چند کتابیں ' نیز انگریزی میں چند مضامین اور رپورٹیں شائع کیں -

پرانے خیالات کے ہندو

پرانے خیالات کا ہندو طبقہ اگرچہ کسی قدر خاموش تھا - لیکن اس سے یہ نہ سمجھ لیا جائے کہ وہ اپنے گرد و پیش کی تحریکات سے بالکل بےپروا تھا - کاشی پرشاد گھوش نے جو معاشرتی اور مذہبی اصلاحات کے مخالف تھے سنہ ۱۸۳۸ع میں دھرم سبھا قائم کی - پرانے خیال کی ہندو سوسائٹی ' اخبار سمباد کومدی کے مقابلے میں (جو راجہ رام موہن رائے نے سنہ ۱۸۱۹ع میں جاری کیا تھا) ایک پرانی روش کے اخبار " ستمبادرتمرناشک " کی مدد کرنے لگی - جب کبھی قدیم رسم و رواج پر حملہ ہوتا تو پرانے خیال کے ہندو اس کے خلاف کھلے الفاظ میں آواز بلند کرتے تھے - اور یہ لوگ عام واقعات کو ایسی صورت میں پیش کرتے تھے جو ان کے مفید مطلب ہو - اس کی بین مثال مشہور و معروف معلم رادھا کشن دیو (جنھیں بعد میں راجا بہادر اور سر کا خطاب ملا) کے ایک واقعے سے ملتی ہے - یہ مہاراجہ نب کشن بہادر کی اولاد میں سے تھے جن کا عروج کلائو کے زمانے سے ہوا - انھیں انگریزی پر خاصی قدرت حاصل تھی - اور یوروپین طبقے سے یہ خوب گھل مل کر رہتے تھے - یہ کلکتہ کی انجمن مدراس کے سکریٹری اور متعدد سنسکرت اور بنگالی کتابوں کے مصنف تھے - بشپ ہیبر [۳] اپنے روز نامچے مورخہ ۸ مارچ سنہ ۱۸۲۴ع میں ان کے متعلق لکھتے ہیں " اس کے باوجود یہ اپنے ملک کے دیوتائی مذہب میں بہت متعصب سمجھے جاتے ہیں - کہا جاتا ہے کہ یہ

[۱] — جلد ۲ صفحہ ۲۶۶ (۵—۱۸۴۴) -

[۲] — The Hindu Theophilanthropic Society

[۳] — Bishop Heber

متمول بابوؤں کی موجودہ جماعت کے اُن چند افراد میں سے ہیں جو اپنے قدیم مذہب پر صدق دل سے یقین رکھتے ہیں ۔ جب لارڈ ہیسٹنگز کے بنگال سے رخصت ہونے کے موقعے پر ان کی خدمت میں سپاسنامہ پیش کرنے کے لئے کلکتہ کے ہندو شرفا نے جلسہ منعقد کیا تو رادھا کانت دیو نے یہ ترمیم پیش کی کہ 'لارڈ ہیسٹنگز کا ستی کی قدیم اور مسلمہ رسم کی حفاظت اور حوصلہ افزائی کے لئے' خاص طور پر شکریہ ادا کیا جائے - اس ترمیم کی تائید ایک اور متمول بابو ہری موہن ٹھاکر نے کی - لیکن یہ ترمیم مسترد ہوگئی - کیونکہ اگرچہ یہ خالص ہندو جلسہ تھا لیکن حاضرین کی زبردست اکثریت اس تجویز کے سراسر خلاف تھی - لیکن اس سے رادھا کانت دیو کے مذہبی معتقدات پر پوری روشنی پڑتی ہے "۔

مسلمانوں میں مذہبی تحریکات : سید احمد بریلوی

مسلمانوں میں بھی مذہبی خیالات جمود کی حالت میں تھے - اس جماعت میں بحیثیت مجموعی ابھی تک انگریزی تعلیم کو بہت کم دخل حاصل ہوا تھا - اور فارسی کے سرکاری زبان نہ رہ جانے سے اس کی تعلیم و تمدن کا معیار (پست) ہوگیا تھا - عربی کی تعلیم کے لئے مسلمانوں کی جو پرانی درسگاہیں موجود تھیں ان میں سے اکثر کے پاس کوئی سرمایہ نہ تھا - اور کبھی کبھی اُن کا رہا سہا سرمایہ بھی بیجا طور پر دوسرے مقاصد پر صرف ہوجاتا تھا جس کی وجہ سے وہ ایسی حالت کو پہونچ گئی تھیں گویا دم توڑ رہی ہوں - سیاسی طاقت چھن جانے کی وجہ سے بھی مسلمانوں میں جذبات باقی نہ تھے - مزید برآں کمپنی نے رنجیت سنگھ سے اتحاد پیدا کرلیا - اور اس طرح جس زمانے میں افغانی ' خانہ جنگی کے باعث تباہ ہو رہے تھے اس وقت پنجاب میں سکھوں کی جارحانہ طاقت میں اضافہ ہوگیا - اس کی وجہ سے اسلام میں ایک سیاسی تحریک اور اس کے ساتھ ہی ایک مذہبی تحریک پیدا ہوگئی - سیاسی تحریک کے رہنما سید احمد بریلوی تھے - انہوں نے سنہ ۱۸۲۶ع میں سکھوں کے خلاف جہاد کا اعلان کردیا ' اور ۱۸۲۹ع میں اُن سے پشاور چھین لیا - لیکن ان کے پیرو ان کی ابتدائی فتوحات کو برقرار نہ رکھ سکے - اور سید صاحب سنہ ۱۸۳۱ع میں بالا کوٹ واقع ضلع ہزارہ میں جنگ کرتے ہوئے شہید ہوگئے - سید صاحب

محض جوشیلے سپاہی نہ تھے ، بلکہ مذہبی اصلاح کے متعلق بھی ان کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا ، جس کے باعث ایک طرف ان کے بہت سے سرگرم حامی اور دوسری جانب شدید مخالف اور نکتہ چیں پیدا ہوگئے تھے - وہ مسلمانوں کے اطوار ، رسوم اور رواج میں اصلاح کرکے انھیں خالص اسلامی معیار پر لانے کے خواہش مند تھے ، اور ان اوہام اور خرابیوں کو یکسر مٹا دینا چاہتے تھے جو اسلام کی پاکیزگی اور استحکام کے لئے خطرناک ثابت ہو رہے تھے - دہلی میں مشہور و معروف علمائے دین کے زیر سایہ تعلیم حاصل کرنے کے بعد انھوں نے کثیرالتعداد مقلدین کے ساتھ سنہ ۲۲ - ۱۸۲۰ع میں ہندوستان کے مختلف حصوں کا دورہ کیا ، اور اس سلسلے میں تبلیغ کے علاوہ بہت سے مرید بھی جمع کئے - سنہ ۱۸۲۲ع میں حج کے موقع پر انھیں عرب میں وہابی تحریک سے غالباً سابقہ پڑا ہوگا - اگرچہ عبدالوہاب سنہ ۱۷۹۱ع میں انتقال کر گئے تھے لیکن اس تحریک کو ابتدائی وسیع فتوحات سنہ ۱۸۰۲ع سے سنہ ۱۸۱۸ع تک وسط عرب کے سعودی خاندان کے ماتحت حاصل ہوئیں - اس کے بعد یہ تحریک ایک صدی تک نجد ہی تک محدود رہی - لیکن اس کا خاتمہ نہیں ہوا تھا ، بلکہ ۱۸ - ۱۹۱۴ع کی جنگ عظیم کے بعد یہ نجد سے نکل کر سارے عرب پر چھا گئی -

قرآن شریف کا اردو ترجمہ

سید احمد بریلوی کی شہرت کا باعث ان کے جنگی کارنامے تھے - تمدنی تحریک کی باگ ان علمائے دین کے ہاتھ میں تھی جن کے سید صاحب مرید تھے ، پھر سید صاحب کے ان مریدوں کے ہاتھ میں آئی جو ان کے بعد تصنیف و تالیف اور مناظروں میں مصروف رہے - ان کے استادوں میں ایک مولانا شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی تھے جن کا انتقال سنہ ۱۸۲۴ع میں ہوا - انھوں نے تفسیر فتح العزیز کے نام سے قرآن شریف کی ایک تفسیر لکھی جسے اُس زمانے کے علماء میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی - ان کے بھائی مولانا عبدالقادر دہلوی (متوفی سنہ ۱۸۴۲ع) نے قرآن شریف کا اردو میں ترجمہ کیا جس کے ساتھ ایک تفسیر بھی تھی - اس کام کی تکمیل سنہ ۱۸۰۳ع میں ہوئی تھی - اس وقت عام مسلمانوں کی رائے قرآن شریف کا دیسی زبان میں ترجمہ کرنے کے خلاف تھی - لیکن جو تحریک مولانا کے مریدوں نے اس جوش

و خروش سے شروع کر رکھی تھی اس کا مقصد عام مسلمانوں کی جہالت کا دور کرنا تھا - اس مقصد کی تکمیل کے لئے تبلیغ و اشاعت ' مخالفین کے دیسی زبان میں مناظرہ ' نیز طباعت کے نئے نئے فن سے خوب کام لیا گیا - یہ ترجمہ سنہ ۱۸۲۲ع میں سید عبداللہ نے طبع کیا جو سید احمد کے ایک ممتاز مرید تھے - اس کی دوسری اشاعت کی ایک جلد میری نظر سے گذری ہے جو سنہ ۱۸۲۹ع میں کلکتہ میں چھپی تھی - اس کی طباعت میں ' لیتھو نہیں بلکہ متحرک ٹائپ استعمال کیا گیا ہے - اس کا متن عربی ٹائپ میں اور بین السطور اردو ترجمہ نیز حاشیے کی اردو تفسیر فارسی ٹائپ میں ہے - یہ ٹائپ گھٹیا درجے کا ہے اور یہ کبھی مقبول نہیں ہوا -

کرامت علی : مشرقی بنگال میں عوام میں تبلیغ

اس تحریک کے ممتاز ترین ادبی مبلغ مولوی کرامت علی جونپوری تھے - یہ سید احمد بریلوی کے مرید تھے ' اور ان کا انتقال سنہ ۱۸۷۳ع میں ہوا - انہوں نے زیادہ کام اردو میں کیا - اور ان کی سرگرمیوں کا میدان مشرقی بنگال تھا جہاں کے مسلمانوں پر جہالت کا بہت غلبہ تھا ' اور اس علاقے میں اُن کی زبردست تبلیغی سرگرمیوں کا بہت گہرا اثر پڑا - ایک اور سرگرم مرید دہلوی شاعر مومن خاں مومن تھے (سنہ ۱۸۰۰ع — سنہ ۱۸۵۱ع) - لیکن وہ دہلی شعرا کے تنگ حلقے ہی تک محدود رہے - اگرچہ انہوں نے کچھ مذہبی اشعار لکھے لیکن وہ اس قسم کے نہ تھے کہ واقعات و حالات کی کایا پلٹ دیتے - کرامت علی شعر نہ کہتے تھے ' لیکن نثر میں ایک ایسے طرز تحریر کے مالک تھے جو عام بول چال کے انداز پر ہونے کے باوجود بہت پر زور اور مؤثر تھی - ان کی زبردست تبلیغی سرگرمیوں سے مشرقی بنگال کے عام مسلمانوں میں نمایاں بیداری پیدا ہوگئی اور اسلامی بنگال کے تمدنی ترقی میں ان سرگرمیوں کو کافی دخل تھا - ان کا کام دہرا تھا - انہوں نے ان غلط عقیدوں کے دور کرنے کی کوشش کی جو اسلامی شعائر میں داخل ہوگئے تھے - اس کے علاوہ مسلمانوں میں پرانے مذہبی خیالات کے برخلاف جو بعض نئے گروہ پیدا ہوگئے تھے اُن سے بھی انہوں نے زبردست تحریری جنگ شروع کی ' اور اُن کے اکثر "جاہل" اور گمراہ ارکان کو دوبارہ اسلام کا حلقہ بگوش بنا دیا - ان کو دنیا کے بڑے بڑے مسائل کے ساتھ اسلام کے تعلق سے بہت

دلچسپی تھی ' اور یہ اُس انعام کے لئے بھی مقابلے میں شامل ہوئے تھے جو سر چارلس ٹریولین [۱] نے تجدید یورپ پر یونانیوں اور عربوں کے اثرات کے موضوع پر بہترین ہندوستانی مضمون کے لئے مقرر کیا تھا - ان کے هم خیال طبقے کو بعض اوقات وهابی فرقے کے ساتھ خلط ملط کردیا جاتا هے ' لیکن انھوں نے واضع الفاظ میں وهابی عقاید سے بے تعلقی کا اظہار کیا هے - وہ قدیم اور صوفی عقاید کے حامی هیں ' اور احادیث پر یقین رکھتے هیں جنھیں وهابیوں نے مسترد کر دیا تھا - ان کی مذهبی اصلاح کا ماحصل یہ تھا کہ یہ اُس عقیدے کی بنا پر ' کہ اسلام کے هر هزار سال میں ایک مجدد پیدا هوتا هے سید احمد بریلوی کو اپنے وقت کا مجدد مانتے تھے - یہ بڑے اچھے خوش نویس تھے ' لیکن ان کی ابتدائی تصانیف (سنہ ۱۸۲۴ع لغایت سنہ ۱۸۴۰ع) متحرک ٹائپ میں چھپی تھیں - انھوں نے نثر میں بہت سی کتابیں لکھی هیں [۲] -

مرثیہ اور ڈراما کی ادبی ترقی

اگرچہ مذهبی میدان ابھی تک زیادہ تر پرانے خیال کے لوگوں کے هاتھ میں تھا ' لیکن ادبی فضا میں وسعت پیدا هو رهی تھی - بنگالی ادب پورے شباب پر تو اگلے دور میں آیا ' لیکن اس کا بیج اسی دور میں بویا گیا - مگر اردو ادب میں لکھنؤ دربار کی بدولت دو اصناف ادب نے خوب ترقی کی ' اور انھیں اس سے پہلے یا بعد زمانے میں اس قدر ترقی نصیب نہیں هوئی - تمدنی اعتبار سے آزاد سلطنت هونے کے باعث اودہ پر ابھی تک غیر ملکی اثرات کے سیلاب کو پورا غلبہ نہ تھا - شاهان اودہ کے شیعہ هونے کے باعث مرثیے میں جولانی طبع کے لئے نئی شاهراهیں پیدا هوئیں جن میں خلوص نیت اور مذهبی اعتقاد نے شاعری کو بے مصرف تخیل بازی اور رسمی صنائع سے آزاد کر دیا - ڈراما کے سلسلے میں هندو مسلمانوں کے اتحاد عمل سے اردو زبان میں ایک ایسی صورت پیدا هو گئی جس میں هندوؤں کے فنون لطیفہ کی قومی روایات کا عکس نظر آتا تھا ' اور اس کے ساتھ هی مغربی

[۱]—Sir Charles Treuelyan

[۲]—دیکھو کرامت علی پر میرا مضمون - انسائیکلوپیڈیا آف اسلام - جلد ۲ ' صفحہ ۴—۷۵۲ - اس میں میں نے ان کی تصانیف کی فہرست اور ان کے متعلق جو تصانیف هیں ان کی تفصیل بھی دی هے -

اوپیرا [۱] کے مانند شاعری میں موسیقی اور رقص کے مخلوط ہوجانے سے سے نیا اثر بھی پیدا ہو جاتا تھا -

لکھنؤ میں مرثیے کی ترقی کے اسباب : انیس اور دبیر

اردو شاعری کی مرثیے کی صنف میں انیس اور دبیر کا نام سب سے زیادہ مشہور ہے - اگرچہ یہ دونوں سلطنت اودھ کے مٹ جانے کے بعد بھی عرصۂ تک زندہ رہے لیکن ان کا بہترین کلام اسی سلطنت کے زمانے میں لکھا گیا - اگرچہ مرثیہ گوئی کا شغل ایک مرتبہ شروع ہوکر عمر بھر اُن دونوں کے ساتھ رہا لیکن اس کی بنیاد سلطنت اودھ کے سوا کہیں اور نہ پڑ سکتی تھی نہ جم سکتی تھی - انیس سنہ ۱۸۰۱ع سے سنہ ۱۸۷۴ع تک اور دبیر ۱۸۰۳ع سے سنہ ۱۸۷۵ع تک زندہ رہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شروع سے آخر تک ہم عصر تھے - اس کے علاوہ وہ ادبی دنیا میں ایک دوسرے کے رقیب بھی تھے - اس میں شک نہیں کہ رقابت سے اُن کی طبیعت جلا پاتی تھی اور تخیل میں زور پیدا ہوتا تھا ' اگرچہ ہر ایک کے مداح دوسرے کے کلام کی بڑی سختی سے تحقیر و تنقیص کیا کرتے تھے - مولانا شبلی نے ان دونوں کے کلام پر تنقیدی تبصرہ کرتے ہوئے دونوں میں غیر جانبدارانہ موازنے کی کوشش کی ہے - اردو ادب میں مولانا کا مرتبہ بہت بلند ہے ' لیکن اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ وہ ان شاعروں کی حقیقی اہمیت کی اصلیت کو نہ پاسکے - محض ان کے طرز کلام ' تشبیہات و استعارات ' قدرت زبان ' محاکات و پرواز تخیل پر تبصرہ کافی نہیں - ان دونوں نے وقائع نگاری کی شاعری میں ڈراما کی سی صلاحیت پیدا کی - ان کا ڈراما محض تصنع اور انکی شاعری محض فصاحت و بلاغت کی نمائش نہ تھی - اُن کا کلام محض درباری حلقوں کے لئے نہ تھا - انہیں اُن عظیم الشان واقعات پر کامل اعتقاد تھا جنھیں وہ مختلف پہلوؤں سے اپنے مرثیوں میں بیان کرتے تھے - ان کے مخاطب عالم اور عامی دونوں قسم کے لوگ تھے جو سنجیدہ مذہبی مجالس میں جمع ہوتے تھے اور جن کے دل مذہبی عقیدت سے معمور ہوتے تھے - وہ خود ان مجلسوں میں شریک ہوکر حاضرین کے سامنے اپنا کلام لطیف اور دلکش انداز میں پڑھا کرتے تھے - ان کی عمیق اور دل گداز آواز ' اس کی نزاکت و تاثیر ' اور سامعین

Opera—[1]

کے دلوں میں واقعات کی لطافت اور پروقار لہر کی روانی ' یہ سب چیزیں ان کی کامیابی کے اسباب تھیں - شاعر اور اس کے متاثر سامعین میں جو مذہبی عقیدت میں ڈوبے ہوئے تھے خلوص و اعتقاد کی ضرورت تھی اور یہ جنس فراوانی سے مہیا کی گئی - یہ صورت حالات اُس مصنوعی فضا سے بالکل بر عکس تھی جس میں اردو شاعری نے حد سے زیادہ نفاست سے کام لیا تھا - باریک بیں درباری سامعین تو ایمان کو تازہ کرنے والی انسانی تصاویر کی بجائے محض الفاظ اور تخیل کو خراج تحسین ادا کیا کرتے تھے - مگر حقیقی شاعری کے لئے یہ لازم ہے کہ وہ انسانی زندگی کی ایسی جیتی جاگتی تصویریں کھینچے کہ اُس سے زندہ اعتقاد منور ہو جائیں -

انہوں نے مرثیے کی شاعری کا مرتبہ کس طرح بلند کیا

انیس اور دبیر اردو کے سب سے پہلے مرثیہ گو نہ تھے - گارسن دی تاسی [۱] نے لکھا ہے کہ میر عبداللہ مسکین نے اردو مرثیے لکھے تھے جو سنہ ۱۸۰۲ع میں کلکتہ میں شائع ہوئے - ڈاکٹر گلکرسٹ [۲] نے اپنی " ہندوستانی ' صرف و نحو ' میں ان مرثیوں کے اشعار بطور مثال درج کئے ہیں - شیعہ حلقوں میں مرثیہ کا رواج ہمیشہ رہا ہے - لیکن شعریت کے اعتبار سے اس کی حیثیت اُن مذہبی گیتوں سے زیادہ نہ تھی جو خاص مجالس کے لئے تیار کئے گئے ہوں - انیس اور دبیر نے مرثیے کو ترقی دی ' اور اس میں وقائع نگاری اور تغزل کی خوبیاں پیدا کیں جن کے باعث مرثیہ کو ہر مذہب اور فرقے کے لوگوں میں قبولیت حاصل ہوئی - ان کا کلام ابہام اور تعقید کی الجھنوں سے پاک تھا ' اور اُن کی ڈراما کے رنگ میں ڈوبی ہوئی وقائع نگاری کا عوام کے دلوں پر ویسا ہی اثر ہوتا تھا جیسا کہ اُن کے کلام کی فنی خوبیوں کا لطافت و پاکیزہ شاعری کے مداحوں کے دلوں پر ہوا کرتا تھا - اس میں شک نہیں کہ جس طرح یورپ میں اوراتوریو [۳] کی صنف کی موسیقی تصنیفات پر بعض رومن کیتھولک حلقوں میں اعتراض کیا جاتا ہے اسی طرح بعض مذہبی خیالات کے لوگ اُن کے مرثیوں

[۱]— Garcin de Tassy ہندوستانی ادب کی تاریخ - جلد دو صفحہ ۴—۳۳۳ -
[۲]— Gilchrist
[۳]— Oratorio

کے متعلق بھی یہ اعتراض کرتے تھے کہ انھوں نے سنجیدہ جذبات اور احساسات کو محض فنی تفریح کا ذریعہ بنا دیا - لیکن جب یہ مرثیے لکھے گئے تو مجالس میں بڑے تپاک سے اِن کا خیر مقدم کیا گیا - اور جب یہ شایع ہوئے تو ناظرین نے ہمیشہ بڑے ذوق سے انھیں پڑھا - اور اب بھی ہر طبقے کے عورت مرد انھیں نہایت شوق سے پڑھتے اور سنتے ہیں - ان میں مذہبی واقعات عام انسانی نقطۂ نظر میں بیان کئے جاتے تھے - مرثیے میں مذہبی اسرار کی دنیا سے باہر آکر مصائب و آلام اور فطری و انسانی احساسات کا ذکر اس صورت میں کیا گیا جیسے وہ عام انسانوں کی روز مرہ زندگی میں نظر آتے ہیں ' لیکن اعلیٰ مذہبی رنگ دےکر اُن میں تقدس کی شان پیدا کردی گئی -

انیس کی منظر نگاری : شاہ دیں کے لشکر میں صبح کا نظارہ

چونکہ مرثیہ کے علاوہ ہمیں اور بھی کئی موضوعات پر بحث کرنا ہے اس لئے ہم ان میں سے صرف ایک شاعر انیس کے چند اشعار نقل کرنے پر اکتفا کریں‌گے - صبح کا بیان انیس کا دلپسند موضوع ہے - اگرچہ ان کے کلام میں صبح کا بیان کئی مرتبہ آیا ہے لیکن ہر موقعے پر اس کا نقشہ نئے انداز میں کھینچا گیا ہے - واگنر [۱] کی موسیقی کی مانند ہر موقع پر ان کے بیان میں خاص مقصد ہوتا ہے - اور یہ بیان ہمارے دماغ کو ان واقعات کے لئے تیار کرتا ہے جن کی یہ تمہید ہوتا ہے - حضرت امام حسین کے پر احتشام لشکر اور بحیثیت شاہ دیں ان کی شخصیت کے بیان کے آغاز میں طلوع صبح کا نقشہ ایسے انداز میں پیش کیا ہے گویا ایک عظیم‌الشان شہر کے دروازے کھل رہے ہیں :—

" خورشید نے جو رخ سے اٹھائی نقاب شب
در کھل گیا سحر کا ہوا بند باب شب
انجم کی فرد فرد سے لیکر حساب شب
دفتر کشائے صبح نے اُلٹی کتاب شب
گردوں پہ رنگ چہرۂ مہتاب فق ہوا!
سلطان غرب و شرق کا نظم و نسق ہوا "

[۱]—Wagner

شہدا پر آب و دانہ بند ہونے کی صبح

جس روز حضرت امام اور ان کی مختصر جماعت پر پانی ملنے کے راستے بے رحمی سے مسدود کر دئیے گئے اُس صبح کا نقشہ، فطرت میں پانی کی کثرت اور خوبصورتی سے مقابلہ کرتے ہوئے ان الفاظ میں کھینچا ہے :—

"آمد وہ آفتاب کی وہ صبح کا سماں
تھا جس کی ضو سے وجد میں کاؤس آسماں
ذروں کی روشنی پہ ستاروں کا تھا گماں
نہر فرات بیچ میں تھی مثل کہکشاں
ہر نخل پر ضیائے سحر کوہ طور تھی
گویا فلک سے بارش باران نور تھی"

بیٹے کی محبت سے بڑھ کر کوئی دولت نہیں

حضرت امام کے بڑے صاحبزادے کی شہادت کا ذکر کرتے ہوئے شروع میں خاندانی الفت و محبت کا بیان ان الفاظ میں کیا ہے - جوانی کی تر و تازگی اور بڑھاپے کی تسکین کے لئے نہایت دلکش استعارات استعمال کئے گئے ہیں :—

"دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر
راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر
نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر
صدموں میں علاج دل مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی، راح یہی، روح یہی ہے"

محبت اور قربانی

امام زادہ ممدوح اپنی زندگی کی قربانی کا مقصد بیان کرتے ہیں - دولت دنیا کی بے بضاعتی اور فداکاری کے جذبے کی برتری کی مثال میں یہ خیال شامل کردیا گیا ہے کہ یہ برتر دولت طلب کرنے والے کو منہ مانگے مل جاتی ہے :—
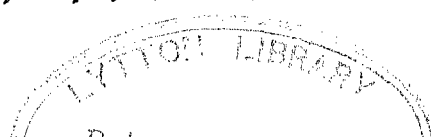
"جینے پہ مرے' عشق خدا جس کو نہیں ھے
پتھر ھے محبت کا مزا جس کو نہیں ھے
خاک اُس زر و گوھر پہ بقا جس کونہیں ھے
لٹتی ھے یہ دولت کہ فنا جس کو نہیں ھے
ادنیٰ ھو کہ اعلیٰ ھو ' گدا ھو کہ غنی ھو
حصہ یہ اُسی کا ھے جو قسمت کا دھنی ھو"

شاعر کی شخصیت اور موضوعات کا تنوع

انیس کی شہرت اور شخصیت ' پڑھنے میں اُن کی پر تاثیر آواز اور انداز جن کے باعث ان کا کلام دلوں میں اُتر جاتا تھا ' اور ذوق شاعری جو ان کے خاندان میں موروثی تھا ' ان خصوصیات کی بدولت اور ان کے ساتھ دبیر کی طباعی کی بدولت جو اُن کے ھم پلہ تھے اردو شاعری میں مرثیے کو لاجواب حیثیت حاصل ھوگئی - یہ اصحاب اپنی جولانئی طبع کا میدان وسیع کرتے گئے حتیٰ کہ زندگی کے جس قدر واقعات و تجربات ان کو معلوم تھے وہ سب ان کے مرثیوں میں نظم ھو گئے - ان کے مذھبی عقائد کے باعث اُن کے کلام میں خلوص کی موجودگی لازمی تھی - قدرتی مناظر ' خانگی زندگی کے نظارے ' نا موافق حالات میں شجاعت کے کارنامے ' گھوڑے اور تلوار کی تعریف ' ادائے فرض کے لطیف احساسات ' ضمیر کی آووز ' عجز و انکسار ' محبت ' دوستوں اور ھمجلیسوں کی وفاداری ' اور دیگر ھزاروں باتیں شستہ اور رواں اشعار میں رزمیہ شاعری کی فراوانی اور شان و شوکت کے ساتھ نظم کی گئی ھیں - جب اس زبردست تحریک کا خاتمہ ھوگیا جس کے باعث لکھنؤ کے دو طباع شاعر زندگی کے اس قدر وسیع اور متنوع واقعات پر زور طبع صرف کرنے لگے تھے تو مرثیہ کمتر قابلیت والوں کے ھاتوں عامیانہ معیار پر آگیا اور اس کا اثر وسیع ادبی دنیا کے بجائے محض ایک محدود حلقے تک رہ گیا -

ھندوستانی ڈراما

ھندوستانی ڈراما کی داستان ماضی مرثیے سے مختلف تھی ' اور مستقبل بھی مختلف————(جس کی شہرت کا زمانہ سنہ ۵۷-۱۸۴۰ع ھے)
ھندوستانی ڈراما اُردو شکل میں غالباً کہیں موجود نہ تھا - جب ایک مرتبہ

اس کی ہستی قائم ہوگئی تو اس نے قدم جما لئے ' اور دیگر روایات و تعلقات سے طاقت حاصل کرنے لگا - اگرچہ اس صنف میں کوئی اعلیٰ درجے کی چیز نہیں لکھی گئی لیکن ڈراما نے اسٹیج کی روایات قائم کرلی ہیں ' اور اب بہت سی کمپنیاں ہندوستان کے مختلف شہروں میں چکر لگاتی نظر آتی ہیں ' بلکہ کبھی کبھی ہندوستان سے باہر بھی ایسے ملکوں میں چلی جاتی ہیں جہاں ہندوستانی زبان تھوڑی بہت بولی جاتی ہے - بمبئی کے پارسیوں نے اگرچہ ان کی اپنی زبان ہندوستانی نہیں ' تھیٹر کی تنظیم و ترتیب کے متعلق نمایاں قابلیت کا ثبوت دیا ہے ' اور آجکل بہت سے اُردو ڈراما نگار ہندوستان کے بالائی صوبجات میں کام کرنے والی پارسی کمپنیوں کی ملازمت میں ہیں یا ان کی مالی امداد سے کام چلا رہی ہیں - امانت کے کارنامے پر (جس سے ہندوستانی ڈراما کی داغ بیل پڑی) تبصرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا -

واجد علی شاہ کا دربار

واجد علی شاہ کے دربار (۱۸۴۷ـــ۵۶) میں سیاسی اور انتظامی اعتبار سے کتنی ہی خامیاں ہوں لیکن ہر قسم کے فنون لطیفہ کے لئے یہ بہشت کا نمونہ تھا - شاعری ' سازندگی ' رقص ' نغمہ سرائی ' اور ڈراما کی سرپرستی میں نہایت فیاضی سے کام لیا جاتا تھا - لکھنؤ کے دربار میں فرانسیسی اور اطالوی بھی موجود تھے ' اور انھوں نے فرانسیسی بت تراشی اور اطالوی نقاشی کے نمونے لکھنؤ میں جمع کئے ' یہ نمونے اعلیٰ پایہ کے نہ تھے ' اور بت تراشی کا فن لکھنؤ میں کبھی مقبول نہیں ہوا - لیکن ڈراما اور خصوصاً ڈراما کی اُس صنف میں جہاں ایکٹروں کی حرکات و سکنات کو موسیقی کے سلسلے میں محض ضمنی دخل ہوتا ہے یورپین اثرات کو ہندوستانی جگہ مل گئی - اوپیرا [۱] وہ صنف ہے جس میں موسیقی کو ڈراما کا رنگ دیا جاتا ہے - سنہ ۱۸۴۰ع اور سنہ ۱۸۵۰ع کے درمیان گلک [۲] نے اطالوی اوپیرا کے سلسلے میں جو کام کیا اُس سے یورپ کے لئے ایک نیا اصول قائم ہوگیا - امانت کی اندرسبھا سے جو پہلے پہل سنہ ۱۸۴۷ـ۵۳ع کے قریب

[۱]—Opera

[۲]—Gluck

اسٹیج پر بھاشا کی صورت میں پیش کی گئی [۱] ہندوستانی ڈراما کو ایک نئی تحریک حاصل ہوئی -

موسیقی اور رقص : ہندو اور مسلم روایات

اُردو مصنفین قدیم سنسکرت اسٹیج کی ان روایات سے واقف نہ تھے جن سے ہمیں شودرک ' بھوا بھوتی ' اور کالیداس حاصل ہوئے - اگر ان روایات سے ان کو واقفیت ہوتی تو بھی وہ اُن پر کچھ زیادہ متوجہ نہ ہوتے - اگرچہ قدیم سنسکرت ڈراما بھی اُردو شاعری کے زیادہ تر حصے کے مانند ایک درباری اور دنیوی فن تھا - ہندوؤں کے مذہبی ناٹک کو مسلم شاعری میں جگہ ملنا دشوار تھا - لیکن معمولی لوگوں کے ناٹک اور بازاری کامڈی [۲] کی صورت میں ڈراما کی ایک مقبول صنف، دستیاب ہوگئی ' اور لکھنؤ دربار نے اسے اپنے مفید مطلب رنگ دیکر اپنی ضروریات کے مطابق بنا لیا - لکھنؤ میں نغمہ سرائی اور رقص کا شوق جنون کی حد تک پہنچا ہوا تھا - امانت کی تصنیف کی یہ خصوصیت قابل ذکر ہے کہ اس میں موسیقی کو ڈراما کا رنگ دیا گیا ہے جسے ایک قسم کا اوپیرا ناٹک کہہ سکتے ہیں - اس میں رقص کے لئے زیادہ سے زیادہ گنجائش رکھی گئی ہے ' اور موسیقی کے بہت سے مقبول عام دیہاتی راگ شامل کرلئے گئے ہیں ' مثلاً چوبولہ اور چھند ' ٹھمری اور بسنت ' ہولی اور ساون ' شعر اور غزل - اس طرح اس ڈراما میں ہندو اور مسلمان دونوں کی تمدنی خصوصیات مل جل گئیں -

امانت کی اندرسبھا

اس ناٹک کی جائے وقوع " اندرا پوری " ہے جس کا ذکر مہابھارت میں کیا گیا ہے - یہ ایک محفل عیش و سرور ہے جس میں راگ رنگ اور ہر قسم کی شان و شوکت جو خیال میں آسکتی ہے موجود ہے - سازو سامان

---

[۱]—مسٹر رام بابو سکسینہ نے (تاریخ ادب اُردو ' صفحہ ۳—۳۵۰) اس کا سن تصنیف ۱۸۵۳ لکھا ہے - یہ امر موجب مسرت ہے کہ انھوں نے اُردو ڈراما کے لئے جس کے وہ سر گرم حامی ہیں اپنی کتاب کے ۲۱ صفحے وقف کئے ہیں - عام طور پر اُردو ادب میں ڈراما کا ذکر شاذ ہی کیا جاتا ہے - میں یہ باب ان کی کتاب دیکھنے سے پہلے لکھ چکا تھا ' لیکن مجھے یہ دیکھ کر خوشی ہوئی کہ ان کی رائے بھی وہی ہے جس کا میں نے سنہ ۱۹۱۷ع میں اظہار کیا تھا -

[۲]—Comedy

طلائی ہے جس میں ہر قسم کے جواہرات مثلاً ہیرے ' زمرد ' نیلم ' پکھراج وغیرہ جڑے ہوئے ہیں - امانت کے ناٹک میں پریوں کے نام مختلف جواہرات کے نام پر رکھے گئے ہیں - یہ پریاں (جن سے فوراً پرانے فارسی دیوتاؤں کے قصوں کی جانب ذہن منتقل ہوتا ہے) راجہ اندر کے اکھاڑے میں ناچتی ہیں جس طرح واجد علی شاہ کے دربار میں طوائفیں ناچا کرتی تھیں - فارسی قصوں کے دیو راجہ اندر کے دربار میں جہاں ہر قسم کی مخلوق موجود ہے خدمتگار بن جاتے ہیں - سبز پری ایک فانی انسان گلفام پر عاشق ہے ' ایک دیو یہ راز راجہ اندر پر ظاہر کردیتا ہے - چنانچہ پری ملک بدر ہوجاتی ہے اور گلفام کو قید خانے میں ڈال دیا جاتا ہے - اس کے بعد بہت سے عجیب غریب واقعات رونما ہوتے ہیں جن سے عشق و محبت کی صداقت کا امتحان ہوتا ہے - سبز پری بھیس بدل کر آتی ہے ' اور اپنے ناچ اور گانے سے راجہ اندر کو اس قدر خوش کرتی ہے کہ وہ اسے منہ مانگا انعام دینے کا وعدہ کرتا ہے - اس پر وہ اپنی اصلیت ظاہر کرکے گلفام کی محبت کا اعتراف کرتی ہے ' اور اس کے بعد رقص و سرود کے ہنگامے میں ان دونوں کی شادی ہوجاتی ہے - اگرچہ اس میں مافوق الفطرت سامان سے کام لیا گیا ہے ' لیکن ناٹک کے افراد اور نظارے وہی ہیں جو واجد علی شاہ کے دربار میں روز مرہ دیکھنے میں آتے تھے - اس میں تکلف اور آورد کو ذرا بھی دخل نہیں ' بلکہ یہ دربار اودھ کی حقیقی تصویر تھی [۱] -

بعد کے واقعات : بنگالی ڈراما کی نشو و نما

اگر اس قسم کے ناٹکوں کی پیدا کردہ روایات قائم ہوجاتیں تو یہ کچھ مدت پاکر حقیقتاً کامڈی آف میڈرز (یعنی اخلاقی ڈراما) کی صورت اختیار کرلیتی - لیکن جن حالات نے ان روایات کو جنم دیا تھا ان کا الحاق اودھ کے ساتھ خاتمہ ہوگیا - بعد میں جو ناٹک لکھے گئے ان کے لئے اور نمونے تلاش کرنے پڑے - زرق برق ' سازو سامان ' اور مشینی اختراعات کے متعلق انگریزی رواج کا اثر ' اور اس کے ساتھ کمپنیوں کی مالی حالت اور فن ڈراما کی پستی

---

[۱]—دیکھو موجودہ ہندوستانی ڈراما پر میرا مضمون - مندرجہ ٹرانزیکشنز آف دی رائل سوسائٹی آف لٹریچر - (Transactions of the Royal Society of Literature) سلسلہ دوسرا ' جلد ۲۵ ' صفحہ ۷۹ لغایت ۹۹ ' لندن ' سنہ ۱۹۱۷ع -

کے باعث ملکی انداز پر ڈراما کی مزید ترقی رک گئی - اس کے برعکس بنگالی ڈراما کی اہمیت اور ادبی محاسن میں ترقی ہو گئی جس کا ہم آئندہ ذکر کرینگے اور جو لازمی طور پر ہندوستان بھر میں دیسی اسٹیج کے لئے حوصلہ افزائی کا موجب ہوگی -

ساتواں باب

اخبار نویسی ، معاشرتی اصلاح ، اقتصادیات اور سیاسیات

اس دور میں بنگال کا تمدنی تفوق

گزشتہ باب میں ہم بتا چکے ہیں کہ انقلاب اودھ کی وجہ سے ہندوستانی بولنے والے لوگوں میں بعض دیسی تمدنی تحریکات کی ترقی بند ہوگئی - جن ادارات کا شاہان اودھ کے ساتھ خاتمہ ہوگیا انھیں میں سے ایک شاہ لکھنؤ کا مطبع بھی تھا - دہلی میں دربار کی زبان فارسی ہی رہی لیکن شاہان اودھ اردو زبان استعمال کرنے لگے اور بعد میں اس کی تمدنی ترقی اودھ کے مل جانے کے وجہ سے بند ہوگئی - برطانوی ہند میں اس وقت بنگال کو تفوق حاصل تھا - سنہ ۱۸۳۵ع سے بنگال کی عدالتوں میں قانونی بحث و مباحثہ اور عدالتی کارروائی کے لئے انگریزی زبان استعمال ہونے لگی اور سنہ ۱۸۳۹ع میں بنگالی زبان نے فارسی کو بھی نکال باہر کیا - اس طرح اس دور کے خاتمے پر انگریزی تو ایک مہذب زبان ہونے کی حیثیت سے ہرجگہ ترقی پارہی تھی ، اور بنگالی کو بھی سرکاری نظام عمل میں مستقل طور پر دخل حاصل ہوگیا تھا - لیکن اس وقت اردو زبان ایک قدم پیچھے ہٹ گئی اور دوسری دیسی زبانیں بتدریج ترقی اور اہمیت حاصل کرتی رہیں -

نئی زبان اور نئے ادب کی ترقی کے اسباب

کسی نئی زبان اور اس کے ادب کی ترقی کے بڑے بڑے ذرائع یہ ہیں : (۱) وہ اہمیت جو اس زبان کے بولنے والوں اور ادیبوں کو دنیا میں حاصل ہو - (۲) اس بات کا ثبوت کہ کس حد تک زبان نئی ضرورتوں اور حالتوں کے اظہار کی صلاحیت رکھتی ہے - (۳) خیالات کے پھیلانے اور زبان مذکور

بولنے والوں کے درمیان ایک تعلق پیدا کرنے کے لئے مطبع کا استعمال - (۴) ایک زندہ اور موثر طاقت کی حیثیت سے اخبار نویسی کی ترقی - اور (۵) جن لوگوں کا اس زبان سے تعلق ہو ان میں عام تعلیم کی وسیع اشاعت - اس دور میں اور اس سے اگلے دور میں بنگال کو فوقیت حاصل رہی - اس صوبے نے بہت جلد نئی روایات سے مطابقت پیدا کرلی اور نہایت مستعدی سے معاشرتی اصلاح اور ملک کی بہبودی کے کاموں میں انگریزی طریقوں سے کام لینے لگا - بنگال میں انگریزی تعلیم کا دائرہ دوسرے صوبوں کی بہ نسبت بہت زیادہ وسیع ہوگیا ' اور اس کے باعث خیالات و احساسات اور ان کے اظہار میں جدید انداز پیدا ہوگیا جس کا عکس بعد میں وہاں کی دیسی زبان میں بھی نظر آنے لگا - جدید بنگالی زبان اگرچہ اردو کے بعد میدان میں آئی لیکن اُسے اردو کے مقابلے میں بعض ایسی سہولتیں حاصل تھیں جن کی وجہ سے اُس میں نسبتاً اُردو سے پہلے پختگی آگئی - عام ملکی اصلاح اور تعلیم کی ترقی کے خیال سے دیسی اخبار نویسی کی ضرورت بھی بنگال میں دوسرے صوبوں سے پہلے پیدا ہوئی - اگرچہ ابتدا میں بنگالیوں نے اخبار نویسی کی ابتدائی کامیابیاں انگریزی زبان میں ہی حاصل کیں لیکن ان کامیابیوں کی وجہ سے دیسی زبان کی اخبار نویسی اور اس کے علاوہ ہر قسم کی تمدنی توسیع و ترقی کے لئے مطبع کے استعمال کی بنیاد قائم ہوگئی -

لیتھوگرافی (پتھر کی چھپائی)

اردو داں طبقے میں اردو ٹائپ کبھی مقبول نہیں ہوا ' اور اردو اخبار نویسی کی ترقی کی رفتار ہمیشہ سست ہی رہی - ابھی تک کوئی روزانہ اردو اخبار ایسا نہیں جسے کثیرالاشاعت کہ سکیں یا جسے ملک کے ہر حصے میں عام قبولیت اور خاص اہمیت حاصل ہو - سنہ ۱۸۳۷ع میں اردو کتابیں چھاپنے کے لئے لیتھوگرافی کا استعمال شروع ہوا ' اور اس طرح کتابت کے ذریعے سے بہت سی نقلیں چھاپنے کا ارزاں ذریعہ ہاتھ آگیا - لیکن لیتھوگرافی اپنی خامیوں کی وجہ سے ٹائپ کی چھپائی کے برابر نہیں ہوسکتی - خود جرمنی میں بھی یہ فن اٹھارھویں صدی کے خاتمے کے قریب ایجاد ہوا تھا ' اور ہندوستان میں چالیس سال کے اندر ہی اردو طباعت میں اس کا رواج ہوگیا - اس واقعے سے جہاں کسی قدر اولوالعزمی کا اظہار ہوتا ہے وہاں اس امر

کا ثبوت بھی ملتا ھے کہ فارسی حروف کی طباعت کے لئے اس وقت تک جو ٹائپ تیار ہوئے تھے وہ بالکل غیر موزوں تھے - یورپ میں لیتھوگرافی کا استعمال موسیقی اور نقشوں وغیرہ کی طباعت تک محدود ھے کیونکہ حروف کی چھپائی ٹائپ میں زیادہ صاف ہوتی ھے اور یہ سستا بھی پڑتا ھے - رومن حروف کی شکل میں ٹائپ کی ضروریات کے لئے بہت کچھہ تغیر و تبدل کرلیا گیا ھے جس سے وہ پرانی دستی کتابوں کے حروف سے بہت مختلف ہوگئی ھے - اسی طرح اگر اردو پڑھنے والے اردو ٹائپ کو تجارتی نقطۂ نظر سے کامیاب بنانا چاھیں تو انھیں طباعت کی ضروریات کے مطابق اردو حروف کی تبدیل شدہ شکلیں منظور کرنی پڑیں گی جو موجودہ شکلوں سے جن کے وہ عادی ہوگئے ھیں کسی قدر مختلف ہوں گی -

لیتھوگرافی میں تازہ ترقیاں

اسی زمانے میں یورپین لیتھوگرافی میں تین ترقیاں ہوئی ھیں جو ھماری توجہ کی مستحق ھیں - ایک تو فوٹو لیتھوگرافی ھے جس کی مدد سے آپ کاتب کے لکھے ہوئے مسودے کی جتنی نقلیں چاھیں چھاپ سکتے ھیں - اس سے معمولی لیتھوگرافی کا ایک زبردست نقص رفع ہوگیا - معمولی لیتھوگرافی کی کاپیوں سے صرف سیکڑوں کی تعداد میں اچھی نقلیں چھپ سکتی ھیں ، اور اگر زیادہ چھاپنا مقصود ہو تو کاتب کو وھی چیز پھر لکھنی پڑتی ھے - دوسری ترقی روٹری مشین کی ایجاد ھے - اس میں چپٹے پتھروں کی بجائے جن سے چھپائی کا کام بہت آھستہ آھستہ ہوتا ھے دھات کی پلیٹیں استعمال کی جاتی ھیں جن میں مشین کے گھومنے کے ساتھ ساتھ سیاھی اور نمی خود بخود پھیلتی رھتی ھے - اس سے چھپائی کا کام بہت جلد جلد ہونے لگا - تیسری ترقی جو حال ھی میں ہوئی ھے چھپائی کا وہ طریقہ ھے جسے بالواسطہ پھوندی کہا جا سکتا ھے - اس میں کاغذ کے تختے اور حروف والی پلیٹ کے درمیان ربڑ کا لچکدار تختہ رکھ دیا جاتا ھے - اور اس طرح کھردرے اور ملائم دونوں قسم کے کاغذ پر بہت عمدہ چھپائی ہوتی ھے - دھات کی سخت پلیٹ سے کاغذ پر براہ راست چھپائی کے لئے خاص قسم کے ملائم یا روغنی کاغذ کی ضرورت پڑتی تھی ورنہ چھپائی بھدی ہوتی تھی ، بلکہ حروف اُڑبھی جاتے تھے - یہ ایجادات رفتہ رفتہ اردو چھاپہ خانوں میں بھی داخل ہو رھے ھیں -

طباعت ، عام تعلیم ، اخبار نویسی اور زندگی عامہ کا باہمی رد عمل

جوں ہی لیتھو گرافی کا سامان ہندوستان میں دستیاب ہونے لگا اردو اور فارسی چھاپہ خانوں کی تعداد بڑھنے لگی - جیسا ہونا چاہئے تھا لیتھو گرافی کا پہلا مطابع سنہ ۱۸۳۷ع کے قریب دہلی میں قائم ہوا - لکھنؤ نے بھی بہت جلد اس کی تقلید کی - اخبارات ، رسالے ، سرکاری اطلاعات ، مجالس قانون‌ساز کے قوانین کا اردو ترجمہ ، اور اس کے علاوہ اہم ادبی کتابیں لیتھو کے ذریعے سے چھپنے لگیں - ایک طرف تو طباعت کی سہولیتوں میں اضافہ ہو جانے سے تعلیم کی اشاعت میں مدد ملی ، اور دوسری جانب عام تعلیم کی تنظیم ہو جانے سے طباعت کی مانگ بڑھ گئی - اس طرح دیسی زبان کی ترقی اور اخبار نویسی کی توسیع سے ایک دوسرے کو تقویت ملی - نیز ان دونوں چیزوں نے چھاپہ خانوں اور اشاعت تعلیم پر اثر ڈالا اور خود بھی اُن سے متاثر ہوئیں -

اردو میں ادبی نثر کا ظہور

جدید اردو نثر مذکورہ بالا اسباب کے اجتماع کا نتیجہ ہے - اسی قسم کے اسباب سے دوسری دیسی زبانوں میں بھی قابل عمل اور لچک دار نثر پیدا ہوگئی - ان اسباب کا زیادہ اثر اس دور کے خاتمے کے قریب یعنی غدر سے تھوڑی ہی مدت پہلے ظاہر ہوا - یہی وجہ ہے کہ اس دور میں اخبار نویسی ، زندگی عامہ کے اصلاحی کام نیز دیسی زبانوں کی تعلیم کے متعلق زیادہ کوششیں نہیں ہوئیں اور دیسی زبانوں کی نثر بھی محض ابتدائی حالت میں رہی - قوم کی تمدنی ترقی کے ان تمام اسباب کا فائدہ اگلے زمانے میں نظر آے گا - مولانا عبدالقادر کے ترجمہ قران کی نثر ، محض عربی متن کا تتمہ یا لفظی ترجمے کی حیثیت رکھتی ہے - مولوی کرامت علی کی مذہبی تبلیغ کی نثر پرتاثیر ، سادہ ، پرخلوص اور ادبی تصنع سے پاک تھی ، لیکن اسکے ساتھ ہی یہ بہت بھدی اور اصطلاحی خوبیوں سے عاری تھی - فورٹ ولیم اسکول کی نثر جو تکلف اور تصنع سے بالکل خالی نہ تھی - عربی اور فارسی مصنفین کی ان لغزشوں کی یاد گار ہے جو اُنکے دور آخر میں پیدا ہوگئی تھیں عربی اور فارسی مصنفین کے دور آخر میں جو لغزشیں پیدا ہوگئی تھیں

اُن کی یادگار تھی - مزید برآں یہ کسی خاص پیغام کی حامل نہ تھی اور اُس محدود تعلیمی تحریک کے ساتھ ہی مرگئی جس کی تقویت کے لئے اس نے جنم لیا تھا -

سر سید احمد خاں کی ابتدائی اور بعد کی نثر

سر سید احمد خاں بھی ۱۸۴۷ع تک جب وہ دہلی کے آثار قدیمہ کے متعلق لکھ رہے تھے پرانے طرز تحریر کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے - اگرچہ بعد میں جب انہوں نے معاشرتی ، مذہبی اور سیاسی معاملات کے اصلاح و حمایت کے لئے قلم اٹھایا تو اُن کی نثر بہت پرزور اور مؤثر ہوگئی تھی - ادبی نقطۂ نظر سے " آثارالصنادید " اور اس صدی کے اوائل کے مصنفین کی نثر میں کچھ قابل ذکر فرق نہیں - لیکن نفس مضمون کے اعتبار سے یہ اردو ادب میں نمایاں ترقی کی شاہد ہے - یہ کتاب اردو زبان میں مقامی تاریخ نیز آثار قدیمہ اور کتبوں کا پہلا مبصرانہ تذکرہ ہے - کتاب میں تصویریں اور نقشے دئے گئے ہیں اور مصنف نے مختلف آثار کو موقع پر ناپ کر ان کی اصل پیمائش بھی درج کی ہے - اس وجہ سے اُس کو مستقل اہمیت حاصل ہوگئی ، کیونکہ قدیم دہلی کے آثار زمانے کے ساتھ روز بروز معدوم ہو رہے ہیں - مصنف کو سرکاری طور پر برطانوی ہند کی عدالتوں میں جو تجربہ حاصل ہوا تھا اس کے باعث ان کے طرز بیان اور انداز ترتیب میں سادگی اور باقاعدگی پیدا ہوگئی تھی - اگرچہ مختلف واقعات کا سن وقوع اور تاریخی حقائق کے متعلق ان کی بحث نا مکمل معلومات پر مبنی تھی لیکن ان کے اسلوب کو اب تک اردو میں ایک خاص امتیاز حاصل ہے - بعد کی تحریروں میں سر سید نے نئی ضروریات کے مطابق ترمیم کرلی تھی -

اردو اخبار نویسی

ابتدائی اردو اخبار نویسی کے متعلق جو کچھ چوتھے باب میں کہا جاچکا ہے اس کے سوا کوئی صحیح معلومات حاصل نہیں ہوسکیں - کہا جاتا [۱] ہے کہ دہلی میں اردو زبان کا سب سے پہلا اخبار جس کا نام اردو اخبار تھا مولوی محمد باقر نے جاری کیا تھا - مولوی صاحب موصوف مولانا

[۱] گلدستۂ ادب مولفہ پنڈت منوہر لال زتشی - صفحہ ۳۷ - اس کے علاوہ دیکھو سی - ایف - انڈریوز (C. F. Andrews) کی تصنیف ذکاءاللہ دہلوی - صفحہ ۲۹ -

محمد حسین آزاد کے والد تھے جنھیں بعد میں اردو ادب میں بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی - اس کا سن اجرا سنہ ۱۸۵۱ع بتایا گیا ہے - لیکن سنہ ۱۸۵۷ع میں دھلی میں کئی اردو اخبار موجود تھے جیسا ہم غدر کے بیان میں بتائینگے - غالباً دھلی میں اردو اخبار نویسی سنہ ۱۸۳۷ع میں لیتھو گرافی کی آمد سے تھوڑے ھی عرصے کے بعد شروع ہوگئی ہوگی - ہم جانتے ہیں کہ طہران میں ایک فارسی اخبار لیتھو گرافی کے ذریعے سے شائع ہوتا تھا جس کے مدیر شاہ ایران کے ایک سکرٹری مرزا صالح تھے [۱] - لیکن ہندوستان میں فارسی اخبارات بدستور شائع ہوتے رہے - اور کابل ' ہرات اور بخارا تک [۲] پہنچتے رہے -

ہندوستان کے شمالی مغربی صوبجات میں انگریزی اخبار نویسی

اُن دنوں شمالی مغربی ہند کی انگریزی اخبار نویسی کا مرکز بھی دھلی تھا - دھلی گزٹ کے پاس جس کے مدیر مسٹر پلیس [۳] تھے ایک اعلیٰ انگریزی مطبع تھا - اس میں اور اخبار اور رسالے بھی طبع ہوتے تھے - مثلاً سانڈرس منتھلی میگزین فار آل انڈیا [۴] اور اخبار دھلی سکیچ بک جو پنچ کی قسم کا ایک مذاقیہ پرچہ تھا - سنہ ۱۸۵۴ع میں یہاں کا پبلشر ایک شخص کنھیالال نامی تھا - پرانے دھلی کالج کی بدولت انگریزی تعلیم اس تیزی سے پھیل رہی تھی کہ برطانوی اخبار نویس اسکا ذکر برطانوی حکومت کے ایک فخریہ کارنامے کے طور پر کرنے لگے تھے - سنہ ۱۸۵۴ع میں سانڈرس کا ماہوار رسالہ لکھتا ہے " ہماری فتح ہند کی پہلی ھی صدی میں انگریزی زبان اس قدر تیزی سے پھل گئی ہے کہ فارسی زبان کو یہ وسعت اسلامی حکومت کی چار ابتدائی صدیوں میں بھی حاصل نہیں ہوئی........لوگ بڑے شوق اور محنت سے انگریزی ادب اور سائنس کا مطالعہ کررہے ہیں [۵] - "

بنگال میں اخبار نویسی

بنگال میں بھی اہل ہند میں اخبار نویسی کی حقیقی تحریک

---

[۱] — رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا جرنل - ۱۸۳۹ع - صفحہ ۳۵۵ -

[۲] — کلکتہ ریویو - جلد ۱۸ (سنہ ۱۸۵۲ء) صفحہ ۳۹۱ -

[۳] — Mr. Place

[۴] — Saunders' Monthly Magazine for all India

[۵] — سانڈرس کا منتھلی میگزین - جلد ۳ - نمبر ۲ - دھلی سنہ ۱۸۵۴ء -

انیسویں صدی کے وسط میں شروع ہوئی - اس سے ایک نسل پہلے انگریزی اور بنگالی کے مذہبی یا ادبی پرچے موجود تھے لیکن عام لوگوں کی زندگی پر ان کا کوئی اثر نہ تھا - راجہ رام موہن رائے اور مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور دونوں نے مذہبی اصلاح کے متعلق اپنے خیالات کی اشاعت کے لئے اخبار جاری کیا تھا - جب کیشپ چندرسین مہارشی سے الگ ہوئے تو اخبار بھی اُن کے ساتھ ہی گیا اور اس سے ان کے اثر و رسوخ کی توسیع میں مدد ملی - لیکن بنگال کی دیسی اخبار نویسی کی ابتدا انگریزی زبان میں ہوئی تھی - ہندوستانیوں کے زیر اہتمام سب سے پہلا جو انگریزی اخبار جاری ہوا تھا وہ " دی ریفارمر " [۱] تھا ، (تقریباً سنہ ۱۸۳۰ع ؟) ، اور یہ راجہ رام موہن رائے کی جماعت کی ملکیت [۲] تھا - سنہ ۱۸۴۶ع میں کاشی پرشاد گھوش (۱۸۰۹—۱۸۷۳) ہفتہوار اخبار " دی ہندو انٹیلیجنس" [۳] جاری کیا - جو سنہ ۱۸۵۷ع تک چلتا رہا ، جب غدر کی وجہ سے حکومت کو اخبارات پر پابندیاں عاید کرنی پڑیں تو یہ بند ہوگیا - یہ پرچہ قدیم ہندو خیالات کا حامی تھا - سنہ ۱۸۴۹ع میں " بنگال ریکارڈر " [۴] نکلا جسے اینگلو بنگالی اخبار نویسی کے حقیقی بانی گریش چندر گھوش نے جاری کیا تھا - سنہ ۱۸۵۹ع میں اس کا نام بدل کر " ہندو پیٹریٹ " [۵] رکھا گیا - اور اس سے بنگال میں غدر کے بعد کی اخبار نویسی کا آغاز ہوتا ہے جس پر ہم آگے چل کر مناسب موقع پر تبصرہ کریں گے -

اخبارات کی آزادی اور ان پر پابندیاں

اخبارات کی اُس آزادی کا اثر جو سر چارلس مٹکاف [۶] نے سنہ ۱۸۳۵ع میں عطا کی تھی ہندوستان کی تمدنی ترقی پر بہت ہی کم پڑا - اس کی صاف وجہ یہ ہے کہ ہندوستانی اخبارات کو غدر کے بعد تک کوئی قابل

---

[۱]—The Reformer

[۲]—انڈیا اینڈ انڈین مشنز مصنفہ الگزنڈر ڈف - (Alexander Duff : India and Indian Missions) صفحہ ۶۱۹ -

[۳]—The Hindu Intelligencer

[۴]—Bengal Recorder

[۵]—Hindu Patriot

[۶]—Sir Charles Metcalfe

۲۷

ذکر اثر اور طاقت حاصل نہ تھی سنہ ۱۷۹۹ع میں لارڈ ولزلی [۱] نے جو انتظام ہندوستان کے اخبارات کے نسبت کیا اُس سے ان کی پابندیاں بڑہ گئیں (دور نپولین کے ایام جنگ کی کاروائی تھی جس کی زد برطانوی اخبار نویسوں پر پڑتی تھی) - سنہ ۱۸۲۹ع میں لارڈ ھیسٹنگز نے پابندیوں کی شدت میں ذرا کمی کردی - لیکن اس سے اخبارات کو مکمل آزادي ہرگز حاصل نہیں ہوئی - اس سے صرف یہ ہوا کہ اب اخبار چھاپنے سے پہلے اس کے پروف [۲] حکومت کے سکریٹری کی خدمت میں پیش کرنے کی پابندی جاتي رہی - اس وقت جو قواعد وضع کئے گئے ان کا نشانہ (جیسا ہم بتا چکے ہیں) اینگلو انڈین اخبارات تھے - ان قواعد کی رو سے اخبارات کو مندرجہ ذیل امور کی ممانعت کی گئی : (۱) انگلستان کے حکام کے خلاف نکتہ چینی ' یا مقامی حکام کی سیاسی کارروائیوں پر اظہار خیالات ' یا ارکان کونسل ' جنیح صاحبان اور کلکتہ کے لاٹ پادري کے متعلق قابل اعتراض الفاظ کا استعمال - (۲) ایسی بحث اور جانچ پرتال جس سے " مقامی باشندوں " میں بےچینی پیدا ہونے کا احتمال ہو - (۳) انگریزی یا دیگر اخبارات سے ایسے مضامین نقل کرنا جو ہندوستان میں برطانوی اقتدار اور شہرت سے تعلق رکھتے ہوں - اور (۴) لوگوں کی بدکرداریوں کي اشاعت [۳] - ان قواعد سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حکومت تقریباً ہر قسم کے تنقید و تبصرے سے گھبراتی تھی - سنہ ۱۸۳۵ع کی اصلاحات لندن میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کو سخت نا پسند تھیں لیکن وہ ذمہ دار اینگلو انڈین پریس کے لئے بہت مفید ثابت ہوئیں - سنہ ۱۸۵۷ع میں انگریزوں اور ہندوستانیوں کے قومي اشتعال کی وجہ سے عارضی طور پر چند پابندیاں عاید کرنے کي اشد ضرورت ہوئی ' لیکن بد قسمتی سے ان کا اثر ہندوستانی اخبارات پر اینگلو انڈین پریس سے زیادہ پڑا - جب ہندوستان براہ راست تاج برطانیہ کے ماتحت ہو گیا - اس کے بیس سال کے اندر اندر یہاں دیسی زبانوں کے اخبارات اور نیز ان انگریزي اخبارات نے بےحد ترقی کی جو اھل ھند کي ادارات میں نکل رہے تھے -

---

[۱]—Lord Wellesley

[۲]—Proof

[۳]—کلکتہ گزٹ - اکتوبر سنہ ۱۸۱۹ع -

سنہ ۱۸۷۸ع میں لارڈ لٹن[۱] کے عہد میں اخبارات پر پابندیاں عائد کرتے وقت پہلی مرتبہ انگریزی اور دیسی زبانوں کے اخبارات میں امتیاز برتا گیا -

معاشرتی ترقی کے چار اسباب

اس دور کی معاشرتی زندگی کے تبصرے میں چار امور کو مدنظر رکھنا ضروری ہے - اول یہ کہ دیہاتی آبادی کی کثیر تعداد بدستور پرانے طریق پر زندگی بسر کر رہی تھی ' اگرچہ حکومت اور اقتصادی حالات کے تغیر و تبدل کی وجہ سے نئی باتیں اور نئے امور نامعلوم طور پر اُن کی زندگی میں داخل ہوگئے تھے - دوسرے یہ کہ شہروں ' قصبوں اور اعلیٰ طبقے کے لوگوں کی معاشرتی زندگی میں نمایاں تغیر و تبدل اور انقلاب واقع ہوگیا تھا اور انگریزی فیشن پھیل رہا تھا - تیسرے نئے اقتصادی اسباب اور ذرائع آمد و رفت کی وجہ سے رفتہ رفتہ نئی عادات اور ضروریات پیدا ہو رہی تھیں جو قدامت پرست طبقے کو مذہبی اور اخلاقی نظام کے لئے خطرناک نظر آتی تھیں - چوتھے معاشرتی اور سیاسی اصلاح کی کھلی ہوئی تحریک کی وجہ سے وہ حیرت انگیز اور غیر محسوس کشش جو ایک نامعلوم منزل کی طرف لئے جارہی تھی اور بھی مہیب اور خطرناک نظر آنے لگی -

مختلف شہروں کی آبادی کا مقابلہ

آبادی کے متعلق ہمیلٹن [۲] کی تصنیف " ڈسکرپشن آف ہندوستان"[۳] مطبوعہ سنہ ۱۸۲۰ع اور تھارنٹن کے گزٹیر [۴] سنہ ۱۸۵۴ع سے خاصی واقفیت حاصل ہوتی ہے - ہمیلٹن کے زمانے میں کوئی باقاعدہ مردم شماری نہیں ہوئی تھی - لیکن یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہوگی کہ آبادی کے لحاظ سے بڑے سے بڑے شہروں کی ترتیب اندراج اور ان کی آبادی کے تفاوت کے لحاظ سے موجودہ زمانہ کے اعداد و شمار میں کتنا بڑا فرق پیدا ہوگیا ہے - معلوم ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۲۰ع میں بنارس ہندوستان کا سب سے بڑا شہر مانا جاتا تھا - کلکتہ اور سورت کی آبادی اس سے ذرا کم ' اور بمبئی

Lord Lytton—[۱]
Hamilton—[۲]
Description of Hindostan—[۳]
.Thornton's Gazetteer—[۴]

اور دھلی کی آبادی بہت کم سمجھی جاتی تھی - اُس وقت کے اعداد و شمار کی تفصیل حسب ذیل ھے :—

۱—بنارس	کی آبادی اندازاً	...	...	۶۰۰۰۰۰
۲—کلکتہ	"	...	...	۵۰۰۰۰۰
۳—سورت	"	...	...	۴۵۰۰۰۰
۴—پٹنہ	"	...	...	۳۱۲۰۰۰
۵—مدراس	"	...	...	۳۰۰۰۰۰
۶—ڈھاکہ	"	...	...	۱۸۰۰۰۰
۷—بمبئی	"	...	...	۱۷۰۰۰۰
۸—دھلی	"	...	...	۱۵۰۰۰۰
۹—مرشدآباد	"	...	...	۱۵۰۰۰۰

اُس وقت لکھنؤ برطانوی ھند میں شامل نہ تھا لیکن اس میں شک نہیں کہ آبادی کے لحاظ سے بھی اس کی حیثیت ویسی ھی بلند تھی جیسی تمدنی اعتبار سے اسے مسلمہ طور پر حاصل تھی - مجھے اس بات میں شک ھے کہ بنارس کی آبادي واقعی کلکتہ سے زیادہ تھی ' غالباً یہ تعداد بہت کچھ مبالغے پر مبنی ھے - ممکن ھے کہ لکھنؤ آبادی کے لحاظ سے کلکتہ کے برابر ھو ' لیکن اس کی تمدنی اھمیت تو یقیناً کلکتہ سے بہت زیادہ تھی - تھارنٹن کے زمانے میں ذرا زیادہ احتیاط سے اندازہ کیا گیا تو کلکتہ کی آبادی ۴۱۳۰۰۰ رہ گئی اور بمبئی کی ۵۶۶۰۰۰ ھوگئی - سنہ ۳—۱۸۴۱ع میں سکندریہ سے سویز تک خشکی کا راستہ کھل گیا اور سنہ ۱۸۳۹ع میں عدن قلمرو برطانیہ میں شامل ھوگیا جس سے دخانی جہازوں کو کوئلہ حاصل کرنے میں سہولت ھوگئی - ان دونوں امور سے بمبئی کو بہت فائدہ پہنچا اور یہ انیسویں صدی کے وسط میں ھندوستان کا بہترین شہر بن گیا - بمبئی کے جلد ترقی کرنے میں اس کی نفیس بندرگاہ کو بھی یقیناً کافی دخل حاصل تھا -

ملک کی حالت : زراعت اور صنعت و حرفت

ملک میں کاشتکاری اگرچہ بہت بڑے پیمانے پر ھورھی تھی لیکن ابھی تک ملک کے کسی حصے میں بلکہ بنگال میں بھی اس کا وہ زور شور

نہ تھا جو بعد میں ہوا - ہملٹن کا اندازہ ہے کہ بنجر زمین کو چھوڑ کر بنگال اور بہار میں صرف ایک تہائی زمین زیر کاشت تھی - انگلستان میں چرا گاہوں اور قابل کاشت اراضی کا اوسط فی کس ۴ ایکڑ تھا ، لیکن بنگال میں فی کس ایک ایکڑ کے کچھ زیادہ تھا - آج کل بنگال میں فی کس نصف ایکڑ زیر کاشت اراضی بھی مشکل سے ہوگی - اس دور میں دستکاریاں برطانوی مقابلے کے باعث روز بروز تباہ ہورہی تھیں - تھارنٹن کے زمانے میں ڈھاکہ کا نفیس ململ اور بالاسور کے کپڑے کی وسیع دستکاریوں کا خاتمہ ہوچکا تھا - جو صورت بڑے بڑے صنعتی مرکزوں میں پیش آئی وہی ملک بھر میں ہزاروں چھوٹے چھوٹے مرکزوں میں بھی ظاہر ہوئی - دستی صنعت کو (جس میں نفیس مصنوعات اور روز مرہ کی ضروریات دونوں شامل تھیں) سخت نقصان پہنچا - دستکاریاں روز بروز غیر ملکی تجارت در آمد کا واحد اجارہ بنتی گئیں - لوگوں کی توجہ کاشتکاری کی جانب زیادہ ہوگئی - ہندوستان زیادہ تر خام اشیاء پیدا کرنے کے قابل رہ گیا - اور ان خام اشیاء کی پیدا وار بھی روزبروز غیر ملکی تاجروں کے ہاتھ میں جانے لگی اس لئے کہ جہاز رانی ان کے ہاتھ میں تھی اور یہی حال جدید بنکوں کا تھا جن کے ذریعے سے بیرونی تجارت کے اخراجات بہم پہنچائے جاتے تھے - ان دونوں اداروں سے ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کو مالی نفع بہت زیادہ تھا -

معاشرتی طبقات میں تغیر و تبدل اور ان کی نئی ترتیب

جب اقتصادی حالات میں اس قدر زبردست تغیر وتبدل ہو رہا تھا تو معاشرتی طبقات میں تبدیلیاں اور ساتھ ہی اُن کی ازسر نو ترتیب و تنظیم بھی لازمی چیز تھی - جن ہندوستانیوں کے ذریعے سے پہلے کمپنی کا اور کمپنی کے تجارت چھوڑنے کے بعد اس کے ہم وطنوں کا تجارتی اور مالی کاروبار ہوتا تھا اُن کو منفعت کے بڑے بڑے موقع مل گئے ، اور معاشرتی زندگی میں انہیں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہوگئی - ہملٹن نے لکھا ہے کہ بنگال میں دولتمند طبقہ ہندو تاجروں ، ساہو کاروں اور بنیوں کا تھا - مسلم شرفا اور اہلکاروں ، نیز ہندو زمینداروں کی مالی حالت تباہ ہوگئی - عوام میں اپنے قدیم لیڈروں اور حقیقی رہنماؤں کا ساتھ چھوڑ دیا - اب ان کی نظریں نہ صرف سرکاری ملازموں بلکہ انگریزوں کے خانگی اور ادنیٰ ملازموں کی جانب

بھی اُٹھنے لگیں - وارن ہیسٹنگز کا جمعدار تو کلکتہ میں اراضی کا مالک تھا اور شاہان مغلیہ کی اولاد یا تو فاقے کرتی تھی اور یا لوگوں کی خیرات پر زندگی بسر کر رہی تھی - کمپنی کی سول سروس میں عملی طور پر ہندوستانیوں کو صرف ادنیٰ عہدوں اور کلرکی تک ہی رسائی تھی - فوج میں ان کی حالت اس سے بھی بدتر تھی - وہاں تحریری اور عملی ہر دو اعتبار سے ان کو زیادہ سے زیادہ صوبیدار کا عہدہ ملتا تھا ' جس کی تنخواہ اور حیثیت ایک ایسے نوجوان افسر سے بھی کم تھی جو ابھی ابھی انگلستان سے آیا ہو - لارڈ کارنوالس [۱] کو بڑے بڑے زمیندار گھرانے قائم کرنے کی پالیسی میں نا کامی ہوئی - سرکاری طور پر اس کے وجوہ کوتہ اندیشی اور تقسیم جائداد کے قوانین قرار دئے گئے - لیکن اس نا کامی کے ذمہ دار بعض اہم تر وجوہ بھی تھے - حکام نے بحیثیت مجموعی لارڈکارنوالس کی پالیسی کو نہ تو سمجھا اور نہ اسے کبھی تسلیم کیا ' کیونکہ اس کی کامیابی کمپنی کی سول سروس کے مفاد کے لئے مضر تھی - قانون مالگزاری کے نفاذ میں سختی سے کام لیا جاتا تھا ' جس سے اکثر زمیندار تباہ یا مفلس ہوگئے - مقررہ دوامی مطالبہ اس وقت کے حالات کے لحاظ سے بہت زیادہ تھا اور اس کی ادائگی کے بعد زمین پر خرچ کرنے کے لئے بہت کم سرمایہ رہ جاتا تھا - سنہ ۱۸۱۹ع کی مصالحت کے بعد دس لاکھ سے زیادہ آدمی جو فوج یا فوج سے کسی نہ کسی طرح متعلق تھے بیکار ہوگئے اور انہوں نے ادنیٰ درجہ کی ملازمتوں کا معیار اور بھی پست کر دیا - پرانی جنگجو ' اہل کار اور زمیندار جماعتوں کی حالت ابتر ہوگئی ' اور ہوشیار لوگوں نے جنہیں وقت کی راگنی گانے کا ملکہ حاصل تھا دولت اور ہیبت حاصل کرلی - بحیثیت مجموعی اس دور میں تاجر اور ساہوکار طبقہ اور بےہنر مزدور تو آگے بڑھ گئے ' لیکن ہنرمند کاریگر اور اعلیٰ زمیندار طبقہ و نیز وہ لوگ جو پرانے خیالات و روایات کے پابند تھے بہت پیچھے رہ گئے -

تجارت کی داستان : رام دولال دے کروڑپتی

اُنیسویں صدی کے تجارتی حالات پر اُس داستان سے کافی روشنی پڑتی ہے جو گریش چندر گھوش [۲] نے سنہ ۱۸۶۸ع میں ایک لیکچر کے دوران

[۱]—Lord Carnwallis

[۲]—اقتباسات از تحریرات گریش چندر گھوش از من متھ گھوش - صفحہ ۱ لغایت ۲۳ -

میں بیان کی - بنگالی کروڑپتی رام دو لال دے نے (جو سنہ ۱۸۲۵ع میں فوت ہوئے) ایک ادنیٰ حیثیت سے ترقی کی تھی - انہوں نے انگریزی عہد کے آغاز میں بطور جہازی '' سرکار '' یا کلرک ۵ روپیہ ماہوار پر کام شروع کیا - اُن کے بنگالی آقا کو اُن پر بہت اعتماد تھا اور اس نے رام دو لال کو ایک تباہ شدہ جہاز کے مال کی نیلامی میں جو دریائے ہگلی کے دہانے پر پڑا تھا بولی بولنے کے لئے بھیجا - رام دو لال پہلے اس مال کو دیکھ چکے تھے اور اس کی قیمت سے واقف تھے - چنانچہ انہوں نے اپنے مالک کی طرف سے چودہ ہزار روپیہ بولی بول دی - نیلام اُن کے نام پر ختم ہوگیا - عین اُسوقت چند آدمی آگئے جو اس مال کی قیمت سے واقف تھے لیکن بولی بولنے کے لئے وقت پر نہ پہنچ سکے تھے - انہوں نے قریباً بولی ختم ہوتے ہی انہیں ایک لاکھ روپیہ پیش کیا اور انہوں نے اسے منظور کرلیا - اس طرح انہوں نے ایک ہی سودے میں چھیاسی ہزار روپیہ کمالیا - رام دولال نے سارا قصہ اپنے آقا سے بیان کردیا اور اُس نے یہ سارا نفع رام دولال کو دیدیا - اس روپیہ سے رام دولال کی حالت میں ایک بڑا انقلاب پیدا ہوگیا اور انہوں نے خود اپنا تجارتی کاروبار شروع کردیا جسے جہازی اور بیرونی تجارت میں بہت شہرت حاصل ہوئی - انہوں نے امریکن تجارت کی طرف توجہ کی جس کا سلسلہ امریکہ کی آزادی کے بعد ہندوستان کی منڈیوں میں قائم ہوچکا تھا - سنہ ۱۸۰۱ع میں امریکہ کے سوداگروں نے انہیں واشنگٹن [۱] کی تصویر بطور تحفہ پیش کی اور امریکہ کا ایک جہاز اُن کے نام سے موسوم کردیا - برطانیہ اور چین کے ساتھ بھی انہوں نے وسیع پیمانے پر تجارتی کاروبار جاری کر رکھا تھا - ان کی کوٹھی ہندوستان میں برطانوی کمپنی فیرلی فرگوسن اینڈ کو [۲] کے خاص ایجنٹ کا کام کرتی تھی - وہ ہندوستان کی منڈیوں سے بھی کاروبار کیا کرتے تھے ایک مرتبہ انہوں نے ارادہ کیا کہ جس قدر شکر اور کھانڈ حاصل ہوسکتی ہے خرید کر اُسے من مانی قیمت پر فروخت کیا جائے ، لیکن اُن کی بیوی نے برہمنوں کے مفاد کی خاطر جنہیں دساوری ہتھکنڈوں سے نقصان پہنچنے کا احتمال تھا ان کی یہ تجویز کامیاب نہ ہونے دی - وہ خود بھی برہمنوں کے بہت

Washington—[۱]

Fairlie Ferguson and Co.—[۲]

معتقد تھے - ممکن ہے کہ اکثر کروڑپتیوں کی طرح حصول دولت کے لئے اُن سے بھی بعض اوقات نامناسب حرکات سرزد ہوگئی ہوں لیکن وہ اپنے دوستوں کی امداد میں اور ان معاملات کے متعلق جن میں انہیں دلچسپی تھی بڑی فیاضی سے کام لیا کرتے تھے - انھوں نے ہندو کالج کے لئے تیس ہزار روپیہ دیا اور اپنے ایک دوست کو دوبارہ برادری میں شامل کرنے کے لئے دولاکھ روپیہ خرچ کردیا -

نئے ملکوں کی سیاحت کی داستان : منشی موہن لال

ایک اور داستان جسے دولت سے نہیں بلکہ نئے ملکوں کی سیاحت سے تعلق ہے منشی موہن لال نامی ایک کشمیری پنڈت کی ہے - یہ دھلی کے انگریزی کالج کے (جو سنہ ۱۸۲۹ع میں قائم ہوا تھا) اولین طلبا میں سے تھے - انھوں نے انگریزی تعلیم صرف تین سال حاصل کی تھی - پھر انھوں نے نقشہ کشی ' پیمائش اور اسی قسم کے دیگر کارآمد مضامین کی تعلیم حاصل کی - دسمبر سنہ ۱۸۳۱ع سے جنوری سنہ ۱۸۳۴ع تک انھوں نے فارس اور وسط ایشیا کا سفر کیا جس کا سبب یہ تھا کہ حکومت ہند دو انگریزوں کو بطور سفیر ان ملکوں میں بھیج رہی تھی لیکن وہ فارسی نہ جانتے تھے اس وجہ سے منشی موہن لال کو منشی بنا کر روانہ کیا - ان افسروں میں ایک لفٹننٹ الگزنڈر برنس [۱] تھے جنھوں نے بعد میں فارس اور وسط ایشیا کے سفر کی بنا پر رائل جیوگریفیکل سوسائٹی [۲] سے طلائی تمغہ حاصل کیا - پھر سر کا خطاب پاکر سنہ ۱۸۴۱-۱۸۳۶ع میں افغانستان کے معاملات میں نمایاں حصہ لیا - موہن لال ان ملکوں میں جن کے متعلق اس زمانے میں بہت کم واقفیت حاصل تھی اپنے سفر کے حالات کو تفصیل سے ضبط تحریر میں لاتے رہے - یہ حالات سنہ ۱۸۳۴ع میں پنجاب ' افغانستان ' ترکستان ' خراسان ' اور ایران کے کچھ حصے میں ان کے سفر نامے کی حیثیت سے شائع ہوئے ' اور اس روزنامچے سے برطانوی ہند کی شمالی مغربی سرحد سے (جو اُس زمانے میں دریائے ستلج تک محدود تھی) اُس طرف کے ملکوں کے سیاسی حالات کے متعلق قابل قدر واقفیت حاصل ہوتی ہے - جب موہن لال کی

---

[۱]—Lieutenant Alexander Burnes

[۲]—Royal Geographical Society

کتاب کلکتہ میں شائع ہوئی تو ان کی عمر صرف ۲۲ سال کی تھی - جب وہ ایران گئے تو وہاں اُن کا پرجوش استقبال ہوا اور کابل میں اُن کو افغان حکومت کی طرف سے ملازمت پیش کی گئی تھی - رنجیت سنگھ کے دربار میں بھی ان کا اچھا اثر تھا ، اور مہاراجہ کے جنرل ونطورہ [۱] نے ان سے درخواست کی کہ میرے ماتحت کام کرنے کے لئے کوئی انگریزی داں منشی تلاش کردیجیے - جب وہ دھلی میں واپس آئے تو ان کی برادری کے سوا سب ان کے مداح تھے - برادری کے خیال میں غیر ملکی سیاحت سے ان کی مذھبیت باقی نہیں رھی تھی - کمپنی نے انھیں کابل میں اپنا دیسی ایجنٹ مقرر کردیا -

ٹیپو سلطان کا فرزند ، انگلستان اور ھندوستان میں

ٹیپو سلطان کے ایک شاھزادے نے سنہ ۱۸۳۷ع میں مغربی ممالک کا سفر کیا - جس میں انگلستان ، سکاٹ لینڈ اور آئرلینڈ میں بھی گذر ہوا - انھوں نے اس ملک کی زراعت اور دستکاری میں دلچسپی لی اور اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اپنے باپ کے تخت سے محروم کردیا گیا انھوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے چند حصے خرید لئے اور اس طرح اس کے مالکوں میں شامل ہوگئے - اور اس کے معاملات میں رائے دینے کے حقدار بن گئے - رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے ایک جلسے میں کہا گیا تھا کہ اس طرح ان کو ھندوستان کی برطانوی حکومت میں اس قدر اثر اور رسوخ حاصل ہوگیا جن کا عشر عشیر بھی ان کے باپ کو اپنی شان و شوکت کے باوجود میسر نہ تھا [۲] - یہ صورت حالات عجیب و غریب ضرور تھی لیکن ہم یہ نہیں مان سکتے کہ اس شہزادے کے دل سے باپ کی سلطنت چھن جانے کا داغ دور ہوگیا ہوگا - اس وقت ھندوستان کی حالت ایسی نہ تھی کہ اس مرتبے کے لوگوں کو ترقی کے مواقع میسر ہوتے چنانچہ چند ایسے اشخاص جن کے اسلاف کسی زمانے میں جاہ و اقتدار والے تھے ترقی کا موقع نہ ملنے کی وجہ سے گمنامی کے پردے میں چھپ گئے -

General Ventura—[۱]

[۲]—رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا جرنل سنہ ۱۸۳۷ع صفحہ ضمیمہ ۳۸ - شہزادے کا نام غلطی سے جمع الدین چھپا ہوا ہے - صحیح نام غالباً معزالدین یا معین الدین ہوگا - ٹیپو سلطان کے بھی دو چھوٹے لڑکے تھے - (دیکھو ویلزلی کی تحریرات - جلد ۲ ، صفحہ ۸۴)

دخانی جہازوں کا سلسلہ

طباعت کے فن نے جس قدر جلد اہل ہند کا ذہنی نقطۂ نظر تبدیل کردیا تھا ' آمد و رفت کے ذرائع و نیز صنعتی اور تجارتی اقتصادیات کے انقلاب نے لوگوں کی عام زندگی میں اس سے بھی زیادہ تیزی سے تغیر و تبدل پیدا کردیا - انگلستان میں دخانی جہازوں کا سلسلہ دخانی ریل گاڑی سے پہلے قائم ہوا تھا - اور اسی ترتیب کے ساتھ ہندوستان میں یہ چیزیں آئیں ' اگرچہ یہاں ان کا درمیانی وقفہ انگلستان کی بہ نسبت کچھ زیادہ تھا - لیورپول اور گلاسگو [۱] کے درمیان میں دخانی جہازوں کا سلسلہ سنہ ۱۸۱۵ع میں قائم ہوا ' اور اس نے بڑی تیزی سے وسعت حاصل کرلی - نومبر سنہ ۱۸۲۳ع ہی میں کلکتہ کے ٹاؤن ہال میں ایک جلسۂ عام منعقد ہوا جس میں ایک کمیٹی اس غرض سے مقرر کی گئی کہ وہ بحیرۂ قلزم یا کیپ کے راستے سے انگلستان اور بنگال کے مابین دخانی جہازوں کا سلسلہ قائم کرے - دس ہزار روپیہ چندہ جمع ہوگیا اور یہ طے پایا کہ اگر انگلستان تک کسی ایک راستے سے دو مرتبہ کوئی دخانی جہاز جانے آنے میں کامیاب ہوگا تو اس کو ایک انعام دیا جائے گا - شرط یہ تھی کہ چاروں مرتبہ آنے جانے کی مدت اوسطاً ایک طرف کے سفر کے لئے ستر روز سے زیادہ نہ ہو - مقابلے میں صرف برطانوی رعیت حصہ لے سکتی تھی ' اور جہازوں کے متعلق یہ شرط تھی کہ ان کا وزن تین سو ٹن سے کم نہ ہو - اسی سال خضر پور کے بندرگاہ میں ایک دخانی کشتی تیار کی گئی - بمبئی میں بھی ایک بندرگاہ قائم ہوگئی ' اور انگلستان اور ہندوستان کے درمیان مختلف راستے قائم ہوئے ایک تو کیپ کا راستہ دوسرے مصر سے بحرہ قلزم تک کا جو راستہ خشکی کا تھا اس کو اس طرح بنا دیا کہ دخانی کشتیوں کی باقاعدہ آمد و رفت جاری ہوگئی - دخانی جہاز رانی کے متعلق ابتدائی غیر سرکاری کوششوں میں نقصان اٹھانا پڑا - پھر حکومت نے یہ کام ہاتھ میں لیا اور اس کی سرپرستی میں دریاؤں کے سفر کے لئے دخانی کشتیاں اُس وقت تک آمد و رفت کے لئے مستقل ذریعہ تھیں جب تک ان کی جگہ ریل گاڑیاں نہیں آگئیں بردوان اور پالامور کی کوئلے کی کانوں سے بھی بنگال میں دخانی کشتیوں کے سلسلے کو بہت مدد ملی -

---

[۱] Liverpool and Glasgow

سمندر میں چلنے والے دخانی جہازوں کے معاملے میں ہندوستان پیچھے رہ گیا اور اب تک اسی حالت میں ہے - سنہ ۱۸۴۲ع سے مشرق کی بحری ڈاک کا ٹھیکہ پی اینڈ او کمپنی [۱] کے ہاتھ میں رہا ہے - اس کے لئے اس کمپنی نے کشتیوں کا ایک بیڑا تو بمبئی اور بحیرۂ قلزم کی ایک مصری بندرگاہ کے مابین اور دوسرا انگلستان اور بحیرہ روم کی مصری بندرگاہ اسکندریہ کے درمیان چلنے کے لئے رکھا تھا، اور مصر سے خشکی کا سفر کاروانوں کے ذریعے سے طے کیا جاتا تھا جن میں تین تین ہزار اونٹ ہوتے تھے - یہ صورت حال سنہ ۱۸۳۷ع کی بہ نسبت زیادہ بہتر تھی جب دخانی جہاز ہر ماہ انگلستان سے اسکندریہ تک جایا کرتے تھے لیکن آگے کے راستے کے متعلق کوئی مدت یقینی نہیں تھی- اس وقت ڈاک کا محصول فالماوتھ [۲] سے بمبئی تک فی خط تین شلنگ دو پنس (ایک روپیہ دس آنہ) تھا، اور راستے میں کم از کم ۴۵ دن صرف ہوتے تھے لیکن راستے میں جو غیر معمولی تاخیر ہوجاتی تھی اس کے باعث یہ نہیں کہا جاسکتا تھا کہ فلاں روز منزل مقصود پر پہنچ جائینگے - سنہ ۱۸۵۴ع سے سویز [۳] اور بمبئی اور سویز اور کلکتہ کے درمیان مہینے میں دو دو مرتبہ جہاز چلنے لگے -

ہندوستان میں ریلوے اور کوئلے کی کانوں کا کام

دخانی جہازوں کا سرمایہ اور انتظامی امور برطانوی ہاتھوں میں تھے، اور یہ کام بہت جلد ترقی کرتا گیا - لیکن اس کا منافع ملک سے باہر چلا جاتا تھا اور یہی صورت حال ایک بڑی حد تک آج بھی قائم ہے - ہندوستان میں ریلوے کی ترقی کی رفتار نسبتاً کم تھی - اور ابتدا میں یہ کام مالی اعتبار سے ہندوستان کے لئے سراسر نقصان کا باعث تھا - دوسری جانب برطانوی کمپنیاں جن کی گارنٹی [۴] کی شرائط میں فیاضی سے کام لیا گیا تھا خوب ترقی کر رہی تھیں اور انہوں نے اپنے لئے کافی نفع پر ٹھیکہ‌داریاں قائم کرلی تھیں لیکن موجودہ زمانے میں ریلوے کی ملکیت روز بروز حکومت کے ہاتھ میں آتی جارہی ہے -

---

P. and O. Company—[۱]
Falmouth—[۲]
Suez—[۳]
Guarantee—[۴]

اس خوشحالی کے زمانے میں حکومت ہند کو اس سے کافی منافع حاصل ہوتا ہے - حالانکہ انگلستان میں پہلی ریلوے لائن (جو دنیا میں پہلی ریلوے لائن تھی) اسٹاکٹن اور ڈارلنگٹن [۱] کے درمیان سنہ ۱۸۲۵ع میں قائم ہوگئی تھی لیکن ہندوستان میں بمبئی اور تھانہ کے درمیان ۲۱ میل کی لائن پہلے پہل سنہ ۱۸۵۳ع میں بنی - لارڈ ڈلہوزی جو اس وقت گورنر جنرل تھے انگلستان میں دو مرتبہ بورڈ آف ٹریڈ کے صدر رہ چکے تھے ' اور اپنے دور صدارت میں انھیں ریلوے کے مسئلے کا کافی تجربہ حاصل ہوگیا تھا - انھوں نے ہندوستان میں نہ صرف مقامی ضروریات بلکہ تمام ملک کے لئے ریلوے کی ایک وسیع تجویز تیار کی - ریلوے کے متعلق اپنی سنہ ۱۸۵۳ع کی تحریر میں انھوں نے ریلوں کے معاشرتی ' سیاسی اور تجارتی فوائد پر بحث کی ہے ' اگرچہ حقیقت یہ ہے کہ " ہندوستان کی اس ترقی " میں زیادہ زور اہل ہند کی ضروریات کے بجائے فوجی نقل و حرکت اور برطانوی تجارت کی ضروریات پر دیا گیا تھا - بمبئی کی ریلوے لائن کی تعمیر میں دیگر امور کے علاوہ یہ مقصد مدنظر تھا کہ بمبئی کو براڑ کے روئی پیدا کرنیوالے زر خیز علاقوں سے ملاکر روئی کی برآمد میں سہولت پیدا کی جائے - اگرچہ بعض لوگ اس کو پسند نہیں کرتے تھے کہ ہندوستانی لوگ ریل کو استعمال کریں لیکن لائن قائم ہوتے ہی سب اس طرف ٹوٹ پڑے - فروری سنہ ۱۸۵۵ع میں بنگال میں کلکتہ اور رانی گنج کے درمیان ۲۲ میل کی لائن کھولی گئی جس سے کوئلوں کی ایک وسیع کان تک آمد رفت کا سلسلہ قائم ہوگیا - ہندوستانی کوئلے کا امتحان سنہ ۱۸۳۲ع ہی میں کرلیا گیا تھا - جس سے ثابت ہوا تھا کہ جلنے کے بعد یہاں کے کوئلے میں انگریزی کوئلے سے زیادہ راکھ وغیرہ رہتی تھی ' لیکن بھاپ پیدا کرنے میں یہ چپٹی کوئلے سے بہتر تھا جو کوک [۲] کے مانند نہایت آہستہ آہستہ جلتا تھا [۳] -

تار برقی اور بحری تار

تار برقی کے متعلق لارڈ ڈلہوزی کے ایک نجی خط کے مندرجہ ذیل فقروں سے جو انھوں نے ۵ فروری سنہ ۱۸۵۵ع کو بارکپور سے لکھا تھا حالات کی

---

[۱]--Stockton Darlington

[۲]--Coke

[۳]--ایشیاٹک رجسٹر - جلد ۷۴ - سنہ ۱۸۳۲ع - صفحہ ۲۲۵ -

بخوبی وضاحت ہوتی ہے [۱] " آج سے دو روز پہلے کلکتہ سے بمبئی ، مدراس اور دو یائے سندہ پر اٹک تک تار برقی کا سلسلہ عوام کے استعمال کے لئے قائم کیا گیا۔ پندرہ ماہ پہلے ایک گز تار بھی موجود نہ تھا اور نہ کوئی تربیت یافتہ سگنیلو تھا - اب تین ہزار پچاس میل تک تار برقی کا سلسلہ قائم ہوگیا ہے - ایک مہینہ پہلے خشکی کے راستے سے کلکتہ سے براہ راست مدراس میں خبر پہنچانے میں بارہ روز صرف ہوجاتے تھے - کل یہاں سے ایک خبر بمبئی کے راستے سے بھیجی گئی اور دو گھنٹے میں مدراس پہنچ گئی - میں پھر پوچھتا ہوں کیا اب یہاں بھی ہماری رفتار سست ہے ؟ " ڈلہوزی کے خلاف یہ الزام نہیں تھا کہ ان کی رفتار زیادہ سست تھی بلکہ اعتراض یہ کیا جاتا تھا کہ ان کی رفتار حد سے زیادہ تیز تھی - بحری تار برقی کا سلسلہ سنہ ۱۸۵۹ع میں بحیرۂ قلزم کے راستے سے شروع کیا گیا تھا اور اسی سال کچھ عرصہ بعد کراچی اور مسقط کو بحری تار سے ملایا گیا - پھر مسقط سے عدن تک اور مصر سے مالٹا تک بحری تار کی توسیع سے ہندوستان سے یورپ اور انگلستان تک برقی خبر رسانی کا سلسلہ مکمل کردیا گیا -

ڈاک کی ارزاں سہولتیں

ان سرگرمیوں کے ساتھ ساتھ ملک میں اندرونی ڈاک کی ارزاں سہولتوں کا بھی انتظام ہو رہا تھا - سنہ ۱۸۵۴ع میں جب ہندوستان میں پہلے پہل ڈاک کے ٹکٹ وغیرہ جاری کئے گئے تو لفافے کی قیمت دو پیسے اور پوسٹ کارڈ کی ایک پیسہ مقرر ہوئی - اگرچہ یہ قیمت انگلستان کی اس شرح کے مقابلے میں کم ہے جو وہاں سنہ ۱۸۴۰ع میں جاری تھی کیونکہ وہاں ایک پنس کا ایک ٹکٹ ملتا تھا - لیکن اہل ہند اور انگلستان کے باشندوں کی ضروریات زندگی کے اخراجات کو مدنظر رکھ کر اصلی قیمتوں کا مقابلہ کیا جائے تو ہندوستان کی شرح زیادہ ہوجاتی ہے - یہ شرح جنگ عظیم (۱۸---۱۹۱۴) تک قائم رہی لیکن جب دنیا بھر کا اقتصادی نظام درہم برہم ہوگیا تو شرح ڈاک بھی بڑھ گئی -

نئی اور اصلاح یافتہ فصلیں

نئی فصلوں اور اور اصلاح یافتہ پرانی فصلوں کے ضمن میں ہم چائے ،

[۱]---لارڈ ڈلہوزی کے نجی خطوط مولفہ جے - جی - اے - بیرڈ - (J. G. A. Baird) صفحہ ۳۳۷ -

قہوہ ' آلو ' امریکہ کی کپاس ' ماریشس [۱] کے کماد ' اور شام اور دوسرے ملکوں کے تمباکو کا نام لے سکتے ہیں - آسام میں چائے کے خودرو پودے پائے جاتے تھے - لیکن جدید تجارتی حالات کے مطابق چائے پیدا کرنے کے لئے بہت کچھ تحقیق و تدقیق کی ضرورت تھی - لارڈ ولیم بینٹنک [۲] نے سنہ ۱۸۳۴ع میں ہندوستان میں چائے کی کاشت کا تجربہ کرنے کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی - چین سے بیج اور پودے منگائے گئے - اور چینی کاشتکار بلاکر وہاں کے طریقوں پر کاشت شروع کی گئی اور تھوڑے ہی عرصے میں آسام کے صوبہ اور بنگال سے پنجاب تک ہمالیہ کی نیچی پہاڑیوں میں چائے پیدا ہونے لگی - سنہ ۱۸۵۷ع میں صرف آسام " ٹی کمپنی " [۳] کی پیدا وار کا اندازہ سات لاکھ پونڈ چائے تھا - قہوہ جنوبی ہند میں انگریزی عہد سے پہلے مسلمان لائے تھے - لیکن انگلستان میں قہوے کی بہت زیادہ مانگ ہوئی جسکی وجہ سے ہندوستان میں اس کی کاشت بہت بڑھ گئی - سنہ ۱۸۴۵ع میں ہندوستان سے ۴۲۵۰۰۰۰۰ پونڈ قہوہ باہر بھیجا گیا - قہوے کو اب جنوبی ہند کی پیداوار میں نہایت اہم حیثیت حاصل ہوگئی ہے - سنہ ۱۹۲۷ع میں ہندوستان سے قہوے کی برآمد قریباً ایک کروڑ ستر لاکھ پونڈ تھی - اس امر کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت نے آلو کی کاشت پر کچھ زیادہ توجہ مبذول کی ' لیکن انیسویں صدی کے وسط سے پہلے دکن کی کوہستانی زمینوں ' نیز شمالی اور جنوبی ہند کے پہاڑی اور میدانی علاقوں میں ' اس کی کاشت کثرت سے ہونے لگی تھی - بشپ ہیبر نے ایک خط میں جو انہوں نے ۱۰ جنوری سنہ ۱۸۲۵ع کو ترچناگوپلی سے لکھا تھا اس امر کا ذکر کیا ہے کہ اگرچہ ہندوستان میں آلو کا رواج صرف چند سال سے ہوا ہے لیکن اہل ہند اسے بہت پسند کرنے لگے - انکا خیال ہے کہ بہت جلد یہ بھی " چاول اور کیلے کے ساتھ اہل ہند کی ضروریات زندگی کا مزید جزو بن جائیگا [۴] " - عرصہ دراز سے کپاس ہندوستان کی ایک نہایت اہم پیداوار رہی ہے - لیکن روئی کی اعلیٰ قسم کی صنعتوں کی بربادی

---

[۱]—Mauritius

[۲]—Lord William Bentinck

[۳]—Assam Tea Company

[۴]—بشپ ہیبر کا روز نامچہ ' جلد ۳ ' صفحہ ۲۹۱ -

کے باعث اس کی خام پیداوار ویسی اچھی نہ رہی - ایسٹ انڈیا کمپنی نے مانچسٹر کی مانگ کو مدنظر رکھتے ہوئے ہندوستان میں امریکہ کی لمبے ریشے والی کپاس کو رواج دینے ' نیز کاشت کی اصلاح اور روئی کی صفائی اور گٹھے باندھنے کے متعلق ' نئے طریقے رائج کرنے کی جانب کسی قدر توجہ کی - ان کوششوں کا آغاز سنہ ۱۷۸۸ع میں ہوا اس کے بعد یہ کبھی کم اور کبھی زیادہ زور و شور سے اب تک جاری رہی ہیں - لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ اس معاملے میں مختلف جماعتیں (یعنی مانچسٹر کے کاریگروں ' ہندوستان کے کاشتکاروں ' ہندوستان کے دستکار جلاہوں اور ہندوستانی کلوں) ۱۸۹۲ع سے اپنے اپنے فائدے کے لئے ایک دوسرے کا مقابلہ کرتی ہیں - آج کل روئی کی صنعت اقتصادی اور سیاسی حیثیت سے ایک مستقل جنگ کا سبب بن گئی ہے اور اس لحاظ سے ہندوستان کی آئندہ تمدنی ترقی کے ساتھ خلط ملط ہوگئی ہے - گنے اور تمباکو کی غیر ملکی اقسام کو رواج دینے کی کوششوں میں بہت محدود کامیابی ہوئی ہے اور اس معاملے کی اہمیت اتنی ہے کہ اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں -

روشنی دینے والی چیزیں

روشنی دینے والی چیزوں کے لحاظ سے ہندوستان میں تین زمانے ہوئے ہیں - پہلے زمانے میں روشنی حاصل کرنے کے لئے ملک بھر میں کوئی نہ کوئی نباتاتی تیل استعمال ہوتا تھا - ان میں سے بعض تیلوں سے بہت خوبصورت ' تھنڈی اور مستقل روشنی حاصل ہوتی تھی ' لیکن یہ تیل کچھ مہنگے تھے - انیسویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں کوئلے کی گیس سے روشنی حاصل کی جانے لگی ' اور اس طرح ایک سستی چیز ہاتھ آگئی جو عام سڑکوں میں روشنی کے لئے خاص طور پر موزوں تھی - لیکن ہندوستان میں ابھی اس مرحلے تک پہنچنے کے لئے ضرورت تھی کہ کوئلے کی کانیں دریافت کرکے تجارتی اصول پر کار و بار شروع کیا جائے - سنہ ۱۸۵۰-۲ع میں رانی گنج تک ریلوے لائن بن جانے کی تجویز سے اس کام کی تکمیل ممکن ہوگئی - ۱۸۵۴ع کے قریب کلکتہ میں ایک کمپنی اس لئے بنائی گئی کہ ہندوستان کے بڑے بڑے شہروں کو تیل کی بجائے گیس کے لیمپ بہم پہنچائے - بڑے شہروں میں عام سڑکوں کی روشنی کے لئے گیس کا استعمال بتدریج بڑھنے لگا - لیکن گیس کے

لئے نل لگانے کی سہولیت یہاں نہ تھی اسوجہ سے ہندوستان کے بڑے شہروں میں بھی کبھی گیس کا عام رواج نہیں ہوا - جب مٹی کے تیل کا رواج ہوا تو اس نے نباتاتی تیلوں کی جگہ لےلی - اور اب ترقی روشنی کی بہم رسانی میں تیزی سے ترقی ہو رہی ہے - لیکن مٹی کے تیل اور برقی روشنی کا استعمال زیر بحث دور سے بہت بعد میں شروع ہوا -

انگریزی فیشن اور انکی وجہ سے تغیر و تبدل

ان ٹھوس واقعات اور حقائق سے ہم بخوبی اندازہ کرسکتے ہیں کہ ہندوستانی سوسائٹی کے تمام طبقوں کی عادات اور طرز زندگی میں کس طرح تغیر و تبدل ہو رہا تھا - انگریزی تعلیم اور انگریزی فیشن کے پھیل جانے کے باعث اعلیٰ طبقوں کے خیالات اور پسند میں نمایاں تبدیلیاں پیدا ہوگئیں - ابتدائی ایام میں آسمانی کتابوں کو چھوڑ کر صرف خدا کو ماننے کی تحریک ہوئی پھر برھمو سماج نے اس خیال کو ترقی دی اور اس وجہ سے مذہبی خیالات میں ایک ہلچل پیدا ہوگئی - لیکن سوسائٹی کی ظاہری زندگی اور فیشن بہ‌نسبت اندرونی خیالات کے جلد تبدیل ہو جایا کرتے ہیں - اور اُن کو وہ لوگ بھی نسبتاً آسانی سے قبول کرلیتے ہیں جو مذہبی خیالات اور معاشرتی رسوم میں پرانی لکیر کے فقیر ہوتے ہیں - سنہ ۱۸۲۴ع میں بابو روپ لال ملک کے مکان واقعہ چت‌پور روڈ کلکتہ کے باہر تو کارنتھین [۱] ستون نظر آتے تھے اور اندر ناچ ہو رہا تھا اور ایک ہندو تہوار غالباً دیوالی منائی جارہی تھی [۲] - بشپ ہیبر نے دسمبر سنہ ۱۸۲۳ع میں لکھا کہ '' ہر ایک معاملے میں انگریزوں کی تقلید کی طرف لوگ روز بروز جھک رہے ہیں جس کے باعث اب تک نمایاں تبدیلیاں رونما ہوچکی ہیں اور آئندہ غالباً اس سے بھی اہم تغیر و تبدل ہوگا - اب سب کے سب متمول ہندوستانی اپنے مکانوں کو کارنتھین ستونوں سے سجانے اور انگریزی سامان سے آراستہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں - یہ لوگ کلکتہ میں بہترین گھوڑوں پر اور نہایت تیز رفتار گاڑیوں میں سوار ہوتے ہیں - ان میں سے اکثر انگریزی زبان میں بڑی روانی سے گفتگو کرتے ہیں ' اور انھیں انگریزی ادب سے اچھی خاصی واقفیت

---

[۱]— Corinthian

[۲]— بشپ ہیبر کا روز نامچہ ' جلد ۱ ' صفحہ ۴۷ -

حاصل ہے - ایک دن میں نے ایک دوست کے بچوں کو انگریزی قطع کی صدریاں ، پاجامے ، گول ٹوپیاں اور جوتے اور موزے پہنے دیکھا - مجھے معلوم ہوا ہے کہ بنگالی اخبارات میں جن کی تعداد دو یا تین ہے سیاسی خیالات کی اشاعت کا رجحان انگلستان کی آزاد خیال پارٹی کی جانب ہوتا ہے ، اور تھوڑا عرصہ ہوا کہ ان کے ایک ممتاز شخص نے انقلاب ہسپانیہ کی خوشی میں شاندار دعوت دی تھی - ادنول طبقوں میں یہی رجحان ایک مفید صورت میں نمایاں ہو رہا ہے - لوگ ذات پات کو دن بدن پس پشت ڈال رہے ہیں.........وہ اپنے بچوں کو ہمارے مدارس میں بھیجنے پر نہ صرف آمادہ بلکہ اس کے خواہشمند ہیں اور ان کے دلوں میں انگریزی پڑھنے اور بولنے کی رغبت بڑھتی جارہی ہے [۱] " -

اودھ کے دربار میں انگریز حجام

انگریزی فیشن اس حد تک مقبول ہو رہے تھے کہ حجامت بنانے کے لئے بھی شاہ اودھ نے ایک یورپین حجام ملازم رکھا - ممکن ہے اس قسم کے تقرر کی تہ میں سیاسی وجوہ بھی رہے ہوں ، بہر حال اصل مقاصد کچھ ہی کیوں نہوں اس سے یہ تو ضرور ظاہر ہے کہ لوگوں کا رجحان ہر معاملے میں یورپین اور انگریزی فیشن کی جانب ہوتا جاتا تھا - اور اہل انگلستان نے اس صورت حال سے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا - لارڈ آکلینڈ [۲] گورنر جنرل کی ہمشیرہ آنریبل ایملی ایڈن [۳] نے اپنے ایک خط محررہ ۲۷ مارچ سنہ ۱۸۳۷ ع میں گورنر جنرل کے خانگی ملازموں میں سے ایک حجام کا ذکر کیا ہے جسے شاہ اودھ نے " چار سو روپیہ ماہوار تنخواہ پر ملازم رکھا تھا اور اسے تقریباً اسی قدر انعام و اکرام کی توقع رہتی تھی - اس کے علاوہ اگر وہ بادشاہ کی نظر پر چڑھ جائے تو اس کا مالامال ہوجانا بھی ایک یقینی امر تھا " - پھر لکھتے ہیں کہ اس حجام سے قبل جو حجام تھا وہ " اب تیرہ یا چودہ لاکھ روپیہ جمع کرکے اپنے وطن جا رہا ہے [۴] " -

---

[۱]—بشپ ہیبر کا روز نامچہ ، جلد ۳ ، صفحہ ۳—۲۵۲ -

[۲]—Lord Auckland

[۳]—Emily Eden

[۴]—ایملی ایڈن - خطوط از ہندوستان ، جلد ۱ ، صفحہ ۱—۳۲۰ -

اہل علم طبقہ کے نئے اشغال اور فیشن

اہل علم طبقے میں جہاں سیاسی اثرات کو دخل حاصل ہوا ثقافتی اور علمی فیشن بھی ان کے ساتھ گئے - لارڈ ایمہرسٹ [۱] کے زمانے میں (۱۸۲۳—۲۸) نواب مرشدآباد فرصت کے وقت انگریزی ادب اور انگریزی سیاسیات کے مطالعے سے دل بہلایا کرتے تھے - غازی‌الدین حیدر شاہ اودھ (۱۸۱۴—۲۷ع) مشرقی علم‌اللسان کے ساتھ یورپی فنون لطیفہ کی بھی سرپرستی کیا کرتے تھے [۲] - انھوں نے دخانی انجنوں (۱۸۲۳) اور جہازوں کے چلانے کے لئے ان کے پیندے میں ایک پیچدار پہیہ لگانے کے نئے طریقے کا بھی ذکر کیا ھے جو ان کے ملازم ایک انگریز انجینیر نے ایجاد کیا تھا - انھیں کلوں کے کام اور کیمسٹری سے بھی دلچسپی تھی [۳] - کلکتہ میں ٹیگور خاندان کے ایک رکن کیمسٹری ، فلسفۂ قدرت ، اور امریکہ کے بنجمن فریںکلن [۴] کے کارناموں کے متعلق (جو سائنسداں اور فلسفی ہونے کے علاوہ سیاسی مدبر اور بین‌الاقوامی امور کا ماہر بھی تھا) ، پر از معلومات گفتگو کیا کرتے تھے [۵] -

ستی کے متعلق جدید خیالات اور اس کی تعداد میں اضافہ

ایسے تغیر و تبدل کے زمانے میں نئے اور پرانے خیالات میں جو ایک دوسرے کے ساتھ ہوتے ہیں کسی قدر اختلاف ہونا لازمی ھے - اور خیالات کا اختلاف اکثر اوقات فیشن کے اختلاف سے بھی زیادہ مضحکہ خیز یا افسوس‌ناک ہوتا ھے - بعض اوقات پرانے خیال کے لوگ فوراً نئی سہولتوں سے فائدہ اٹھاکر اپنے پرانے خیالات کو ایسی صورت میں پیش کرتے ہیں جو ان کی ابتدائی صورت کی بہ‌نسبت بہت زیادہ مہلک اور خطرناک ہوتی ھے - مثلاً ستی کی رسم پہلے صرف اعلیٰ گھرانوں میں رائج تھی اور ان میں بھی کبھی نہ کبھی کوئی عورت ستی ہوتی تھی - لیکن معلوم ہوتا ھے کہ ھندوؤں کے معاشرتی

---

[۱]—Lord Amherst

[۲]—لارڈ ایمہرسٹ مصنفہ اے - ٹی - رچی - (A. T. Ritchie) ، صفحہ ۴۹ -

[۳]—بشپ ہیبر کا سفرنامہ ، جلد ۲ ، صفحہ ۷۵ و ۷۸ -

[۴]—Benjamin Franklin

[۵]—بشپ ہیبر کا سفرنامہ ، جلد ۳ ، صفحہ ۲۳۴ -

نظام درھم برھم ھونے پر (جس کا ھم اوپر ذکر کرچکے ھیں) کلکتہ کے گرد و نواح میں یہ رسم پھر زندہ ھوکر پہلے سے زیادہ عام ھوگئی - اس کے علاوہ اب ستی ھونا عورت کی مرضی پر موقوف نہ رھا ؛ بلکہ اس میں لوگوں کا جبر بھی شامل ھوگیا - مسٹر ڈنکن فوربس [۱] سنہ ۱۸۱۳ع میں لکھتے ھیں کہ جہاں تک انھیں علم تھا بمبئی میں پچاس سال کے اندر کوئی ھندو عورت ستی نہیں ھوئی - لیکن کلکتہ کے گرد و نواح کے متعلق اُن کے خیال میں یہ امر مسلمہ تھا کہ وھاں ستی کے واقعات عام تھے - اور انھوں نے اس رسم کے " رفتہ رفتہ بند کر دیئے " پر زور دیا جس کا مطلب یہ تھا کہ قانونی ممانعت کے بجائے برطانوی حکومت اپنے انتظامی اختیارات سے کام لے - لیکن بنگال میں ستی کی رسم دن بدن ترقی کرتی گئی - لیڈی ایمہرسٹ نے اکتوبر سنہ ۱۸۲۵ع میں ستی کا ایک دلخراش واقعہ دیکھا جسے انھوں نے اپنے روزنامچہ میں مندرجہ ذیل الفاظ میں درج کیا ھے : " ایک نوجوان ھیضے سے مرگیا ، اور اس کی بیوہ نے اس کے ساتھ چتا میں جل مرنے کا ارادہ کر لیا - ضروری تیاریاں ھوگئیں ، اور مجسٹریٹ سے لائسنس حاصل کرلیا گیا - چتا کو متوفی کے قریبی رشتہ داروں نے آگ لگادی - لیکن جب آگ کے شعلے بیوہ تک پہنچے تو اس کا حوصلہ ٹوٹ گیا - اور وہ دھویں کے بادلوں ، ھجوم کی چیخ پکار ، اور ڈھول نقاروں کی سمع‌خراش شور و غوغا کے درمیان کسی نہ کسی طرح چتا سے اتر آئی اور لوگوں کی نظر بچاکر ذرا فاصلے پر جنگل میں جا پہنچی - پہلے تو کسی کو اس کا خیال نہ آیا - لیکن جب دھواں کم ھوا تو لوگوں نے دیکھا کہ وہ چتا پر موجود نہیں - اس پر لوگ آپے سے باھر ھو گئے - اور سب لوگ اس بد نصیب لڑکی کی تلاش میں جنگل کی طرف بھاگے - جنگل سے گھسیٹ کر اسے دریا کے کنارے لائے اور ایک ڈونگی میں ڈال کر منجھدار میں لے گئے وھاں اسے زبردستی دریا میں پھینک دیا اور بے چاری کو ایک بار ڈوب کر پھر اوپر آنا نصیب نہ ھوا " [۲] -

ستی کی قانونی ممانعت

معلوم ھوتا ھے کہ ستی کی رسم نے لارڈ ایمہرسٹ کے جانشین لارڈ ولیم

---

[۱]—اورینٹل میموئرس ، جلد ۲ ، صفحہ ۳۷۳ -

[۲]—لارڈ ایمہرسٹ از مسز رچی ، صفحہ ۲—۹۳ -

بینٹنک کے دل پر خاص اثر کیا - انہوں نے بڑی احتیاط سے تحقیقات کرکے متعلقہ جماعت کی رائے معلوم کی - بنگال کی فوجوں میں خفیہ تحقیقات سے معلوم ہوا کہ ستی کے انسداد سے فوج میں بغاوت پیدا ہو جانے کا خطرہ محض خیالی تھا - راجہ رام موہن رائے ایسے روشن خیال ہندوؤں کے خیال میں ستی کی ممانعت ہندو عقائد کے رو سے ہندو دھرم کے خلاف نہ تھی، لیکن انہیں مجوزہ قانون سے خطرہ پیدا ہو جانے کا احتمال تھا - نظامت عدالت کے ججوں کی رائے میں اس رسم کا انسداد ضروری تھا - مخالفت میں سب سے آگے ڈاکٹر ہنری ہوریس ولسن [۱] جیسے مستشرق تھے جو مذہبی رسوم کے معاملے میں تاویلات کی کوئی گنجائش نہیں سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ ملک میں عام بےچینی پیدا ہوجانے کا خطرہ ہے - لیکن لارڈ ولیم بینٹنک نے ۴ دسمبر سنہ ۱۸۲۹ع کو ستی کی ممانعت کا قانون منظور کرا لیا - اس کی رو سے بیوہ کو جلانا یا زندہ دفن کرنا (یعنی ستی کی ہر صورت) خلاف قانون اور فوجداری عدالتوں میں قابل سزا قرار دے دیا گیا [۲] -

معاشرتی اصلاح کے متعلق دیگر مسائل

ہندوؤں کی معاشرتی اصلاح کے متعلق دیگر مسائل پر بھی مصلحین بحث اور توجہ کر رہے تھے - جیسے مذہبی عبادت میں ذات پات کی تمیز، جوان ہونے سے پہلے لڑکیوں کی شادی، اور بنگالی کی کلین شادیاں - ہندو بیواؤں کی دوسری شادی ایکٹ ۱۵ مصدرہ سنہ ۱۸۵۶ع کی رو سے قانوناً جائز قرار دی گئی - ایکٹ ۲۱ مصدرہ ۵ سنہ ۱۸۵۰ع کی رو سے جو مشنریوں کے زور دینے پر منظور کیا گیا تھا قرار دیا گیا کہ تبدیلئ مذہب کی بنا پر کوئی شخص حق وراثت سے محروم نہیں کیا جاسکتا - زناکاری کی بنا پر فوجداری عدالتوں میں عورتوں کے خلاف کار روائی نہیں کی جاتی تھی -

غلامی

ایکٹ ۵ مصدر ۵ سنہ ۱۸۴۳ع کے ذریعے سے غلامی کی باضابطہ ممانعت

---

[۱]— Dr. Henry Horace Wilson

[۲]— دیکھو لارڈ ولیم بینٹنک کی تحریر مورخہ ۸ نومبر سنہ ۱۸۲۹ع جو ڈی - سی - بولجر (D. C. Boulger) کی تصنیف لارڈ ولیم بینٹنک میں درج ہے - صفحہ ۹۶ لغایت ۱۰۹ -

کا عملی طور پر ہندوستان کی زندگی پر بہت ہی کم اثر پڑا - بات یہ ہے کہ زراعتی غلامی کی لعنت جو مغربی اقوام نے بحری اقتدار حاصل کرنے کے بعد ایجاد کی تھی مشرقی ممالک میں کسی وقت بھی موجود نہ تھی - البتہ گھر کے کام کاج کے لئے غلامی کا رواج موجود تھا لیکن یہ غلامی زیادہ تر جنگوں کا نتیجہ تھی - اہل پرتگال ہندوستان سے غلام حاصل کرنے کے لئے کبھی کبھی حملہ کیا کرتے تھے ، اور اس سلسلے میں ان سے اور شاہجہاں اور اورنگزیب سے کبھی کبھی لڑائی بھی ہوئی کیونکہ ان دونوں بادشاہوں نے اپنی رعیت کے غلام بنائے جانے پر سخت اعتراض کیا تھا - ہملٹن نے سنہ ۱۸۲۰ع میں لکھا ہے کہ برطانوی ہند میں غلاموں کی تعداد ' نہ تو اس قدر کم تھی کہ اسے قابل توجہ نہ سمجھا جائے اور نہ اس قدر زیادہ کہ اسے آبادی کا نمایاں حصہ کہا جائے " - برطانوی حکومت نے کسی وقت بھی ہندوستان میں قانوناً غلاموں کی خرید و فروخت کا اعتراف نہیں کیا - سنہ ۱۷۸۹ع میں اس نے اعلان کیا کہ برطانوی ہند سے غلاموں کی بر آمد ممنوع ہے اس اعلان میں درج تھا کہ یورپین اور ہندوستانی دونوں قسم کے لوگ " ہر صنف کے ہندوستانی بچوں اور جوانوں کو غلام بنا کر ہندوستان کے مختلف حصوں یا دوسرے ملکوں میں بھیجنے کے لئے خریدتے یا جمع کرتے رہے ہیں " - پھر سنہ ۱۸۱۱ع میں اسی قسم کے ایک قانون کی رو سے احاطہ بنگال میں غیر ملکوں سے غلاموں کی درآمد اور فروخت کی ممانعت کی گئی ، اور اسی طرح کا ایک قانون سنہ ۱۸۱۳ع میں احاطہ بمبئی کے لئے وضع کیا گیا - برطانوی پارلیمنٹ نے سنہ ۱۸۱۱ع میں غلاموں کی خرید و فروخت کو جرم قرار دے دیا - اس طرح مختلف مقامات کے لئے فرداً فرداً قانون وضع کرنے سے کوئی اچھا اثر نہ ہوا - آخر کار سنہ ۱۸۴۳ع میں حکومت ہند کے ایک ایکٹ کی رو سے غلامی خلاف قانون قرار دی گئی [۱] - برطانوی پارلیمنٹ نے غلامی کو سنہ ۱۸۳۳ع میں خلاف قانون قرار دے دیا تھا - مگر قانون کی تکمیل کے لئے لوگوں کو سات سال کی مہلت

---

[۱] ــــ مشنری جیمز پیگ (James Pegg) نے "برطانوی انسانیت سے ہندوستان کی فریاد" - مطبوعہ لندن سنہ ۱۸۳۲م میں دختر کشی ، بت پرستی ، گھاٹ پر قتل ، ستی اور غلامی کے خلاف پر زور آواز بلند کی اور عیسائیت کے فائدے کے لئے ہندوستان میں یورپی نو آبادی قائم کرنے کا مشورہ دیا - اس کے علاوہ دیکھو ولیم ایڈم (William Adam) کی تصنیف " برطانوی ہند میں غلامی کا قانون اور رواج " مطبوعہ ، لندن سنہ ۱۸۴۰ء -

دی - لیکن ہندوستان میں اس قانون کی موزونیت کے متعلق شک و شبہہ کا اظہار کیا گیا - اور اسی لئے سنہ ۱۸۳۳ع کے ایکٹ کی ضرورت پڑی -

اہل ہند سے طلب مشورہ ' اور عدالتی و انتظامی امور میں اہل ہند کی شرکت

اخباروں اور انجمنوں میں رفاہ عام کے مسائل پر غور اور بحث کرنے اور ان مسائل کے متعلق حکومت کی طرف سے با اثر غیر سرکاری افراد سے مشورہ کرنے کا سلسلہ اس دور میں جاری ہوگیا تھا ' اگرچہ ہندوستانیوں کی عام رائے کے اثر کا باقاعدہ خیال غدر کے بعد شروع ہوا - ریگولیشن ۲ مصدرہ سنہ ۱۸۳۲ع کی رو سے دیوانی اور فوجداری کے مقدمات میں ہندوستانی جج مقرر ہوسکتے تھے لیکن عدالتوں میں ہندوستان کے لوگ کچھ بہت اچھے ثابت نہیں ہوئے - اہل ہند نے اس تجویز کا کوئی حوصلہ افزا جواب نہ دیا - کلکتہ ' بمبئی اور مدراس کے شہروں میں سنہ ۱۸۳۲ع کے بعد ہندوستانیوں کو امین صلح مقرر کیا جاسکتا تھا اور اس عہدے کی اہل ہند کی نظروں میں بہت وقعت تھی - سنہ ۱۸۳۶ع میں صدر امین ' امین اور منصف کے عہدوں کے لئے جائے پیدائش اور حسب و نسب کے متعلق تمام پابندیاں دور کردی گئیں ' اور اس طرح ہندوستانیوں کو عدالتی تربیت حاصل کرنے کے زیادہ مواقع ملنے لگے اور آئندہ نسلوں میں اُنھوں نے اس میدان میں بےحد صلاحیت اور قابلیت کا ثبوت دیا - چارٹر ایکٹ مصدرہ سنہ ۱۸۳۳ع کی دفع ۸۷ کی رو سے کمپنی کے ماتحت ہر ایک اسامی عہدہ اور ملازمت کے متعلق مذہب ' جائے پیدائش ' حسب و نسب ' اور رنگت کی تمام پابندیاں ہٹا دی گئیں - لیکن ہندوستان میں اعلی انتظامی اور فوجی عہدوں کے متعلق پارلیمنٹ کے اس قانون پر کئی نسلوں کے بعد عمل در آمد شروع ہوا ' اور آج تک ان عہدوں کے متعلق بہت سی شرائط اور پابندیاں موجود ہیں -

پارلیمنٹری کمیٹی کے روبرو راجہ رام موہن رائے کی شہادت

جب سنہ ۱۸۳۱ع میں انگلستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے چارٹر کی تجدید کا معاملہ زیر بحث تھا تو راجہ رام موہن رائے نے اس معاملے کے متعلق دارالعوام کی سیلیکٹ کمیٹی کے روبرو شہادت دی - اس طرح وہ پہلے ہندوستانی تھے جن سے اس بات میں مشورہ طلب کیا گیا کہ ہندوستان میں

برطانوی سلطنت کن اصول پر چلائی جائے - راجہ صاحب نے اپنی شہادت میں عام لوگوں کی زندگی کے تمام پہلوؤں پر بحث کی - انہوں نے اس امر کی شکایت کی کہ ہندوستان میں کوئی موزوں اور مناسب مجموعۂ قوانین موجود نہیں - اور مکالے [۱] نے اس سے تھوڑی ہی مدت بعد مجموعۂ قوانین کی تیاری کا انتظام شروع کردیا ، اور قوانین کی باقاعدہ ترتیب کی لیکن تعزیرات ہند اور ضابطۂ فوجداری پر عمل در آمد سنہ ۱۸۶۰ع سے شروع ہوا - اس کے علاوہ راجہ صاحب نے با قاعدہ تربیت یافتہ ججوں کی عدم موجودگی پر اظہار افسوس کیا اور اس امر کی جانب توجہ دلائی کہ ہندوستان میں حکام عدالت اور وکلاء کے مابین ، نیز راعی اور رعایا میں ، گہرے تعلقات موجود نہیں ہیں - چونکہ ججوں کی زبان انگریزی تھی اس لئے اُن کی رائے میں یہ عدالتی زبان ہونے کے لئے فارسی کی بہ نسبت زیادہ موزوں تھی - ان کے خیال میں عدالتی نظام کے عام طریق کار پر عوام کو اعتماد نہیں تھا - انہوں نے سرکاری قوانین کی زیادہ وسیع اشاعت کا مشورہ دیا - انہوں نے پنچائتوں کو جیوری کی دیسی صورت قرار دیکر ان کی حوصلہ افزائی کی رائے دی - محکمے کے کمشنروں کے اختیارات میں مالی ، انتظامی اور عدالتی امور کو یکجا کرنے کے طریق کو انہوں نے نا پسند کیا اور اس پر بھی زور دیا کہ کلکٹری اور حکومت کے دوسرے اعلیٰ عہدوں پر ہندوستانی مقرر کئے جائیں -

عوام الناس ، اور حکومت کے متعلق اُن کے خیالات

راجہ صاحب کے خیال میں زمینداری اور رعیت داری دونوں نظاموں کے ماتحت کاشتکاروں کی حالت اچھی نہیں تھی - کلکتہ میں کاریگروں (مثلاً لوہار اور بڑھئی) کو تقریباً دس سے بارہ روپیہ ماہوار تک مزدوری ملتی تھی ، ذرا کم درجہ کے کاریگر پانچ سے چھ روپئے ماہوار تک کماتے تھے ، اور بےھنر مزدوروں کی ماہوار آمدنی ساڑھے تین روپیہ سے چار روپیہ تک تھی - یہ حال کلکتہ کا تھا جہاں ضروریات زندگی کے اخراجات نسبتاً زیادہ تھے - چھوٹے قصبوں میں شرح اُجرت بہت کم تھی اور دیہات میں تو بہت ھی کم مزدوری ملتی تھی - جب یہ سوال کیا گیا کہ حکومت کے متعلق لوگوں کے خیالات کیا ھیں تو انہوں نے

[۱] — Macaulay

وہی جواب دیا جو اس وقت ممکن تھا ۔ یعنی ہمت والے لوگ علانیہ بیزاری کا اظہار کرتے تھے ۔ مالدار تاجر اور دوامی بندوبست سے فائدہ اٹھانے والے زمیندار حکومت کو خدا کی رحمت سمجھتے تھے کیونکہ ان کے تمام فائدے حکومت سے وابستہ تھے ۔ کاشتکار یعنی عام آبادی اس معاملے میں بالکل بےپروا تھی ۔ یہ حالت خاص بنگال کی تھی ۔ بالائی صوبجات میں (جن کے متعلق راجہ صاحب نے اظہار خیال نہیں کیا) متمول تاجر اور بڑے بڑے زمیندار موجود نہ تھے ۔ اس لئے وہاں کوئی طبقہ حکومت کی سرگرم حمایت کرنے والا نہیں تھا ۔ بمبئی اور مدراس کے احاطوں میں (ان کے متعلق بھی راجہ صاحب کچھ نہ کہہ سکتے تھے) ہمت والے بیکاروں کی تعداد بہت کم تھی اور اس وجہ سے وہاں حکومت کی سرگرم مخالفت بھی بہت کم تھی ۔ ان واقعات و حقائق سے مختلف علاقوں میں سنہ ۱۸۵۷ع کے غدر کی شدت یا کمزوری کے اسباب پر بخوبی روشنی پڑتی ہے ، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ عوام چونکہ بےپروا تھے اس لئے انہوں نے اس موقعے پر حکومت کے خلاف یا اُس کی موافقت میں بہت کم حصہ لیا ۔

عام صحت

اس دور میں لوگوں کی صحت کے متعلق کوئی خاص اندازہ نہیں ہو سکتا ۔ ہندوستان کی آب و ہوا کو اکثر بدنام کیا جاتا ہے ۔ لیکن جن خرابیوں کی وجہ آب و ہوا کو ایک بہت بڑی حد تک اُن کی ذمہ‌داری اقتصادی حالات اور طرز زندگی پر تھی ۔ سنہ ۱۸۲۰ع میں ہیملٹن کی رائے میں جزائر غرب‌الہند اور دوسرے گرم ملکوں کے مقابلے میں ہندوستان ''بہت صحت‌ور ملک'' تھا ۔ طاعون کا اُس وقت کوئی نام بھی نہیں جانتا تھا ۔ چونکہ عام لوگ اس وقت دیہات کی کھلی ہوا میں زندگی بسر کرتے تھے اس لئے ہم سمجھ سکتے ہیں کہ معمولی حالات میں ان کی صحت اچھی رہتی تھی ۔ اور بعد میں جب طرز زندگی میں سادگی نہیں باقی رہی تو بڑے بڑے شہروں اور دیہات کی آبادی بڑھنے لگی جہاں حفظان صحت کا معقول انتظام نہ تھا ، اور لوگوں کی دیہاتی روزمرہ کی زندگی کی عادات بدستور رہیں ، تو ان سب باتوں کا لوگوں کی عام صحت پر بہت برا اثر پڑا ۔ یہ غالباً درست ہے ؛ لیکن ہم اس بات کو نظرانداز نہیں کرسکتے کہ اُن ابتدائی ایام میں جب کبھی

کوئی وبا پھیلتی تھی تو اس کے مقابلے کے لئے کوئی باقاعدہ انتظام نہ تھا اس وجہ سے بیشمار لوگ مرجاتے تھے - قحط اور فاقہ ہمیشہ امراض کا پیش خیمہ ہوتے تھے اور لوگوں کی قوت زیست پر ان کا بہت برا اثر ہوتا تھا - سنہ ۱۷۹۹ع میں چیچک کی وبا سے بہت سے انسان اور حیوان مرگئے - سنہ ۱۸-۱۸۱۷ع میں فوجی کارروائی کے سلسلے میں بہت سی فوجیں جمع ہوجانے کے باعث بنگالی لشکر میں ہیضہ پھوٹ پڑا اور بڑی تیزی سے پھیلتا ہوا کلکتہ تک جا پہنچا - پھر وسط ہند کے راستے سے بمبئی تک پھیل گیا اور سنہ ۱۸۳۰ع میں ایران اور روس ہوتا ہوا یورپ جا پہنچا - لیکن ہندوستان میں ہیضے کا مرض متعدی نہ تھا اور مریض کو بخار بھی نہیں آتا تھا - پیچش ہندوستان میں عام تھی لیکن میعادی بخار کی شکایت شاذ و نادر کسی کو ہوتی تھی - تلی کے امراض بنگال ایسے علاقوں میں پائے جاتے تھے جہاں کی ہوا مرطوب تھی اور درجۂ حرارت تبدیل ہوا کرتا تھا - لیکن بالائی ہند میں جہاں زمین خشک ، ریتیلی اور آب و ہوا خشک تھی یہ امراض کسی کو نہ ہوتے تھے -

چوتھا حصہ

پرانے نظام کی آخری کشمکش

سنہ ۱۸۵۷—۸ م

آٹھواں باب

غدر کی تمدنی اہمیت

غدر کے متعلق تین مختلف بیانات

سنہ ۱۸۵۷ء کا غدر برطانوی ہند کی تاریخ کا ایک ہولناک اور اہم ترین واقعہ ہے - مختلف لوگوں نے اسے اپنے اپنے نقطۂ نظر کے مطابق تین مختلف ناموں سے موسوم کیا ہے - (۱) محض بنگالی فوج کی بغاوت - (۲) برطانوی تہذیب کی تیز رفتار لہر کے خلاف شمالی ہند کے باشندوں کی ہنگامہ آرائی - (۳) ہندوستان کی آزادی کے لئے ناکام جنگ - بعض برطانوی مصنفوں نے اسے محض اندھا دھند اور غیر معقول وحشیانہ حرکت، قرار دیا ہے - ان کے نزدیک غدر میں حصہ لینے والے تمام ہندوستانی سنگدل وحشی تھے ' اور برطانوی سول افسروں اور فوجیوں کا ایک ایک فعل شجاعت کا نمونہ تھا اور اس قابل ہے کہ اسے برطانوی خصوصیت کا نمونہ سمجھ کر اس کی یاد ہمیشہ تازہ رکھی جائے - ہمیں اس وقت واقعات کی داستان یا اس ہولناک حادثے کے سیاسی اور فوجی اسباب و نتائج سے غرض نہیں - ہماری کوشش یہ ہوگی کہ جو کچھ ہمیں معلوم ہے اس سے غدر کی تمدنی اہمیت کا اندازہ کریں اس میں نہ صرف واقعات بلکہ ان کے متعلق اُس زمانے میں اور اُس کے بعد لوگوں کے خیالات و احساسات کو بھی مد نظر رکھا جائے گا -

برطانوی بیانات - لیکن ان کے مقابلے میں مفتوحین کی طرف سے اغراض و مقاصد کی کوئی تشریح موجود نہیں

یہ کام آسان نہیں - اگرچہ غدر کے متعلق بہت کچھ لکھا جاچکا ہے ' لیکن اس کا دائرہ زیادہ‌تر برطانوی نقطۂ نظر سے ٹھوس واقعات جمع کرنے تک محدود رہا - دوسری طرف سے کوئی بیان موجود نہیں جس سے معلوم ہوسکے کہ

مفتوحین کے نقطۂ نظر سے اس تحریک کی تہ میں کیا اغراض و مقاصد پوشیدہ تھے - سر سید احمد خاں نے غدر کے اسباب و علل پر " رسالۂ اسباب بغاوت ہندوستان " کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ لکھا جو سنہ ۱۸۵۹ع میں طبع ہوا - غدر کے دوران میں سر سید نے بجنور میں برطانوی افسروں اور ان کے اہل خاندان کی امداد اور حفاظت جان کے سلسلے میں بہت کام کیا تھا - وہ حکومت کے ماتحت اعلی عدالتی عہدے پر ممتاز تھے اور وفادارانہ خدمات کے عوض حکومت نے ان کی قدرافزائی بھی کی تھی - اس رسالے کے لکھنے سے ان کی غرض یہ تھی کہ حکومت کو غدر کے اصل تمدنی اسباب سے آگاہ کیا جائے - لیکن اس کے باوجود سر سیسل بیڈن [۱] (معتمد خارجہ حکومت ہند) نے اس رسالے کو باغیانہ قرار دیا - اور ان نسخوں کے علاوہ جو حکومت ہند کو بھیجے گئے تھے اس کا ایک نسخہ بھی ہندوستان میں تقسیم نہ کیا گیا [۲] - صرف انگلستان میں چند نسخے مدبروں اور رہنماؤں کی واقفیت کے لئے بھیج دئے گئے - جب غدر پر ایک وفادار کے تبصرے کے متعلق جذبات و احساسات کی یہ حالت تھی ' تو باغیوں کے نقطۂ نظر سے کسی قابل قدر بیان کی اشاعت کا کیا امکان ہوسکتا ہے ؟ دہلوی شاعر مرزا اسداللہ خاں غالب جو غدر سے پہلے بہادر شاہ کے مقرب تھے اور خاندان تیموریہ کی تاریخ لکھنے پر مامور کئے گئے تھے غدر میں بالکل دل شکستہ ہوگئے ' اور ان کی مالی حالت اس قدر خراب ہوگئی کہ فاقوں کے عذاب سے بچنے کے لئے وہ برطانوی حکام کی شان میں مدحیہ قصائد لکھنے پر مجبور ہوئے - ان کے سوا غدر کے متعلق ان کے قلم سے اور کوئی قابل ذکر تحریر موجود نہیں -

برطانوی مورخوں کے قیاسی مسلمات

غدر کی تاریخ کے متعلق دو کتابیں مستند تسلیم کی جاتی ہیں - ایک تو " کے اور میلیسن " [۳] کی تاریخ جو چھ جلدوں پر مشتمل ہے اور

[۱]—Sir Cecil Beadon

[۲]—حیات جاوید مصنفہ الطاف حسین حالی ' صفحہ ۷۱ - یہ رسالہ کئی سال بعد سنہ ۱۹۰۳ع میں آگرہ میں دوبارہ طبع ہوا - سر آکلینڈ کولون اور جنرل جی - ایف - آئی - گراہم (Sir Auckland Colvin General G. F. I. Graham) (سر سید کے انگریز سوانح نگار) نے اس کا انگریزی ترجمہ سنہ ۱۸۷۳ع میں شائع کیا -

[۳]—Kaye and Malleson

دوسری مسٹر ٹی - رائس ہومز [۱] کی تاریخ جو ایک جلد میں ہے - آخرالذکر کتاب پانچ مرتبہ چھپ کر فروخت ہو چکی ہے اور حقیقت میں یہ کتاب اس کی ہر طرح مستحق ہے - دونوں کتابیں قابل تعریف ہیں اور معقول انداز میں لکھی گئی ہیں - لیکن ان کے مصنفین میں سے کسی کو اس مسئلے کے تمدنی پہلو سے دلچسپی نہیں - غدر کے متعلق سر جان کے [۲] کا خیال دیباچے کے مندرجہ ذیل الفاظ سے واضح ہو جاتا ہے :-
'' یہ آگ اہل انگلستان کی زبردست خود اعتمادی کے باعث بھڑکی تھی ' اور اسی زبردست خود اعتمادی کی بدولت انھوں نے خدا کے فضل سے اسے فرو کردیا [۳] '' - آگے چل کر وہ لارڈ ڈلہوزی کی حکومت کے سلسلے میں غدر کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ لارڈ ڈلہوزی کا نظام '' شاید محض اس وجہ سے ناکام رہا کہ لوگ تاریکی کو روشنی پر اور جہالت کو دانشمندی پر ترجیح دیتے تھے [۴] '' - اس میں انھوں نے دو باتیں مسلم فرض کرلی ہیں جن میں سے ہر ایک کی ہمت بہت بڑی حد تک مشکوک ہے - ایک مفروضہ تو یہ ہے کہ معاملہ بالکل سادہ تھا ' یعنی محض تاریکی و جہالت اور روشنی و دانشمندی کا جھگڑا تھا ' جس میں روشنی اور دانشمندی سراسر لارڈ ڈلہوزی اور ان کی قوم کی طرف تھی ' اور تاریکی و جہالت نہ صرف باغیوں بلکہ اس عام بےچینی کی جانب تھی جس کی ایک علامت بنگالی فوج کی بغاوت تھی - حالانکہ حقیقت میں یہ معاملہ اس قدر سادہ نہ تھا اور تاریکی و جہالت سرتا سر ایک ہی طرف نہ تھی - دوسرا مفروضہ یہ ہے کہ سنہ ۸-۱۸۵۷ع میں فتح پر فتح حاصل ہونے سے مخاصمت کے حقیقی اسباب دور ہوگئے - نیز یہ کہ طریقۂ عمل کی تمام خامیاں دور ہوچکی ہیں اور اب انگلستان یا ہندوستان کو ان جذبات و تعصبات کے متعلق جو ایام غدر میں رونما ہوئے تھے اپنے اپنے حالات پر نظر ڈالنے کی کوئی ضرورت نہیں -

نسلی تعصب و منافرت

بنگال کے لفٹننٹ گورنر نے ۱۹ اپریل سنہ ۱۸۵۸ع کو میڈیکل کالج

---

[۱]—T. Rice Holmes

[۲]—Sir John Kaye

[۳]—کے اور ملیسن کی تاریخ بغاوت ہند ' جلد ۱ ' صفحہ ۱۱ دیباچہ -

[۴]—کے اور ملیسن کی تاریخ بغاوت ہند جلد ۱ ' صفحہ ۲۶۳ -

کلکتہ میں اپنی تقریر کے موقع پر غدر کے افسوسناک اور وحشت خیز نتائج کے سلسلے میں "نسلی منافرت کے اُن زبردست، تلخ اور مشتعل جذبات" پر بھی اظہار افسوس کیا "جو بہت سے لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوگئے تھے"۔ یہی جذبات تھے جن کے باعث اُس دور کے انگریزی اخبارات لارڈکیننگ [۱] پر اُس وقت بھی "رقیق القلبی" کا الزام عاید کرکے حملے کرنے لگتے تھے جب وہ اہل ہند کو ان کی وفادارانہ خدمات کے معاوضے سے خوش کرنے کی کوشش کر رہے تھے [۲] - اور غالباً یہی جذبات آج کل بھی اُس تاریک دور کے غیظ و غضب اور تعصبات سے بھری ہوئی ذاتی داستانیں فراموش شدہ قلمی مسودات میں سے کرید کرید کر شائع کر رہے ہیں [۳] - مسٹر ایڈورڈ تامپسن [۴] بطور ایک انگریز کے سر جارج فارسٹ [۵] کی تاریخ بغاوت ہند ایسی کتابوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرچکے ہیں جن میں صرف ایک طرف کے مظالم کا ذکر کیا جاتا ہے اور دوسری جانب کی پردہ‌داری کی جاتی ہے - بہتر یہ ہوگا کہ سوائے منصفانہ تاریخی کتب کے جن میں تصویر کے دونوں رخ دکھائے گئے ہوں مظالم کی داستانوں سے احتراز کیا جائے - اگر واقعات کا ٹھنڈے دل سے مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ ایام غدر میں شدت پسند باغیوں کو چھوڑ کر اہل ہند کی طرف سے بہت ہی کم نسلی منافرت کا اظہار ہوا تھا - فتح دہلی کے بعد بہادر شاہ کی حکومت کے جو کاغذات پکڑے گئے ان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے افسران ضلع کا ذکر کرتے وقت "کرانی" (کلرک) کا نہایت نرم لفظ استعمال کیا گیا - کاش ہم آج کل کے ہندوستانیوں کے متعلق بھی یہی دعویٰ کرسکتے - آج کل ہمارے اخبارات نہ صرف نسلی

---

[۱]—Lord Canning

[۲]—انڈین پنچ میرٹھ (ایک انگریزی اخبار) نے سنہ ۱۸۵۹ء میں طنزاً لکھا کہ وہ بت پرستوں کو تحائف دینے میں اس قدر مصروف ہیں کہ عیسائیوں کو معاوضہ دینے کے لئے انہیں وقت ہی نہیں ملتا -

[۳]—مثال کے طور پر دیکھو مسز ٹٹلر کا (Mrs. Tytler Chambers's Journal) "دور بغاوت سپاہیان" جو چیمبرس جنرل لندن کی جنوری سنہ ۱۹۳۱ء اور بعد کی اشاعتوں میں چھپا ہے - اس سے ہماری تاریخی معلومات میں ذرا بھی اضافہ نہ ہوتا بلکہ نسلی تعصب و منافرت کے علاوہ بعض وضاحت سامنے آتے ہیں جو قطعاً بے بنیاد ثابت ہوچکے ہیں -

[۴]—دیکھو ان کی تصنیف "تصویر کا دوسرا روخ" مطبوعہ لندن، سنہ ۱۹۲۵ء -

[۵]—Sir George Forrest

بلکہ تمدنی اور مذهبی امور کے متعلق بھی بدگوئی اور منافرت کے جذبات سے لبریز هوتے هیں اور پھر یہ بدگوئی اور منافرت صرف غیر ملکیوں کے لئے مخصوص نہیں بلکہ اهل هند کے مختلف فرقے ایک دوسرے کے خلاف بھی خوب زور طبع صرف کرتے هیں - اگر هم انگلستان اور هندوستان ' مشرق و مغرب یا خود اپنے اهل وطن کے مختلف فرقوں میں تمدنی اتحاد کے خواهش‌مند هوں تو همیں لازمی طور پر منافرت و تعصب یا شک و شبہ کو چھوڑ کر فراخ دلی کے ساتھ عوض و معاوضہ اور دوستانہ رواداری اختیار کرنی چاهئے -

تمدنی کشمکش کا مفہوم

غدر کی تمدنی اهمیت ایک تمدنی کشمکش میں پنہاں تھی - لیکن اس کشمکش کا مفہوم یہ نہ سمجھنا چاهئے کہ ایک قوم کے تمام افراد بلحاظ تمدن دوسری قوم کے تمام افراد سے یا مختلف قوموں کے قائم کردہ مختلف تمدنوں کے خلاف لڑ رهے تھے - اگر ایسا هوتا تو یہ صورت حال بہت مایوس کن اور خطرناک هوتی - اس صورت میں واقعات سے کوئی سبق حاصل نہ هوتا اور عہد ماضی کی تاریخ مستقبل کے متعلق ذرا بھی رهنمائی نہ کرسکتی - ایک تمدن دوسرے سے مطابقت پیدا نہ کرسکتا اور انسانی ترقی همیشہ کے لئے مسدود هو جاتی - بخلاف اس کے تمدنی کشمکش کا یہ مطلب سمجھنا چاهئے کہ اهل برطانیہ کی ذهنیت اور اهل هند سے اُن کے برتاؤ نے هندوستانیوں کے دل میں اهل برطانیہ کے متعلق ایک قسم کی بیزاری پیدا کردی یا (اگر ذرا مختلف نظر سے دیکھا جائے) ان کے مقاصد کے متعلق اهل هند کے دل میں ایک طرح کا شک و شبہ پیدا هوگیا - وہ ایسا محسوس کرنے لگے کہ جن مقاصد کا اعلان کیا جاتا هے وہ حقیقی مقاصد نہیں ' نیز حقیقی مقاصد ناشائستہ هیں جن کا اعلان نہیں کیا جاسکتا - یہ آخری اختلاف و کشمکش قدرتی طور پر ذاتی صورت بن جاتی هے ' لیکن یہ بھی اطوار ' طرز عمل ' تحریر و تقریر ' ادارات ' قوانین و تمدن کے عام باتوں سے پیدا هوتی هے - تمدنی کشمکش کی دونوں اقسام میں یہ امتیاز بہت اهم هے - انگریزوں اور هندوستانیوں کے تعلقات کے سلسلے میں اس کا مفہوم ایک تمدن سے دوسرے تمدن کا تصادم نہیں تھا بلکہ اس سے یہ مراد هے کہ ایک تمدن کے افراد کا مختلف تمدن کے افراد سے مقابلہ تھا ' جس میں آخرالذکر اس وجہ سے متحد هوگئے

تھے کہ وہ سب کے سب اول الذکر کو اپنی ذلت کا مشترکہ باعث سمجھتے تھے ۔ اگر ہم اس امتیاز کو مدنظر رکھیں تو یہ بات بھی سمجھ میں آجائیگی کہ برطانوی عہد سے پہلے ہندوؤں اور مسلمانوں میں تمدنی جنگ کیوں نہ تھی اگرچہ سیاسی اور فوجی کشمکش موجود تھی ۔ نیز یہ بھی معلوم ہوجائیگا کہ آج کل ان جھگڑوں کا اس قدر زور کیوں ہے ۔ اسی سے اس امر کی بھی تشریح ہو جاتی ہے کہ دوران غدر میں دہلی اور ملک کے دوسرے حصوں میں یہ کشمکش کس وجہ سے باقی نہیں رہ گئی تھی ۔ ایام غدر میں دہلی میں گاؤ کشی بالکل بند رہی ۔ بہادر شاہی حکومت کے دوران میں بادشاہ کا خاص معتمد اور سکریٹری مکند لال نامی ایک ہندو تھا ۔ بہت سے ولائتی (افغان) اُجرت لے کر ہندو باغیوں کی طرف سے لڑے ۔ اُس کے علاوہ باغی سپاہی اگرچہ برطانوی اقتدار کے خلاف لڑ رہے تھے لیکن فوجی اور عدالتی ضابطے میں برطانوی طریقے استعمال کرتے تھے ۔

بغاوت اُسی وقت ہوتی ہے جب طرز حکومت لوگوں کی زندگی کے مختلف ہو

سر سید احمد خاں نے "اسباب بغاوت ہند" میں بالکل درست لکھا ہے کہ "سرکشی کا ارادہ جو دل میں پیدا ہوتا ہے اس کا سبب ایک ہی ہوتا ہے، یعنی ان باتوں کا پیش آنا جو اُن لوگوں کی طبیعت اور طینت اور ارادہ اور عزم اور رسم و رواج اور خصلت اور جبلت کے مخالف ہوں جنھوں نے سرکشی کی" ۔ غدر کا مطالعہ اسی صورت میں مفید ہوسکتا ہے کہ تمام جزئیات کے متعلق اصول مذکورہ کے مطابق غور کیا جائے ۔ عوام کے جذبات میں ابھی تک کمپنی کی حکومت کے کسی فعل سے اشتعال پیدا نہیں ہوا تھا ۔ صرف یہی نہیں کہ عوام کمپنی کے مخالف نہیں تھے بلکہ اکثر موقعوں پر حکومت کو ان سے زبردست امداد ملی تھی ۔ ہندوستانی فوجیں مشتعل ہو رہی تھیں اور جن صاحب اقتدار جماعتوں کا اقتدار چھن گیا تھا ان کی بھی یہی حالت تھی ۔ مزید برآں یہ صورت حال صرف ملحقہ علاقوں میں نہیں بلکہ ملک کے اس حصے میں بھی موجود تھی جس کا نظم و نسق براہ راست اہل برطانیہ کے ہاتھ میں تھا ۔ اس لئے یہ لوگ فوراً باغیوں کے ساتھ مل گئے ۔ سر سید نے صاف الفاظ میں لکھا ہے

کہ یہ " قوم کی سازش غیر قوم کی حکومت کے اتھا دیکنے کے لئے نہیں تھی " ۔
اسی طرح اس تحریک کی پشت پر روس یا ایران کا بھی کوئی ہاتھ نہ تھا ۔
اگرچہ باغیوں کے اعلانات اور بازاری افواہوں میں ایرانی حملے کا اکثر ذکر
آیا کرتا تھا ۔ روسی جاسوسوں کی موجودگی کا خطرہ بھی برطانوی افسروں کے
دماغ میں تھا ۔

شاہان اودھ کا اپنی رعیت پر تمدنی اثر و اقتدار

بنگالی فوج کی تحریک بغاوت کی ہمدردی میں باغیانہ تحریک کو
جو وسعت اودھ میں حاصل ہوئی اس کی ایک وجہ یقینی طور پر الحاق
اودھ تھی ۔ اودھ میں واقعی عام بغاوت پیدا ہوگئی تھی ۔ سر سید نے اس کے
مقامی اسباب اور نوعیت پر بحث نہیں کی اور ملک کے اس حصے کے
متعلق انہیں اس قدر واقفیت حاصل نہ تھی کہ وہ بغاوت اودھ پر بحث
کرسکتے ۔ اودھ نے مغلیہ سلطنت کے صوبے کے بجائے ایک علیحدہ سلطنت کی
حیثیت اختیار کر لی تھی ۔ لارڈ ہیسٹنگز کی طرف سے نواب وزیر کو
شہ ملتی رہی جس کا مقصد یہ تھا کہ نواب اور اس کے برائے نام آقا
(یعنی دہلی کے شاہنشاہ) میں ان بن ہوجائے ۔ دہلی اور لکھنؤ کے تعلقات
خوش‌گوار نہ تھے اس لئے سلطنت اودھ کے خاتمے سے دہلی میں اشتعال
پیدا نہیں ہو سکا تھا ۔ لیکن آئینی نقطۂ نظر سے سلطنت اودھ کے خاتمے پر
شاہنشاہ دہلی کے حقوق کے متعلق سوال پیدا ہوا کہ کمپنی کو کسی عہدنامہ
کی رو سے بنگال ، بہار اور اڑیسہ کے طرح اودھ میں انتظامی اختیارات حاصل
نہ تھے ۔ الحاق اودھ سر تا پا ایک جابرانہ فعل تھا ۔ غدر کی مستند برطانوی
تاریخ [۱] کے الفاظ میں یہ الحاق بالکل " اچانک اور سخت بد عہدی سے "
عمل میں آیا ۔ یہ درست ہے کہ کمپنی کی طرف سے اس الحاق کے درست
ثابت کرنے میں بد نظمی کا بہانہ پیش کیا گیا تھا لیکن شاہ اودھ کے پاس
بد نظمی کا جواب موجود تھا ۔ بہرحال رائے عامہ کے نزدیک کمپنی کا الزام
ایک فضول بہانہ تھا ۔ شاہان اودھ حکومت کے ساتھ باہمی تعلقات میں
اپنے عہد و پیمان پر قائم تھے ۔ ان پر کمپنی کے خلاف سازش کرنے یا کمپنی
کے خلاف اور بےجا کارروائی کا کوئی الزام نہ تھا ۔ اودھ کے باشندے کثیر تعداد

[۱]—تاریخ بغاوت ہند مصنفہ کے رمیلیسن ، جلد ۴ ، صفحہ ۳۷۹ ۔

میں کمپنی کی بنگالی فوج میں ملازم تھے ' اور ان کی بے چینی بڑی تیزی سے اودھ کی عام آبادی میں بھی پھیل گئی - شاہان اودھ کو تمدنی اعتبار سے اپنی رعیت پر بہت اثر و اقتدار حاصل تھا - ہندو اور مسلمان دونوں مذاہب کے تعلقدار اودھ کے شاہی خاندان کے لئے لڑتے رہے - ایک تعلقدار بینی مادھو جب اپنے قلعے کی حفاظت کے قابل نہ رہا تو اس نے قلعہ تو دشمنوں کے حوالے کردیا لیکن اپنے آپ کو حوالے کرنے سے یہ کہہ کر انکار کردیا کہ میرا جسم '' میرے بادشاہ کا مال ہے [۱] '' -

غدر کی وجہ نہ تو بہادر شاہ کی سیاسی اقتدار کی حرص تھی
اور نہ ان کا مذہبی تعصب

اکثر کہا جاتا ہے کہ بہادر شاہ اور ان کے بیٹوں کو سلطنت کی جو حرص تھی اسی کے باعث کمپنی کی فوجوں کو ورغلا کر بغاوت پیدا کی گئی تھی - خود بہادر شاہ کا رجحان سیاسیات کے مقابلے میں فنون لطیفہ کی طرف زیادہ تھا - وہ شاعر تھے اور ظفر تخلص کرتے تھے - وہ خوش نویس تھے اور مسجدوں کے لئے قرآن شریف نقل کیا کرتے تھے - انہیں موسیقی سے کافی دلچسپی تھی اور انہوں نے اچھی اچھی ٹھمریاں کہیں جو اب تک رائج ہیں - اس بات کا کوئی ثبوت نہیں کہ غدر میں بغاوت کی کسی متعددہ تجویز پر عمل کیا گیا ' اور میرے خیال میں اس زمانے کے مستند کاغذات سے مذکورۂ بالا مفروضے کی زبردست تردید ہوجاتی ہے - ان کاغذات میں بہادر شاہ کا وہ بیان بھی شامل ہے جس میں انہوں نے اپنی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا تھا کہ باغیوں کی قائم کردہ نئی حکومت میں خود ان کی حیثیت سرگرم کار کن کی نہیں بلکہ خاموش آلۂ کار کی تھی - اگرچہ مذہب کو نعرۂ جنگ بنا لیا گیا تھا لیکن مذہبی مقاصد کو اس میں بہت کم دخل تھا - سر سید نے باغیوں کے شائع کردہ فتوائے جہاد کو جعلی قرار دیا ہے - وہ لکھتے ہیں '' دلی میں جہاد کا فتوی جو باغیوں نے چھاپا در اصل جھوٹا ہے - در اصل فتوی یہ تھا کہ جہاد نہیں ہو سکتا - دلی میں مولویوں کا بڑا گروہ معزول بادشاہ کو بدعتی سمجھتا تھا '' -

[۱] — تاریخ بغاوت ہند مصنفہ کے وملیسن ' جلد ۵ ' صفحہ ۲۰۳ -

اہل ہند کے کس طبقے نے بغاوت کی اور کیوں

چربی والے کارتوس سپاہیوں کے حقوق کی قطع و برید ' جنگ کریمیا و جنگ ایران ' دیسی حکمرانوں کو متبنیٰ کرنے کی ممانعت ' قدیم رسم و رواج اور رجحانات کے متضاد قوانین بنانا یہ سب واقعات غدر کے اسباب نہیں بلکہ بغاوت پھیلنے کے مواقع تھے - اصل وجہ یہ تھی کہ ہندوستان ہو یا انگلستان ایک کو دوسرے پر اعتماد نہ تھا - یہ بےاعتمادی اور بےاطمینانی اُنیسویں صدی کے نصف اول میں روز افزوں ترقی کر رہی تھی ' اور اس نے سنہ ۱۸۵۷ع میں شدید ترین صورت اختیار کرلی تھی - یہاں " ہندوستان " سے ہماری مراد لازمی طور پر اہل ہند کا وہ حصہ ہے جس نے ہنگامے میں حصہ لیا اور جو ہندوستان کی آبادی کا قلیل حصہ تھا - اسی طرح " انگلستان " سے وہ برطانوی طبقہ مراد ہے جو ہر بات میں کمپنی کی حکومت کا حامی تھا اور ہندوستان کی کل برطانوی اور نیم برطانوی آبادی پر مشتمل تھا - اس کے علاوہ اس طبقے میں ہندوستانی عیسائی بھی شامل تھے جن کی جڑ اپنے اہل وطن کی وجہ سے اکھڑ گئی تھی - ہندوستان کی عام آبادی غدر سے بے تعلق رہی - اہل ہند کے اُس طبقے نے جس کے سپرد اہل انگلستان کی ذاتی خدمت تھی (مثلاً خانگی ملازموں نے) اپنے فرائض حیرت انگیز وفاداری سے انجام دئے ' اور اس سلسلے میں جان تک کی پروا نہ کی - اودھ کے سوا کسی جگہ بھی کوئی ایسا احساس قومیت نہ تھا جو اہل ہند کو حکومت کے خلاف یا موافق متحد کردیتا - انگریزوں کی امداد کے لئے اہل ہند کے انفرادی کارنامے یا تو خالص انسانی ہمدردی کی وجہ سے تھے یا پھر ان کی تہ میں ذاتی تعلقات چھپے تھے -

افسروں اور سپاہیوں میں اتحاد و اعتماد کا نہ ہونا

دیکھنا یہ ہے کہ اہل ہند کے جس حصے نے بغاوت کی اس کے دل میں کونسے جذبات غالب تھے - بنگالی فوج کو اس میں سب سے زیادہ دخل تھا - بنگالی فوج کی ناقص تنظیم یا تقسیم بھی اہم واقعات تھے ' لیکن سب سے بڑا نقص برطانوی افسروں اور ان کے ہندوستانی سپاہیوں میں اتحاد و اعتماد کا نہ ہونا تھا - دیسی افواج کے ابتدائی ایام میں ذاتی تعلقات اور اعتماد کا رشتہ بہت مضبوط تھا - کلائو کے کارناموں میں اس کے برطانوی

ماتحتوں کی نسبت ہندوستانی سپاہیوں کی فداکاری زیادہ تھی - لیکن اس کے بعد حالات بالکل مختلف ہوگئے - فتوحات کی وسعت کے ساتھہ ساتھہ نسلی غرور بھی بڑھتا گیا اور جب یہ غرور انتظامی اصولوں کے نفاذ کی صورت میں ظاہر ہوا تو یہ ناممکن تھا کہ ایک حساس قوم باوجود انتہائی کوشش کے بھی اس سے متاثر نہ ہو - اس قسم کی شکایات مذہبی یا نسلی یا مادی حقوق کی صورت اختیار کرلیا کرتی ہیں اور اس وقت بھی یہی ہوا - کوئی فوج جو مصنوعی یا نسلی امتیازات کی بنا پر مختلف حصوں میں منقسم ہو ایک مطمئن ' مستعد اور قابل اعتماد جماعت نہیں ہوسکتی - ایک مستحکم فوج کے قیام کے لئے افسروں اور سپاہیوں میں خوشگوار تعلقات ایسے ہی ضروری ہیں جیسے کسی ترقی یافتہ سیاسی جماعت کے لئے اعلیٰ طبقہ اور عوام میں خوشگوار تعلقات کا ہونا لازمی ہے -

سول حکومت میں امتیازات

فوج میں تفریق و امتیازات کی جو خرابی موجود تھی وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی سول حکومت میں بھی پائی جاتی تھی - اگرچہ سول حکومت کی یہ خرابی آهستہ آهستہ دور ہو رہی ہے لیکن ابھی اس کا پورے طور پر ازالہ نہیں ہوا - تازہ ترین روش یہ ہے کہ سول اور فوجی ہر دو معاملات میں اصلاح کی رفتار زیادہ تیز کردی جائے ' لیکن فوج کے معاملے میں یہ رفتار سول حکومت کی نسبت بہت سست ہے -

" وجہ معاش " بحیثیت اصول حکومت

چینی مصلح سن - یات - سین [۱] نے اپنی کتاب موسومہ " رعایا کے تین اصول " میں وجہ معاش کو کسی زندہ اور مستعد قوم کی تنظیم کا ایک اہم اصول قرار دیا ہے - اس میں کوئی شک نہیں کہ عوام حکومت کی کامیابی کا اندازہ اسی امر سے کیا کرتے ہیں کہ حکومت نے ان کے ذرائع معاش میں کس قدر اضافہ کیا اور اسی نسبت سے وہ حکومت سے وابستگی اور وفاداری کا اظہار کیا کرتے ہیں - انیسویں صدی کے وسط کے قریب ہندوستانی آبادی کے کام کرنیوالوں میں بیکاری اور مفلسی بہت پھیل رہی تھی - ہر نئے الحاق سے اعلیٰ معزز اور ذمہدار عہدوں پر ہندوستانیوں کے تقرر کا دائرہ زیادہ محدود

Sun-Yat-Sen—[1]

ھوجاتا تھا - کرنل سلیمین [۱] نے سنہ ۱۸۵۲ع میں اودھ کے متعلق یہ مشورہ دیتے وقت کم از کم دنیاداری کے اعتبار سے دانشمندی کا ثبوت ضرور دیا تھا کہ '' حکومت لے لو، مگر مالیہ ھضم نہ کرو '' - اس مشورے کے دوسرے حصے سے معلوم ھوتا ھے کہ لوگوں کی وجہ معاش میں تخفیف کرنے کے خطرے کا اُن کو احساس تھا، خصوصاً ایسے وقت میں جب کمپنی اپنے ذرائع اور مال میں برابر اضافہ کر رھی تھی، اور ساتھ ھی لوگوں کو مفاد عام کے اعلیٰ اصول سکھا رھی تھی - اسی صدی میں کچھ پہلے برطانوی ھند میں معافی کی جاگیروں کی ضبطی سے بھی اسی قسم کے ناگوار تعلقات اور تلخ جذبات پیدا ھوگئے تھے -

اعلیٰ قابلیت کے ھندوستانیوں کے لئے تربیت کا کوئی موقع نہ تھا

نہ صرف وجہ معاش بلکہ سول اور فوجی زندگی میں اعلیٰ تربیت کے مواقع بھی اہل ھند سے چھین کر اہل برطانیہ کو مل رھے تھے - یہ کوئی چھپی ھوئی بات نہ تھی - ھندوستان ایک تربیت گاہ بن گیا تھا جس میں برطانیوں کو برطانیہ کی خدمت یا برطانیہ کے مقبوضہ ملک کی حیثیت سے ھندوستان کی خدمت کے لئے تعلیم دی جاتی تھی - سنہ ۱۸۲۷ع میں سرجان میلکم [۲] بمبئی کے گورنر مقرر ھوئے تو انھیں لندن میں الوداعی دعوت دی گئی جس میں برطانیہ کے وزیر خارجہ جارج کیننگ [۳] نے فخریہ لہجے میں کہا کہ دنیا میں کوئی سلطنت ایسی نہیں جس نے '' سول اور فوجی زندگی میں اعلیٰ قابلیت کے اتنے آدمی پیدا کئے ھوں جتنے ھندوستان نے - پہلے اپنے لئے تعلیم دی اور پھر انھیں اُن کے وطن کے حوالے کر دیا '' [۴] - (یعنی برطانیہ کے) -

نسلی منافرت

کسی خود دار اور حساس قوم پر مالی مفاد کی نسبت اس کے جذبات

---

[۱]—Colonel Sleeman

[۲]—Sir John Malcolm

[۳]—George Canning

[۴]—تاریخ بغاوت ھند مصنفہ کے رمیلیسن - جلد ۱، صفحہ ۲۷۶ - نوٹ -

و احساسات زیادہ شدت سے اثر انداز ہوتے ہیں - کرنل سلیمین بحیثیت ریذیڈنٹ لکھنؤ شاہ اودہ اور ان کے امرا کے ساتھ اخلاق سے پیش نہ آتے تھے - الحاق اودہ کے بعد کمپنی نے اس علاقے کو کوورلی جیکسن [۱] کے رحم پر چھوڑ دیا - بہت جلد تعلقدارن ' اور معزول بادشاہ کے وابستگان اس غیر شریفانہ برتاؤ کا ملک بھر میں چرچا کرنے لگے - اس میں تدبر و دور اندیشی کا مادہ نہ تھا - دیگر حکام جو اس سے زیادہ مشہور اور عالی رتبہ تھے سرکاری طور پر اپنے خیالات کا اظہار شریفانہ اور شائستہ الفاظ میں کیا کرتے تھے ' لیکن اُن کی ذاتی خط و کتابت سے صاف ظاہر ہے کہ جس ملک سے ان کو تربیت اور تنخواہ ملتی تھی اس کے باشندوں سے انہیں کسی قدر نفرت تھی - لارڈ ڈلہوزی ۱۸ اگست سنہ ۱۸۵۳ع کو ایک نجی خط میں لکھتے ہیں : '' شاہ اودہ کچھ متکبر سا ہو چلا ہے - میری عین خواہش ہے کہ وہ کبر و غرور کا اظہار کرے - ہندوستان چھوڑنے سے پہلے اس کا قصہ پاک کرنے میں مجھے بہت خوشی ہوگی - دہلی کا بڈھا بادشاہ دم توڑ رہا ہے - اگر کورٹ (ایسٹ انڈیا کمپنی کی کورٹ آف ڈائرکٹرز) احمقانہ کمزوری کا اظہار نہ کرتی تو میں خاندان تیموریہ کا اس کے ساتھ ہی خاتمہ کردیتا [۲] '' - بشپ ہیبر نے ۷ ستمبر سنہ ۱۸۲۴ع کو اُن الفاظ میں غدر کے متعلق ایک قسم کی پیشینگوئی کردی تھی کہ '' حقیقت میں اہل ہند ہمیں پسند نہیں کرتے اور.........اگر کوئی مناسب موقع مل جائے تو خصوصاً مسلمان اس سے فوراً فائدہ اٹھا کر ہمارے خلاف اٹھ کھڑے ہونگے........ (ان جذبات میں) دہلی کے بوڑھے شاہنشاہ کے متعلق لارڈ ہیسٹنگز کے طرز عمل سے اور بھی ترقی ہوگئی ہے - کچھ عرصے سے مختلف گورنر جنرل اسی طرز عمل پر کار بند رہے ہیں لیکن یہ اُس ظاہری ادب اور اطاعت کے برعکس ہے جس کا لارڈ کلائو کے زمانے سے کمپنی کے افسروں کی طرف سے اظہار ہوتا رہا ہے '' -

شاہنشاہ کے وقار میں تنزل : لوگوں میں بے چینی اور خوف و ہراس

ہندوستان میں سیاسی اور معاشرتی معاملات بہت جلد خلط ملط

[۱]—Coverley Jackson

[۲]—نجی خطوط مرتبہ جے - جی - اے - بیرڈ (J. G. A. Baird) ، صفحہ ۲۶۲ -

هو جاتے هیں - اگرچه میں سیاسی تاریخ پر سیاسی نقطۂ نظر سے تبصرہ نہیں کرنا چاهتا لیکن هندوستان میں انیسویں صدی کے وسط میں جو بے چینی اور خوف و هراس پھیل رها تھا اس کی تشریح کے لئے شاهنشاہ دهلی کے وقار میں تنزل کے مختلف مراحل کا ذکر ضروری هے - اس وقت اهل هند کے دل میں غم و غصے کی لہر موجزن تھی ۔ ان کا خیال تھا کہ جوں جوں کمپنی کی طاقت بڑھتی جاتی تھی وہ اپنے ابتدائی عہد و پیمان سے منحرف هو رهی تھی - وہ سمجھتے تھے کہ کمپنی طرفین کی منظور کردہ صورت حال میں دخل اندازی کر رهی هے نیز یہ عہد و پیمان کا اُسی وقت تک احترام کرتی هے جب تک اس کے اغراض کے موافق هوں -

لوازم حکومت بغیر کسی ایسی وجہ کے چھینے گئے
جسے لوگ معقول سمجھتے

مغلیہ شاهنشاہ کو ایسٹ انڈیا کمپنی نے تخت و تاج سے باقاعدہ طور پر هرگز علیحدہ نہیں کیا تھا اور کمپنی کے متعلق شاهنشاہ کے رویے میں کوئی ایسی بات نہ تھی جس کی بنا پر سنہ ۱۸۵۳ع میں اُن کے ساتھ سنہ ۱۸۰۳ع سے مختلف برتاؤ جائز قرار دے سکتے - جب لارڈ لیک نے سنہ ۱۸۰۳ع میں دهلی فتح کی اور شاهنشاہ بھی اس کے هاتھ آگیا تو شاہ عالم کے ساتھ نہایت مودبانہ برتاؤ کیا گیا - کمپنی نے سندھیا کی جگہ لےلی جو (کم از کم برائے نام اور آئینی طور پر) شہنشاہ کے نام سے دهلی پر قابض تھا اور شاهنشاہ سے سلطنت کے اعلیٰ ترین خطابات حاصل کرچکا تھا - اب شاهنشاہ نے جنرل لیک [۱] کو جو کمپنی کا نمائندہ تھا اس سے دوسرے درجے کے خطابات عطا فرمائے یعنی صمصام‌الدولہ ، اژدرالملک ، خان دوراں خاں ، فتح جنگ - لارڈ لیک کو ان خطابات پر فخر تھا کیونکہ ان کے نزدیک یہ خطاب '' ایک جائز فرمانروا نے عطا کئے تھے جو حسب و نسب کے اعتبار سے دنیا کے کسی بادشاہ سے کم نہ تھا [۲] '' - یہ درست هے کہ شاهنشاہ کو پنشن ملتی تھی لیکن وہ کمپنی کی عدالتوں کے ماتحت نہ تھے - اور دهلی کے

[۱]—General Lake

[۲]—وائسکاؤنٹ لیک کی سوانح عمری از کرنل هیو پیرس : Colonel Hugh Pearse ، Life of Viscount Lake صفحہ ۲۰۳ -

قلعے میں کسی قدر شاہانہ ٹھاٹھ سے رہتے تھے - کمپنی نے انھیں انگریزی میں شاہنشاہ لکھنا چھوڑ دیا اور اس کی بجائے شاہ دہلی لکھنے لگی ' لیکن ایسے رتبے میں یہ کمی نہ تو شاہ عالم نے تسلیم کی اور نہ ان کے دونوں جانشینوں اکبر شاہ سنہ (۳۷–۱۸۰۹) اور بہادر شاہ ثانی سنہ ۵۷–۱۸۳۷ع نے - اور فارسی میں بدستور بادشاہ کہلاتے رہے جیسا ہندوستان کے مغل شہنشاہوں کو ان کے عروج کے زمانے میں کہا جاتا تھا - وہ سنہ ۱۸۲۸ع تک خطابات بھی عطا کرتے رہے لیکن اسکے بعد کمپنی نے ان خطابات کے سوا جو بادشاہ کے نزدیک ترین وابستگان کو دئے جاتے تھے باقی تمام خطابات کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا - کمپنی سنہ ۱۸۳۵ع تک مغل شاہنشاہ کے نام سے سکے جاری کرتی رہی مگر اس سال ہندوستان میں پہلے پہل ولیم چہارم [۱] کے نام سے سکے جاری ہوئے - اسی سال کمپنی نے ملک کے با اقتدار لوگوں کو کمپنی کی اجازت کے بغیر دربار دہلی میں بار دینے کی ممانعت کردی - شہنشاہ کو نذر دینے کا سلسلہ بدستور جاری رہا - لارڈ ہیسٹنگز کے زمانے تک جسے بشپ ہیبر نے غیر شریفانہ برتاؤ کا ملزم قرار دیا ہے گورنر جنرل بھی نذر دیا کرتے تھے - کمپنی کے دیگر حکام اس کے بعد بھی سنہ ۱۸۴۳ع تک نذر دیتے رہے - اور اس سال لارڈ النبرا [۲] نے نذر دینے کا رواج موقوف کردیا - سنہ ۱۸۵۳ع میں گورنر جنرل نے خود بہادرشاہ کے بھیجے ہوئے مستقل وکیل کو تسلیم کرنے سے انکار کردیا اور اس طرح بادشاہ کی حیثیت عام لوگوں کے برابر ہوگئی - قریب قریب اسی زمانے میں بہادر شاہ یا ان کے جانشینوں کو دہلی کے قلعے سے بھی نکال دینے نیز بہادر شاہ کے انتقال کے بعد پنشن میں تخفیف کرنے یا اسے بالکل بند کردینے کی تجویز انگلستان بھیجی گئی -

لوگوں کے دل میں غم و غصے کی لہر اور بے انصافی کی شکایت

اس میں کوئی شک نہیں ہوسکتا کہ دہلی کے شاہی خاندان کو یہ تمام باتیں سخت ناگوار گزری ہونگی - اسی طرح بیٹھور میں پیشوایان پونا کے جانشینوں کو پنشن بند ہونے سے رنج پہنچا تھا - ان واقعات پر صرف متعلقہ شاہی خاندانوں ہی نے غم و غصہ کا اظہار نہیں کیا بلکہ عام طور پر رعایا نے

[۱]—William IV
[۲]—Lord Ellenborough

بھی انھیں سخت غیر منصفانہ قرار دیا - ان کے نزدیک یہ کمپنی کی طرف سے گزشتہ عہد و پیمان کی ذمہ داریوں سے انحراف تھا اور اس بات کا ثبوت بھی تھا کہ اب قدرت حاصل ہو جانے پر کمپنی جابرانہ طاقت سے کام لینا چاہتی تھی - کمپنی کے متعلق اگر ہم اس حقیقت کو نہ ظاہر کردیں تو یقیناً ظلم ہوگا کہ خود اس کی کورٹ آف ڈائرکٹرز نے بھی مغل شہنشاہ کو دھلی سے نکالنے کی تجویز کو '' غیر منصفانہ ' بلاوجہ ہتک آمیز اور برطانیہ کی شہرت کے لئے نقصان دہ [۱] '' قرار دیا تھا - ہمیں یہاں ان واقعات کی سیاسی مصلحت یا ضرورت سے بحث نہیں - دیکھنا یہ ہے کہ ان کے متعلق عام اہل ہند کا کیا خیال تھا - یہ درست ہے کہ اکثر اوقات خود شہنشاہ ایسے '' دعوے پیش کردیا کرتے تھے جنھیں دبانا کمپنی کے لئے ضروری ہوتا تھا - ان دعووں کے سلسلے میں اگر کوئی وکیل خاص قانونی اصول پر زور دینا چاہے تو یہ امور پیش کرسکتا ہے : شہنشاہ کی پنشن دراصل خراج تھی جو کمپنی گزشتہ سمجھوتوں اور عہد ناموں کی رو سے ادا کرتی تھی - ملک کا نظم و نسق کمپنی شہنشاہ کے نام سے چلا رہی تھی جیسا اس سے پہلے آئینی طور پر مرھٹے چلاتے تھے - کمپنی کے اختیارات فرمانوں کی رو سے صرف اُس حد تک جائز تھے جہاںتک ان کا تذکرہ فرمانوں میں موجود تھا ' اور جہاں فرمانوں میں ان اختیارات کا ذکر موجود نہ تھا وہاں یہ محض خلاف قانون غصب کی حیثیت رکھتے تھے - نیز کمپنی اور کمپنی کی فوج پر شہنشاہ کی فرمانبرداری فرض تھی - یہ استدلال مسٹر ایف - ڈبلیو بکلر [۲] نے رائل ہسٹوریکل سوسائٹی کی ٹرانزیکشنز [۳] میں '' بغاوت ہند کے سیاسی نظریہ '' پر اپنے مضمون میں کافی زور سے پیش کیا ہے - اس استدلال کی تردید میں مسٹر ڈی ڈیور اور مسٹر ایچ - ایل - گیرٹ [۴] نے ایک مضمون [۵] لکھا ہے جس میں زیادہ زور

---

[۱] —تاریخ بغاوت ہند مصنفہ کے ومیلیسن ' جلد ۲ ' صفحہ ۱۶ -

[۲]—Mr. F. W. Buckler

[۳]—رائل ہسٹوریکل سوسائٹی کی ٹرانزیکشنز (Royal Historical Society's Transactions) - سلسلہ چہارم جلد ۵ ' سنہ ۱۹۲۲ع

[۴]—Messrs D. Dewar and H. L. Garret

[۵]—مضمون کی تاریخ ۸ نومبر سنہ ۱۹۲۳م ہے - رائل ہسٹوریکل سوسائٹی کی ٹرانزیکشنز - سلسلہ چہارم ' جلد ۷ ' سنہ ۱۹۲۴م -

اس بات پر دیا گیا ہے کہ پنشن قبول کرلینے میں دہلی کا شاہی خاندان اپنے اقتدار سے دست بردار ہوگیا تھا - اس سے انکار نہیں کہ شاہی خاندان کے عملی اقتدار کا خاتمہ ہو چکا تھا - وہ تو سنہ ۱۸۰۳ع سے بھی پہلے ختم ہو چکا تھا - لیکن قانونی اور آئینی اعتبار سے دہلی کے شاہی خاندان کو اُس رتبے سے کبھی محروم نہیں کیا گیا جو اُسے سنہ ۱۷۶۵ع میں کمپنی کو دیوانی اختیارات عطا کرتے وقت حاصل تھا -

اہل ہند کے جذبات و احساسات سے عدم واقفیت

پھر غدر کے بعد بہادر شاہ کو برطانوی رعیت قرار دیکر اور اُس پر غدر کے الزام میں فوجی عدالت میں مقدمہ چلانے سے صاف ظاہر ہے کہ کمپنی کے حکام اہل ہند کے جذبات و احساسات سے کس قدر بے خبر تھے - اگر کمپنی بہادر شاہ سے بحیثیت ایک مفتوح یا سیاسی قیدی سلوک کرتی تو اسے اختیار تھا ' اور واقعات کے اعتبار سے ایسا ہی ہوا - لیکن اس حیثیت سے کمپنی کی کارروائی منطق اور قانون کے خلاف تھی کہ بادشاہ پر ایک معمولی مجرم کی طرح مقدمہ چلایا گیا اور اس کو عدالتی تحقیقات کا نام دیا گیا - جن فوجی افسروں کو جج مقرر کیا گیا تھا انھیں شہادت کی پذیرائی کے اصول سے واقفیت نہ تھی - قیدی سے پہلے ہی جان بخشی کا وعدہ ہوچکا تھا - اور فوج اس قدر مشتعل ہو رہی تھی کہ دہلی کے عام لوگ ان واقعات کے خوف سے جو ان ایام میں انھوں نے آنکھوں سے دیکھے تھے گھر سے باہر نکلنے کی جرأت نہ کر سکتے تھے - ان میں سے ایک واقعہ یہ تھا کہ جب بہادر شاہ کو پکڑ لیا گیا تو میجر ولیم ہوڈسن [۱] نے دو نہتے شاہزادوں کو گولی سے اُڑا دیا - اگرچہ مورخین نے میجر ہوڈسن کی اس حرکت کو سخت ناپسندیدہ قرار دیا ہے لیکن اُس وقت کے برطانوی افسروں نے اس کو جائز قرار دیا تھا -

بعد کا خوف و ہراس

ستمبر سنہ ۱۸۵۷ع میں فتح دہلی کے بعد بدنظمی اور لوگوں کے خوف و ہراس کا ناقابل تردید ثبوت خود سرکار کے مشہور و معروف وفادار سر سید احمد خاں کی زندگی سے ملتا ہے - سر سید اپنی والدہ کی تلاش میں دہلی آئے - وہ ایک سائیس کے گھر میں چھپی بیٹھی تھیں - سر سید

[۱]—Major William Hodson

کے آواز دینے پر انہوں نے یہ کہتے ہوئے دروازہ کھولا " تم یہاں کیوں آگئے ؟ یہاں سب قتل ہو رہے ہیں - تم بھی مارے جاؤگے " - پانچ روز سے وہ گھوڑوں کے دانے پر گزارہ کر رہی تھیں ' اور تین دن سے پانی کا ایک قطرہ نصیب نہیں ہوا تھا - وہ سخت بے کسی کی حالت میں تھیں - ایک بڑھیا ساتھ تھی لیکن وہ بھی مرگئی تھی - سر سید کے نہتے چچا اور چچا زاد بھائی سکھ سپاہیوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے - شہر میں لوٹ مار کا بازار گرم تھا [۱] - بہت سی بے بہا قلمی کتابیں اس غارتگری میں ضائع ہوگئیں - شاعر ذوق کے سوانح عمری میں (صفحہ ۵) احمد حسین خاں لکھتے ہیں " کہ سنہ ۱۸۵۷ع کے انقلاب میں سیکڑوں ناکردہ گناہ عورتیں مہتابی کی طرح جلائی گئیں ' جہاں ہزاروں معصوم بچے شہید تیغ ستم ہوئے " .... یہ شہادت معاصرانہ نہیں اور اسے ہم واقعات و حقائق کے ثبوت میں پیش نہیں کر سکتے - ذوق کا انتقال غدر سے پہلے ہوگیا تھا - لیکن اس سے ان لوگوں کے جذبات کا بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے جن میں مصنف کو ادبی اعتبار سے نمایاں درجہ حاصل تھا - غالب ایام غدر میں گھر میں بند ہوکر بیٹھ رہے تھے - اگرچہ انہوں نے اپنی فارسی تصنیف " دستنبو " میں برطانوی سپاہیوں کے ضبط و تحمل کا نہایت مہذب الفاظ میں ذکر کیا ہے لیکن فتح دہلی کے بعد لوگوں کے خوف و ہراس اور خطرۂ جان و مال کے احساس اور نیز مستقبل کے متعلق غالب ایسے آدمیوں کی افسردہ دلی اور مایوسی کا اندازہ ان کے مندرجہ ذیل فقرے سے ہو سکتا ہے - " اس شہر کی آب و ہوا اب خستہ دلوں کو راس آتی معلوم نہیں ہوتی " [۲] - نیز لوگوں کے جذبات و رجحان نے " ماتم شاہ ظفر " ایسی کتابوں میں غدر کی ایک بالکل قیاسی داستان گڑھ لی ہے [۳] ظفر بدنصیب شہنشاہ بہادر شاہ کا تخلص تھا -

ایام غدر میں اردو اخبارات

ایام غدر میں دہلی میں کئی اردو اخبار جاری تھے - ایک تو خود

[۱]---سر سید احمد خاں کی سوانح عمری ' مصنفہ میجر جنرل جی - ایف - آئی - گراھم ' صفحہ ۲۱ -

[۲]---یادگار غالب مصنفہ الطاف حسین حالی ' صفحہ ۳۸ -

[۳]---ماتم شاہ ظفر مصنفہ کاذب ' مطبوعہ مدراس سنہ ۱۹۰۸ع -

بہادر شاہ کا پرچہ ' سراج الاخبار' تھا جو ایوان شاہی میں بادشاہ کے لیتھوگرافک مطبع میں چھپتا تھا - لیکن اس میں صرف واقعات درج کردئیے جاتے تھے اور جو مقاصد و عزائم ان واقعات کی تہ میں کار فرما تھے ان پر اس اخبار سے کچھ روشنی نہیں پڑتی تھی - اس اخبار سے توقع بھی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ بہادر شاہ نے شروع سے آخر تک غدر میں کوئی سرگرم حصہ نہیں لیا بلکہ وہ کم و بیش ان سپاہیوں کے ہاتھ میں تھے جنھوں نے بغاوت کرکے دھلی کو اپنا صدر مقام بنا لیا - دھلی میں دو اردو اخبار اور بھی تھے ' دھلی اردو اخبار ' اور ' صادق الاخبار ' اور لکھنؤ میں ایک اردو اخبار ' طلسم لکھنؤ ' کے نام سے جاری تھا جس کا ذکر غدر کے بعد کی کارروائیوں میں پایا جاتا ھے - یہ اخباوات بے بنیاد افواھوں یا محض واقعات کے بیان سے معمور ہوتے تھے - باغیوں کی تنظیم و ترتیب یا ان کے اغراض و مقاصد پر ان سے بہت کم روشنی پڑتی ھے - دھلی میں ایک اور اخبار تھا جس کا مدیر کوئی چونی تھا - یہ شخص اپنے اخبار کو لیتھوگرافی کے ذریعے سے نہیں چھاپتا تھا - بلکہ اس کے پرچے کا کوئی مستقل نام بھی نہ تھا - صرف سنی سنائی اور بعض وقت گڑھی ہوئی گپ شپ اپنے ہاتھ سے لکھ کر خریداروں کو سناتا پھرتا تھا - غالباً کئی اور شخص بھی خبریں بہم پہنچانے کے اس طریقے سے کام لیا کرتے ہوں گے - یہ طریقہ اس زمانے کے لئے موزوں تھا اور اب بھی بازاروں میں خبروں کی اشاعت کے لئے باقاعدہ لیتھوگراف کے چھپے ہوئے اخبارات کے ساتھ ساتھ اس قسم کے کاغذات سے کام لیا جاتا ھے -

باغیوں کی رھنمائی اور ان میں اشتراک عمل کا رشتہ

دھلی میں کوئی قابل ذکر رھنما نہ تھا وہ رھنما جو غدر کے باعث باغیوں میں پیدا ہوگئے تھے دھلی میں نہ تھے بلکہ دیگر مقامات پر بکھرے ہوئے تھے - ان رھنماؤں میں تانتیا ٹوپی ' کنور سنگھ اور مولوی احمداللہ فیض آبادی کا نام لیا جاسکتا ھے - تانتیا ٹوپی کے ابتدائی حالات کے متعلق کچھ معلوم نہیں - یہ برھمن تھا اور نہایت قلیل مادی امداد کے بل پر بیٹور کے نانا صاحب کی طرف سے حیرت انگیز چابکدستی اور قابلیت سے دو سال تک کمپنی کے اُن جرنیلوں کا مقابلہ کرتا رہا جن کے پاس کثیرالتعداد سپاہی اور ہر قسم کا سامان جنگ موجود تھا - کنور سنگھ ایک راجپوت

ذمہدار تھا جسے کمپنی کی عدالتوں کے خلاف ذاتی شکایات تھیں - احمداللہ عالم فاضل آدمی اور شاہ اودھ کی جلاوطنی میں بیگم کا غمخوار اور سچا وفادار ملازم تھا - یہ تینوں ایک دوسرے سے دور دراز مقامات پر لڑ رہے تھے - تانتیا ٹوپی وسط ہند میں ' کنور سنگھ دیناپور اور آرہ کے گرد و نواح میں ' اور احمداللہ اودھ میں بر سر پیکار تھا - ان کا کوئی مشترکہ نظام‌کار نہ تھا اور نہ ان میں باہمی خبر رسانی کے ذرائع موجود تھے - نسلی ' قومی اور مذہبی اعتبار سے وہ ایک دوسرے سے مختلف تھے لیکن تینوں ایک ہی تمدنی تحریک کے زیر اثر کام کر رہے تھے - ان کی ذاتی شکایات اس بڑے مقصد کی شکایات میں جذب ہوگئی تھیں جس کی حمایت میں یہ تینوں بر سر پیکار تھے - ان کے دلوں میں سیاسی ناراضگی اور یہ خیال جاگزیں تھا کہ معاشرتی اور تمدنی زندگی میں جو کچھ انہیں محبوب تھا کمپنی اس کی تباہی کے درپے تھی - ان کے درمیان بلکہ غدر میں سرگرم حصہ لینے والے تمام لوگوں کے مابین اشتراک و اتحاد کا باعث یہی رشتہ تھا -

باغیوں کے ادارات و تنظیم

اگرچہ باغی اس تمدن سے جس کی مظہر کمپنی تھی سخت نفرت کرتے تھے لیکن وہ خود اس تمدن میں بڑھے تھے اور وہی اصطلاحات اور طریقے استعمال کرتے تھے جو انہوں نے برطانوی ہند میں سیکھے تھے - دہلی میں جو عدالت انہوں نے اپنے اقتدار کے دنوں میں قائم کی تھی اس کے افسروں کے عہدوں کے نام انگریزی تھے مثلاً پریزیڈنت ' وائس پریزیڈنت اور سکریٹری وغیرہ - انہوں نے جج یا قاضی کے الفاظ استعمال نہیں کئے - اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ فوجی آدمی تھے اور اس لئے ان کے ذہن میں فوجی عدالتیں ہی آتی تھیں - لیکن ان عدالتوں کی کار روائی کا انداز جمہوری تھا - وہ اپنے ہی خیالات کے مطابق کام کرتے تھے اور بہادر شاہ کے شاہزادوں کی مداخلت بھی ان کو ناگوار گزرتی تھی - بلکہ جب کبھی شہزادے مداخلت کی کوشش کرتے تھے تو وہ بہادر شاہ سے شکایت کردیتے تھے - ہندوستانی فوج کے باغی حصے اپنے پرانے طریق کے مطابق بریگیڈ [1]

Brigades—[1]

یا یونٹ [۱] کی صورت میں لڑتے تھے - لڑائی سے قبل ان کے بینڈ یا بگل سے وہی سریں اور صدائیں نکلتی تھیں جن کے وہ انگریزی ملازمت میں عادی تھے - بعض اوقات وہ '' خدا ملکہ معظمہ کو سلامت رکھے '' کا گیت گاتے تھے اور لڑتے وقت بدستور برطانوی پھریرے اُڑاتے تھے - توپ خانہ کے صوبیدار بخت خاں کو جو دہلی میں باغیوں کے دور اقتدار میں جنرنیل اور کمانڈر ان چیف بن گئے تھے غدر کے پہلے انگریزوں سے ملنے جلنے کا بڑا شوق تھا - جس تمدن سے یہ لوگ بر سر پیکار تھے اس کے خلاف مظاہروں میں خود اُسی تمدن کے نشان اور طریقے استعمال کرتے تھے - جس تمدن کا مبہم سا خیال ان کے دلوں میں جاگزیں تھا وہ مر چکا تھا اور اسے بزور شمشیر زندہ کرنا ممکن نہیں تھا [۲] -

انگریزی خیالات کے حامی

ان لوگوں کے برعکس کچھ وہ لوگ تھے جنہوں نے نئے انداز خیالات اور نئی طرز زندگی اختیار کرلی تھی - یہ انگریزی زبان استعمال کرتے تھے اور زیادہ تر کلکتہ اور بڑے بڑے شہروں میں پائے جاتے تھے - تعداد میں یہ لوگ بہت تھوڑے تھے لیکن ان کی تعداد اور اہمیت میں روز بروز اضافہ ہو رہا تھا - اس اضافے سے پرانے خیال کے لوگ گھبرا گئے تھے اور ان کی جہالت نے اس کا علاج فوجی سازش اور بغاوت تجویز کیا - انہیں اس امر کا احساس نہ ہوا کہ ان کو وہ مادی اور تمدنی ذرائع حاصل نہ تھے جو جنگ کرنے اور فتح پانے کے لئے لازمی ہوتے ہیں - ان کی جد و جہد کا انداز شروع ہی سے ایسا تھا کہ اس میں کامیابی کی اُمید ہرگز نہ ہوسکتی تھی اور جب اس جد و جہد کا استیصال ہو گیا تو اس کی یاد محض اندھا دھند ظلم و ستم اور ناکام مقابلے کی صورت میں باقی رہ گئی - دوسری جانب جو لوگ نئے خیالات سے مطابقت پیدا کررہے تھے ان کے متعلق یہ ہرگز نہیں کہا جاسکتا کہ وہ ان لوگوں سے مرعوب ہوگئے تھے جو ان نئے خیالات کو ہندوستان میں لائے تھے -

---

[۱]—Unit

[۲]—آخری تین پارا لکھنے میں میں نے عام تاریخی کتب کے علاوہ مندرجہ ذیل دستاویزات سے مدد لی ہے : (۱) امپیریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ کلکتہ کے کاغذات متعلقہ غدر جن کی ایک مطبوعہ فہرست شائع ہوچکی ہے - (۲) وہ شہادت جو شاہ دہلی کے مقدمے میں پیش کی گئی تھی - اور (۳) بغاوت ہند کی دستاویزات کا تتمہ مصنفہ کرنل گملیٹ (Colonel Gimlette) -

جن ہندوستانیوں نے انگریزی روش اختیار کرلی تھی وہ نئے نظام کی قدر و قیمت تو تسلیم کرتے تھے لیکن اس نظام کے چلانے والوں کو اپنے سے بہتر تسلیم نہیں کرتے تھے - بلکہ حقیقت یہ ہے کہ یہ لوگ چونکہ نئی روشنی کی مدد سے دیکھتے تھے اس لئے نئے حاکموں کے نقائص اور خامیوں کا پرانے تمدن کے خامیوں کی نسبت بہتر اندازہ کرسکتے تھے - نئی روشنی کی مدد سے یہ لوگ اپنی عزت بڑھا سکتے تھے اور اپنے اسلاف کی عظمت و رفعت کو ظاہر کرسکتے تھے اور اسطرح اپنے اور شدید تریں قدامت پسندوں کے درمیان تعلق قائم کرسکتے تھے - اس کی تکمیل اُس دور سے دو نسل بعد جاکر ہوئی -

لوگوں کو حکومت کے کارو بار میں شریک کرنے کی ضرورت

سر سید احمد خاں کے نزدیک " شریک نہ ہونا ہندوستانیوں کا لیجسلیٹو کونسل [۱] میں اصلی سبب فساد کا ہوا " اُن خیالات کو دیکھتے ہوئے جس میں باغیوں کی زندگی بسر ہوتی تھی یہ رائے بظاہر اس زمانے کے خیالات کے مطابق معلوم نہیں ہوتی ' لیکن اگر غور و خوض سے کام لیا جائے تو اس میں بہت کچھ صداقت نظر آتی ہے - وہ لکھتے ہیں " سب لوگ تسلیم کرتے چلے آئے ہیں کہ واسطے اسلوبی اور خوبی اور پائداری گورنمنٹ کے ' مداخلت رعایا کی حکومت ملک میں واجبات سے ہے - حکام کو بھلائی یا برائی تدبیر کی صرف لوگوں سے معلوم ہوتی ہے.........رعایا کا منشا گورنمنٹ پر نہ کھلا اور گورنمنٹ کا نیک ارادہ ہندوستانیوں پر ظاہر نہ ہوا - بلکہ برعکس سمجھا گیا " - جب تک کسی حکومت کو رعایا کے خیالات سے مکمل اور مسلسل واقفیت حاصل نہ ہو نیز اِس واقفیت کو ہمیشہ قائم رکھنے کا ذریعہ موجود نہ ہو اس وقت تک وہ اپنے فرائض پورے طور پر انجام نہیں دے سکتی -

برطانیہ اور ہندوستان کے لئے سبق

ایک قوم کا دوسری قوم سے اتحاد پیدا کرنا ممکن ہے اور اکثر اوقات سخت کشمکش ہو چکنے کے بعد بھی اس قسم کے اتحاد سے نئی تہذیبیں پیدا ہوگئیں ہیں - باہمی خود داری کے لئے دو قوموں کے اتحاد عمل سے (اگر اس کی بنیاد کسی تیسرے گروہ کی مخالفت پر نہ ہو بلکہ مشترکہ فوائد کی ترقی کے لئے ہو) نہایت مفید نتائج برآمد ہوسکتے ہیں - لیکن اگر

[۱]—Legislative Council

ایک قوم دوسری قوم کو طاقت سے دبا رکھے تو اس حالت سے نہ تو استحکام حاصل هوسکتا هے اور نہ ترقی - ایک پوری قوم کی طرف سے دوسری قوم کے متعلق اپنے مشن کے دعوے لازمی طور پر خلوص و صداقت سے عاری هوتے هیں ' انفرادی طور پر خواہ ان میں کتنی هی صداقت موجود هو - طاقت سے دبانے کا نتیجہ لازمی طور پر مغلوب قوم کا اقتصادی اور تمدنی انحطاط هوتا هے - جب کسی مرکب سلطنت میں اس قسم کے غلبے کے ساتھ ساتھ بعض اور خطرناک عناصر بھی موجود هوں تو اس سے یقینی طور پر ایسی چپقلش اور کشمکش پیدا هوجاتی هے جس کے خطرات کو کوئی دانشمند حکومت نظر انداز نہیں کرسکتی - ان خطرناک عناصر میں سے مندرجہ ذیل قابل توجہ هیں : یعنی ایک هی سلطنت کے دو حصوں میں غیر منصفانہ امتیاز ' ان کے مقاصد کے تصادم ' کبر و نخوت ' غلط فہمیاں ' خلوص اور باهمی اعتماد کا نہ هونا - انگریز اور هندوستانی دونوں قوموں کو غدر سے یہ تمدنی سبق حاصل هوتا هے -

پانچواں حصہ

انگریزی خیالات کا غلبہ
سنہ ۸۵—۱۸۵۸ع

نواں باب

اس دور کی اہم ترین خصوصیات : مذہب - تعلیم اور ادب

ادب اور مذہبی تنظیم میں نئے خیالات کی فوقیت

غدر سنہ ۱۸۵۷ع کے بعد سے سنہ ۱۸۸۵ع تک کے زمانے میں ہندوستانی خیالات کا رخ بالکل تبدیل ہوگیا - برطانوی خیالات کی برتری اس زمانے کی غالب اور نمایاں خصوصیت تھی - انتہا درجے کے قدامت پسند لوگوں کی نظر میں برطانوی تمدن اجنبی اور فساد پیدا کرنے والا تھا ان کے نزدیک یہ ایک ادنیٰ درجہ کی اور چند روزہ چیز معلوم ہوتی تھی جس کی مضرت کو چیچک اور خسرے کی طرح برداشت کرنا ضروری تھا - ایسے طبقے کے لئے غدر سنہ ۱۸۵۷ع نے پیام مرگ سنا دیا تھا - وہ افراد بھی جنھوں نے اُس ابتدائی فضا میں تربیت پائی تھی جو قدیم تہذیب کی یادگار تھے اور ابھی تک کچھ اثر رکھتے تھے زمانے کی اس نئی روح کا مقابلہ نہ کرسکے - گو غالب کا غزل گوئی کی حیثیت سے وہ مرتبہ نہ رہا ہو لیکن شستہ ' سلیس اور سادہ اردو میں مکتوب نگاری کے ایک نئے اسلوب کے بانی کی حیثیت سے غالب کا اثر بہت زیادہ بڑھ گیا - ان کے شاگرد مولانا الطاف حسین حالی نے اردو شاعری میں طرز اور نفس مضمون کے اعتبار سے انقلاب پیدا کردیا - جب ہندوؤں کی مذہبی اصلاح کا سلسلہ آگے بڑھا تو مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور کے طریق معرفت کو زوال ہوا اور بنگال میں کیشب چندر سین کی زیادہ عملی تنظیم نے اور شمالی ہندوستان میں سوامی دیانند سرسوتی کی صاف قوم پرستانہ تنظیم نے جگہ لے لی - برطانوی اثر اور اقتدار کے خلاف تحریک ایک نسل کے بعد ظاہر ہوئی - جو بیج زمین میں دب گئے تھے وہ اب نئی قوت کے ساتھ پھوٹ پڑے ہیں اور ان سے ایک اچھی اور کامیاب فصل تیار ہو رہی ہے -

کس طرح انگریزی تعلیم نے جماعتوں ' فرقوں ' حرفتوں اور پیشوں میں حد فاصل قائم کی ؟

تعلیم میں ہم نے پہلے پہل یوروپین خیالات کی تقلید اس وجہ سے اختیار کی تھی کہ وہ نئے تھے مگر جب نئے نہ رہے تو ہم ان کو ترک کرنے لگے - ہم نے اولاً لندن یونیورسٹی کے نظام کے نمونے کو پیش نظر رکھا - اور اس نمونے کو اپنی ضروریات اور اغراض کے سانچے میں ڈھالا - ہمارے ابتدائی گریجوٹ ایک نئی تہذیب کے پیشواؤں کی طرح تھے - زندگی میں ان کی حیرت انگیز کامیابی نے بھی عوام کے سامنے ان کی نظیر پیش کی تاکہ وہ اس تہذیب کو قبول کریں - ملک کے نئے روشن خیال طبقے اور دقیانوسی لوگوں کے درمیان اجنبیت بڑھنے لگی - انگریزی تعلیم اس بات کا معیار تھی کہ اس اجنبیت میں حق بجانب کون سا فریق ہے - جب ہندوستان کے دوسرے مقامات میں انگریزی تعلیم کے پھیلنے کی وجہ سے بنگال کی امتیازی حیثیت میں فرق آنے لگا تو بنگالی جو انگریزی زبان میں ایک عرصے سے تعلیم حاصل کرچکے تھے دوسرے صوبوں میں پھیلنے لگے اور ہر جگہ بڑے بڑے عہدوں پر ممتاز ہونے لگے - انگریزی تعلیم کے مالی فوائد نے بھی فرقہ دارانہ حیثیت سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مغائرت پیدا کردی - مسلمانوں نے کئی نسلوں تک انگریزی تعلیم سے فائدہ اٹھانے کا موقعہ کھودیا ' دوسرے فرقے اس میدان میں ان سے بہت پہلے قدم بڑھا چکے تھے - ہماری قدیم صنعتوں اور حرفتوں پر بھی ادبار چھا گیا انگریزی نمونے پر جن جدید صنعتوں اور حرفتوں کی بنیاد قائم کی گئی انہوں نے اپنا علم بلند کیا اور قدیم صنعت و حرفت کو حقارت کی نظر سے دیکھا - اسی طرح شہری اور دیہاتی آدمیوں کے درمیان بھی مغائرت بڑھنے لگی - قدیم قصبے برباد اور ویران ہوکر مفصلات میں ملنے شروع ہوگئے - زراعت کا منافع کم ہوتا گیا اور اسی کے ساتھ زمینداری کی وقعت و عزت گھٹنے لگی - مفصلات کے ذہین اور طباع لوگ قصبوں اور شہروں کے پیشوں کی طرف مائل ہونے لگے - اور زمیندار حیات عامہ میں انگریزی تعلیم یافتہ پیشہ اور جماعتوں کے مقابلے میں نسبتاً اپنی حیثیت سے گرنے لگے - انگریزی تعلیم یافتہ جماعتوں نے حیات عامہ کے خیالات کو ان اصول پر ترقی دی کہ جو انجام کار سنہ ۱۸۸۵ع میں انڈین نیشنل کانگرس کی صورت میں نمودار ہوئے -

مذہبی ترقی کے چار پہلو

ہم اس زمانے کی مذہبی ترقی کو حسب ذیل چار حصوں میں تقسیم کرسکتے ہیں :

(ا) بنگال میں برھمو سماج کی تحریک کی سرپرستی میں وحدانیت کے مسئلے کو ھندو مذھب میں تقویت ملی۔ (ب) زمانہ حال کی اسلامی تحریک جو سر سیداحمد خاں مرحوم اور علیگڑھ کے نام سے وابستہ ھے۔ (ج) آریہ سماج کی زبردست قوم پرستانہ اور جارحانہ تحریک۔ (د) ھندوستان کے سر برآوردہ آدمیوں کے حلقوں میں حقیقی مذھبی جذبات کی کمی اور ان کے بجائے مذھبی بےپروائی یا فرقہ‌وارانہ یا قوم پرستانہ جذبات کا ظہور (بعد کے زمانے میں یہ صورت زیادہ نمایاں ھوئی لیکن اُس کی ابتدا دراصل اسی زمانے کے تمدنی خیالات کے پیدا ھونے اور پھیلنے کے وقت ھوچکی تھی اور ذھنوں میں مضبوطی سے جم چکی تھی)۔

برھمو سماج : کیشب چندر سین کی مہارشی سے علحدگی

چھٹے باب میں ھم یہ ذکر کرچکے ھیں کہ کس طرح مہارشی دیوندر ناتھ ٹیگور نے وحدانیت کے متعلق راجہ رام موھن رائے کی تحریک کو اپنے ھاتھ میں لیا اسے تقویت دی اور اس کے عملی اصول بنائے، اور کس طرح انھوں نے اپنے نئے چیلے کیشب چندر سین (۱۸۳۸—۸۴ع) کو اس تحریک کا اچاریہ یا خادم دین بنایا۔ لیکن مہارشی ٹیگور اپنی فطرت اور طبیعت سے شرفا کے حامی اور قدامت پسند تھے۔ اخلاقیات اور مذھب کی پاکیزگی کے لئے ان کی آنکھیں ابھی تک قدیم ھندوستان کی طرف لگی ھوئی تھیں۔ جس پرمیشور کی وہ پوجا کرتے تھے۔ وہ '' برھما '' تھا جس کا ذکر '' اپنیشد '' میں آیا ھے۔ جدید ھندوستان سے جو برطانوی تمدن کی تحریک پر ظہور میں آیا تھا انھیں کوئی اُنس نہ تھا۔ جدید ھندوستان ھندوؤں کے معاشرتی نظام میں فوری اصلاح کا طلبگار تھا یعنی جدید تعلیم یافتہ ھندو چاھتے تھے کہ '' ذات پات کی قیود اور بچوں کی شادی کے دستور کو موقوف کردیا جائے، بیواؤں کی دوبارہ شادی کے اصول کو رواج دیا جائے، قیود اور حدود کو توڑ کر مختلف فرقوں میں باھمی شادی کا سلسلہ جاری کیا جائے، جنیؤ کے استعمال کو ترک کردیا جائے جو '' دوبارہ جنم والی ذاتوں '' کی علامت ھے۔ اچاریہ بھی اس سے مستثنا

نہیں ہوسکتا - حضرت مسیح اور انجیل اور محمد نبی کریم اور اسلام کی تعلیم کا اعتراف کیا جائے" - یہ تھے وہ اصول جن کی آواز کیشب چندر سین نے بلند کی - سنہ ۱۸۶۳ع میں کیشب نے ایک موقعے پر مختلف ذات کے فریقین کے درمیان شادی کی رسم ادا کی - کیشب اور مہارشی میں اختلاف بڑھتا گیا ' یہاں تک کہ کیشب نے فروری سنہ ۱۸۶۵ع میں مہارشي کے نظام سے قطعی طور پر علیحدگی اختیار کرلی -

کیشب کے اصول

اس کے بعد کیشب نے اپنے خیالات کو عملی جامہ پہنانا شروع کیا اور اپنی پر زور اور فصیح تقریر سے ان کو ایک زیادہ مقبول اور عالمگیر رنگ میں پیش کیا - برہمو سماج کی موجودہ تحریک کیشب کو اپنا حقیقی بانی خیال کرتی ھے - نومبر سنہ ۱۸۶۶ع میں انہوں نے جو جلسہ منعقد کیا اس میں قطعی طور پر اس امر پر مہر لگادی گئی کہ یہ تحریک عالمگیر مذهب کی حیثیت رکھتی ھے - تجویز کی گئی کہ سماج کی عبادت میں عیسائیوں ' ہندوؤں ' (جن میں بدھ شامل ھیں) مسلمانوں ' پارسیوں اور چینیوں کی مقدس کتابوں کے اقتباسات پڑھے جائیں - گو ان کا خاص طور پر ذکر کیا گیا لیکن ان کي تعلیم کا حقیقی مفہوم یہی تھا کہ اس میں ہر قوم اور ہر جماعت کی مقدس کتابیں شامل ہوں - سنہ ۱۸۶۳ع کے ایک بڑے جلسے میں آدمی (یعني قدیم) سماج کے جلسے میں کیشب نے حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا : " ہماری مقدس جگہ تمام دنیا ھے - ہماری مذهبی کتاب صحیفۂ فطرت کی دانش و حکمت ھے - ہماری نجات کا ذریعہ عبادت ھے - ہمارا حصول مدعا دلوں کي پاکیزگی ھے - ہمارا استاد اور رہنما ہر دیندار آدمی ھے " - یہ بہت وسیع خیالات ہیں اور برہمو سماج کے اس مقولے میں صدائے بازگشت پیدا کرتے ھیں : " یہ وسیع عالم ایشور کا پوتر مندر ھے - صاف اور پاکیزہ دل مقدس ترین عبادت گاہ ھے - سچائي ہمیشہ رہنے والا مذهبی صحیفہ ھے - ایمان کل مذهب کی جڑ ھے - محبت سچا روحانی تمدن ھے - نفس کشی حقیقی زھد و تقویٰ ھے " عملی پہلو سے سماج کی تحریک عیسائیوں سے آزاد کلیساؤں [۱] کی طرف روز بروز زیادہ نزدیک آتی

---

[۱] —عیسائیت کے وہ فرقے جو دیگر فرقوں کے اصول کا اعتراف کرتے ھیں ۲ ھیں اور کسي نا قابل تبدیل مذهبی نظام کے تابع نہیں -

گئی ہے - سماج نے عورتوں کے درجے پر خاص زور دیکر معاشرتی پہلو سے اس مسئلے کو ایک زبردست طاقت قرار دیا ، اور اعلیٰ پیمانے پر تعلیم نسواں کی تحریک اسی احساس کا نتیجہ ہے - کیشب نے سنہ ۱۸۹۲ع سے سماج کے مذہبی معاملات میں اپنی بیوی کو شریک کار بنا لیا -

کیشب کی تبلیغی سرگرمی : جدید عقیدے کا اعلان

کیشب نے اپنی نئی جماعت کو منظم کیا اور بیرونی علاقوں میں اپنے مشنری بھیجے - پرتاب چندر موزمدار (۱۸۴۰-۱۹۰۵ع) ان کے ایک نہایت ممتاز مشنری تھے جنھوں نے سنہ ۱۸۷۰ع میں تمام ہندوستان (بشمول جنوبی ہند) کا دورہ کیا - اس کے بعد دو مرتبہ انگلستان اور امریکہ گئے ، اور کیشب کے مذہبی علم کو بلند رکھا - اس شخص نے کیشب کے انتقال کے بعد اُن کے مذہبی اصول کو بہت ترقی دی اور اس کو خوب پھیلایا - جب سنہ ۱۸۹۳ع میں " شکاگو " میں مذہب کی پارلیمنٹ " کا اجلاس منعقد ہوا تو اس میں انھوں نے ایک اہم حصہ لیا - کیشب خود بھی سنہ ۱۸۷۰ع میں انگلستان گئے جہاں ملکہ وکٹوریہ آنجہانی نے انھیں باریابی کا شرف بخشا - انگلستان سے واپس آکر کیشب نے اپنی ذات کو ہندوستان کی اصلاحات کے لئے وقف کردیا - اس مقصد کے لئے انھوں نے ایک انجمن بنائی جس کے کام کے پانچ حصے تھے یعنی طبقۂ نسواں کی فلاح و بہبود ، تعلیم ، ارزاں قیمت پر علمی کتابوں کی اشاعت ، نشے کی چیزوں کے بند کرنے کی کوشش اور خیرات کی تنظیم - سنہ ۱۸۷۲ع میں کیشب نے سول میرج ایکٹ [1] پاس کرایا جس کی رو سے مذہبی رسوم کے بغیر عیسائی اور برہمو سماج کی شادی کی رسم عمل میں لائی جا سکتی ہے - اس ایکٹ کے بدولت ہندو سوسائٹی سے برہمو سماج کا تعلق قطعی طور پر منقطع ہوگیا اور اب بت پرستانہ رسوم اور بچپن کی شادی سماج میں بند ہو گئی - سنہ ۱۸۷۸ع میں جب کیشب کی لڑکی کی شادی جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچی تھی " بت پرستانہ رسوم کے ساتھ، مہاراجہ کوچ بہار سے ہوئی تو سماج میں بحث کا طوفان برپا ہوگیا اور کیشب ، سماج کے خادم ، دین سے علیحدہ کردئے گئے - لیکن اس سے پہلے بھی کچھ عرصے سے کیشب اور سماج میں اختلاف اور کشیدگی

[1]—Civil Marriage Act

بڑھ رہی تھی - یہ کشیدگی طبیعتوں کے اختلاف کی وجہ سے تھی - کیشب مذہبی اسرار کے قائل تھے - انھیں یہ یقین ہوگیا تھا کہ ان کو الہام ہوتا ہے - ان کا عام میلان اس عقیدے کی طرف تھا کہ انسان کو کشف ہوتا ہے - یہ تمام باتیں سماج کے رائج الوقت عقیدے کے خلاف تھیں - سماج کی تمام کار روائی قواعد اور کثرت رائے سے ہوتی تھی - سنہ ۱۸۷۸ع کی مذہبی پھوٹ سے سادھارن برھمو سماج پیدا ہوئی (جس کی عام جماعت نے مغرب کے آزاد کلیساؤں کے اصول پر کام کرنا شروع کردیا) - کیشب نے اس وقت (جنوری سنہ ۱۸۸۱ع میں) واضح طور پر اپنے جدید مذہبی عقیدے (نواویدھن) کا اعلان کیا اور یہ دعوی کیا کہ اُن کو خود وحی آتی ہے اور وہ اپنے مذہب کے نبی ہیں - جنوری سنہ ۱۸۸۴ع میں ان کا انتقال ہوگیا - اِس وقت برھمو سماج کے جھنڈے کے نیچے تین جماعتیں ہیں : (۱) قدیم جماعت یا آدمی سماج جو گو کم تعداد میں ہے لیکن اپنے آئین میں خاص طبقے کے اراکین کو اختیار دیتی ہے اس جماعت پر سنہ ۱۸۷۲ع کے سول میریج ایکٹ کا اطلاق نہیں ہوتا - وہ شادی کے معاملے میں خود اپنی رسموں کی پابند ہے - (۲) مجلس عامہ یا سادھارن جماعت جو عام عملی اور دنیاوی تنظیم پر مبنی ہے اور (۳) ''جدید عقیدہ '' کی جماعت جس میں مذہبی اسرار اور طریقت کو جگہ دی جاتی ہے - آخرالذکر جماعت اپنے عقائد کی عالمگیر نوعیت کے متعلق یہ دعوی کرتی ہے کہ اس نے اپنے آپ کو ہندو رسم و رواج کی پابندی سے آزاد کرلیا ہے لیکن عملی پہلو سے یہ بات مشکل ہے - سماج کا زیادہ تر اثر موجودہ زمانے میں بنگال میں پایا جاتا ہے -

بنگال کے باہر برھمو اصول کی تحریک

بمبئی کی پرارتھنا سماج (قائم شدہ سنہ ۱۸۶۸ع) کے قابل ذکر لیڈروں میں مسٹر ایم - جی - رانا ڈے (۱۹۰۱-۱۸۴۲ع) اور مسٹر ان - جی - چنداورکر کی (۱۹۲۳—۱۸۵۵ع) تھے - یہ دونوں صاحبان اصلاح معاشرت کی تحریک کے علمبردار تھے جنھوں نے اس شعبے میں غیر معمولی شہرت حاصل کی - سر ان - جی - چنداورکر کی دو تحریکیں قابل ذکر ہیں ، ایک اچھوت ذاتوں کی امداد کا مشن [۱] (سنہ ۱۹۰۶ع) اور دوسری معاشرتی خدمت کرنے

[۱] The Depressed Classes Mission—

والی انجمن [۱] - ان کی بدولت عملی اصلاح میں بہت زیادہ ترقی ہوئی - پرارتھنا سماج کے مرهٹی مرکز بمبئی اور پونا میں هیں اور ایک گجراتی مرکز احمدآباد میں هے - یہ مرکز اور مدراس پریزیڈنسی کے اٹھارہ دراوڑی مرکز در اصل مغربی اور جنوبی هندوستان میں اُسی برهمو اصول کی تحریک کے شاخسانے اور نمونے هیں - لاهور میں سردار دیال سنگھ مجیٹھیہ کی وصیت کے مطابق دیال سنگھ کالج کی بنیاد (سنہ ۱۹۱۰ع) اس غرض سے ڈالی گئی تھی کہ پنجاب میں برهمو اصول کی تحریک کی شاخ قائم کی جائے لیکن اس شاخ نے گہری جڑ نہیں پکڑی - آریہ سماج نے جو اپنے پروپیگنڈے میں زیادہ سر گرم هے دیال سنگھ کالج کی تحریک کو کسی قدر ٹھنڈا کر دیا هے گو یہ کالج ناموافق فضا میں بھی اپنا اثر کچھ نہ کچھ ڈال رها هے -

آریہ سماج اور اُس کا بانی

آریہ سماج کی تحریک کی بنیاد بمبئی میں سنہ ۱۸۷۵ع میں ڈالی گئی - اس کی شہرت اور عملی کامیابیوں کا سلسلہ سنہ ۱۸۸۵ع کے بعد زیادہ تر پنجاب اور صوبجات متحدہ میں شروع هوا -

اس تحریک کے بانی سوامی دیانند سرسوتی (۱۸۸۳—۱۸۲۴ع) ریاست موروی کے ایک برهمن خاندان میں پیدا هوئے - یہ ریاست مغربی هند میں جزیرہ نما کاٹھیاواڑ میں واقع هے - سوامی جی کو سنسکرت اور مذهبی کتابوں کے مطالعے سے خاص دلچسپی تھی وہ انیس سال کی عمر میں اپنے وطن سے بنارس روانہ هوئے جو هندو مذهب کا روحانی مرکز رها هے - وہ پندرہ سال (سنہ ۱۸۴۵ع سے سنہ ۱۸۶۰ع تک) ایک ایسے سنیاسی کی حیثیت سے جس نے مطالعہ اور یوگ کے لئے اپنی زندگی وقف کردی هو تمام هندوستان میں پھرتے رهے - انهیں جلد هی هندو مذهب کی اس صورت سے جو پرانوں کی پیروی کرتی تھی اختلاف هوگیا اور انهوں نے هندو دهرم کو قدیم ویدک زمانے کی طرح پاکیزہ اور صاف کرنا چاها - سنہ ۱۸۷۰ع تک ان کی یہ حیثیت کہ وہ ویدوں کے پرچارک هیں هندو دنیا میں تسلیم کرلی گئی - گو ویدوں کے مفہوم کے متعلق ان کے خیالات قدیم عقیدے کے هندوؤں سے مختلف تھے - جیسا اوپر بیان هو چکا هے سنہ ۱۸۷۵ع میں ان کی سوسائٹی یا سماج قطعی

[۱] — The Social Service League

طور پر بمبئی میں قائم ہو گئی اور دو سال کے بعد لاہور میں اُس کی بنیاد ڈالی گئی - سوامی جی نے اپنی زندگی کے بقیہ چھہ سال پرچار کرنے، تعلیم دینے، کتابیں لکھنے اور نئی سماج اور اس کی شاخوں کی نگہداشت کرنے میں صرف کئے - راجپوتانہ میں مہارانا اودے پور اور مہاراجہ سر پرتاب سنگھ ایسے بلند مرتبہ اشخاص ان کے شاگرد ہوئے - اُن کا سب سے بڑا علمی کارنامہ ستیارتھ پرکاش (صحیح توضیح) تھی جس کے کم سے کم دو انگریزی ترجمے شایع ہو چکے ہیں - وہ خدا کی توحید کا اپدیش اور بت پرستی کی مخالفت کرتے تھے اور اس لئے سر سید احمد خاں کی رائے ان کی نسبت اچھی تھی جنھوں نے اپنے جریدے میں (جو علیگڈھ سے شایع ہوتا تھا) سوامی جی کے انتقال پر نوٹ تعریفی الفاظ میں لکھا -

سوامی دیانند کی تعلیم

سوامی دیانند کی تعلیم تمام تر ویدوں کے متعلق تھی، وید کے متعلق اُن کے خیالات عام برہمنوں سے مختلف تھے - انھوں نے برہمنوں کے اس خیال پر شدید نکتہ چینی کی کہ صرف انہیں کو ویدوں کے مطالعہ کرنے یا سننے کا حق حاصل ہے - انھوں نے مقدس کتابوں کے مروجہ مطالب اور ایک بڑے حصے کو رد کردیا اور نہ مانا - انھوں نے نہ صرف ان شرحوں پر جو ہندو مذہب کے بعد کے دور پر لکھی گئیں شدید نکتہ چینی کی بلکہ ویدوں کے معانی اور ویدوں کی تاریخی حیثیت کے متعلق علمائے مغرب کے نتائج کو بھی رد کردیا جو ان علما نے ویدوں کے مفہوم سے حاصل کیا - اُن کے نزدیک ویدوں کے سچ اور صحیح بھجنوں میں تمام علوم و فنون شامل ہیں - انھوں نے یہ خیال ظاہر کیا کہ ہندو مذہب کے ایک عروج کے زمانے میں لوگوں کو اس زمانے کے تمام ایجادوں، تحقیقاتوں کا پہلے ہی سے علم حاصل تھا - ان کی رائے میں ذات کا امتیاز انفرادی خوبی اور قابلیت پر قائم کیا جانا چاهئے - انھوں نے بت پرستی، متعدد دیوتاؤں کی پوجا، ویدانت کے مسئلہ وحدت وجود اور اوتار کے مسائل کو ناقابل قبول قرار دیا - مگر یہ رائے بھی ظاہر کی کہ دیوتاؤں یا اعلیٰ مخلوق یا فرشتوں کا وجود ممکنات سے ہے - سوامی جی کی مذہبی رسوم میں اگنی یا آگ کو بہت بڑا دخل ہے - ہون کی رسم جس میں وید کے منتر پڑھے جائیں اور آگ پر گھی جلایا جائے آریہ سماج کی عبادت کا ایک مخصوص مذہبی عمل ہے -

سماج کی تنظیم

آریہ سماج کی تحریک کا سب سے زبردست پہلو اس کی تنظیم ھے - ھر مقامی مرکز کی اپنی سماج یا مذھبی مجلس ھوتی ھے جس میں ایک منتخب کمیٹی اور پانچ منتخب عہدیدار ھوتے ھیں - سماج کے ممبر اور رکن بننے کے لئے لازمی ھے کہ ھر ممبر سماج کو اپنی آمدنی کا ایک فیصدی حصہ دے اور دس " نیم " یا اصول قبول کرے - پہلے تین اصول تو خدا اور ویدوں کے صفات سے متعلق رکھتے ھیں - ان کے آگے سے چھہ کا تعلق اخلاقی چال چلن سے ھے ' اور آخری یعنی دسواں اصول گو ذاتی معاملات میں پوری آزادی دیتا ھے لیکن کسی شخص کو اس امر کی اجازت نہیں دیتا کہ وہ سماج کے عام مفاد میں حارج ھو - مقامی آریہ سماج صوبے کی مجلس سے ملحق ھیں - اس مجلس میں ھر مقامی سماج اپنے نمایندے بھیجتی ھے اور اپنی خالص آمدنی کا دس فیصدی حصہ بطور مالی امداد کے پیش کرتی ھے - ان سب پر تمام ھندوستان کے لئے ایک مجلس ھے ' جس کی تنظیم اور نگہداشت بھی اسی اصول پر کی جاتی ھے جو دوسری سماجوں پر حاوی ھے - سماج کا عقیدہ اور اس کے اصول مقرر ھیں لیکن کار و بار اور تبلیغ کا کام نمایندگی کے مشرح اصول پر کیا جاتا ھے جو ایک زبردست قومی تنظیم میں داخل ھیں -

سماج کی تعلیمی سرگرمیاں اور بعد کی تاریخ

سماج کی تعلیمی سرگرمیوں کا حال تمام ملک میں اچھا خاصا پھیلا ھوا ھے - اس کے دو شعبے قرار دئے جاسکتے ھیں - پہلا شعبہ تعلیم کی وہ صورت ھے جو جدید اصول پر دی جاتی ھے اور اس کا تعلق سرکاری مدارس اور یونیورسٹیوں سے ھے لیکن اس امر پر خاص زور دیا ھے کہ سماج کی تمام درسگاھوں میں ویدک یا سنسکرت تعلیم کا عنصر شامل ھوگا - سماج کی تعلیم کے اس شعبے میں لاھور کے اینگلو ویدک سکول کو جو سنہ ۱۸۸۶ع میں قائم ھوا پیشوا سمجھنا چاھئے - اس کے بعد سنہ ۱۸۸۹ع میں کالج کھولا گیا - تعلیمی خیالات کی دوسری رو گروکل کانگڑی کی درسگاہ کی شکل میں نمودار ھوئی جو قدیم خیالات کے مطابق پرانی روایات کو تازہ کرتی ھے - موجودہ زمانے کے خیالات کی پارٹی کے نزدیک یہ درسگاہ عملی پہلو سے کم

مفید ہے اور موجودہ زندگی سے زیادہ بے تعلق معلوم ہوتی ہے - ان مختلفہ خیالات نے نیز گوشت کھانے کے جواز یا عدم جواز کی بحث نے سنہ ۱۸۹۴ع میں آریہ سماج کے اندر تفریق پیدا کردی - بعد کے زمانے میں سماج کا گورنمنٹ اور مسلمانوں سے کچھ تصادم ہوا - لیکن سماج اپنے لیڈروں کی وساطت سے اس امر کا دعویٰ کرتی ہے کہ سماج جماعتی حیثیت سے نہ تو مسلمانوں کی دشمن ہے نہ گورنمنٹ کی - سماج کے زبردست قوم پرستانہ اصول کی بدولت اس کے ممبروں کی تعداد میں جلد اضافہ ہو گیا اور لالہ لاجپت رائے ایسے آریہ سماجی لیڈر قوم پرستی کی تحریک کی سب سے اگلی صف میں کام کرتے رہے ہیں -

مہاراج کا مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی

ہندوستان کے جانچنے کا معیار صرف یہ نہیں ہے کہ یہاں کتنی انجمنیں یا علیحدہ منظم گروہ قائم ہوئے - بلکہ ہر نئی مذہبی تحریک کا اثر ان حلقوں میں بھی ظاہر ہوتا تھا جہاں اس کے رو نما ہونے کی توقع نہیں کی جاتی تھی - انگریزی تعلیم ایک ضمیر تھی - یہ ضمیر ہندوستان کے طبائع پر برابر اپنا کام کر رہا تھا اور جس طرح معاشرتی ' ادبی اور سیاسی خیالات پر اثر ڈال رہا تھا اسی طرح مذہبی خیالات یا نام نہاد مذہبی خیالات پر اثر ڈالتا تھا - نئے واقعات کا ظاہر ہونا اصلاح کی دلیل اور روح ہے ' نیز اخبارات کی ترقی ' قابل اعتراض افعال پر روشنی ڈالنے اور توہمات کو موجودہ وقت کے خیالات کے مطابق کرنے کا ایک زبردست ذریعہ ہے - مہاراج کا مشہور مقدمہ ازالہ حیثیت عرفی جو سنہ ۱۸۶۲ع میں بمقام بمبئی دائر ہوا تھا ایک حیرت انگیز مثال ہے - اس امر کی کہ کس طرح ایک خاص جماعت کا سردار اپنے اصول اور افعال کو اخباروں اور قانونی عدالتوں کے توسط سے زمانہ حال کے عام لوگوں کے سامنے پیش کرنے پر مجبور کیا گیا تھا - (مہاراجوں کا) ولبھ چاریہ فرقہ جو " ویشنو مت " کی ایک شاخ ہے - پندرھویں صدی کے قریب بھاٹیہ ہندوؤں میں ظاہر ہوا - اس فرقے کے تمام افراد پر اس کے سردار (مہاراجہ) کو کامل مذہبی اختیارات حاصل تھے - یہ سردار ایک برہمن ہوتا تھا اور اسے کرشن کا اوتار سمجھا جاتا تھا - کرشن کی پوجا میں جو ناگفتہ بہ خرابیاں مردوں اور عورتوں کے ملنے جلنے سے پیدا ہوگئی تھیں

اُن سے ایک خوفناک روایت کی بنیاد پر گئی تھی - بیان کیا جاتا تھا کہ ھر مرد سے یہ توقع رکھی جاتی تھی کہ اپنی بیوی یا بیٹی کو مہاراج کے حوالے کردے - بمبئی کے گجراتی اخبار ستیا پرکاش کے اڈیٹر اور پروپرائٹر کرشن داس مولجی نے مہاراج اور مذکورہ دستور کے خلاف مضامین لکھے - نتیجہ یہ ہوا کہ ستیا پرکاش کے اڈیٹر اور پروپرائٹر پر ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کیا گیا جو چوبیس دن تک چلتا رہا - اس مقدمے میں متعلقہ خرابیوں کے پوست کندہ حالات کا انکشاف ہوا اور ستیا پرکاش نے اپنے بیانات کو عدالت میں ثابت کیا - سر جوزف آرنلڈ جج [۱] نے اپنے فیصلے میں ملزمین یعنی اڈیٹر اور پروپرائٹر کی ہمت اور اخلاقی جرأت کے اس جذبے کی تعریف کی جس کا اظہار انہوں نے اپنی قوم کی طرف سے کیا تھا اور یہ لکھا کہ " ملزمین نے اپنی قوم کے گھروں کو شہوت اور بدکاری کے نفرت انگیز اثرات سے صاف کرنے میں مدد دی ھے - اس نیک کام کی بدولت ان کی روحیں ایک ناپاک غلامی اور بزدلی کی بندھنوں سے آزاد ہوگئی ھیں " -

مسلمانوں کی اصلاحی تحریک کے جلیل‌القدر علمبردار

اس زمانے میں اسلامی عقائد کی تشریح اور مسلمانوں میں اصلاحات کے متعلق دو بڑے آدمیوں کے نام لئے جاسکتے ھیں - مولوی چراغ علی (نواب اعظم یارجنگ) اور سر سید احمد خاں - ان میں مولوی چراغ علی عالم اور محقق تھے - انہوں نے زیادہ تر انگریزی زبان میں مضامین لکھے جن کا روئے سخن دوسرے مذاہب یعنی عیسائیوں اور آریہ سماجیوں کی طرف تھا - سر سید عملی آدمی تھے اور تعلیم اور اصلاح کے علم بردار تھے - انہوں نے اردو میں مضامین لکھے - ان کا روے سخن اپنی ھی قوم کی طرف تھا اور علیگڈھ میں اپنے رسالے " تہذیب‌الاخلاق " سے اور مدرسے ، اور کالج کی تحریک سے مذکورہ تحریک کو طاقت پہونچائی - مولوی چراغ علی اور سر سید دوست اور رفیق تھے اور کئی سال تک اکٹھے کام کرتے رھے گو جغرافیائی پہلو سے ان کے میدان اور دائرۂ عمل ایک دوسرے سے علیحدہ تھے -

مولوی چراغ علی اور ان کا کام

مولوی چراغ علی سنہ ۱۸۴۴ع کے قریب میرٹھ میں پیدا ہوے - ابھی

Sir Joseph Arnould—[۱]

اُن کی عمر صرف بارہ سال کی تھی کہ باپ کا سایہ اُن کے سر سے اٹھ گیا ۔ انھوں نے اعلیٰ درجہ کی تعلیم نہ پائی ۔ سرکار انگریزی کی ملازمت میں کلرک کے مختلف چھوٹے چھوٹے عہدوں پر مامور رہنے کے بعد آخر میں سنہ ۱۸۷۷ع میں ترقی کا موقعہ مل گیا ۔ سر سید کی سفارش پر انھیں ایک اعلیٰ عہدے پر حیدرآباد بھیج دیا گیا جہاں وہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک رہے ۔ سنہ ۱۸۹۵ع میں بمقام بمبئی اُن پر ایک جراحی عمل کیا گیا جس کے بعد اُن کا انتقال ہوگیا ۔ مرحوم اپنی فرصت کے اوقات میں مطالعہ کیا کرتے تھے جس کی بدولت انھیں نہ صرف انگریزی زبان میں بڑا ملکہ حاصل ہوگیا تھا بلکہ تحقیق اور تشریح میں اچھی مہارت ہوگئی تھی ۔ مسلمانوں نے دو نسلوں تک انگریزی تعلیم سے کوئی سروکار نہ رکھا تھا اور برٹش انڈیا کی ملازمت کے انتظامی شعبوں میں سرکاری عہدے اُن کے ہاتھ سے نکل چکے تھے اسی قسم کے عہدے انگریزی حکومت سے پہلے ان کا ذریعہ معاش اور سہارا تھے ۔ اس سے بھی زیادہ خرابی یہ تھی کہ وہ جدید علوم سے بدگمان تھے اور انھوں نے جہالت کے باعث بہت سے توہمات اور بری رسموں کو اپنے مذہب سے منسوب کرنا شروع کردیا تھا ۔ مولوی چراغ علی نے اپنی تالیف و تصنیف سے مسلمانوں کو اس امر کی طرف متوجہ کیا کہ شادی کے متعلق احکام شریعت کے اس صحیح منشا کو ملحوظ رکھیں کہ صرف ایک عورت سے نکاح کیا جائے اور اسلام اور علوم جدیدہ کے حقیقی تعلق اور عورتوں کی حیثیت کو بھی پیش نظر رکھیں ۔

سرسید احمد خاں : ان کی زندگی

لیکن اسلام میں جدید خیالات کی رو پیدا کرنے میں جس شخص کی کوشش سب سے زیادہ کار گر اور موثر ثابت ہوئی وہ علیگڈہ کے جلیل القدر بزرگ سر سید احمد خاں تھے جو سنہ ۱۸۱۷ع سے سنہ ۱۸۹۸ع تک زندہ رہے ۔ ہم گورنمنٹ اور اس کے ملکی انتظام کے متعلق اُن کے خیالات اور ادب اردو کے لئے ان کی ابتدائی عملی کوششوں کا پہلے ہی ذکر کرچکے ہیں ۔ تعلیم کے متعلق ان کے کارناموں کا ذکر آگے آئے گا ۔ اس وقت اسلام کے متعلق ان کی مذہبی تشریحات اور علوم جدیدہ کے متعلق ان کے طرز عمل کا ذکر کرنا چاہتے ہیں ۔ غدر سے بہت عرصہ پہلے سر سید نے سنہ ۱۸۴۹ع میں پیری مریدی کے سلسلہ

کی خرابیوں پر جو ہندوستان میں عملی صورت اختیار کررہی تھیں ایک مضمون لکھا - سنہ ۱۸۶۶ع میں انہوں نے اُن مذہبی اعتراضات کے خلاف ایک مضمون (رسالۂ طعام اہل کتاب) لکھا جو جاہل مسلمانوں کی طرف سے یوروپ والوں کے ساتھ کھانا کھانے کے مسئلے پر کئے جاتے تھے - اس طرح سر سید نے اس ضرورت کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا اور کوشش کی کہ مسلمانوں اور فرنگیوں کے درمیان کھلے دل کے ساتھ معاشرتی تعلقات پیدا کئے جائیں - انہوں نے غلامی کے خلاف بھی مضامین لکھے جن میں بتایا کہ اسلام غلامی کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ھے - سنہ ۷۰-۱۸۶۹ع میں سر سید انگلستان تشریف لے گئے - جہاں انہیں انگریزوں کے وطن میں انگریزی تمدن سے ذاتی واقفیت حاصل کرنے کا موقعہ ملا - انگلستان سے واپس آنے پر انہوں نے " تصانیف احمدیہ " کے نام سے ایک سلسلہ مضامین شایع کرنا شروع کیا جو اردو کے ٹائپ میں چھپتا تھا - اس سلسلے میں سر سید نے اس امر کا خیال رکھا کہ اسلام کی تفسیر میں اپنے تجربات سے کام لیں - انگلستان کی سیاحت کا ایک نتیجہ رسالہ ' تہذیب الاخلاق ' کی اشاعت تھا جو دسمبر سنہ ۱۸۷۰ع میں جاری کیا گیا - ان کے آزادانہ خیالات نے ملک میں بحث کا ایک طوفان پیدا کردیا لیکن دوسری طرف بہت سے آدمی جن کا تعلق پرانے علوم سے تھا اُن کے گرد جمع ہوگئے جو زندگی اور مذہب کے جدید خیالات میں اُن کی تائید کرنے پر آمادہ تھے اور جنھوں نے بعد ازاں اس مقصد کے لئے علیگڈہ کالج سے کام لیا - ہم ان بہت سے ناموں میں صرف مولانا نذیر احمد اور مولانا الطاف حسین حالی کا ذکر کرتے ھیں تاکہ سر سید کے اس اثر کا اندازہ ہوسکے جو پرانی نسل کے آدمیوں پر تھا - اس اثر کا یہ مقصد تھا کہ نوجوان نسل کی طبائع کو جدید اصول پر تعلیم و تربیت کے ایک خاص سانچے میں ڈھالنے کے لئے اُن حضرات کو ساتھ لیکر عمل کیا جائے - سنہ ۱۸۷۶ع میں جڈیشل ملازمت سے سبکدوش ہونے پر سر سید نے اپنی زندگی کی آخری ساعت تک اپنے وجود کو تعلیمی کام کے لئے وقف کردیا - سنہ ۱۸۸۸ع میں سرسید کو کے - سی - ایس - آئی - [۱] کے خطاب سے سرفراز کیا گیا - سنہ ۱۸۹۸ع میں ان کا انتقال ہوا -

---

[۱]— K. C. S. I.

سرسید کے مذہبی خیالات

سرسید نے اپنے مذہبی خیالات ظاہر کرنے کے لئے قران مجید پر تفسیر لکھی ۔ اس تفسیر کے لکھنے میں ان کے کئی سال صرف ہوئے ۔ ان کی تفسیر کی خوبی اور خصوصیت وہ جدید نقطہ نگاہ ہے جو مرحوم نے قرآنی آیات کے مفہوم میں ملحوظ رکھا ۔ مولانا حالی جیسے آدمی بھی جو گو زبان‌دانی کے متعلق ان کے معیار تحقیق اور ان کے تاریخی دلائل کو قبول نہیں کرسکے تاہم یہ خیال ظاہر کرتے ہیں کہ سر سید کی تفسیر اسلام کی ایک بہت بڑی خدمت ہے ۔ سرسید نے اپنے تجربے کو پیش نظر رکھتے ہوئے اور تاریخ کے معیار کے مطابق مسلمانوں کی کثیرالتعداد مذہبی کتابوں پر ناقدانہ نگاہ ڈالی ۔ اور بتایا ہے کہ اگر اسلامی اصول کی تشریح اشیا کی فطرت یا تاریخ کی رفتار کے خلاف ہے تو قصور اسلام کے اصول کا نہیں بلکہ مفسرین کے محدود علم اور ان کی تنگئی نظر کا ہے ۔ سر سید کا قول ہے کہ خدا کے کلام کی تشریح خدا کے کام سے ہونی چاہئے جو سب کے سامنے آشکارا ہے تاکہ وہ اُسے دیکھیں ۔ پرانے خیالات کے علما نے ان کے خیالات کی ہنسی اُڑائی اور ان کے لئے نامناسب الفاظ استعمال کئے ۔ لیکن رفتہ رفتہ انھوں نے ایسے معاملات میں تنقید کرنے کا جدید معیار قائم کردیا جو رائج ہوگیا ہے ۔ سر سید نے اپنے بعض خیالات کی تائید میں شاہ عبدالعزیز محدث دھلوی کی سند پیش کی ہے جس کی صحت میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا ۔ شاہ صاحب ایک بہت بڑے عالم دین تھے جن کا ذکر چوتھے باب میں آچکا ہے ۔ اردو اخبارات میں جو حملے سر سید کے معاشرتی اور مذہبی خیالات پر کئے گئے ان کی وجہ سے سر سید کے اصول کی بنا پر کوئی علیحدہ جماعت قائم نہ ہوسکی ۔ لیکن ان کی روش کو از راہ تحقیر ”فرقۂ نیچریہ“ سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی ایسا فرقہ جس نے نیچر کی پیروی کی ، گو اس کا مفہوم اسؔ مفہوم سے جدا ہے جو یونان کے قدیم ستواک [۱] فلاسفر اس لفظ سے سمجھتے تھے ۔ جن کے اصول میں منجملہ دیگر باتوں کے یہ بات بھی داخل تھی کہ قدرت (نیچر) کی پیروی کی جائے ۔ علیگڈھ کالج ”نیچریہ“ خیالات کا مرکز سمجھا جاتا تھا ۔ لیکن یہ سر سید کی دانشمندی تھی کہ انھوں نے اپنے تعلیمی کام کو ہر قسم کے مذہبی میلان

Stoics—[۱]

سے علیحدہ رکھا - کالج میں مختلف مذہبی جماعتوں (شیعہ اور سنی دونوں کو) پوری آزادی دے دی گئی تھی - لیکن علیگڈھ کالج اس وسیع خیال کی مذہبی فضا کو ترقی دینے میں قاصر رہا جس سے ہندوستان بھر کے اہل اسلام کی توجہ مذہبی اصلاح کی طرف پھرتی - یہ وہ اعتراض ھے جس کا اب تک قابل اطمینان جواب نہیں ملا -

مذہب سے بےپروائی اور فرقہ بندی کی ترقی

اگر ایک طرف تمام ہندوستان میں مخلص اور پرجوش آدمیوں کی سرگرمی میں مذہب کی اصلاحی تحریک کا سلسلہ جاری تھا تو دوسری طرف تعلیم یافتہ ہندوستان کے اندر مذہبی خیالات میں حقیقی زوال کے آثار بھی شروع ہوگئے تھے - اس زوال نے یہ صورت اختیار کی کہ یا تو لوگوں نے مذہب کے مصلحین کی ہنسی اڑانی شروع کردی اور پرانی رسوم اور عقیدوں کے متعلق رواداری کے ساتھہ ان سے بےتعلق رھے یا مذہب سے بےپروائی کی رو پیدا ہوگئی جس نے صاف طور پر اس امر کا اظہار کردیا کہ مذہب ایک پرانے زمانے کی فرسودہ چیز ھے - اخبار بنگالی مورخہ ۱۰ نومبر سنہ ۱۸۶۹ع میں گریش چندر گھوش نے برہمو سماج کے مصلحین پر حملہ کیا - ان پر " بت پرستی کے خلاف ان کے بہادرانہ کارنامے " کا فقرہ چست کیا اور کسی دوسری جگہہ ان کے خیالات کو " مکاری اور عیاری " قرار دیا - ایک جگہہ لکھا کہ : " برہمو سماجی اپنی آنکھیں بند کر لیتا ھے اور ان الفاظ کو اپنی زبان سے دھراتا ھے جن کو وہ اپنی چھوٹی سی روح اور محدود علم کے ساتھہ خدا کی صفات خیال کرتا ھے " - یکم دسمبر سنہ ۱۸۶۹ع کو انہوں نے " ایک ھی وقت میں کالی اور کانٹ [۱] کی پوجا " کا ذکر کیا اور تعلیم یافتہ ہندو سے مخاطب ہوکر کہا : " مذہب ایک جذبہ ھے عقیدہ نہیں ھے " - جو لوگ بت پرستی کو چھوڑ رھے ہیں " ان کے دل میں دراصل بت پرستی کی نفرت کا کوئی خاص احساس نہیں ھے " - سر رابندر ناتھہ ٹیگور [۲] اپنی خود نوشت سوانح عمری میں بیان کرتے ہیں کہ سنہ ۱۸۸۰ع کے قریب جب وہ جوان تھے تو ہندوستان کے تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مذہب کے متعلق

[۱]—کانٹ ایک مشہور جرمن فلاسفر ہیں جن کے فلسفے کا اس وقت بڑا رواج تھا -
[۲]—ٹیگور کی تصنیف موسومہ " میری سرگذشت کی یاد داشتیں " صفحات ۱۶۸—۱۸۰ -

دو ذہنیتیں تھیں - ایک ذہنیت تو ان نوجوانوں کی تھی جو اپنی دھریت کے لئے دلائل پیش کرتے تھے جو مذہبی عقیدے کے خلاف منطق اور دلائل کو حریفانہ اور جارحانہ اصرار سے پیش کرتے تھے - دوسری ذہنیت مذہبی ابیقوریت [۱] کے نام سے بیان کی جاسکتی ہے - ایسے لوگوں کا خیال یہ تھا کہ مذہب محض رسوم اور ظاہری نمائش کی بات ہے ' خوش گوار نظارے ' سریلی آوازیں ' اور نفیس خوشبوئیں ہوں نہ کہ خشک زاہدانہ عمل - احساس پرستی اور سطحی عقلیت سطحی انگریزی تعلیم کے اثر سے پیدا ہوئی اور خاص کر بنگال میں پائی جاتی تھی - یہ باتیں ہندوستان کی اقوام ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں کی ذہنیت کے لئے موزوں نہیں ہیں - گو اس امر کو تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہندوستانی کالجوں میں ان باتوں کا عنصر غالب نظر آتا تھا اور دولت عیش و عشرت کے حلقوں میں یہ اب بھی زیادہ اثر ڈالتی ہیں - نوجوانوں کی جو نسل انگریزی کی تعلیم پاکر بڑہ رہی تھی وہ مذہب کی بہ‌نسبت سیاسیات کی زیادہ پروا کرتی تھی گو یہ مختلف جماعتی اور فرقہ‌وارانہ تحریکوں کے لئے مذہب کو بطور آڑ کے استعمال کرنے پر آمادہ رہتی تھی - اس روش کے مضر نتائج ہماری ہی نسل میں زیادہ واضح طور پر نظر آرہے ہیں -

تعلیم : یونیورسٹیاں اور کالج

تعلیم کے عام میدان میں دو قابل ذکر تحریکیں ہیں ایک تو ہندوستانی یونیورسٹیوں کی ہر دلعزیزی اور ترقی' اور دوسری مسلمانوں کی تعلیمی تحریک جس نے علیگڈہ کے گرد اپنا مرکز قائم کر رکھا ہے - کلکتہ ' مدراس اور بمبئی کی تین پریزیڈنسی یونیورسٹیاں سنہ ۱۸۵۷ع میں قائم ہوئیں - ان کے طریق امتحان نے ان کالجوں پر جو ان سے پہلے موجود تھے فوری اثر ڈالا - چونکہ ملک میں اعلیٰ تعلیم اور متحدہ خالص انگریزی نظام کو روز بروز ترقی ہو رہی تھی اس لئے جدید کالج ظہور میں آنے لگے - مگر بالائی ہند میں مشرقی علوم نے اپنا علم بلند رکھا - لکھنؤ کے کیننگ کالج کے لئے سنہ ۱۸۶۴ع میں تعلقداران اودھ نے مستقل طور پر آمدنی کے وسائل بہم پہنچائے - کالج کی

---

[۱]—ابیقوریت اس فلسفے کے فرقے کو کہتے ہیں جن کا اصول یہ تھا کہ زندگی کا مقصد دوسروں کو خوش کرنا اور خوش رکھنا ہے -

آمدنی کا بڑا حصہ زمین کی مالگزاری کے ساتھہ بطور ابواب گورنمنٹ کے ذریعے سے وصول ہوتا ہے - سب سے بڑا فرق جو اس کالج میں اور پریزیڈنسی کی یونیورسٹیوں میں پایا جاتا تھا یہ تھا کہ یہاں مشرقی علوم کا ایک شعبہ تھا - جب لاہور کا اورینٹل کالج جو سنہ ۱۸۶۴ع میں قائم ہوا تھا سنہ ۱۸۸۲ع میں پنجاب یونیورسٹی کا اصلی جزو قرار دیا گیا تو لکھنؤ کا مشرقی شعبہ لاہور سے ملحق کیا گیا - اور اس کے انگریزی شعبے کا الحاق کلکتہ یونیورسٹی سے رہا - لاہور کا میڈیکل کالج سنہ ۱۸۶۰ع میں قائم ہوا - پنجاب یونیورسٹی پہلی یونیورسٹی تھی جس نے دیسی زبانوں کی ترقی کے معاملے کو اپنے ہاتھہ میں لیا - غیر سرکاری کالج روز بروز زیادہ بڑھے اور سنہ ۸۳-۱۸۸۲ع کے ایجوکیشن کمیشن کا میلان سرکاری مدارس کی نسبت امدادی مدارس کی طرف زیادہ تھا - کمیشن نے اس امر کی بھی سفارش کی کہ ایک اخلاقی درسی کتاب " قدرتی مذہب کے بنیادی اصول " کی بنا پر تیار کی جائے تاکہ اسے سرکاری اور پرائیویٹ کالجوں میں پڑھایا جائے ' اور اس کے علاوہ " انسانیت " اور شہریت " کے فرائض " پر لکچر دئے جائیں - اخلاق اور شہریت کی تعلیم کے تعلق کمیشن کی ان سفارشات پر سرکاری کالجوں میں کبھی عمل نہیں کیا گیا اور جس طریقے پر یہ سفارشات مذہبی اور فرقہ‌وار کالجوں میں عمل میں لائی گئیں ان سے اہل ہند کی تمدنی تعلیم میں اتحاد کی بجائے افتراق پیدا ہونے لگا -

مسلمانوں کی تعلیم : سر سید کا کام علیگڈہ میں

مسلمانوں کی تعلیم کے متعلق گورنمنٹ کی ابتدائی کوششیں ناکام رہیں - انگریزی زبان میں ان کے لئے علم کا دروازہ کھولنے کی جو کوشش کی گئی اس نے ان کی ذہنیت کا کوئی خیال نہ رکھا - بنگال کی دیسی تعلیم پر ایک رپورٹ میں جو ریورنڈ جے - لونگ[۱] نے مرتب کی (ڈبلو آدم کی رپورٹ کلکتہ سنہ ۱۸۶۸ع صفحہ ۳۲ پر) یہ بات درج ہے کہ جن مقامات میں دیسی مدارس تھے وہاں مسلمانوں نے اُن سے پورا فائدہ اٹھایا ' جیسا بھاگلپور میں ہوا ' جہاں ان کی تعداد ۶۰ فیصدی تھی - لیکن وہ انگریزی اسکولوں میں جانا پسند نہیں کرتے تھے - انگریزی مدارس کے خلاف مسلمانوں کی

---

[۱]— Rev. J. Long

ناپسندیدگی کی یہ وجہ تھی کہ انھیں اپنی مذہبی تعلیم سے زیادہ اُنس تھا ، جو انگریزی مدرسوں میں نہیں دی جاتی تھی - سر سید احمد خاں نے (جنھوں نے خود انگریزی میں تعلیم نہیں پائی تھی) اپنی قوم کے برے نتائج کو دیکھا جو انگریزی تعلیم سے غفلت کی بدولت پیدا ہو رہے تھے اس لئے انھوں نے اپنی زندگی کا پچھلا حصہ انگریزی تعلیم کے لئے سہولتیں بہم پہنچانے میں صرف کیا - سر سید نے شاہ عبدالعزیز محدث کے ایک فتوے کی طرف لوگوں کو توجہ دلائی جو انگریزی تعلیم کے حق میں تھا اور علیگڈھ میں تعلیم کی ایک تجویز مرتب کی جس میں انگریزی تعلیم کے ساتھہ مسلمانوں کی مذہبی تعلیم بھی شامل کی گئی - اس کے علاوہ اس تجویز میں انگریزی کھیلوں کا انتظام بھی تھا جو اس وقت ہندوستانی اسکولوں اور کالجوں میں ہر دلعزیزی کے درجے تک نہیں پہنچے تھے - کھیل کے اس پہلو کی بدولت ہندو زمینداروں نے بھی کالج کی طرف توجہ کرکے اس کی تائید کی اور برٹش گورنمنٹ نے بھی اس کو بہت کچھہ امداد دی - سر سید کی کمیٹی نے جو ابتدا میں بنارس میں قائم ہوئی تھی جہاں سر سید صدر امین (سبارڈینیٹ جج) کی حیثیت سے مامور تھے سنہ ۱۸۷۵ع میں علیگڈھ میں اسکول جاری کیا - اس کے تھوڑے عرصے کے بعد سر سید عدالت کی ملازمت سے سبکدوش ہو گئے - اور سنہ ۱۸۷۷ع میں انھیں اس امر کا اطمینان حاصل ہوا کہ ہندوستان کے وائسرائے لارڈ لٹن نے علیگڈھ کالج کا سنگ بنیاد رکھا - سر سید کا شروع ھی سے یہ خیال تھا کہ اسلامی تمدن اور مذہبی تحقیق کا ایک مرکز قائم کیا جائے جہاں یہ دونوں شعبے ایک آزاد مسلم یونیورسٹی میں مجتمع ہوں - یونیورسٹی کا خواب تو بہت سے وقفوں کے بعد سنہ ۱۹۲۰ع میں پورا ہوا لیکن ایک تمدنی اور مذہبی تحقیق کے مرکز کا خواب ابھی پورا ہونا باقی رہتا ھے - اس دوران میں انگریزی تعلیم نے مسلمانوں کے دلوں میں گھر کرلیا ھے اور سائنٹفک اور جدید علم کی نسبت اب آئندہ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ان کا حصول مسلمانان ہند کو منظور نہیں ھے -

تعلیم کے عام پہلو

اس زمانے کے عام تعلیمی پہلوؤں کا خلاصہ بیان کرتے ہوئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ جب سے حکومت انگلستان کے مراسلات سنہ ۱۸۹۳ع اور سنہ ۱۸۶۴ع جاری ہوئے

میں حکومت ہند نے ہندوستان کے معمول حلقوں کو اس امر کی ترغیب دی ہے کہ اپنی تعلیم کا خود انتظام کریں۔ ابتدائی تعلیم میں بہت کچھ ترقی ہوئی اور سنہ ۱۸۸۳ع کے ایجوکیشن کمیشن نے بیان کیا کہ " عامۃالناس کی ابتدائی تعلیم ، اس کے بہم پہنچانے کا انتظام ، اس کی توسیع اور ترقی " تعلیمی نظام کا وہ حصہ ہے جو حکومت کی خاص توجہ کا محتاج ہے - ثانوی تعلیم میں یہ اصول قائم کیا گیا کہ یہ دو حصوں میں منقسم ہونی چاہئیے ایک کا سلسلہ تو یونیورسٹی تک چلا جائے اور دوسرا (جیسا اکثر ممالک میں ہوتا ہے) عملی نوعیت کا ہو جو طلبا کو تجارتی اور غیر ادبی پیشوں کے لئے تیار کرے - آخرالذکر مقصد ابھی تک پورا نہیں ہوا جس کی وجہ یہ ہے کہ عملی فنون اور علوم کے سکھانے کے لئے دیسی زبانوں کی طرف کافی توجہ نہیں کی گئی - ابتدائی تعلیم کے متعلق یہ قرار پایا کہ قطع نظر کسی مالی یا دیگر قسم کی امداد کے ابتدائی تعلیم بہر حال پہنچائی جائے مگر ثانوی مدارس اور بالخصوص انگریزی تعلیم کے لئے یہ تجویز قرار پائی کہ جہاں کہیں ممکن ہو ایسے مدارس براہ راست سرکاری نہ ہوں بلکہ سرکار سے مالی امداد کے اصول پر چلائے جائیں - تعلیم کے تمام شعبوں میں خواہ ابتدائی ہوں یا ثانوی یا اعلیٰ (کالجیٹ) سب میں امداد کے اصول کو فروغ دیا جائے - مالی امداد اور تعلیمی کوشش کے معاملے میں لوگوں کی طرف سے اس کے جواب میں جو عملی کارروائی ظہور میں آئی وہ قابل ذکر ہے - لیکن چونکہ بد قسمتی سے اس تحریک کا تعلق کسی ہمدردانہ مرکزی نظام کی ہدایت سے نہ تھا اس لئے اس سے تعلیم کے قومی نظام کی ترقی کا راستہ اگر بالکل مسدود نہ ہوگیا تو اس میں رکاوٹ ضرور پیدا ہوگئی - ملک کی خاص جماعتوں یعنی والیان ریاست ، امرا ، مسلمانوں اور ادنیٰ ذات کے لوگوں کی تعلیم پر کسی قدر توجہ کی گئی ، لیکن ان میں علیحدگی اور تفریق کا کوئی انتظام نہ کیا گیا - پریزیڈنسی شہروں کے باہر تعلیم نسواں کی حالت کس مپرسی میں تھی - پریزیڈنسی شہروں میں بھی لڑکوں کے مقابلے میں لڑکیوں کی تعداد اس قدر غیر متناسب تھی کہ ایجوکیشن کمیشن نے تعلیم نسواں کے معاملے پر خاص توجہ کی اور خاص سفارشات کیں - یہ امر قابل ذکر ہے کہ کمیشن کو فنون لطیفہ کی تعلیم کا خیال تک نہ آیا اگرچہ فنون لطیفہ کے کئی مدارس اس سے پہلے جاری ہو چکے تھے جن کا ذکر اس کتاب کے کسی گذشتہ باب

میں آچکا ہے ' اور نہ کمیشن نے تعلیم کے حسب ذیل شعبوں پر توجہ کی : موسیقی' صنعتی ' تعلیم ' سائنس کی علمی یا عملی اعلیٰ تعلیم ' سائنس اور علوم کی اصلی علمی تحقیق جسے ہر مناسب تعلیمی نظام کا بہترین حصہ سمجھنا چاہئے - یونیورسٹیوں نے ابتدا ہی سے سائنس کو اپنے نصاب میں شامل کرلیا تھا لیکن یہ ایسا مضمون تھا جو پبلک کی نظر سے کم گزرتا تھا - سنہ ۱۸۸۳ع میں تعلیمی کمیشن نے مسئلہ تعلیم پر وسیع نظر ڈالتے ہوئے سائنس کے مضامین کا صرف ضمناً ذکر کیا -

علم ادب : اس زمانے کی ادبی خصوصیات

اب ہم علم ادب کی طرف متوجہ ہوتے ہیں - اس موقعے پر مفصلہ ذیل واقعات کا ذکر بےجا نہ ہوگا کیونکہ وہ تمام ہندوستان کے لئے اہمیت رکھتے ہیں : بنگالی تھیٹر کو ترقی دی گئی اور وہ قومی ترقی اور زندگی کا ایک خاص ذریعہ بن گیا - بنگالی ناول نے بنگالی زندگی میں اپنی جگہ کرلی اور اس نے معاصرانہ معاشرتی زندگی کا خاکہ اتارنے ' تجزیہ اور تبصرہ کرنے اور زندگی کو ایک نئے سانچے میں ڈھالنے کے لئے عملی کارروائی شروع کردی - اس اعتبار سے ہندوستانی زبان دیسی زبانوں کی دوڑ میں پیچھے رہ گئی - لیکن اس کی نشو و نما میں نئی صورتیں اور نئے رنگ پیدا ہونے لگے - اردو اور ہندی کے درمیان تفریق زیادہ نمایاں ہونے لگی اور اس کا اثر صوبجات متحدہ میں تعلیم ' ادب اور سیاسیات پر بہت زیادہ پڑنے لگا حتیٰ کہ اس کے نتائج بنگال اور دوسرے صوبوں تک پہنچنے شروع ہوگئے - اردو زبان میں زیادہ لچک اور جدت پیدا ہوگئی - اردو ناول کے شعبے میں ایک نہایت مشہور مصنف پیدا ہوا گو اردو ناول کا اثر معاصرانہ عادات و اطوار اور اخلاق پر ایسا گہرا نہ پڑا جیسا بنگالی دنیا میں بنگالی ناول کا تھا - اردو شاعری نے اپنا رخ بدل کر ایک نئی سمت اختیار کی اور اردو نثر میں مضامین کی نوعیت کے اعتبار سے زیادہ وسعت اور خوبی پیدا ہوگئی -

جدید بنگالی ڈراما : مائیکل مدھوسدن دت

یاترا یعنی بنگال کی عام زندگی کے کھیل اس قسم کے تھے جو بلا لحاظ اس امر کے کہ ان کے لئے کون سی زبان استعمال کی جاتی ہے ہندوستان کی تمام ہندو سوسائٹیوں میں پائے جاتے تھے - لیکن چونکہ بنگال میں انگریزی

تعلیم کی بنیاد جلد قائم ہوگئی تھی اس وجہ سے ایسے کھیلوں کے لئے جو تھیٹروں میں دکھائے جاتے ہیں اور ایسے ڈراموں کے لئے جو موجودہ یورپین شکل میں لکھے جاتے ہیں ایک ذوق پیدا ہوگیا - غدر سے پہلے انگریزی زبان میں انگریزی کھیل کئی مرتبہ بنگالی صاحبان دکھا چکے تھے - سنہ ۱۸۵۸ع میں بلگاچھہ تھیٹر کھولا گیا جس میں زمانہ حال یا مغربی معیار کے مطابق استیج ، سینری ، موسیقی اور ایکٹنگ سب کچھ تھا - کھیل البتہ بنگالی میں تھا جس کا نام " رتناولی " تھا - یہ سنسکرت کے پرانے کھیل رتناولی کا ترجمہ تو نہ تھا مگر اس کے مضمون کو اپنی خواہش کے مطابق مفید مطلب بنا لیا گیا تھا - لہجے اور اصل مفہوم کے اعتبار سے اس میں زمانہ حال کی جدت پائی جاتی تھی - مغربی اصول کے مطابق آرکسٹرا (گانے بجانے والوں کی منظم جماعت) بھی تھی ، لیکن اس میں آلات موسیقی ہندوستانی تھے اور راگ بھی ہندوستانی - یہ انتظام ہندوستانی موسیقی کے مشہور شیدائی مہاراجہ سر جوتندرو موہن ٹیگور کے مشورے سے اور اُن کی سرپرستی میں کیا گیا تھا - اس تجربے کی کامیابی نے مائیکل مدھوسدن دت (۱۸۲۴—۱۸۷۳ع) کے دل میں یہ تحریک پیدا کی کہ خود اپنے خیالات کو ظاہر کرے اور ایک قومی ڈراما پیدا کرے - ان کے اس کارنامے پر بنگال کو بجا طور پر فخر ہے - یہ ایک شاعرانہ ڈراما تھا - ڈراما نویس نے بہت سے یورپین ناٹکوں کا غور سے مطالعہ کیا تھا جن میں یونانی ڈراما نویس بھی شامل تھے - مائیکل مدھوسدن دت گو خود عیسائی تھے لیکن ہندوستانی قوم پرستی کا انھیں ایک گہرا احساس تھا اور استیج کی اغراض کے لئے وہ بلا تکلف ہندو دیوتاؤں کے افسانے استعمال کیا کرتے تھے - کامیڈی (مزاحیہ) کی صنف میں وہ ہندو سوسائٹی کے بنیادی واقعات کی تہ تک پہنچے تھے اور اس کے کمزور پہلوؤں پر سختی کے ساتھ نکتہ چینی کرتے تھے -

گریش چندر گھوش اور دین بندھو مترا

چند سال کے اندر کثیرالتعداد کمپنیوں نے کلکتہ میں کھیل دکھانے شروع کردئیے - گریش چندر گھوش (۱۸۴۳—۱۹۱۱ع) نے سنہ ۱۸۷۱ع سے چالیس سال تک تھیٹر میں بڑی طاقت پیدا کی - وہ نہ صرف ایکٹر بلکہ منیجر اور ڈراما نویس بھی تھے - ابتدا میں انھوں نے نیشنل تھیٹر میں

جو بعد ازاں "گریٹ نیشنل تھئیٹر" کے نام سے مشہور ہوا اپنا کام شروع کیا - اس کے بعد کلکتہ میں اور تھئیٹر بھی ان کے زیر اہتمام آئے - گھوش کے بعد ان کے کام کا بار دوسرے کندھوں پر جا پڑا - بنگالی ڈرامے میں زندگی اور تعمیری قوت پائی جاتی ہے - سنہ ۱۸۶۰ع میں دین بندھو متر (۱۸۲۹—۷۳ع) نے نیل درپن [۱] کا سنسنی پیدا کرنے والا ڈراما لکھا - اس ڈرامے میں انگریز زمینداروں پر جو نیل کا کاروبار کرتے تھے اس بنا پر حملہ کیا گیا کہ وہ اپنے بنگالی کاشتکاروں سے برا سلوک کرتے تھے - اسٹیج پر کھیل دکھانے سے پہلے اس ڈرامے کا انگریزی ترجمہ تقسیم کیا گیا - مشنریوں اور کلکتے کے لاٹ پادری ڈاکٹر کاٹن [۲] کو کاشتکاروں سے ہمدردی تھی - انگریز زمینداروں کی انجمن نے ڈرامے کے مترجم ریورنڈ جیمز لونگ [۳] پر ازالہ حیثیت عرفی کا مقدمہ دائر کردیا ' اس مقدمے سے ایک ناگوار اور شدید بحث کا سلسلہ شروع ہو گیا - گو مسٹر لونگ مجرم قرار دئے گئے اور انہیں جرمانے کی سزا دی گئی لیکن یہ کاشتکاروں کی ایک اخلاقی فتح تھی - عام لوگوں نے اپنا سکہ جما لیا - نیل کے کاروبار کی بےعنوانیوں کے انکشاف اور کاشتکاروں کے اس پیچیدہ مسئلہ کے تصفیے سے دین بندھو اور اس کے کھیل کی اس قدر شہرت ہوگئی کہ حیات عامہ میں بنگالی اسٹیج کا درجہ رفعت و عظمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا - سنہ ۱۸۷۸ع میں یہ کھیل بڑی کامیابی سے دکھایا گیا - اس وقت سے بنگالی ڈرامے کی اس حیثیت کا خاتمہ ہوگیا کہ لوگ اس میں محض ذاتی شوق کے خیال سے دلچسپی لیتے تھے اور آئندہ یہ ایک عام زیر دست پیشہ ہوگیا جس کی ہر دل عزیزی کا دائرہ وسیع ہوتا گیا - اس کے بعد سنجیدہ اغراض کے لئے جو ڈرامے کے واسطے موزوں نہیں ڈرامے میں بہت سی اہم اصلاحات کو ظاہر کرنے کی کوشش کی گئی - انہیں اغراض سے اخلاقی مزاج کو بھی فروغ حاصل ہوا - ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے ایک طویل سلسلے نے ڈرامے کی ترقی کے لئے اپنی قابلیت کو وقف کر دیا - ڈرامے کے ابتدائی دور میں جن ایکٹرسوں نے مشکلات کا راستہ صاف کیا اور جن کے اسٹیج پر ایکٹنگ کا طویل زمانہ اپنی آواز اور طرز ادا اور اپنے اپنے

Nil Darpan—[۱]

Dr. Cotton—[۲]

Rev. James Long—[۳]

پیارت کا غور و فکر کے ساتھ مطالعہ کرنے کے باعث روشن اور ممتاز نظر آتا ہے اُن میں تارا سندری کا نام قابل ذکر ہے جو ستار تھیٹر میں سنہ ۱۸۸۴ع میں اُس وقت پہلی مرتبہ پبلک کے سامنے اسٹیج پر آئی جب اس کی عمر صرف سات سال کی تھی [۱] -

بےقافیہ نظم میں بنگالی کاویہ [۲]

جو لٹریچر ایسا ڈراما پیدا کرسکتا ہے جو معاصرانہ زندگی کے واقعات اور خیالات سے گہرا تعلق رکھتا وہ اُسی لے میں اپنی کہانیاں بھی سنا سکتا ہے خواہ وہ زمانہ قدیم کے افسانوں پر مبنی ہوں یا زمانۂ قریب کی تاریخ اور معاصرانہ زندگی پر - قصہ گوئی کا یہ نیا جذبہ جس میں کردار نگاری بھی ہے براہ راست انگریزی اور مغربی لٹریچر کے مطالعہ سے حاصل کیا گیا مدھوسدن دت (۱۸۲۴—۷۳ع) نے جن کے ناٹکوں کا ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں بنگال کو بےقافیہ نظم کا عطیہ بھی دیا اور اپنی کتاب میگھند بدھ [۳] میں جو ۱۸۶۱ع میں شائع ہوئی لنکا کی لڑائی کا قصہ جس کا ذکر رامائن میں آیا ہے ایک جدید طرز پر بیان کیا ہے - میگھند راون کے بیٹوں میں سب سے زبردست تھا - اس نے رام کے بھائی لکشمن کو قتل کیا مگر وہ ایسی لڑائی تھی جس میں تمام حالات میگھند کے خلاف تھے - اس پر رام نے اپنی شجاعت و بہادری کی پوری شان اس طرح دکھائی جس طرح یونان کی رزمیہ نظم میں ہکٹر [۴] کی فتح نے اکلیس [۵] کے پورے جوش اور غیظ و غضب کو بھڑکایا - دونوں قصوں میں نتیجہ ایک ہی نکلا یعنی ہیرو کو اپنی شجاعت دکھانے کا موقعہ ملا - دت نے ہومر کا مطالعہ ضرور کیا تھا لیکن اس کی کاویہ میں بہت بڑی جدت اور خوبی پائی جاتی ہے -

---

[۱] —مسٹر پی گوھاتھا کرتا نے حال ہی میں " بنگالی ڈراما ، اس کی ابتدا اور اس کی ترقی " (لنڈن سنہ ۱۹۳۰ع) پر ایک عمدہ مضمون لکھا ہے - میں اس حصے کے لئے اس مضمون کا رہین منت ہوں -

Kavya—[۲]

Meghanad Badh—[۳]

Hector—[۴]

Achilles—[۵]

ناول کی صنف : بنکم چندر چٹرجی

قصہ گوئی میں بھی اسی طرح کا ایک نیا جذبہ بنکم چندر چٹر جی (۹۴—۱۸۳۸ع) نے اپنے ناولوں میں ظاہر کیا ہے جو نثر میں تھے - چٹرجی پہلے ھندوستانی تھے جنھوں نے کلکتہ یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کی (سنہ ۱۸۵۸ع) - وہ سرکاری ملازمت میں ڈپٹی مجسٹریٹ کے عہدے پر مامور تھے لیکن ان کی شہرت ان کے بنگالی ناولوں سے ھے - ان کا ناول درگیش نندنی [۴] سنہ ۱۸۶۴ع میں پبلک کے سامنے آیا - یہ ایک تاریخی ناول تھا اور بنگالی پبلک میں اس کے شایع ہونے سے طوفان برپا ھو گیا - ان کا سب سے مشہور ناول انند متھ تھا جو تقریباً دس سال کے بعد شایع ھوا - اس ناول میں سنیاسیوں کی بغاوت سنہ ۷۴—۱۷۷۱ع کا ذکر ھے - اس میں سر گزشت ' افسانے اور حب وطن کے مختلف پہلو نمایاں طور پر دکھائے گئے ھیں - اس کے طرز بیان سے مسلمانوں کے ساتھ مخالفت مترشح ھوتی ھے اور انگریزوں پر سخت نکتہ چینی کی گئی ھے - اس کے لطیفوں میں سے ایک لطیفہ بطور نمونہ نقل کیا جاتا ھے - لکھتے ھیں : " میر جعفر افیون پی کر سویا کرتا تھا - انگریز مالگزاری جمع کرتے تھے اور مراسلات لکھا کرتے تھے - بنگالی آنسو بہاتے تھے اور تباھی کی طرف قدم اُٹھاتے تھے " - اسی ناول میں " بندے ماترم " ایک مشہور گیت ھے جو ناول میں باغی سنیاسیوں نے استعمال کیا تھا - بعد ازاں بیسویں صدی کی انقلابی تحریکوں میں یہی گیت جنگی نعرہ بن گیا - نوجوان بنگالیوں کے اس جذبے نے کہ تاریخ از سر نو پڑھی جائے اور اس میں مسلمانوں کے خلاف معنے نکالے جائیں ھندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان نفرت اور اختلاف کو اور زیادہ کردیا - اس نقطۂ خیال سے مسٹر نریش چندراسین گپتا اس نکتہ چینی میں حق بجانب ھیں کہ چٹر جی میں صرف صوبہ وار پاسداری کا جذبہ پایا جاتا ھے اور " مسلمانوں سے اس کی نفرت ایک روگ کی حیثیت رکھتی ھے " [۵] - چٹر جی کا کامل

---

[۱]—اس کا ترجمہ مولانا عبدالحلیم شرر نے انگریزی سے اُردو میں کیا - مولانا نے خود اُردو میں مشہور تاریخی ناول لکھے ھیں -

[۲]—دیکھو ان کا انگریزی ترجمہ بنکم چندر چٹرجی انند متھ (Abbey of Bless) صفحہ تمہید ۷ -

ترین ناول " کرشنا کانت کی وصیت " ہے - اس میں بنگال کے ایک زمیندار خاندان کی معاشرتی زندگی کا بیان کیا گیا ہے - واقعات کی رفتار تیز ہے - کردار نگاری زندگی کی ہو بہو تصویر ہے اور ایک عورت کی طاقت اور اس کی اخلاقی بہادری دل گداز رنگ میں کمال ہنر سے دکھائی گئی ہے -

اردو لٹریچر : اس کی نئی تحریکیں

جب ہم اردو لٹریچر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی انگریزوں کے تمدنی اثرات کے ماتحت مگر طبع زاد عجیب و غریب تحریکیں کارفرما نظر آتی ہیں - لیکن یہ اثر ایسے براہ راست نہ تھے جیسے بنگال کے ادب میں - نہ اردو کی جدید صورت بنگالی ادب کے درجے تک پہنچی تھی - ہمارے اردو کے مصنف انگریزی لٹریچر سے کم واقفیت رکھتے تھے اور ان میں بعض تو انگریزی میں بالکل کورے تھے گو انگریزی کی نئی طرز اور نئے خیالات کا ان پر اثر پڑچکا تھا جنھیں وہ اپنی تحریروں میں اپنی ہی طرز پر کام میں لے آتے تھے - دماغی اور ادبی پہلو سے ان کی استعداد کم نہ تھی - بعض لوگ معقول وجوہ کے ساتھ یہ بھی دعویٰ کر سکتے ہیں کہ ان کی استعداد ان کے بنگالی معاصرین سے زیادہ تھی لیکن چونکہ انگریزی زبان سے ان کی واقفیت کم نہ تھی اور ان کی کتابوں کا انگریزی زبان میں ترجمہ نہ ہوا اور شاید اس لئے نہ ہوا کہ اس میں ترجمے کے امکان کی کم صورت پائی جاتی تھی ، لہذا ان کی کتابوں کی اشاعت یا شہرت ہندوستان بھر میں یا دنیا بھر میں کم ہوئی - اس کے یہ معنے نہیں ہیں کہ جو بنیادیں انہوں نے رکھیں وہ گہری نہ تھیں - تمام ہندوستان کی تمدنی ترقی کی تحریک میں ہم ان کی حقیقی قابلیت کا اندازہ چند نسلوں کے گذر جانے کے بعد ہی کر سکتے ہیں -

غالب : مکتوب نویسی بحیثیت ایک ادبی فن کے

غدر رنج و الم کے جن گہرے اثرات کو چھوڑ گیا تھا انہوں نے ہمارے بعض چوٹی کے مصنفوں کی زندگی پر بہت بڑا اثر ڈالا - غالب سنہ ۱۷۹۷-۱۸۶۹ع جن کا ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں اس ہنگامے میں اپنا سب کچھ کھو چکے تھے - خاندان تیموریہ کی تباہی کے بعد ان کا دل ٹوٹ گیا تھا - ان کی نظم تخیل سے معمور تھی ، لیکن غدر کے بعد کے طبائع کے لئے ان کی نظم کا فلسفہ

یا انداز بیان موزوں نہ تھا - یہ ان کے شاگرد حالی [۱] کے محبت والے ہاتھ تھے جنھوں نے ان کی یاد کے گرد ان کی شہرت و عظمت کا ایک ایسا ہالہ بنایا جو ہمیشہ روشن رہے گا - حال ہی میں غالب کی جو یاد ایک نسل کی غفلت شعاری کے بعد تازہ [۲] کی گئی ہے - یہ گویا ان سطحی بیہودہ اور بے معنی تصنیفات کے خلاف ایک رد عمل ہے جس کا ارتکاب موجودہ شاعری میں بعض نام نہاد شاعروں نے کیا ہے - لیکن غالب ادبی پہلو سے ایک بہت بڑے صناع تھے اور اگر ان کی غزلیں معمولی اردو والوں کے لئے مشکل ہیں تو ان کے رقعات جو ایک مجموعے کی شکل میں اردوے معلی کے نام سے شایع کئے گئے ہیں ایک یقینی کیف و سرور کا سر چشمہ ہیں - ان رقعات نے اردو نثر میں ایک نئی طرز کو رواج دیا - یہ کہنا کہ ان رقعات کا اسلوب بیان سادہ ہے اور ان میں وہ الفاظ اور فقرے استعمال کئے گئے ہیں جو روز مرہ کی گفتگو میں بولے جاتے ہیں گو صحیح ہے مگر اس سے ان کے خوبی کا پورا اندازہ نہیں ہوسکتا - رقعات ایسے انداز میں لکھے گئے ہیں جن میں برجستگی اور پر معنی اختصار پایا جاتا ہے جو ادبی تحریر کی جان ہیں - ان میں ظرافت، سوز و گداز، اور سیدھے اور صاف مفہوم کے تمام پہلو پورے طور پر نظر آتے ہیں - یہ وہ باتیں ہیں جو درحقیقت نظم و نثر میں قدرتی طرز کی طرف رہنمائی کرتی ہیں یہ طرز سنہ ۱۸۶۹ع میں ان کے انتقال کے بعد بڑے زور سے رواج پذیر ہوگئی - اگر ان کے رقعات ناقدانہ نگاہ سے مرتب کئے جاتے، ان کا انتخاب کیا جاتا، اور ترتیب کے وقت ان موقعوں کی کسی قدر تفصیل بھی دی جاتی جن پر یہ لکھے گئے اور ان اشخاص کا بھی ذکر کیا جاتا جو ان کے مکتوب الیہ تھے، تو نہ صرف ادبی بلکہ تاریخی حیثیت سے ان کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا - ان رقعات میں ہندو مسلم امتیاز اور جھگڑوں کا نہ ہونا ایک ایسے زمانے

---

[۱]---دیکھو یادگار غالب مطبوعہ سنہ ۱۸۹۶ع -

[۲]---اس کی کئی شہادتیں پیش کی جا سکتی ہیں - غالب کے دیوان کثیرالتعداد مشرح اڈیشن چھاپے گئے ہیں - حال میں لاہور کے مصور چغتائی نے غالب کے دیوان کا ایک مصور اور مطلا اڈیشن شایع کیا ہے - اس دیوان کی جو شرح بدایوں میں مرتب کی گئی تھی وہ بار بار طبع ہوئی ہے - علیگڈھ کا اڈیشن اس کے علاوہ ہے - جس کا دیباچہ مولانا حسرت موہانی نے لکھا ہے - حیدرآباد کے سید علی حیدر طباطبائی نے اور نیز عبدالرحمن بجنوری نے شرحیں لکھی ہیں لیکن بجنوری صاحب نے غالب کی خوبیوں کے بیان میں مبالغے سے کام لیا ہے -

میں جو حیات عامہ کو کسی اور رنگ میں پیش ہی نہیں کرتا روح افزا معلوم ہوتا ہے -

آزاد اور حالی : شاعری ، تاریخی تحقیق ، اور ادبی انتقاد کی نئی تحریکیں

محمد حسین آزاد کی زندگی ایک پر زور انداز میں بتاتی ہے کہ کس طرح بالائی ہند کے عالی دماغ اشخاص نے ان مہیب مشکلات کا مقابلہ کیا اور انگریزی کا صرف سرسری علم رکھنے کے باوجود ادب اردو میں قدیم طرز سے ہٹ کر جدید طرز کا راستہ تیار کیا - آزاد سنہ ۳۳-۱۸۳۲ع کے قریب دھلی میں پیدا ہوئے - ان کے والد باقر علی تھے جو اردو اخبار نویسی کے اولین علم برداروں میں سے تھے - دھلی کے ممتاز مسلمان گھرانوں کی طرح آزاد کا خاندان بھی غدر میں تباہ ہو گیا - وہ کچھ عرصے تک ملک کے مختلف حصوں میں گھومتے رہے اور آخر سنہ ۱۸۶۴ع میں لاهور میں ان کا قدم جما - انھیں ڈائرکٹر محکمۂ تعلیم لاهور کے دفتر میں پندرہ روپے ماهوار کی جگہ ملی - لیکن ان کی قابلیت کے جوهر کیسے چھپے رهتے ؟ انھوں نے لاهور میں ادب اردو کا ایک نیا مرکز قائم کیا جس نے اپنے طرز عمل سے اپنی طاقت کو ثابت کردیا - لکھنؤ یا دھلی کی ادبی روایات سے بے نیاز ہوکر اس تحریک نے نئے اصول پر اپنی بنیاد قائم کی - تاریخی تحقیق ، ادبی انتقاد ، شاعری کے اصناف اور نفس مضمون کے متعلق نئے اصول کی داغ بیل ڈالی گئی - ادب کے ان تینوں شعبوں میں مولانا آزاد لاهور میں پچیس سال (سنہ ۱۸۸۹-۱۸۶۴ع) تک سرگرمی اور مصروفیت کی زندگی بسر کرتے رہے جس سے حیرت انگیز نتائج نکلے - سنہ ۱۸۷۴ میں انھوں نے انجمن پنجاب کی بنیاد ڈالی اور اس کے ذریعے سے مشاعروں کا انتظام کیا جس نے اردو شاعری کی تاریخ میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا - مولانا الطاف حسین حالی (سنہ ۱۹۱۴-۱۸۳۷ع) بھی جو غدر کے ایام میں دھلی میں مصائب برداشت کرچکے تھے اور اب لاهور میں کام کر رہے تھے اردو کی جدید تحریک میں شامل ہوئے - سنہ ۱۸۷۹ع میں ان کی شہرۂ آفاق مسدس نے اس تحریک پر مقبولیت کی مہر لگادی - مسدس کی تحریک علیگڈھ کالج کے محترم بانی کے ایما سے ہوئی تھی ، اس کتاب نے اپنی عظیم‌الشان کامیابی کے سلسلے میں اپنے آپ کو علیگڈھ کی

تحریک سے وابستہ کردیا - آزاد کی " دربار اکبری " گو ان کی زندگی میں نامکمل رہی اور اسے ان کے شاگردوں نے پایۂ تکمیل تک پہنچایا لیکن اس کے اور اوراق بتا رہے تھے کہ تاریخ میں اس کی تحقیق کس قدر زبردست تھی - لیکن جس کتاب کی بدولت آزاد کو بقائے دوام کا شہرہ حاصل ہے وہ شاید اُن کی " آب حیات " ہے - اب یہ ایک بڑے علمی پائے کی کتاب سمجھی جاتی ہے - اردو میں ادب کی یہ پہلی تاریخ ہے - گو اُن کی بہت سی ذاتی رائے پر اختلاف ہوسکتا ہے تاہم یہ اس تاریخ تک جب یہ لکھی گئی اردو زبان میں ادبی تحقیق اور تاریخی واقعات پر تبصرہ کی ایک ایسی عمدہ کتاب ہے کہ اب بھی کوئی کتاب اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی - ان کی کتاب " نیرنگ خیال " نثر میں مختلف مضامین کا مجموعہ ہے جو مضامین کی سلاست اور رفعت کے اعتبار سے اس قدر بلند پایہ ہے کہ بہت کم مصنف اس کی برابری کر سکتے ہیں - سنہ ۱۸۸۹ع میں بیچارے آزاد کے دماغ میں فتور آگیا - گو اس کے بعد بھی ان کا قلمی سلسلہ جاری رہا لیکن ان کی سرگرم ادبی زندگی کا اسی وقت خاتمہ ہوگیا - گو وہ سنہ ۱۹۱۰ع تک بقید حیات رہے - اردو زبان اور پنجاب مولانا آزاد کے رہین منت ہیں - ان کی ادبی خدمت کے اعتراف کی بہترین صورت پنجاب میں ادب اردو کے جدید احیا کی تحریک ہے -

سرشار : نول‌کشور پریس اور اودھ پنچ

لکھنؤ کے پنڈت رتن ناتھ سرشار (۱۸۴۶—۱۹۰۲ع) نے قصہ نویسی کی تاریخ میں ایک نئے اسلوب کا اضافہ کیا اور طبقہ متوسط میں لکھے پڑھے لوگوں کی ایک وسیع جماعت کی توجہ کو اپنے انداز بیان کی طرف مبذول کرانے کی راہ نکالی - پنڈت صاحب انگریزی بھی کچھ جانتے تھے لیکن لکھنؤ کے بازاری لوگوں کی زبان اور شہدوں کے محاوروں کے متعلق ان کی معلومات حیرت انگیز تھیں - بیگمات اور نوابوں کی اندرونی زندگی کے اسرار ' اُجڑے ہوئے خاندانوں کے حالات اور ان ذلیل اور فرومایہ اشخاص کے واقعات جو اپنی حرص و طمع کا انہیں شکار بناتے تھے ' انہیں بخوبی معلوم تھے - انہوں نے اپنی اس فطری ذہانت اور قابلیت سے جو انہیں الفاظ میں تصویر کھینچنے ' ڈرامے کی طرح واقعات بیان کرنے ' اور مکالمے کی شکل میں کردار کا

صحیح خاکہ اُتارنے میں حاصل تھی اردو زبان کے ناظرین کے سامنے تخیل کی ایک نئی دنیا پیش کی - نول‌کشور پریس کی الوالعزمی کے صدقے میں جو سنہ ۱۸۵۸ع میں بمقام لکھنؤ قائم ہوا سرشار کو اپنے ادبی کمالات ظاہر کرنے کا موقع مل گیا - بالائی ہند کی کوئی تمدنی تاریخ اس وقت تک مکمل نہیں سمجھی جائیگی جب تک اس میں منشی نول‌کشور (۱۸۳۵—۹۴ع) کا ذکر نہ کیا جائے - منشی صاحب نے " روزانہ اودھ اخبار " بھی جاری کیا - اودھ اخبار اور منشی سجاد حسین کے " اودھ پنچ " [۱] نے اس زمانے میں جو (سنہ ۱۸۷۷—۸۲ع) کے قریب تھا بالائی ہند کی اخبار نویسی کی دنیا میں ایک معزز جگہ حاصل کی - سرشار دونوں اخبارات کے قلمی معاون تھے - سنہ ۱۸۷۸ع میں وہ اودھ اخبار کے ایڈیٹر مقرر ہوئے اور مشرح واقعات کی تفصیل سے اودھ کی زندگی کا ایسا صحیح مرقع کھینچا کہ اخبار فوراً ادبی شہرت کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گیا - یہ مضامین سنہ ۱۸۸۰ع میں فسانہ آزاد کے نام سے ایک کتاب کی شکل میں شایع ہوگئے - اس سے قصہ نویسی کی ایک نئی صورت قائم ہوگئی - سرشار نے اپنے دل میں ڈان کؤکسات [۲] کا تصور جما رکھا تھا اور ان کے ہیرو آزاد کے کردار سے یہی پایا جاتا ہے کہ وہ عملی آدمی نہیں ہے اور اس کی روش مضحکہ خیز ہے - آزاد کے ارد گرد قصے کے اور اشخاص بھی ہیں - مثلاً ہمایوں جو اردو زبان میں ضرب‌المثل ہوگئے ہیں ، حسن آرا ، خوجی نوکر ، ان کے علاوہ بیسوں اور نام ہیں جو اردو زبان میں ضرب‌المثل ہوگئے ہیں - کہیں کہیں اردو اور فارسی کے اشعار دئے گئے ہیں - نوابوں ، پولیس کے افسروں ، اعلیٰ درجہ کے مسخروں (مرد اور عورت دونوں) بنگالی بابو اور تھیاسوفسٹ [۳] وغیرہ کی مضحکہ خیز تصاویر الفاظ میں کھینچی گئی ہیں - پبلک میں ان واقعات سے دلچسپی کی

---

[۱]—یہ ایک مصور ظرافت آمیز اخبار تھا جس میں وزیر علی ' شوق ' اور گنگا سہائے جیسے ہندوستانی مصوروں کے کارٹون شایع ہوتے تھے اس کی کامیابی " پنجاب پنچ لاهور " اور " هندی پنچ بمبئی " کے وجود کی محرک ہوئی - " پنجاب پنچ " تھوڑے عرصے تک زندہ رہا لیکن هندی پنچ کی بنیاد زیادہ مستحکم نکلی جو " اودہ پنچ " کی وفات کے بعد بھی زندہ رہا ۔

[۲]—Don Quixote

[۳]—Theosophist

جو کیفیت پیدا ہوئی وہ اسی طرح کی تھی جو انگلستان میں ڈکنس [۱] کے پکوک پیپرس [۲] سے ہوئی تھی - سرشار میں ڈکنس کی ظرافت اور کردار کو مضحکہ خیز صورت میں پیش کرنے کی قابلیت موجود تھی لیکن سرشار ایک بگڑی ہوئی سوسائٹی کے حالات بیان کرتے ہیں جو اب تقریباً فنا کے گھاٹ اتر چکی ھے - سرشار نے فوق الفطرت ہستیوں سے کوئی سروکار نہ رکھا اور اپنے قصے کی دلچسپی کے لئے ان اشخاص پر اعتماد کیا جو در حقیقت زندہ انسان تھے - لیکن انہوں نے قصے کے سلسلے میں ترقی کے اس جذبے کو پیدا کرنے کا خیال نہ کیا جو بنگالی ناول نویسوں کا (جن کا ہم ذکر کر چکے ہیں) مقصود تھا - مولانا شرر اس زمانے میں سرشار کے ایک نوجوان اور پر جوش مداح تھے - شرر کی ناول نویسی کا دور بعد میں شروع ہوا جس کا ذکر آیندہ باب میں کیا جائے گا -

مولانا ذکاءاللہ

ہمیں اس زمانے کا تذکرہ مفصلہ ذیل چار ناموں کے بغیر نہیں چھوڑنا چاہئے : مولانا ذکاءاللہ (۱۸۳۲-۱۹۱۰ع) اور حافظ نظیر احمد (۱۸۲۶-۱۹۱۲ع)، بہ سلسلہ ادب اردو تورووت (۱۸۵۶-۷۷ع) ایک خاتون تھیں جنھوں نے انگریزی اور فرانسیسی لٹریچر کے مضامین لکھے اور بھارتندو ہریش چندر (۱۸۵۰-۱۸۸۵ع) جنھوں نے ھندی ادب کے مضامین لکھے - مولانا ذکاءاللہ دھلی کالج کے اولین طلبا میں سے تھے - ڈاکٹر نظیر احمد بھی ان کے ساتھ تھے جو عمر بھر مولانا ذکاءاللہ کے دوست رھے - مسٹر سی - ایف - اینڈریوز نے جو گاندھی اور رابندرا ناتھ ٹیگور کے دوست ہیں حال ہی میں ایک انگریزی سوانح عمری میں مولانا ذکاءاللہ کی بہت تعریف کی ھے - مسٹر موصوف نے اس کتاب میں مولانا کی شخصیت کو دھلی کے اس نئے دور حیات کا ایک عنصر قرار دیا ھے جس کا شیرازہ غدر کی وجہ سے حسرت انگیز طور پر چند سال کے لئے منقطع ہوگیا - مسٹر انڈریوز کے نزدیک مولانا ذکاءاللہ کے کام کا وہی درجہ ھے جو شانتی نکیتن میں رابندرا ناتھ ٹیگور کا ھے - مولانا ذکاءاللہ کثیرالتعداد کتابوں کے مصنف تھے - اردو میں ان کی تاریخ ھند ایک ادبی

---

[۱]-- Dickens

[۲]-- Pickwick Papers

اور تعلیمی وقعت رکھتی ہے - اُن کی شخصیت میں جادو تھا - ہندوستانی تمدن پر اُن کی نظر فرقہ‌وارانہ تمدن کی حدود سے زیادہ وسیع تھی اور اسی کی بدولت ہم ان کو تمدنی تاریخ میں بڑا درجہ دے سکتے ہیں - ایسی وسعت نظر آج کل ہندوؤں اور مسلمانوں دونوں میں کسی قدر کم پائی جاتی ہے لیکن اگر ہم اپنی مشترکہ مادر وطن کے مستقبل کے متعلق پورا اطمینان چاہتے ہیں تو اسی وسعت نظر سے کام لینا چاہئے -

مولانا نظیر احمد

ملازمت کے معاملے میں مولانا نظیر احمد کی قسمت اچھی اچھی عہدوں سے وابستہ رہی - وہ برطانوی ہند اور ریاست حیدرآباد دکن میں اعلیٰ عہدوں پر مامور رہے اور انہوں نے علیگڈھ کی تحریک کو کافی تقویت پہنچائی - وہ تعزیرات ہند اور ضابطۂ فوجداری (۱۸۹۱—۹۲ء) کے سرکاری اردو مترجم تھے - عمر کے آخری حصے میں انہوں نے قرآن مجید کا جس کے وہ حافظ تھے موجودہ اردو میں ترجمہ کیا - اس کے علاوہ انہوں نے اصلاح معاشرت کے خیال سے ناول بھی لکھے لیکن ان کے طرز تحریر میں ثقاہت اور پند آموزی کی خصوصیت پائی جاتی تھی - ان میں عوام کے جذبات کو برانگیختہ کرنے کی وہ طاقت نہ تھی جو سرشار یا شرر جیسے مصنفین کو حاصل تھی جنہیں بحر حیات میں شناوری اور جدو جہد کا زیادہ تجربہ تھا -

تورووت

تورووت کا ہندوستان میں وہی درجہ ہے جو کیٹس [۱] کا انگریزی شاعری میں ہے ان کی پیدائش بنگال کی تھی مگر انھیں انگریزی زبان میں نظم اور فرانسیسی زبان میں مضامین لکھنے کا ملکہ حاصل تھا - اس امر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کہ ان کا اکیس برس کی عمر میں انتقال ہوگیا - ان کی دو کتابیں یعنی نظم موسومہ " ہندوستان کے پرانے گیت اور افسانے " بزبان انگریزی اور ان کا " مادموازل ڈارویرکا روزنامچہ [۲] " بزبان فرانسیسی جو لارڈ لٹن کے نام پر معنون کیا گیا تھا حیرت انگیز علمی کارنامے ہیں - اول‌الذکر کتاب

---

[۱]—Keats

[۲]—Journal de Mademoiselle D'Arvers

میں انھوں نے قدیم ہندو دیوتاؤں کے قصوں، کے مفہوم کو ایک جدید اور ہمدردانہ پیرایے میں ظاہر کیا ہے ' اور آخرالذکر کتاب میں انھوں نے اپنی اس زندگی کا روحانی مفہوم بتایا ہے جو انھوں نے فرانس میں ایک لڑکی کی حیثیت سے بسر کی ہے - ان کی غیر معمولی ادبی قابلیت تمام ہندوستان کے لئے سرمایۂ نازش ہے -

ہریش چندر

بھارتندو ہریش چند ۳۵ سال کی عمر میں سنہ ۱۸۸۵ع میں جوان مر گئے لیکن وہ ہندی لٹریچر پر اپنی یادگار کا غیر فانی نقش چھوڑ گئے ہیں - انھیں درحقیقت جدید ہندی کی تحریک کا بانی قرار دیا جاسکتا ہے - بنارس کے کوئینس کالج میں تعلیم پائی اور اپنی سرگرمی ورنیکلر لٹریچر (ہندی) کو مقبول اور ہردلعزیز بنانے کے لئے وقف کردی - انھوں نے اپنی کتاب سندری تلک [۱] میں ہندی شاعروں کے منتخب اشعار دئے ہیں اور اپنی کتاب موسومہ "پر اسدہ مہاتماؤں کا جدون چرتر" میں بڑے آدمیوں کے سوانح حیات کو ہندی کے ذریعے سے عوام تک پہنچایا ہے - ان کے رسالہ موسومہ "ہریش چندریکا" کے جاری کرنے سے بالائی ہند میں ہندی کے علمی رسالوں کا رواج شروع ہوگیا - ' رسا ' کے تخلص سے انھوں نے اردو زبان میں بھی نظمیں لکھیں اور سنہ ۱۸۷۶ع میں بمقام بنارس ایک بہت بڑا مشاعرہ منعقد کیا - ہندی زبان میں قران شریف کے متعلق جو مختصر مضمون انھوں نے لکھا ہے اس میں ادب اور احترام ملحوظ رکھا گیا ہے جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مختلف مذاہب کے مطالعے میں دلچسپی لیتے تھے - ان کا سلسلہ نسب براہ راست کلکتے کے سیٹھ امین چرن (یا اما چرن یا امی چند) سے ملتا ہے جن کے تاریخی حالات کلائو اور بنگال میں انگریزی انقلاب کی تاریخ سے وابستہ ہیں -

---

Sundari Tilak—[۱]

دسواں باب

اخبار نویسی ، حیات عامہ ، مالیات اور اقتصادیات

انگریزی اخبارات کا عروج جن کے مالک اور اڈیٹر ہندوستانی تھے

ابتدا میں ہم نے ہندوستان میں دیسی اخبار نویسی کی بنیاد پڑنے کا ذکر کیا ہے - غدر کے بعد انگریزی زبان میں ایسے اخباروں کا سلسلہ شروع ہوگیا جن کے مالک اور مہتمم ہندوستانی تھے - ان میں سے بعض اخبارات کی اشاعت اور اثر کا دائرہ بہت وسیع تھا اور وہ اس وقت تک چل رہے ہیں - انگریزی تعلیم کی ترقی نے ان کے لئے پڑھنے والے بہم پہنچائے ، سنہ ۱۸۶۱ع میں توسیع یافتہ لیجسلیٹو کونسلوں کے قیام اور حیات عامہ کے شدید احساس نے ان میں وسعت نظر پیدا کردی - انگریزی زبان میں رائے عامہ کے اظہار کے متعلق گورنمنٹ کے احساس سے ان کا اثر بڑھ گیا اور انہیں ترقی کا موقعہ مل گیا - صرف گورنمنٹ ہی ان کی آواز پر کان نہیں لگائے رہتی تھی ، بلکہ یہاں کے انگریزی زبان کے اخبارات انگلستان میں پارلیمنٹ کے ممبروں ، تمام دنیا کے اخبار نویسوں اور مضمون نگاروں ، اور حیات عامہ میں دلچسپی لینے والوں کو بھیجے جاسکتے تھے - ہندوستانی ملکیت کے انگریزی اخبارات دیسی اخبارات کے مقابلے میں بہت زیادہ اثر رکھتے تھے اور بلا شبہ ترقی کرتے کرتے ہندوستان میں ہر پبلک تحریک کے لئے اب ضروری اور لازمی ہوگئے ہیں -

گریش چندر گھوش اور کرسٹو داس پال : اخبارات "ہندو پٹریٹ" ، "بنگالی" ، "انڈین مرر"

ہندوستانیوں کی انگریزی اخبارنویسی میں پہلی کامیابی جیسی توقع

کی جاسکتی ہے بنگال میں ہوئی - گریش چندر گھوش [۱] (۱۸۲۹-۶۹ع) کا نام اس لحاظ سے ممتاز نظر آتا ہے کہ انھوں نے اخبار نویسی کے میدان میں جرأت اور اولوالعزمی دکھائی ' اور وہ بہت سی باتوں میں ہمارے اس زمانے کی خصوصیات رکھتے تھے - چالیس سال کی قلیل عمر میں انھوں نے ایک سے زیادہ اخبارات کا انتظام کیا اور ان کی تاریخ انھیں سے چلی - وہ "ہندو پیٹریٹ" کے (جو سنہ ۱۸۵۳ع میں جاری ہوا تھا) پہلے اڈیٹر تھے - یہ اخبار کمپنی کی سند کی تجدید کے وقت ہندوستانی خیالات کی آخری اور قطعی آواز تھا - سنہ ۱۸۵۵ع میں ان کو ہریش چندر مکرجی (۱۸۲۴-۶۱) نے اخبار سے علیحدہ کر دیا - مکرجی سنہ ۱۸۵۷ع میں لارڈ کیننگ [۲] کی پالیسی کے حامی تھے ' اور اس کے بعد (سنہ ۱۸۶۰ع میں) انھوں نے نیل بونے والے کاشتکاروں کا معاملہ ہاتھ میں لیا اور اس کے لئے تکلیف اٹھائی - سنہ ۱۸۶۱ع میں مکرجی کے انتقال پر "ہندو پیٹریٹ" کرسٹو داس پال (۱۸۳۸-۸۴ع) کے قبضے میں آگیا ' جو ایک زبردست شخصیت کے آدمی تھے اور جنھوں نے اپنی زندگی کے آخری بیس سال میں بنگال پر اپنے اقتدار کا سکہ جما رکھا تھا - مگر پال اپنے خیالات میں زیادہ اعتدال پسند اور اعلیٰ طبقوں کے حامی تھے - اُن کے زمانے میں یہ اخبار قطعی طور پر زمینداروں کا آرگن بن گیا تھا - گریش چندر گھوش نے سنہ ۱۸۶۲ع میں اخبار بنگالی جاری کیا ' اور اسے پال کے اخبار کے مقابلے میں کسانوں اور عام لوگوں کے جذبات کا ترجمان قرار دیا - بنگالی مذاق کی تعلیم اور بنگالی لٹریچر کو ہردلعزیز بنانے کے لئے اخبار ' بنگالی ' کے علمی تبصرے زیادہ کارآمد ثابت ہوئے - ' بنگالی ' نے کامیاب اور نتیجہ خیز سنسنی پیدا کرنے کی خصوصیت حاصل کرلی تھی - لیکن سنہ ۱۸۶۹ع میں گھوش کے انتقال کے بعد اس کا معیار گھٹ گیا یہاں تک کہ سرندرا ناتھ بینرجی (۱۸۴۸-۱۹۲۵ع) نے سنہ ۱۸۷۸ع میں اسے خرید لیا - اس وقت اس کی اشاعت صرف دو سو تھی - بینرجی نے ہندوستان کے اخباروں میں ' بنگالی '

[۱]—گریش چندر گھوش جن کا ذکر گزشتہ باب میں اس حیثیت سے ہوچکا ہے کہ وہ کلکتہ میں تھیٹر کی تحریک کے بانی تھے بالکل ایک دوسرے شخص ہیں اور ان کا تعلق بعد کے زمانے سے ہے -

Lord Canning—[۲]

کو اپنے زمانے کا ایک سر برآوردہ اخبار بنا دیا - فروری سنہ ۱۹۰۰ع سے یہ روزانہ ہوگیا - ہمیں اس موقع پر ''انڈین مرر'' کو نظر انداز نہ کرنا چاہئیے جو مہارشی دیوندرا ناتھہ ٹیگور ، کیشب چندر سین اور منموہن گھوش کے محترم ناموں کے ساتھہ تعلق رکھنے کا دعوی کرتا ھے اور ابھی تک کلکتہ کے روزانہ اخباروں میں اعتدال کے ساتھہ اپنا کام کئے جارھا ھے -

''رئیس اور رعیت اور '' امرت بازار پترکا ''

اخبار نویسی کی لائن میں هریش چندر مکرجی اور کرسٹو داس پال کے رفقا میں سے ڈاکٹر شمبھو چندر مکرجی (۹۴-۱۸۳۹ع) کا نام لیا جاسکتا ھے جو پال اور گھوش دونوں کے درمیان ایک بیچ کی پالیسی پر چلتے رھے- اس کے بعد انھوں نے کلکتہ میں سنہ ۱۸۸۲ع میں ''رئیس اور رعیت '' کے نام سے ایک با اثر اخبار کی بنیاد ڈالی - بحیثیت مجموعی وہ قدامت پسندی کی طرف مائل تھے - اس دوران میں سنہ ۱۸۶۲ع میں انھیں تعلقداروں کی انجمن موقوعہ لکھنؤ کا اسسٹنٹ سکریٹری مقرر کیا گیا اور انھوں نے لکھنؤ کے اخبار سماچار هندوستانی کی اڈیٹری اپنے هاتھہ میں لی - سنہ ۱۸۶۴ع میں وہ نواب مرشدآباد کے دیوان ھوئے - اس زمانے میں مسلمانوں کے ساتھہ ان کے میل جول کا یہ اثر ھوا کہ زیادہ ھر دلعزیز بنگالی اخبار نویسوں کے مقابلے میں هندو مسلم سوال کے متعلق ان کا نظریہ زیادہ وسیع ھو گیا جیسا کانگریس اور گئو شالہ کی تحریک اور سنہ ۸-۱۸۷۷ع میں روس اور ترکی کے جنگ کے متعلق ان کی روش سے ظاھر ھوتا ھے - مگر جو اخبار عوام کا سب سے زیادہ حامی تھا اور جس کی سرگرمی کلیتاً هندوؤں کے لئے تھی وہ '' امرت بازار پترکا '' تھا - اس کو بحیثیت بنگالی اخبار کے مفصلات میں سنہ ۱۸۶۸ع میں ششر کمار گھوش (۱۹۱۱-۱۸۴۲ع) اور ان کے مشہور بھائی موتی لال گھوش (۱۹۲۲-۱۸۴۵ع) نے جاری کیا ، مگر بعد میں سنہ ۱۸۷۲ع میں یہ اخبار کلکتہ میں منتقل ھو گیا - جب سنہ ۱۸۷۸ع میں لارڈ لٹن کے جاری کئے ھوئے قانون نے دیسی اخبارات کی آزادی کا گلا گھونٹ دیا تو اولوالعزم '' پترکا '' نے بنگالی زبان کا جامہ اتار کر انگریزی زبان کا جامہ پہن لیا ، اور سنہ ۱۸۹۰ع سے روزانہ ھو گیا - سنہ ۱۸۸۸ع سے موتی لال گھوش نے بڑی مصیبتوں اور پریشانیوں کی حالت میں اخبار کو صرف اپنی ذمہ داری پر چلایا اور زبردست اور پر جوش مضامین سے اسے مالا مال کر دیا اور اسے هندوستان کا اعلی ترین اخبار بنا دیا -

مدراس کا اخبار ''ہندو''

مدراس میں اخبار '' ہندو '' بھی لارڈ لٹن کے ورنیکلر پریس ایکٹ کی سخت تحریک کی وجہ سے جاری ہوا - یہ سنہ ۱۸۷۸ع میں ایک ہفتہ‌وار اخبار کی حیثیت سے دو نوجوان مدراسیوں مسٹر سبرانیا آئر اور مسٹر ایم ویرا رگھوا چاریہ کی پر جوش رہنمائی میں نکلا - سنہ ۱۸۸۳ع میں '' ہندو '' ہفتہ میں تین مرتبہ شایع ہونے لگا - اور ۱۸۸۹ع میں روزانہ ہو گیا - جب اس نے سنہ ۱۹۲۸ع میں اپنی جوبلی منائی تو اس نے اس امر پر فخر کا اظہار کیا کہ اخبار کے نام کے مقابلے میں اس کی نظر اور اس کے خیالات زیادہ وسیع ہیں اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ملک میں تمام ہندوستان کے اتحاد کا احساس پیدا کرے -

بمبئی اور بالائی ہند کی اخبارنویسی : '' انڈین سپکٹیٹر ''

بمبئی میں اگرچہ اخبارنویسی کا آغاز انگریزوں کے ابتدائی عہد سے شروع ہوا تھا لیکن ہندوستانیوں کے سر بر آوردہ انگریزی اخبارات اسی صدی کے اندر ظہور میں آئے - بمبئی کی آبادی میں انگریزوں کے تاجرانہ حلقوں کے علاوہ پارسی ' مرہٹے ' گجراتی بولنے والے ہندو اور مسلمان شامل ہیں یہ مختلف فرقوں میں منقسم ہیں اور ان کی روایات بالائی ہند کے مسلمانوں کی روایات سے کچھ مختلف ہیں - دیسی اخبارنویسی کے میدان میں سب سے پہلے پارسیوں نے قدم اٹھایا - ہندوستان کے اولین دیسی اخبارات میں ان کا اخبار ''بمبئی سماچار'' تھا جو اب تک جاری ہے - گجراتی اخبار ''راست گفتار'' نے زیادہ تر کیخسروکابراجی کی محنت اور لیاقت کی وجہ سے اچھی حیثیت حاصل کرلی ہے - ان کا تعلق اس اخبار سے سنہ ۱۸۶۳ع سے سنہ ۱۹۰۲ع تک رہا - یہ اخبار اب بند ہو گیا - پونا کے مرہٹی اخبار '' کیسری'' کی بنیاد مسٹر بالی گنگا دھر تلک نے سنہ ۱۸۸۰ع میں اس زمانے میں ڈالی جب بنگال اور مدراس میں بھی بڑے بڑے ہندوستانی اخبارات جاری ہو رہے تھے - ہفتہ‌وار اخبار '' انڈین سپکٹیٹر'' جو انگریزی زبان میں جاری کیا گیا تھا اس کی شہرت اور اس کا اثر زیادہ تر مسٹر بہرامجی مالاباری کی وجہ سے تھا ' جنھوں نے سنہ ۱۸۸۰ع میں اس اخبار کی اڈیٹری اس وقت اپنے ہاتھ میں لی جب لارڈ رپن [۱] کی فیاضانہ حکمت عملی کی بدولت ہندوستانی اخبارات

Lord Ripon—[1]

اور حیات عامہ میں ایک خاص تحریک پیدا ہو گئی تھی- مگر انڈین سپکٹیٹر '' مالاباری '' کے بعد زندہ نہ رہا - سنہ ۱۸۳۸ع میں '' بمبئی ٹائمز '' جاری ہوا اور سنہ ۱۸۶۱ع میں اس نے '' ٹائمز آف انڈیا '' کا نام اختیار کر لیا - یہ اخبار ہمیشہ اینگلوانڈین رہا ہے لیکن دوسرے اینگلو انڈین اخبارات مثلاً '' پایونیر '' کے مقابلے میں ہندوستانی خیالات کے ساتھ اس کے تعلقات میں زیادہ موانست پائی جاتی ہے - بمبئی کے جدید ہندوستانی ملکیت کے انگریزی اخبارات '' بمبئی کرونیکل '' اور '' انڈین ڈیلی میل '' بیسویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں - الہ آباد کا '' لیڈر '' اور لاہور کا '' ٹریبیون '' شمالی ہند کے دو انگریزی اخبارات ہیں جن کے مالک ہندوستانی ہیں - گو یہ اخبارات گذشتہ صدی میں جاری ہوئے ('' ٹریبیون '' کی بنیاد سنہ ۱۸۷۷ع سردار دیال سنگھ مجیٹھیہ نے ڈالی تھی) لیکن حقیقت میں انہوں نے بیسویں صدی میں فروغ پایا - ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس کبھی کوئی ایسا طاقتور روزانہ انگریزی اخبار نہیں ہوا جو دوسری قوموں کے انگریزی اخبارات کا مقابلہ کرسکے - لاہور کا '' مسلم آوٹ لک '' مقابلتاً حال کی پیدائش ہے مگر لکھنؤ ، لاہور اور حیدرآباد دکن میں ان کے بعض اردو اخبارات کی اشاعت حال میں بہت زیادہ ہوگئی -

کس طرح حیات عامہ میں تین مرحلوں پر شدید احساس پیدا ہوا ؟

ملک میں حیات عامہ کی ترقی اور تعلیم کی اشاعت کے لئے اخبارات کے مطابع کا فروغ پانا ایک اچھی علامت ہے - جس زمانے کا تعلق اس باب سے ہے اس میں ہم تین خاص تحریکوں کا ذکر کرتے ہیں جن کے عنوانات کی تحت میں حیات عامہ کے واقعات بیان کئے جاسکتے ہیں - پہلا غدر کے بعد کا تعمیری دور تھا - دوسرا دور لارڈ لٹن کے عہد حکومت میں رجعت پسندی کا تھا اور تیسرا دور لارڈ رپن کے عہد حکومت میں فیاضانہ حکمت عملی کا تھا جس میں لوکل سلف گورنمنٹ کی مشینری کامل طور پر نئے سانچے میں ڈھالی گئی -

عدالتی انتظام کی ترقی

نئی تعمیر کا دور (۷۴—۱۸۶۱ع) وہ زمانہ تھا جس میں انتظامی پہلو

سے بڑی سرگرمی دکھائی گئی اور ایک مستحکم بنیاد پر حیات عامہ کا نظام قائم کیا گیا - تعلیم اور یونیورسٹیوں کا ہم پہلے ہی ذکر کر چکے ہیں - سنہ ۱۸۶۱ع میں کلکتہ، مدراس اور بمبئی میں شاہی فرمان کی بنا پر ہائی کورٹ (عدالت العالیہ) قائم کئے گئے - ان کے بعد سنہ ۱۸۶۶ع میں ایک ہائی کورٹ الہ آباد میں اور ایک چیف کورٹ لاہور میں قائم ہوا - اس کے یہ معنی تھے کہ ہندوستان کے قانون پیشہ لوگوں کا درجہ بڑھا دیا گیا اور ان کے لئے عدالتوں کے اعلیٰ عہدوں کا دروازہ کھول دیا گیا - منو موہن گھوش [۱] (۹۶-۱۸۴۴ع) پہلے ہندوستانی بیرسٹر ہیں جنھوں نے لندن کی اِنس آف کورٹ [۲] کا امتحان پاس کیا اور جس کا درجہ ہر انگریز بیرسٹر کے برابر ہوگیا - انھوں نے سنہ ۱۸۶۶ع میں لندن میں بیرسٹری حاصل کی اور اگلے سال کلکتہ ہائی کورٹ کے بیرسٹروں میں کام کرنے لگے - انھوں نے اپنے قانونی پیشہ اور پبلک زندگی میں بڑا نام پیدا کیا - وہ مجالس عامہ میں ایک فصیح و بلیغ مقرر تھے اور انھوں نے انڈین نیشنل کانگریس کی بڑی قابلیت کے ساتھ خدمت کی - بمبئی کے مسٹر بدرالدین طیب جی ہندوستان کے پہلے مسلمان بیرسٹر تھے - سنہ ۱۸۶۷ع میں انھوں نے بیرسٹری حاصل کی - ہندوستان کے ہائی کورٹ کے پہلے ہندوستانی جج ایک کشمیری برہمن پنڈت شمبھوناتھ تھے جو بیرسٹر نہیں بلکہ وکیل تھے - پنڈت صاحب ابتدا میں صدر کورٹ ریکارڈ کیپر (محافظ دفتر) کے نائب تھے اور انھیں بیس روپیہ ماہوار ملتے تھے، لیکن اس ادنیٰ عہدے سے ترقی کرتے کرتے وہ ججی کے اعلیٰ عہدے تک پہنچ گئے - قبضہ اراضی کی نوعیت کے معاملات اور ہندو دھرم کے قانون میں انھوں نے اپنے مطالعے سے وسیع اور عمیق علم حاصل کیا - وہ سنہ ۱۸۶۳ع سے سنہ ۱۸۶۷ع تک کلکتہ ہائی کورٹ کے جج رہے - ہائی کورٹ کے دوسرے ہندوستانی جج دوارکا ناتھ متر (۷۴-۱۸۳۳ع) تھے جو سنہ ۱۸۶۷ع میں جب ان کی عمر ۳۴ سال کی تھی عدالت عالیہ کے جج بنائے گئے - وہ اس عہدے پر سات سال تک مامور رہے - وہ ایک بڑے قانون داں اور انگریزی اور فرانسیسی زبانوں کے ایک زبردست عالم ہونے کے علاوہ وہ ایک بڑے پایے کے فلسفہ داں تھے - ان کی قابلیت اور سیرت کا اثر انگریزوں پر یہ پڑا کہ ہندوستانیوں کے متعلق

---

[۱]—Mano Mohan Ghose

[۲]—Inns of Court

ان کی رائے اچھی ہوگئی - اس وقت سے ہائی کورٹ ہندوستانی جج سے کبھی خالی نہیں رہے - پہلا مسلمان جسے ہائی کورٹ کی ججی پر مامور کیا گیا وہ مسٹر جسٹس محمود (۱۹۰۱—۱۸۵۰ع) تھے جو سنہ ۱۸۸۶ع سے سنہ ۱۸۹۳ع تک الہ آباد ہائی کورٹ کے جج رہے - اسلامی قانون پر جو فیصلے وہ لکھ گئے ہیں ان میں اعلیٰ درجے کی معاملہ فہمی اور قانونی جامعیت پائی جاتی ہے -

قانون کا مجموعہ مرتب کرنا اور اس کے تمدنی نتائج

قانون کے مجموعہ مرتب کرنے کی تحریک جس کی ابتدا لارڈ میکالے کے زمانے میں شروع ہوچکی تھی اب بارآور ہونا شروع ہوئی - مجموعہ ضابطہ دیوانی کا سنہ ۱۸۵۹ع میں ' تعزیرات ہند ' کا سنہ ۱۸۶۰ع میں ' اور ضابطہ فوجداری کا سنہ ۱۸۶۱ع میں نفاذ ہوا - معاہدوں کے قانون کو سنہ ۱۸۷۲ع میں مجموعے کی حیثیت دی گئی - قوانین کے ان مجموعوں کا اردو اور دیسی زبانوں میں ترجمہ کیا گیا - ہندوستان کی تمدنی ترقی پر ان کا اثر دوہرا ہوا - وہ موجودہ انگریزی قانون کے اصول پر مبنی تھے لیکن انگریزی قانون کی اصطلاحات اور پیچیدگیوں سے مبرا کئے گئے اور ہندوستانی حالات کے مناسب حال بنائے گئے - اس سے ہندوستانی طبائع میں جدید قانونی خیالات کی چھان بین کے متعلق تحریک پیدا ہوئی - یہ بات بعض دیسی ناولوں اور بالخصوص مولوی نذیر احمد کے ناولوں میں نظر آتی ہے - دوم اس تحریک نے ہندوستانی عدالتوں کے ادنیٰ درجہ کے وکیلوں اور ایجنٹوں کا اخلاقی درجہ بڑھا دیا ' اس طور پر قانونی زندگی کے بہت سے بڑے چھوٹے راستوں کے ذریعے سے قانون کی حکومت کا میدان بتدریج وسیع ہوتا گیا - ہندوستانیوں کی آئندہ نسل کو یہ طعنہ دیا جاتا ہے کہ اس پر وکلاء اور بیرسٹر مسلط ہوگئے ہیں - گو اس صورت میں کچھ خرابیاں تھیں ' لیکن اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ دوسری طرف خامیوں کے مقابلے میں خوبیوں نے یہ خواہش پیدا کردی کہ عام بلکہ نیچ کی زندگی میں بھی باقاعدگی اور ہر شخص کے حقوق کی حفاظت کا احساس پیدا ہو جائے -

مجالس وضع قوانین میں ہندوستانیوں کی شرکت

جب سنہ ۱۸۶۱ع کے قانون کے رو سے مجالس وضع قوانین میں توسیع

ہوئی تو اس سے غیر سرکاری ممبروں کے لئے ہے وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل کے ایڈیشنل ممبر مقرر کئے جانے کی صورت نکل آئی - یہ غیر سرکاری طبقے گو شروع میں کم تھا لیکن ہندوستان میں ایسے آدمیوں کی نسل پیدا کرنے کے لئے کافی تھا جو دلائل اور حقائق کی بنا پر اپنے خیالات کو ایسے زاویہ نگاہ سے پیش کرسکے جو سرکاری نقطۂ خیال سے بالکل مختلف اور بعض صورتوں میں مخالفانہ ہو - بمبئی اور مدراس کے صوبوں میں بھی لیجیسلیٹو کونسلیں دوبارہ قائم ہوگئیں ، لفٹنٹ گورنروں کے صوبوں یعنی بنگال ، شمالی مغربی صوبہ سرحد اور پنجاب میں بھی ایسی کونسلوں کے قیام کے لئے اختیارات حاصل کئے گئے اور انہیں کام میں لایا گیا - ان ماتحت کونسلوں میں بھی ایڈیشنل ممبر مقرر ہوئے - اس سے ہندوستان کے تمام صوبوں کی قانونی کونسلوں میں ہندوستانیوں کے حصے دار ہونے کی صورت نکل آئی - دوسری طرف حکومت ہند کی مرکزی حیثیت اور متحدہ نظام کو اور زیادہ تقویت پہنچی - جو ہندوستانی وائسرائے کی لیجسلیٹو کونسل میں جاتے تھے وہ وہاں کی '' آل انڈیا '' فضا میں سانس لیتے تھے جو ملک کی سیاسی ترقی کے لئے مفید تھی - اب ان کے خیالات تمام ملک کی طرف رجوع ہونے لگے ، اور چونکہ ان کو اور صوبوں کے غیر سرکاری ہندوستانی ممبروں سے ملاقات کرنے کا موقع ملتا تھا اس لئے ان کے خیالات میں جو مقامی تنگ نظری تھی وہ رفع ہوگئی - صوبوں کی کونسلوں میں غیر سرکاری ممبر لوگوں کی نئی ضروریات کے متعلق اپنی آواز بلند کرتے تھے اور گورنمنٹ کو اس امر کی طرف مائل کرتے تھے کہ لوگوں کے مطالبے اور ان کی آواز پر زیادہ توجہ کرے - جب پیارے چند مترا (۱۸۱۴—۸۳ع) جیسے سماج کی درستی کرنیوالوں کو کونسلوں میں جانے کا موقع مل گیا تو انہوں نے ایک اجنبی حکومت سے جس نے مذہبی اور معاشرتی پہلو سے غیر جانبداری کا عہد کر رکھا تھا ایسے قانون پاس کرائے جن کی مشکلات کو دور کرنے میں اس کو تعمل تھا - پیارے چند مترا سنہ ۱۸۶۸ع میں بنگال کونسل میں داخل ہوئے اور انہوں نے جانوروں کے ساتھ بیرحمی کے روکنے کے لئے قانون پاس کرایا - اسی طرح کلکتے کے نواب عبدالطیف (۱۸۲۸—۹۳ع) سات سال تک بنگال لیجسلیٹو کونسل میں رکنیت کے فرائض بجا لائے اور مسلمانوں کے خیالات کی ترجمانی کرتے رہے -

اعلیٰ انتظامی عہدوں میں شرکت

انڈین سول سروس ہندوستان کا اعلیٰ ترین انتظامی شعبہ ہے - اس کا دروازہ بھی اب ہندوستانیوں پر بند نہ رہا - لندن میں ہندوستانیوں کو کھلے مقابلے سے سول سروس میں داخل ہونے کا موقع حاصل ہوا - گو امتحان کے مقام اور مضامین کے نظام کی وجہ سے ہندوستانی زیادہ گھاٹے میں رہتے تھے - پہلا ہندوستانی جو امتحان مقابلے سے انڈین سول سروس میں داخل ہوا وہ بابو ستندرا ناتھ ٹاگور تھے - گو اس سروس میں وہ کسی اعلیٰ درجے تک نہ پہنچے لیکن ان کے بعد بہت سے آدمی اعلیٰ مناصب تک پہنچے - سب سے اعلیٰ انتظامی عہدہ جس پر انڈین سول سروس کا کوئی ہندوستانی ممبر اس وقت تک پہونچا ہے وہ لندن میں " ہائی کمشنر فار انڈیا " [۱] کا ہے جس سے سر اتول چندر چٹرجی حال ہی میں (سنہ ۱۹۳۱ع) سبکدوش ہوئے ہیں - سول سروس کے امتحان کے لئے ہندوستانی اُمیدواروں کے راستے میں جو رکاوٹیں تھیں ان کی بنا پر یہ مطالبہ پیش کیا گیا کہ ہندوستان اور انگلستان میں بہ یک وقت امتحان لیا جائے - آخر یہ مطالبہ جنگ عظیم کے بعد کی اصلاحات میں منظور کرلیا گیا -

دوسرے شعبوں میں ترقی

انتظامی شعبے میں ہندوستان کی ترقی کے ساتھ ساتھ اخبارات میں اور پلیٹ فارم پر عام لوگوں کی تعلیم کا سلسلہ برابر جاری رہا - نیل کی کاشت کے متعلق جو شورش ہوئی اس کا ہم پہلے ہی ذکر کرچکے ہیں - اس شورش کا یہ نتیجہ نکلا کہ ذاتی فائدے کے لئے کاشتکاروں سے جو ناجائز فائدہ زمیندار اُٹھاتے تھے اس سے کاشتکاروں کو نجات مل گئی - زمینداروں نے بھی بنگال اور اودھ میں اپنے اندر جماعت بندی اور انتظام کیا اور یہی وہ صوبے ایسے ہیں جہاں زمینداروں کی بڑی بڑی جائدادیں ہیں - اسی کے ساتھ ایک اور تحریک انڈین اسو سی ایشن کی شکل میں ظاہر ہوئی جو مسٹر سرندر ناتھ بنرجی نے سنہ ۱۸۸٦ع میں بمقام کلکتہ طبقۂ متوسطہ کی جماعتوں کے لئے قائم کی - اسی زمانے میں کاشتکاروں کے مسائل نے ایسی اہمیت

High Commissioner for India – [1]

اختیار کی کہ ان پر مباحثہ ہوا - نتیجہ یہ ہوا کہ ایکٹ کاشتکاران لارڈ رپن [۱] کے عہد میں مرتب ہوا اور لارڈ ڈفرن [۲] کے عہد میں پاس ہوگیا - اُڑیسہ کے قحط اور سیلاب میں دس لاکھ سے زیادہ جانیں تلف ہوئیں یہ بلا سنہ ۶۶—۱۸۶۵ع میں نازل ہوئی تھی اس نقصان عظیم کی وجہ سے حکومت نے قحط کے متعلق اپنی امدادی پالیسی پر پورے غور و فکر سے کام لیا - بمبئی میں (سنہ ۱۸۶۱ع) میں پچاس پارسیوں کے اس مطالبے نے (کہ انہیں مقامی ''والنٹیر کور'' [۳] میں بھرتی کیا جائے) یہ عام سوال پیدا کر دیا کہ ایسی جمعیت میں ہندوستانی قانونی پہلو سے بھرتی ہونے کی اہلیت رکھتے ہیں یا نہیں - محکمہ فوج نے اس معاملے میں جو عملی رکاوٹیں پیدا کیں ان کی وجہ سے ہندوستانیوں کی یہ خواہش بالکل بند ہوگئی کہ وہ عام طور پر اپنے ملک کی حفاظت کے لئے خوشی سے فوجی خدمت میں شامل ہوں سنہ ۱۸۸۵ع میں راجہ راجندرا لال مترا (۹۱—۱۸۲۴ع) بنگال کی ایشیاٹک سو سائٹی کے صدر منتخب ہوئے - یہ انتخاب اس امر کا اعتراف تھا کہ ہندوستانی علم و فضل کے اعلیٰ مقام تک پہنچ گئے ہیں - وہ اپنے زمانے کے فاضل ترین ہندو تھے اور انہوں نے ہندوستان کے آثار قدیمہ کے متعلق ہندوستانیوں کی تحقیق میں انتقاد کے ایک نئے جذبے کو رواج دیا -

بمبئی کے ڈاکٹر بھاؤ داجی

بمبئی کے علاقے میں ڈاکٹر بھاؤ داجی (۷۴—۱۸۲۱ع) کا کام قابل یادگار ہے - وہ شہر بمبئی کے بیرونی علاقے کے رہنے والے تھے اپنی محنت اور کوشش کی بدولت کامیابی کے درجے تک پہنچے - انہوں نے ڈاکٹری میں تعلیم حاصل کر کے بمبئی میں اپنا کام شروع کیا جس میں اگر ایک طرف ان کے مریضوں کا حلقہ وسیع تھا تو دوسری طرف ان کی آمدنی بھی بہت زیادہ تھی - لیکن وہ طبابت کے علاوہ اور بہت سے کاموں میں دلچسپی لیتے تھے ' وہ ہر قسم کے معاشرتی مسائل ' انسانی فلاح و بہبود ' اور تعلیمی امور میں پوری سر گرمی کے ساتھ کام کرتے تھے - اسی کے ساتھ آثار قدیمہ میں ان

Lord Ripon—[۱]
Lord Defferin—[۲]
Volunteer Corp—[۳]

کی تحقیقات اور ہندوستانی دواؤں کے استعمال کے متعلق ان کی چھان بین کا سلسلہ برابر جاری رہا - جذام کے علاج میں انھیں خصوصیت سے دلچسپی تھی - قدیم سکوں ، کتبوں اور سنسکرت کے قلمی نسخوں کے حصول کے لئے انھوں نے اپنے علمی مددگار ملک کے دور دراز حصوں میں بھیجے جن میں نیپال بھی شامل تھا - وہ پہلے ہندوستانی تھے جو بمبئی میں شیرف [۱] کے عہدے پر فائز ہوئے - اسی عہدے پر وہ دو مرتبہ مامور رہے پہلی دفعہ سنہ ۱۸۶۹ع میں اور دوسری مرتبہ سنہ ۱۸۷۱ع میں - تعلیم نسواں کے وہ سر گرم حامی تھے - بمبئی یونیورسٹی کے اصلی فیلو کے زمرے میں تھے ، انھوں نے یونیورسٹی کے معاملات میں ان تھک کوشش سے کام لیا - ان کا نام ان عطیات میں بھی پایا جاتا ہے جو یونیورسٹی کو دئے گئے - جس کھلے دل سے وہ غریبوں کو خیرات دیا کرتے تھے اس کی وجہ سے ان کی یاد اس شہر کے لوگوں میں اب تک تازہ ہے جس کی خدمت انھوں نے مختلف اور متعدد حیثیتوں سے اچھی طرح انجام دی -

علیگڈھ کالج کے علاوہ دیگر اسلامی تحریکیں

علیگڈھ کی تحریک کے علاوہ جس کا ذکر ایک سے زیادہ مرتبہ ہو چکا ہے مسلمان ملک کے دوسرے حصوں میں بھی انجمنوں اور جماعتوں کے قائم کرنے میں سر گرم تھے - کلکتہ کے نواب عبداللطیف (۹۳-۱۸۲۸ع) نے محمڈن لٹریری اینڈ سائنٹفک سوسائٹی کی بنیاد سنہ ۱۸۶۳ع میں ڈالی - اس کی خدمت وہ کئی سال تک کرتے رہے - یہ سوسائٹی خاص ادبی اور علمی فوائد کے علاوہ مسلمانوں کے دیگر تمدنی فائدوں کی بھی نگہداشت کرتی تھی - ہندوستان میں مسلمانوں کی تمام روزانہ زندگی کے متعلق جو خدمات اس نے انجام دیں اس میں ایک واقعہ یہ بھی تھا کہ اس نے وہابیوں کی شورش اور جوش کے سیلاب کو روکا - اس شورش کا نتیجہ یہ ہوا کہ سنہ ۱۸۷۱ع میں کلکتہ کے چیف جسٹس نارمن قتل ہوگئے - سید امیر علی سنہ (۱۹۲۸-۱۸۴۹ع) نے جو بعد ازاں سنہ ۱۸۹۰ع سے سنہ ۱۹۰۴ع تک کلکتہ ہائیکورٹ کے جج رہے اور اس خدمت سے سبکدوش ہونے کے بعد پریوی کونسل کی جڈیشل کمیٹی کے پہلے ہندوستانی ممبر ہوئے اپنی جوانی کے ایام میں سنٹرل نیشنل محمڈن اسوسی ایشن

[۱]—Sheriff

(سنہ ۱۸۹۰ — ۱۸۷۶ ع) اور کمیٹی امام باڑہ ہگلی کے ذریعے سے مسلمانان بنگال کی پبلک خدمت کا حق ادا کیا ، اور اپنی زندگی کی آخری ساعت تک لندن میں اسی سرگرمی سے کام کرتے رہے - بمبئی میں مسٹر بدرالدین طیب جی (سنہ ۱۹۰۶ — ۱۸۴۴ ع) انجمن اسلام کے ذریعے سے مسلمانوں کی معاشرتی اور تعلیمی ترقی کے لئے کوشش کرتے رہے -

رجعت پسندانہ دور اور تلخی

سنہ ۱۸۷۴ ع اور سنہ ۱۸۸۰ ع کے دوران میں انگلستان میں ڈسرائیلی[۱] کی حکومت سے ہندوستانیوں کے اندر "رجعت پسندانہ فضا" پیدا ہوگئی جو قابل ذکر ہے - یہ ایک "زبردست" خارجہ پالیسی اور اقتدار پسندی کا زمانہ تھا - لارڈ لٹن نے اپنے سردار مقیم انگلستان کے خیالات کا عکس صحیح طور پر ہندوستان میں دکھایا - لارڈ لٹن کے نزدیک ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت "منکاف اور میکالے کا ایک مہلک ترکہ" تھی - اس کے جواب میں ہندوستان کے تعلیم یافتہ افراد نے لارڈ لٹن کی حکمت عملی اور شخصیت سے دلی تنفر کا اظہار کیا - ہندوؤں اور مسلمانوں کے سیاسی جدائی نے اسی زمانے سے ایک خاص صورت اختیار کرنی شروع کی - صوبجات متحدہ میں اردو ہندی کی بھی بحث چھڑ گئی - مشرق میں انگلستان کی شاہانہ حرص و ہوس کے ایک بڑے حصے کا بار ہندوستان پر ڈالا گیا - سنہ ۷۸ — ۱۸۷۷ ع میں ہندوستان کا پبلک قرضہ (جس میں وہ سرمایہ شامل نہیں جو ریلوے اور تعمیرات عامہ میں لگایا گیا تھا) ایک ارب ۲۵ کروڑ تھا - اگلے بارہ سال کے اندر یہ قرضہ ۲ ارب اور سات کروڑ تک پہنچ گیا - قرضے کا زیادہ تر حصہ انگلستان میں لیا گیا جہاں اس کی سود کی رقم واجب الادا ہوئی - ہندوستان کے ٹیکس کی رقم جو سنہ ۷۸ — ۱۸۷۷ ع میں ۳۵ کروڑ تک پہنچ گئی تھی رفتہ رفتہ ۴۱ کروڑ تک پہنچ گئی - اس رقم کا تقریباً نصف حصہ فوجی مصارف پر خرچ ہو جاتا تھا - سنہ ۷۸ — ۱۸۷۶ ع کے خوفناک قحط میں جس قدر جانیں تلف ہوئیں ان کا اندازہ ۶ ملین (۶۰ لاکھ) کیا جاتا ہے - ابھی ملک کو قحط کی بلا سے نجات نہیں ملی تھی کہ جنوری سنہ ۱۸۷۷ ع میں بمقام دہلی عظیم الشان شہنشاہی دربار منعقد ہوا -

[۱] — Disraeli

یہ امر باعث تعجب نہیں کہ دیسی اخبارات نے حکومت کی اس کاروائی پر ناراضی کا اظہار کیا بلکہ اس کا غصہ اور جوش دیوانگی کی حد تک پہنچ گیا - حکومت نے اس کے انسداد کے لئے سنہ ۱۸۷۸ع میں ورنیکلر پریس ایکٹ جاری کیا - اس ایکٹ نے پہلی مرتبہ یہ حریفانہ اور مخالفانہ امتیاز قائم کیا کہ اخبار انگریزی زبان میں چھپتے ہیں یا ہندوستانی زبان میں - انگریزی اور ہندوستانی زبان کے سوال نے اخبارات کی اس امتیازی حیثیت پر پردہ ڈال رکھا تھا کہ آیا وہ انگریزی مفاد کے لئے جاری کئے گئے ہیں یا ہندوستانی مفاد کے لئے ؟ اس امتیاز سے ہندوستانیوں کے انگریزی اخبارات کے لئے ایک عظیم الشان تحریک پیدا ہوئی - لارڈ رپن نے سنہ ۱۸۸۲ع میں اس ایکٹ کو مسترد کر دیا -

لارڈ رپن کی ہمدردانہ حکومت

ہندوستان کے رجعت پسندانہ دور نے ہندوستان کی حیات عامہ کو بہت تقویت پہنچائی - جب لارڈ رپن (۱۸۸۰-۸۴ع) کی حکومت کا دور شروع ہوا جس سے ہندوستانیوں کے ساتھ ہمدردی اور جانبداری پائی جاتی تھی تو جو بیج بویا گیا تھا وہ پھوٹ پڑا اور اس نے ایک جلد بڑھنے والی فصل کی صورت اختیار کرلی مدراس کی مہاجن سبھا جیسی ہندوستانی انجمنوں اور پبلک جماعتیں تمام ملک میں پیدا ہو گئیں - اور ان کی ترقی اور نشو و نما کا سلسلہ شروع ہو گیا - اسی کے ساتھ ایک طرف انگریزوں اور ہندوستانیوں اور دوسری طرف ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات میں خلوص کی روز افزوں کمی شروع ہو گئی - سنہ ۱۸۸۳ع میں البرٹ بل [۱] کے خلاف آواز بلند کرنے کی غرض سے یورپین ڈیفنس اسوسی ایشن قائم ہو گئی - علیگڈھ کی تحریک جس کی باگ سر سید احمد خان کے ہاتھ میں تھی سیاسیات میں ہندوؤں کی عام تحریک سے قطعی طور پر علحدہ ہو گئی ' اور یہ عام تحریک سنہ ۱۸۸۵ع میں انڈین نیشنل کانگریس کی صورت میں ظاہر ہوئی - جنوبی ہند کے ہندو مسلم فسادات (جولائی - اگست سنہ ۱۸۸۲ع) نے قانون کی خلاف ورزی کا ایک ایسا جذبہ پیدا کر دیا جو صلح پسندی کے جذبہ سے خالی تھا -

---

[۱]— Albert Bill

لارڈ رپن کی حکومت کے تمدنی پہلو

برطانوی ہند کی تاریخ میں لارڈ رپن کی پالیسی ایک امتیازی نشان ہے کیونکہ اس پالیسی نے ہندوستان کے نظام میں ایک بالکل نئی فضا پیدا کرنے کی کوشش کی۔ برطانیہ کے کسی اور منتظم کی حکومت تمدنی پہلو سے اس قدر اهمیت نہیں رکھتی تھی جس قدر لارڈ رپن کی حکومت رکھتی ہے۔ سنہ ۱۸۸۱ع میں وڈیار خاندان کو میسور کی ریاست واپس کردی گئی۔ اس واپسی سے جنوبی ہند میں ملک کا ایک بہت بڑا قطعہ ہندوستانیوں کی حکومت میں شامل ہوگیا۔ شمال مغربی سرحد کے پار ہندوستان کا معاملہ جو غیر ملکی مسائل کی وجہ سے پیچیدہ ہوگیا تھا سلجھ گیا۔ سنہ ۸۳۔۱۸۸۲ع کے تعلیمی کمیشن نے جس کا ہم ذکر کرچکے ہیں ایک نئے خیال سے مسئلہ تعلیم کے تمام پہلوؤں پر ایک غائر نظر ڈالی۔ البرٹ بل کے ذریعے سے صاف الفاظ میں اس حقیقت کے واضح کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ قانون کے سامنے انگریز اور ہندوستانی یکساں حیثیت رکھتے ہیں۔ ملک میں ایک پرجوش اور اشتعال انگیز بحث کا سلسلہ چھڑ گیا جس میں کلکتہ کے انگریزی اخبار 'انگلش مین' نے بہت بڑا حصہ لیا۔ یورپینوں نے (۲۰ فروری سنہ ۱۸۸۳ع) ٹاؤن ہال میں اس کی مخالفت میں آواز بلند کرنے کے لئے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں ناشائستہ اور نامناسب الفاظ استعمال کئے گئے۔ انگریز بیرسٹر اس لئے پیچ و تاب کھا رہے تھے کہ ایک ہندوستانی جج سر رومیش چندر متر کو قائم مقام چیف جسٹس بنا دیا گیا۔ یورپین زمینداروں کو یہ ڈر تھا کہ ان کی زمینداریوں میں جہاں انگریز مجسٹریٹوں کے ساتھ ان کے دوستانہ تعلقات کی وجہ سے انہیں غیر معمولی رعب اور اقتدار حاصل تھا ان کا رسوخ اور زیادہ گھٹ جائے گا۔ ہندوستانیوں کو سول سروس میں اعلیٰ عہدے زیادہ تعداد میں مل رہے تھے اور ان کے علاوہ ایسے قواعد زیر غور تھے جن کے رو سے ہندوستانیوں کے لئے انڈین سول سروس اور پراونشل سروس کے دروازے زیادہ کھول دئے جائیں۔ لوکل سلف گورنمنٹ کی تحریک سے ہندوستانیوں کو روز بروز زیادہ مقامی اختیارات مل رہے تھے۔ اس پر نسلی منافرت کے جذبات بھڑک اٹھے اور بل کو سنہ ۱۸۸۴ع میں پاس کرنے سے قبل اس میں بہت کچھ ترمیم کرنی پڑی۔

لوکل سلف گورنمنٹ کی بنیاد : انتخابات اور ذمہ داری

جس مسئلے سے لارڈ رپن کو سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ لوکل سلف گورنمنٹ کا تھا انھوں نے سنہ ۱۸۸۰ع میں اس مسئلے کو اپنے دل میں جگہہ دی - اور سنہ ۱۸۸۱ع میں جب صوبجاتی معاهدوں کو از سر نو لکھانے کا وقت آیا تو صوبوں کی حکومتوں کے سامنے یہ تجویز پیش کی گئی کہ انھیں بعض معاملات میں فرائض اور مالیات کا بار اسی طرح مجالس عامہ (میونسپلٹیوں وغیرہ) کی طرف منتقل کردینا چاهئیے جس طرح حکومت هند نے اپنے اختیار صوبوں کی حکومتوں کو سپرد کر رکھے تھے - ۱۸ مئی سنہ ۱۸۸۲ع کے ریزلیوشن میں بعض خاص اصول صوبوں کی حکومتوں کی رهنمائی کے لئے وضع کئے گئے تھے - مگر ان کے برمحل استعمال کے متعلق ان حکومتوں کو وسیع اور امتیازی اختیارات دئے گئے تھے - ان تمام امور پر اچھی طرح سے غور و فکر کر لیا گیا کہ انتخاب کے کیا طریقے هوں گے کس حد تک انھیں مختلف مجالس عامہ پر عائد کرنا هوگا ' اور رائے دینے کے حق کا معیار بلند هوگا یا کم - اس امر کے فیصلہ کرنے میں دانشمندی سے کام لیا گیا کہ شروع شروع میں حق رائے دهندگی کا معیار بلند رکھنا چاهئیے ' جیسا لارڈ رپن نے ایک چٹھی [۱] میں بیان کیا : " مقصود یہ نہیں کہ یورپین جمہوری طرز پر لوگوں کی نمائندگی کی جائے ' بلکہ قوم کے بہترین اعلی درجے کے ذهن اور نہایت با رسوخ افراد کو بتدریج اس امر کی تعلیم دی جائے کہ اپنے مقامی معاملات کے انتظام میں دلچسپی اور سرگرمی سے حصہ لیں " - منشا یہ تھا کہ مقامی کمیٹیاں " رفتہ رفتہ اپنے معاملات کو تنہا انجام دیں اور سرکاری حکام خارجی حیثیت سے ان کی نگرانی کریں اور صرف اسی صورت میں ان کو روکیں " جب وہ دیکھیں کہ ایسی کمیٹیاں غلط راستے پر جا رهی هیں - لارڈ موصوف کا مدعا یہ تھا کہ لوکل سلف گورنمنٹ کی ایسی باقیات کو دوبارہ زندہ کیا جائے جو هندوستان کی دیہاتی زندگی میں پسماندہ تھیں - میونسپلٹیوں - ڈسٹرکٹ بورڈ میں (ضلع کی مجالس) ' اور لوکل بورڈس (مقامی مجالس) کو اس طور پر ایک نئے طریق پر چلنے کا راستہ دکھلایا گیا - ابتدا میں نتائج قابل ذکر نہ تھے - لیکن پالیسی

---

[۱] — دیکھو لارڈ رپن کی زندگی مرتبہ لیوسین ورلف جلد ۲ ' صفحہ ۹۸ ۔

بلا شبہ اس زنجیر کی پہلی کڑی تھی جس سے ہندوستانیوں کو حکومت اور انتظام میں مل کر کام کرنے کی دعوت دی گئی اور ان بڑی تجاویز کے لئے راستہ تیار کیا گیا جن کا ہم آگے ذکر کریں گے -

مالیات کے متعلق گورنمنٹ کی پالیسی

ہندوستان کے نظام حکومت کا سب سے بڑا اقتصادی جزو گورنمنٹ کی مالیات کی پالیسی ہے - قبل اس کے کہ ہندوستان تاج برطانیہ کے زیر نگیں آئے اس ملک میں کوئی سرکاری بجٹ تیار نہیں کیا جاتا تھا - حسابات ایک تجارتی کمپنی کی ضرورت کے مطابق مرتب کئے جاتے تھے - غدر نے ہندوستان کے قرضے میں چالیس ملین پاؤنڈ (چالیس کروڑ روپے سے زیادہ) کا اضافہ کر دیا ؛ اور غدر کے بعد فوجی انتظام کے تغیرات کے سالانہ فوجی مصارف میں زبردست اضافہ کیا جس سے ہندوستان پر ایک مستقل بار پڑ گیا - اس سے ہندوستان میں ٹیکس کے ایک جدید نظام کی ضرورت پیش آئی - اس نظام کے لئے اور سنہ ۱۸۶۱ع کے پہلے ہندوستانی بجٹ کے لئے ہم کو مسٹر جیمز ولسن [۱] ممبر پارلیمنٹ کا شکریہ ادا کرنا چاہئے جو برطانیہ کے خزانۂ عامرہ کا خاص تجربہ رکھتے ہوئے ہندوستان میں آئے - انھوں نے بحری آمدنیوں کا دوبارہ انتظام کیا اور انکم ٹیکس کو رواج دیا جو اب مختلف تبدیلیوں کے ساتھ ہماری قومی آمدنی کا ایک مستقل باب بن گیا - مسٹر موصوف نے کاغذی سکے کا سلسلہ قائم کیا - سنہ ۱۸۷۳ع کے بعد چاندی کے نرخ میں بتدریج کمی واقع ہوجانے سے ایک نیا سوال پیدا ہوگیا - چاندی کے نرخ کی کمی سے بین اقوامی تبادلہ زر میں روپے کی قیمت گر گئی - چونکہ ہندوستان کا قرضہ انگلستان میں زیادہ تر طلائی سکہ میں لیا جاتا تھا اس لئے روپے کی قیمت میں کمی کے یہ معنی تھے کہ قرض خواہ کی حالت زیادہ اچھی ہوتی گئی اور مقروض کی حالت زیادہ بگڑتی گئی - اس کا اثر نہ صرف حکومت ہند بلکہ ہندوستان کے ہر کسان اور رعیت کے ہر فرد پر پڑتا تھا اس لئے کہ ان کی جائداد کی مالیت بین الاقوامی تبادلے کے معیار سے گھٹ گئی - ہندوستان میں چیزوں کے خریدنے کی طاقت کمزور ہوگئی اور لوگوں کی بچت کے روپیہ کی قیمت گھٹ گئی - سنہ ۱۸۷۸ع میں بمقام برسلز انٹرنیشنل مانیٹری

[۱]—Mr. James Wilson

کانفرنس (سکہ کے متعلق بین‌الاقوامی مجلس) کا اجلاس منعقد ہوا - انگلستان کو بین‌الاقوامی کارروائی میں شامل ہوکر چاندی کی مالی حیثیت کو درست کرنے کا موقع حاصل تھا لیکن وہ اس سے فائدہ نہ اٹھا سکا - اس وقت سے ہندوستان کے سکے کا مسئلہ ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ رہا ہے - روپے کی قیمت گر جانے کے ساتھہ ساتھہ ان نقصانات سے بھی دو چار ہونا پڑا جو ریلوے کی پالیسی کا نتیجہ تھے جسے عمل میں لانے کے لئے بےدریغ روپیہ صرف کیا جاتا تھا - اس پالیسی کا هم آگے چل کر ذکر کریں گے - جہاں تک قحط میں امداد کی عملی صورت کا تعلق تھا حکومت نے بڑی بڑی قحط سالیوں کی پیچیدہ گتھی کو قابل تعریف طور پر سلجھایا ، لیکن اس زمانے کے حالات میں ہندوستانی افلاس کو بیخ و بنیاد سے اکھاڑنے کی کارروائی ناممکن تھی ، اس سے افلاس کی سختی بڑھتی گئی اور ہندوستان کے ان سربرآوردہ لوگوں میں جو عام لوگوں کی زندگی کے معاملات میں دلچسپی لیتے تھے بے اطمینانی کا جذبہ بڑھنے لگا - مگر ان کی نکتہ چینی سے کوئی نتیجہ نہیں نکلتا تھا کیونکہ انہیں اقتصادی یا مالی معاملات کا وسیع تجربہ حاصل نہ تھا - لارڈ میو [۱] کی مالی اصلاحات سنہ ۷۲-۱۸۶۹ع میں زیادہ تر اس لامرکزیت کی طرف متوجہ کی گئی جو حکومت ہند اور صوبجاتی حکومتوں کے باهمی تعلقات سے وابستہ تھی -

ان دقتوں کی کوئی بااثر روک نہ تھی

ملک کی مالی پالیسی پر بااثر روک کا کوئی ذریعہ نہ تھا - ہندوستان کے منتظم عہدیداروں پر قانون بنانے والی کمیٹیوں کا مطلق اختیار نہ تھا - برٹش پارلیمنٹ کی نگرانی برائے نام تھی ، وزیر ہند پارلیمنٹ کو جوابدہ تھا - لیکن برٹش پارلیمنٹ کو ایک تو فرصت نہ تھی ، اور دوسرے ہندوستانی مالیات کا نہ علم تھا نہ اس سے دلچسپی تھی جس سے اس کی نگرانی بااثر ہوتی - حالانکہ وزیر ہند اور اس کے پورے عملے کو لندن کے انڈیا آفس میں ہندوستان کے روپے سے تنخواہ دی جاتی تھی اور وہ مجلس وزرائے انگلستان کا ایک رکن تھا لیکن قدرتاً ہندوستانی مشاغل کو برطانیہ کی عام زندگی اور برطانوی تجارت کے نقطۂ نظر سے دیکھتا تھا - اس امر سے کہ وزیر ہند

Lord Mayo—[۱]

برطانوی وزارت کا رکن تھا ہندوستان کی حیثیت میں اور زیادہ خرابی واقع ہوئی - برطانیہ کے شاہی فائدے کے لئے ہندوستان پر جن اخراجات کا بار ڈالنے میں ذرا بھی معقولیت پائی جاتی تھی وہ قدرتی طور پر ان لوگوں کی پوری رضامندی کے ساتھ، جو ہندوستان کے مالیات میں پورے اختیارات رکھتے تھے ہندوستان کے سر پر ڈالے جاتے تھے - ہندوستان کے پبلک قرضے کے کسی حصے کو اتارنے کے لئے کوئی سرمایہ سنکنگ فنڈ [۱] اس وقت موجود نہ تھا -

ریلوے کے متعلق حکومت کی پالیسی

ہندوستان کے مالیات کی پالیسی میں انگریزوں کی جانبدارانہ خصوصیت ریلوے کے متعلق ان کی اس ابتدائی پالیسی میں نظر آتی ہے جس کا تعلق برطانوی سرمایہ اور برطانوی کمپنیوں سے تھا - ہم اس امر کا ذکر کر چکے ہیں کہ ہندوستان میں ریلوے کے متعلق لارڈ ڈلہوزی کے خیالات کس قدر وسیع تھے - ان خیالات کا واقعی یہ مقصد تھا کہ ریلوے کے اصول کو ترقی دی جائے ' لیکن ان خیالات میں ہندوستان کے حالات اور ذرائع آمدنی کا زیادہ لحاظ نہ تھا - لارڈ موصوف کی گارنٹی کے اصول میں بےانداز اخراجات اور نامناسب شرائط تھیں جن کی وجہ سے بہت سا روپیہ اکٹھا انگریزی کمپنیوں کی جیب میں چلا گیا اور ان سے ہندوستان کے لئے وہ نتائج نہ نکلے جن کی بہ اعتبار مصارف توقع کی جاسکتی تھی - ریلوے کے ان کمپنیوں کو جنھیں حکومت کی طرف سے گارنٹی دی گئی تھی ریلوے کے ۵۳۰۰ میل تیار کرنے میں بیس سال لگے گو حکومت کی طرف سے زمین بلا قیمت دی گئی تھی لیکن پھر بھی ایک میل بہ حساب اوسط سترہ ہزار پاونڈ کی رقم صرف ہوئی - مصارف کی رقم لارڈ ڈلہوزی کے تخمینے سے بقدر دوسو فیصدی بڑھ گئی - ریل کی لائن کے لئے ۵ فٹ ۶ انچ کا گیج [۲] (ہردو ریل کا درمیانی فاصلہ) جو مقرر کیا گیا وہ ہندوستان کی اغراض کے لئے ناموزوں تھا ' اور اس پر لاگت بھی ضرورت سے زیادہ ہوئی ' بعد میں ریل کی بعض لائنوں کے لئے ۳۱۲۸۱ فیٹ کا گیج اختیار کیا گیا - اس کی وجہ سے ایک گیج سے دوسری گیج پر گاڑی

---

[۱]—Sinking Fund
[۲]—Gauge

بدلنے سے تجارت میں رکاوٹ اور مسافروں کو بڑی دقت ہونے لگی - کچھ عرصے تک ریلوے کے ماہرین میں "گیجوں کے اختلاف کے متعلق" بڑے زور شور سے جنگ جاری رہی اور اب بھی چھوٹی لائنوں اور بڑی لائنوں کے فرق سے ملک کے بہت سے حصوں میں سخت رکاوٹ پیش آتی ہے - جب سندھ اور پنجاب کی لائنیں ضرورت کے وقت چھوٹی سے بڑی کردی گئیں تو اس کی وجہ سے بہت سا روپیہ ضایع ہوگیا - ابتدا میں گارنٹی کا جو اصول قائم کیا گیا تھا وہ ٹیکس دینے والوں کے حق میں غیر منصفانہ تھا لہذا بدنام ہوگیا - کمپنیوں کو پانچ فیصدی سود کی گارنٹی دی گئی تھی اگرچہ گورنمنٹ اس سے بہت کم شرح پر روپیہ قرض لے سکتی تھی - کمپنیوں کو منافع میں حصہ لینے کا استحقاق دیا گیا ، اور جب روپے کی قیمت گر گئی تو کمپنی کے منافع کی رقم تبادلے کی خاص ترجیحی شرح پر انگلستان روانہ کی گئی - "امداد یافتہ" ریلوے کے ایک ترمیم شدہ اصول کا تجربہ کیا گیا جس میں کمپنیوں کو سود کی ایک ہلکی شرح کی گارنٹی دی گئی ، اور گارنٹی کا زمانہ محدود کیا گیا - برطانوی ہند کے لئے سرکاری ملکیت کے ریلوے کی تعمیر کا سلسلہ بھی جاری کیا گیا - اور علاوہ اس کے ہندوستانی ریاستوں کو اس بات پر آمادہ کیا گیا کہ ریلوے کی تعمیر میں روپیہ لگائیں لیکن سرکاری ملکیت کی ریلوے کو بھی اکثر کمپنیاں ہی چلاتی رہیں - بالآخر حکومت نے گارنٹیڈ اور نیز امداد یافتہ ریلوے خرید لی - تب بھی ان میں بہت سی لائنوں کا انتظام بدستور کمپنیوں کے ہاتھ میں رہا - یہ سوال کہ آیا ریلوے چلانے کا انتظام کمپنی کے ہاتھ میں رہے یا خود حکومت اپنے ہاتھ میں لے لے موجودہ زمانہ میں بھی ایک پیچیدہ مسئلہ ہے جس میں سیاسیات اور اقتصادیات کا بہت کچھ دخل ہے ، اور اب تک یہ مسئلہ قطعی طور پر طے نہیں ہوا - ابھی چند ہی سالوں سے حکومت کو ریلوے سے منافع ہونا شروع ہوا ہے - مگر آمدنی کا یہ ذریعہ غیر یقینی اور مشتبہ ہے اور جو زبردست نقصانات ابتدائی مرحلوں میں غیر ضروری طور پر ہو چکے ہیں وہ ہمیشہ حساب کے نقصان والے خانے میں رہیں گے -

زراعت اور اعداد و شمار

زراعت ہندوستان کے اقتصادیات میں ایک بڑی جگہ کو پر کرتی ہے - ساٹھ یا ستر سال پیشتر یہ جگہ اس سے بھی زیادہ بڑی تھی جتنی اب ہے -

لارڈ میو کے عہد حکومت (سنہ ۱۸۶۹-۷۲ع) میں پہلی مرتبہ زراعت کا محکمہ قائم ہوا ' جس کے ساتھ تجارت کا شعبہ بھی لگا دیا گیا - یہ اس وقت کے لحاظ سے ایک مناسب اور موزوں بات تھی کہ اس نئے محکمے کے سکرٹری (جس کے کام کا تعلق ہندوستان کے عام باشندوں کی زندگی کے خون سے تھا مسٹر ایلن او ہیوم [1] ہوئے) جو انڈین نیشنل کانگریس کے بانی تھے - لارڈ میو ہی کے عہد میں اعداد و شمار کا ایک محکمہ قائم کیا گیا اور ہندوستان میں آبادی کی پہلی مردم شماری کی گئی - زراعت کے معاملے میں حکومت کی دلچسپی ابتدا میں بہت محدود تھی - منشا یہ تھا کہ واقعات فراہم کئے جائیں تاکہ گورنمنٹ کے پاس اقتصادیات اور اعداد و شمار کا ایسا صحیح نقشہ موجود ہو کہ وہ قحط ' آبپاشی کی پالیسی ' اور مال گذاری کی تشخیص کے متعلق اپنے اہم فرائض کو پورا کرسکے - اس وقت یہ مقصود نہیں تھا کہ سٹیم کی طاقت سے چلنے والے ہلوں اور پانی نکالنے والے پمپوں کو رواج دیا جائے یا ہندوستان کی زراعت کو نئے طریقوں پر لایا جائے - حقیقت یہ ہے کہ حکومت نے بعد میں زراعت کو ترقی اور زراعتی مشینری کو رواج دینے کے لئے جو کوششیں کیں وہ زیادہ کامیاب ثابت نہ ہوئیں ' کیونکہ زراعت میں سائنس کے تجربوں اور مظاہروں کی سبق آموز آواز دیہات کی بہت بڑی زراعت پیشہ جماعت تک نہ پہنچی - ہندوستانی زراعت میں اب تک جو کچھ ترقی ہوئی ہے اس کی ایک وجہ تو بہتر تعلیم ہے ' اور دوسری یہ ہے کہ کسان نے کہاں تک زراعت کے جدید علم کے سمجھنے ' یا اس سے کام لینے ' یا جدید اور ترقی دادہ طریقوں اور مشینوں کو استعمال کرنے ' یا سرمایہ اور مالی ذرایع بہم پہنچانے کی اہلیت حاصل کی ہے - اس کے علاوہ زراعت کے متعلق کسان کی عملی اور موروثی علم ان رسائل کے ساتھ جو اسے حاصل تھے زمین ' آب و ہوا ' اور معاشرتی نظام کے حالات کو مد نظر رکھتے ہوئے زیادہ موزوں تھا - ایسے معاملات میں اصلاح کے لئے جو لوگ بےتابی سے کام لینا چاہتے تھے ان کی کوششوں اور غیر ملکی طریقوں کا کوئی مؤثر نتیجہ نہیں نکل سکتا تھا - یہ لارڈ میو کی دانشمندی تھی کہ انہوں نے ہندوستانی کسان کے سامنے ایسی باتوں کے اظہار سے پرہیز کیا جن پر نہ تو وہ عمل کر سکتے تھے اور نہ ان کے پاس عمل کرنے کے وسائل

Mr. Allan O. Hume—[1]

تھے ، نہ وہ ان قدیم طریقوں کو چھوڑ سکتے تھے جو صدیوں کے تجربے سے رواج پا چکے تھے - لارڈ موصوف نے لکھا " ایسی صورت میں وہ ہم پر ہنسیں گے اور ہمارے مفید مشورے کو اس کان سنیں گے اور اس کان اڑا دیں گے " -

چائے ، قہوہ ، سنکونا اور نیل

ساتھ ہی زراعت کی جدید اور منفعت بخش اجناس کی پیداوار اور مصنوعات بڑھانے کے لئے ایک وسیع پیمانے پر عملی کارروائی کی گئی - ایسٹ انڈیا کمپنی نے ابتدائی ایام ہی سے چائے ، قہوہ اور سنکونا (جس کی چھال سے کونین بنتی ہے) کی کاشت کا خاص طور پر خیال رکھا تھا - جب ہندوستان میں ان اجناس کی کاشت اور تجارت کا سلسلہ قائم ہو گیا تو چائے اور قہوے کے ذریعے سے ہندوستان میں معاش کے دو ایسے پیشے قائم ہوگئے جن کا تعلق کچھ زراعت سے اور کچھ مصنوعات سے ہے ، اور یہ دونوں چیزیں تجارت کی برآمد میں بڑا حصہ لینے لگیں - کونین سے جو دوا تیار کی گئی وہ ہر قسم کے بخار کے لئے جو تمام ملک میں پھیل رہا تھا مؤثر ثابت ہوئی - نیل کی حرفت کا منافعہ بہت زیادہ تھا لیکن جب سنہ ۷۰-۱۸۶۰ء میں نیل کے کسانوں اور مزدوروں کا نیل کے زمینداروں سے جھگڑا ہوا تو نیل کا منافعہ بہت گھٹ گیا - چند سال قبل (سنہ ۱۸۵۶ء میں) ایک انگریز کیمسٹ نے اینی‌لائن [۱] سے جو نیل کا ایک جوہر ہے کونین بنانے کا تجربہ کرتے ہوئے ایک خوبصورت اودے رنگ کا مادہ دریافت کیا جو ریشم رنگنے کے لئے بہت جلد رائج ہوگیا - جرمن کیمسٹوں نے سنہ ۱۸۶۸ء میں دریافت کیا کہ کول تار سے خوبصورت رنگ بنائے جاسکتے ہیں اور اس کیمیائی طریقے سے نیل اور اس کے ساتھ ہی مجیٹھ اور ہندوستان کی دیگر قدیم نباتاتی رنگوں کی رسم اور تجارت پر زوال آگیا - سنہ ۱۸۸۰ء سے نیل بھی مصنوعی ترکیبوں سے بنایا جانے لگا - یہ زیادہ سستا تھا اور خاص معین معیار کے نمونوں میں تیار ہو کر فروخت ہونے کے قابل تھا - اس نے منڈی میں قدرتی نیل کی جگہ لے لی - سنہ ۱۸۸۰ء میں ہندوستان میں نیل کا رقبہ زیر کاشت پندرہ لاکھ ایکڑ تھا لیکن سنہ ۱۹۲۶ء میں یہ رقبہ گھٹتے گھٹتے ایک لاکھ ایکڑ رہ گیا -

---

[۱]—Aniline

سن: اس کی صنعت کا نشو و نما اور اس کا اثر ہندوستانی مزدوروں اور خانگی حرفت پر

جن اشیا نے ایک بڑے پیمانے پر اقتصادی پہلو سے ترقی کے بہت بڑے درجے طے کئے وہ ہندوستان کی ریشہ‌دار پیداوار ' پٹ سن ' کپاس اور ان کی متعلقہ مصنوعات ہیں - ہندوستان میں ان کا علم زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے ' لیکن اشیائے برآمد کی حیثیت سے غدر کے بعد ان کی اہمیت ظاہر ہوئی - انجن سے چلنے والے کارخانوں نے جن کا تعلق سن اور کپاس کی مصنوعات کے مختلف درجوں سے ہے ہندوستان میں پہلی مرتبہ مزدوری کی وہ صورتیں پیدا کردیں جو فیکٹری کے قاعدوں پر مبنی ہیں - سن زیادہ تر بنگال میں بویا جاتا ہے اور اس کے ریشے سے سن کی وہ موٹی بوریاں بنتی ہیں جو دنیا کی بین‌الاقوامی تجارت کے لئے استعمال کی جاتی ہیں - قدرت نے ہندوستان کو سن کی پیداوار کے معاملے میں اجارہ دے رکھا ہے - اس خوبی کے ریشے بنگال کے مرطوب میدانوں کے علاوہ اور کہیں پیدا نہیں ہوسکتے - سنہ ۱۸۵۰ع میں سن کی تجارت برآمد (خام پیداوار اور تیار شدہ مال) کی مالیت ۲۱ لاکھ روپے سے کچھ زاید تھی - سنہ ۱۹۲۶ع میں یہ مالیت ۳۸ کروڑ روپیہ تک پہنچ گئی ' اور سن کا رقبہ زیر کاشت ۴۰ لاکھ ایکڑ سے کچھ ہی کم تھا - سن کی ابتدائی تجارت برآمد کا تعلق تقریباً کلیتاً برطانیہ عظمیٰ سے تھا - ڈنڈی (سکاٹلینڈ) میں سن بننے کی صنعت پختہ حرفت کی بنیاد بہت جلد قائم ہوگئی - کلکتہ میں سن کا پہلا کارخانہ جس میں سٹیم کی طاقت کام میں لائی گئی برطانوی سرمائے سے سنہ ۱۸۵۴ع میں جاری ہوا - سنہ ۱۸۷۰ع اور سن ۱۸۷۲ع کے درمیان ایسے کارخانوں کی تعداد بیس تک پہنچ گئی - سنہ ۱۹۲۶ع میں ان کی تعداد ۹۰ تک پہنچ گئی جن میں تین لاکھ سے زیادہ مزدور کام کرتے تھے - ہندوستان میں جس قدر سن کے کارخانے موجود ہیں وہ زیادہ تر برطانوی سرمائے سے چل رہے ہیں اور ان کے انتظام کی باگ بھی برطانوی کارکنوں کے ہاتھ میں ہے - ڈنڈی کے کارخانے‌دار سن کی موٹی چھڑوں کے بننے کے علاوہ سن کے پا انداز اور قالین بھی تیار کرتے ہیں - اس لئے اس پیشے میں جس قدر ترقی برطانوی عہد میں ہوی ہے اس سے کلیتاً انگریزی سرمایہ‌دار اور انگریز تاجر فائدہ اٹھاتے رہے ہیں - ہندوستانیوں کے لئے اس ترقی کے صرف یہی معنی ہیں کہ ایک بہت بڑی

حرفتی آبادی پیدا ہو گئی جس سے بنگال کے چھوٹے چھوٹے گھروں میں حرفت کا خاتمہ ہو گیا -

روئی : اٹھارھویں صدی میں کیا صورت تھی ؟

روئی کی صنعت کی تاریخ اس سے مختلف ہے - کپاس کی ہندوستان میں قدیم زمانے سے کاشت کی جاتی ہے - ہندوستان میں پارچہ باف بھی پہننے کے لئے معمولی اور کامدار کپڑے بہم پہنچاتے تھے - غیر ملکی تجارت میں بھی یہ کپڑا ایک بڑی اہمیت رکھتا تھا - لیکن دیسی کپاس کا ریشہ چھوٹا ہوتا تھا اس کی لمبائی اکثر نصف انچ سے کم ہوتی تھی ، اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ تین چوتھائی انچ سے زیادہ ہو - مگر ہندوستانی روئی کی بہترین اقسام کی یہ خصوصیت تھی کہ اس کا دھاگا نہایت باریک اور اس کے ساتھ پائدار بھی ہوتا تھا - ڈھاکے کی مشہور ململ سادہ دھاری‌دار اور پھولدار اسی لئے ساری دنیا میں مشہور تھی - اس کی نفاست کی وجہ سے اس کا نام " آب رواں " پڑ گیا تھا - ہندوستان میں انگریزوں کی سب سے پہلی بستیاں ان اضلاع میں قائم ہوئیں تھیں جہاں کپڑا بنا جاتا تھا - ایسٹ انڈیا کمپنی انگلستان میں کپڑے کا جو مال بھیجتی تھی اس کا اٹھارھویں صدی میں مانچسٹر کی صنعت پارچہ بافی پر اثر پڑا تھا - سنہ ۱۷۰۰ع میں انگلستان میں ہندوستان کی چھینٹوں کی آمد بالکل روک دی گئی - سنہ ۱۷۱۲ع میں یہ مال روکنے کی کارروائی میں اس قدر سختی کی گئی کہ چھینٹوں کا پہننا یا استعمال کرنا بھی ممنوع قرار دیا گیا -

قابل ذکر اختراعات

اسی کے ساتھ انگریزوں نے اپنی غیر معمولی اختراعی قابلیت سے مشینوں میں نئی نئی اصلاحیں کیں جن کی بدولت انگلستان سوت کی پارچہ بافی میں اپنے حریفوں پر جلد غالب آگیا - ذیل میں ہم اس کی چار قابل ذکر اختراعات کا ذکر کرتے ہیں - ایک چیز (جس کا تعلق بننے سے تھا) کیز فلائی شٹل [۱] سنہ (۱۷۳۳ع) تھی جس سے بجائے اس کے کہ بننے والا نال ہاتھ سے پھینکے تانے کی تہوں کے درمیان ایک طرف سے دوسری

Kay's Fly Shuttle—[۱]

طرف خود بخود چلی جاتی تھی - مگر جب تک سوت کاتنے میں زیادہ عجلت سے کام نہ لیا جاتا اس وقت تک بنائی میں عجلت پورا فائدہ نہیں دے سکتی تھی - چنانچہ سنہ ۱۷۶۴ع کے قریب ہارگریوز[۱] نے کاتنے کا ایک نیا آلہ ایجاد کیا جس کا نام سپننگ جینی[۲] ہے - اس سے پہلے کاتنے کا جو چرخہ استعمال کیا جاتا تھا اس کے مقابلے میں یہ آلہ زیادہ ترقی یافتہ تھا - چرخے سے ایک وقت میں ایک ہی دھاگا کاتا جاتا تھا لیکن سپننگ جینی سے بٹنے والا ایک وقت میں گیارہ دھاگے کات سکتا تھا جن کی تعداد بعد ازاں ترقی کرتے کرتے سو تک پہنچ گئی - آرک رائٹ [۳] نے ایک مشین ایجاد کی جو پانی کی طاقت سے چلتی تھی - چنانچہ اس نے سنہ ۱۷۷۱ع میں اپنا پہلا کارخانہ جاری کیا جو پانی کی طاقت سے چلتا تھا - چودہ سال کے اندر پارچہ بافی کے لئے سٹیم کی طاقت کام میں لائی گئی - ان ایجادوں کے بانی اور موجد ادنیٰ حیثیت کے لوگ تھے لیکن کلوں کے ایجاد کرنے میں ان کی قابلیت غیر معمولی تھی اور انہوں نے دنیا بھر کی حرفتی زندگی میں انقلاب پیدا کردیا - آرک رائٹ ابتدا میں حجام کا کام کرتا تھا لیکن آخرکار نائٹ کے رتبہ تک پہنچ گیا ، جس کی وجہ سے اس کو " سر " کا خطاب ملا - عمر بھر اس کے پاس زیادہ سرمایہ نہ تھا - اس کی اختراعی زندگی کے رفیق اور مددگار مشین والے بڑھئی اور گھڑی ساز ہوتے تھے - لیکن یہی لوگ تھے جنہوں نے اپنے ملک کی حیثیت کو دنیا میں حرفتی پہلو سے وقعت اور عظمت کے اعلیٰ مقام تک پہنچا دیا - ان وجوہ سے کپڑے کی تجارت برآمد میں ہندوستان کا درجہ گھٹنا شروع ہوگیا اور تھوڑے ہی عرصے میں لنکاشائر نے اپنے سستے مال کی بدولت ہندوستان کی منڈیوں پر کپڑے اور سوت دونوں کی تجارت برآمد سے حملہ کرنا شروع کردیا -

انیسویں صدی میں سوت کے لحاظ سے ہندوستان کی حیثیت

انیسویں صدی کے پہلے نصف حصے میں ہندوستان کی اس حیثیت میں بھی کہ وہ برطانیہ عظمی کو روئی کی خام پیداوار بھیجا کرتا تھا - روئی

Hargreaves—[۱]
Spinning Jenny—[۲]
Ark Wright—[۳]

کے دیگر ذرائع بہم رسانی کی وجہ سے فرق آنے لگا - سنہ ۱۸۰۶ع میں ہندوستان نے برطانیہ کو چالیس فیصدی کی تعداد میں روئی بہم پہنچائی - لیکن سنہ ۱۸۴۹ع سے سنہ ۱۸۵۳ع تک پانچ سال کے عرصے میں ہندوستان نے انگلستان کو صرف ۱۶ فیصدی روئی بھیجی - اس میدان میں ہندوستان کے دو بڑے حریف ممالک متحدہ امریکہ اور مصر تھے - امریکہ کی کپاس لمبے ریشے والی تھی جو لنکاشائر کی کلوں کے لئے زیادہ موزوں تھی - امریکہ کی صنعت پارچہ بافی کا آغاز ایک وسیع پیمانے پر صرف سنہ ۱۸۷۰ع سے شروع ہوتا ہے - مصری روئی جدید اصول کے مطابق کاشت ہونے پر سنہ ۱۸۲۰ع سے دستیاب ہونے لگی ' اس لئے کہ اسی دوران میں فصل کی آبپاشی کے لئے جدید طریقے وہاں اختیار کئے گئے - اس لئے مصر بھی لنکاشائر کو روئی کی بہترین خام پیدوار بھیجنے لگا ' مگر کسی وسیع پیمانے پر اس نے اب تک کارخانوں کے ذریعے سے پارچہ بافی کی صنعت کو فروغ نہیں دیا - امریکن روئی کے مقابلے میں مصری روئی کا ریشہ زیادہ لمبا ہوتا ہے اور اس لئے باریک سوت کا کپڑا بننے کے لئے زیادہ موزوں ہے - مصری روئی میں مزید فائدے یہ ہیں کہ اس کے ریشے میں طاقت لچک اور بٹنے کی قدرتی خوبی موجود ہے - جب سنہ ۶۵—۱۸۶۱ع میں امریکہ میں خانہ جنگی ہوئی اور برطانیہ نے امریکن ساحل کی ناکہ بندی کردی تو اس سے روئی کی تجارت میں تمام دنیا کے اندر ایک خطرناک صورت پیدا ہوگئی - لنکاشائر میں روئی کی خام پیداوار کا قحط پڑگیا کیونکہ امریکہ سے بہم رسانی کا سلسلہ منقطع ہوگیا تھا اور قیمتیں ۴۵۰ فیصدی سے زیادہ بڑھ گئیں - اس کا ہندوستان پر تین طرح کا اثر پڑا - قیمتوں کے بڑھ جانے سے ہندوستان میں کپاس کے کاشتکار تو مالامال ہوگئے لیکن ہاتھ سے بننے والے جولاہوں کا کام تباہ ہوگیا - وہ لوگ اس حد سے زیادہ گراں قیمت پر (جس میں دفعتاً بیشی ہوگئی تھی) خام پیداوار نہیں خرید سکتے تھے - اس طور پر بمبئی میں پارچہ بافی کے انجن سے چلنے والے کارخانوں کو بڑی ترقی ہوئی - دوسری طرف گورنمنٹ نے ہندوستان میں روئی کی کاشت کے رقبے کو وسیع کرنے اور اس میں خوبی پیدا کرنے کی کوشش کی تاکہ مانچسٹر کی صنعت پارچہ بافی کی مانگ پوری کی جائے - بمبئی ' برار اور صوبجات متوسط میں روئی کے کمشنر مقرر کئے گئے جن کے ماتحت کپاس کے زراعتی فارم تھے -

روئی کے کارخانوں کی ترقی

ہندوستان میں صنعت پارچہ بافی کے لئے انجن کی طاقت سے چلنے والے کارخانوں کا آغاز سنہ ۱۸۱۸ع ہی سے کلکتہ میں ہوا لیکن وہاں ان میں کوئی زیادہ ترقی نہ ہوئی - روئی کی حرفت کے لئے بمبئی ایک بہتر مقام تھا کیونکہ جن علاقوں میں بہترین کپاس کی کاشت ہوتی تھی وہ بمبئی سے قریب تھے - بمبئی میں روئی کا پہلا کارخانہ بمبئی سپیننگ اینڈ ویونگ کمپنی [۱] نے جاری کیا جس کا آغاز سنہ ۱۸۵۱ع میں ہوا - ۱۸۶۱ع تک روئی کے کارخانوں کی تعداد ایک درجن ہوگئی - امریکہ کی خانہ جنگی کی وجہ سے بمبئی میں روئی کی خام پیداوار کی قیمت بہت زیادہ بڑھ گئی اور وہاں دھن برسنے لگا - اس دولت کا تخمینہ تقریباً آٹھ کروڑ دس لاکھ پاونڈ کیا گیا - اس سے سنہ ۱۸۶۵ع میں '' سٹہ بازی '' کا بازار گرم ہوگیا اور بعد میں مالی تباہی ظاہر ہوئی - لیکن ان تمام واقعات کا مستقل اثر یہ ہوا کہ بمبئی پریزیڈنسی میں ہندوستانی سرمایے کے ساتھ پارچہ بافی کے کارخانے مستحکم طور پر قائم ہوگئے - جب مانچسٹر نے امریکہ سے پھر روئی منگانی شروع کردی تو ہندوستانی روئی کا بھاؤ دفعتاً گرگیا اور اس سے ہندوستانی کارخانوں کو فائدہ پہنچا - سنہ ۱۸۷۹ع تک ہندوستان میں روئی کے ۵۸ کارخانے ہوگئے اور سنہ ۱۸۸۹ع میں ان کارخانوں کی تعداد ۹۰ تک پہنچ گئی - بیسویں صدی کے شروع میں یہ تعداد دو سو سے زیادہ ہوگئی - ان کارخانوں کا مجموعی سرمایہ سترہ کروڑ تھا اور ان میں مزدوروں کی جمعیت ۲ لاکھ سے زائد تھی - یہ کارخانے سوت اور موٹے قسم کا کپڑا تیار کرتے تھے - باریک سوت زیادہ تر لنکاشائر میں ہوتا تھا - دستی کرگھے پر کام کرنے والے جولاھے ہندوستانی سوت کی ایک بڑی مقدار استعمال کرتے تھے - انھوں نے موٹے کپڑے کی مقامی تجارت میں اپنے پاؤں جما رکھے تھے - ان کا کچھ کپڑا چین اور مشرق کی منڈیوں میں جاتا تھا اور یہی صورت ہندوستانی کارخانوں کے موٹے قسم کے بنے ہوئے کپڑوں کی تھی لیکن ہاتھ کا بنا ہوا باریک کپڑا قیمت میں مانچسٹر کے کپڑے سے مقابلہ نہ کرسکا جس سے ہندوستانی منڈیاں پٹی پڑی تھیں - مانچسٹر کے مال نے ہندوستان میں ایک حرفتی ، اقتصادی ، مالی اور سیاسی سوال پیدا کردیا جس نے اس وقت سے آہستہ آہستہ زیادہ اہمیت اختیار کرلی ہے -

[۱] — Spinning and Weaving Company

ہندوستان میں حرفتی انقلاب

دنیا کا حرفتی انقلاب (جس نے اٹھارھویں صدی کے خاتمے پر اور انیسویں صدی کے آغاز میں یورپین اور امریکن سوسائٹی کی شکل بدل دی) ایک ہلکی صورت میں اس وقت ہندوستان میں ظاہر ہوا اس وقت کا نصف حصہ گزر چکا تھا ' ہم " ہلکی صورت میں " اس لئے کہتے ہیں کہ اس انقلاب کا اثر ہندوستان کی آبادی کے ایک بہت ہی تھوڑے حصے پر پڑا - لیکن جو خرابیاں اس کے ساتھ وابستہ تھیں وہ ہندوستان میں ایک شدید صورت میں ظاہر ہوئیں ' اس لئے کہ (۱) رائے عامہ زبردست نہ تھی ' (۲) اس کے ساتھ قومی اور نسلی سوال کا تعلق بھی تھا ' (۳) غیر ملکی حکومت اور غیر ملکی سرمائے نے بہت سے مسائل کو سیاسی بنا دیا ' (۴) کام کرنے والے خود ان پڑھ یا غیر منظم تھے ' (۵) مزدوری کی شرح ہلکی تھی اور اس کی محنت نتیجہ خیز نہ ہونے کی وجہ سے نہ تو تنظیم کی اچھی صورت پیدا ہوسکی اور نہ سرمائے کے استعمال میں کفایت اور احتیاط سے کام لیا جاسکا ' (۶) جائنٹ سٹاک (مشترکہ سرمایہ) کی کمپنیوں کے اجرا کا خیال ہندوستان کے لئے بالکل نیا تھا اور جو شدید بےقاعدگیاں اس سے پیدا ہوتی تھیں ان سے بچاؤ کی صورت ابھی پیدا نہیں ہوئی تھی' (۷) پرانی حرفتیں سرعت کے ساتھ گھٹنے لگیں لیکن جدید حرفتوں کی ترقی کی رفتار بھی مدھم تھی اور یہ رفتار اس کمی کے برابر نہ تھی جو پرانی حرفتوں کے مٹ جانے سے پیدا ہوگئی تھی اور نہ مذکورہ رفتار بڑھنے والی آبادی کی روز افزوں ضروریات کے مطابق تھی ' (۸) ملک میں جس قدر بھی سرمایہ موجود تھا اس کے لئے زیادہ منافع ایسے کام میں ہوتا تھا جس سے اقتصادی پہلو سے مفید نتائج نکلنے کی امید نہ تھی اور نیز بڑے کارخانوں کے لئے اقتصادی شرح پر ہندوستانی سرمایے کے سمیٹنے میں بڑی دقت تھی ' (۹) اور غیر ملکی سرمائے کا یہ نتیجہ ہوا کہ بڑے پیمانے کے کارخانوں میں ہر جگہ، جو سرمایہ‌داروں اور مزدوروں کے درمیان جو تفرقہ پیدا ہوتا ہے وہ دو چند ہوگیا - لوگ روزی کی خاطر دیہات سے شہروں کا رخ کرنے لگے ' لیکن کلکتہ اور بمبئی جیسے نئے شہر مزدوروں کا مستقل گھر ہونے کی بجائے حرفتی کمپ تھے - مزدوروں کی جمعیت مستقل نہ تھی اور ان میں کمی بیشی ہوتی رہتی تھی - بجائے اس کے کہ لوگ زراعت یا حرفت کی ترقی کے لئے خاص طور پر اپنی قابلیت کے جوہر دکھاتے انہوں نے

کچھ زراعت اور کچھ حرفت کو اپنی معاش کا ذریعہ بنانا شروع کیا - اس صورت سے جو اقتصادی حالات ظاہر ہوئے انہوں نے مغربی تعلیم کا اور اس پیچیدگی کے ساتھ جو اس تعلیم نے موجودہ حالات سے مل کر پیدا کی سیاسی تحریکوں کا دروازہ کھول دیا - سنہ ۱۸۸۵ع میں انڈین نیشنل کانگریس ظہور میں آئی لیکن یہ زیادہ مناسب ہوگا کہ اس تحریک پر آئندہ دو زمانوں کے ضمن میں بحث کی جائے جب سیاسیات نے ہندوستان کے تمدنی اسٹیج پر سب سے آگے کی جگہ پر قبضہ کر لیا ہے -

چھٹواں حصہ

قومی احساس کی بیداری : ہندوؤں اور مسلمانوں کے تفرقے میں اضافہ
سنہ ۱۸۸۵ع تا سنہ ۱۹۰۷ع

گیارھواں باب : سیاسیات ، مذہب ، تعلیم اور ادب

گیارھواں باب

سیاسیات ، مذھب ، تعلیم اور ادب

ھندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت کا احساس

سنہ ۱۸۸۵ع سے ھندوستان کی تمدنی تاریخ میں ایک خاص دور کا آغاز ھوتا ھے - کیونکہ اس سال انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد ڈالی گئی اور اس وقت سے ھندوستانی دماغ میں اپنی سیاسی حیثیت کا احساس پیدا ھوگیا - اس احساس کی ابتدائی حالت میں ھندوستانی دماغوں میں لازمی طور پر پریشانی اور غیر یقینی کیفیت پیدا ھوتی تھیں - اُس کا تعلق ابھی تک قدیم خیالات اور طریق سے تھا ، لیکن ان پر اس کا ایمان نہ تھا اور اگر تھا تو مشروط حیثیت سے - ھندوستانی دماغ ابھی تک اس امر کا اقرار کرتا تھا کہ وہ حرکت دینے والی طاقت اور تحریک کے معاملے میں انگلستان کا احسان مند ھے - لیکن اب اس نے انگریزی خیالات کے دو مختلف پہلوؤں پر امتیازی نظر ڈالنی شروع کی - حریت اور آزادی کا ایک پہلو وہ تھا جو لارڈ رپن اپنے ساتھ لائے تھے - دوسرا پہلو وہ تھا جو ھندوستان کی تاریخ سے تعلق رکھتا تھا اور اس میں تمام قائم شدہ انگریزی مفاد شامل تھے مثلاً برطانوی اعلیٰ عہدے دار ، برطانوی زمیندار ، برطانوی تاجروں اور کارخانہ داروں کی جماعتیں ، برطانوی سرمایے کی وہ بڑی بڑی مشترکہ کمپنیاں جنھوں نے ھندوستان کی زندگی پر اپنا اثر اور قابو جما رکھا تھا - ایک طرف تو ان ھندوستانیوں نے (جنھوں نے انگریزی میں تعلیم پائی اور برطانیہ کے آزادی پسند لوگوں میں شامل ھوگئے تھے) برطانیہ کے قائم کردہ مفاد کو شک اور بدگمانی کی نظر سے دیکھا - دوسری طرف جن انگریزوں کے مفاد ھندوستان میں قائم ھوچکے تھے ان کے دلوں میں انگریزی تعلیم یافتہ ھندوستانیوں سے روز بروز زیادہ مغائرت پیدا ھوتی گئی - ایسے

ہندوستانی ان انگریزوں کی نظر میں صرف "بابو" یا "محرر" کی حیثیت رکھتے تھے بلکہ ان کے لئے انگریز بطور توہین یہ الفاظ استعمال کرتے تھے - وہ نہ ان کی ذہنیت کو سمجھنے کی تکلیف گوارا کرتے تھے اور نہ عوام میں ان کے روز افزوں اثر سے باخبر تھے -

کن ذرائع سے یہ اثر پھیلا؟

یہ اثر کئی طریقوں سے پھیلایا گیا جن میں سے ہم پانچ کا ذکر کرتے ہیں - قانون کے پیشے میں ہندوستانیوں کے لئے اعلیٰ ترین عہدوں کا دروازہ کھلا ہوا تھا - اس لئے بہترین قابلیت کے آدمیوں نے یہ پیشہ اختیار کیا - اس پیشے سے نہ صرف اچھی یافت ہوتی تھی بلکہ وکلا کو ہر طبقے کے لوگوں سے ملنے کا موقعہ ملتا تھا - اس پیشے کی بدولت وہ ان جماعتوں پر بھی حاوی ہوگئے جو اراضی کی مالک تھیں - وکلا ان کے مقدمات کی پیروی کرتے تھے بلکہ انہیں کے روپے سے وکلا کو دولت اور عزت حاصل ہوئی اور معاشرتی پہلو سے ان کا درجہ بڑھ گیا - انہیں کی بدولت وکلا کو ملک کی انتظامی اور قانون بنانے والی سیاسی جماعت پر اثر ڈالنے کا موقعہ ملا - ان کا دوسرا ذریعہ اخبار نویسی تھا - جس سر زمین کے لوگ زیادہ تر اَن پڑھ ہوں وہاں تحریری یا چھپا ہوا لفظ اس کی حقیقی اشاعت یا اصلی مفہوم سے زیادہ وزن رکھتا ہے - جوں جوں ہندوستانی اخبارات کی اشاعت زیادہ ہوتی گئی ان کا لہجہ انگریزی قوم اور انگریزی حکومت کے خلاف ہوتا گیا - دیسی زبان میں جو اخبارات نکلتے تھے ان کے لئے دیسی زبان ایک آڑ کی حیثیت رکھتی تھی - یہ آڑ انہیں سرکاری نگاہ کی زد سے محفوظ رکھتی تھی - لیکن یہ صورت چار سال (۸۲---۱۸۷۸ع) کے بعد نہ رہ سکی جب لارڈ لٹن کا ورنیکولر پریس ایکٹ جاری ہوگیا - تیسرا زبردست ذریعہ (جس کی بدولت تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کی رائے میں میل جول کا خیال اور تنظیم کی صورت پیدا ہوگئی) ہائی اسکول اور کالج تھے - امتحان کی غرض کے لئے کالج پانچ یونیورسٹیوں کے ماتحت رکھے گئے جنھوں نے اُن امتحانات کا انتظام بھی اپنے ہاتھ میں رکھا جو ہائی سکول کی تعلیم کا آخری درجہ تھا - چوتھا ذریعہ (جس کی قوت بہت زبردست تھی اور جو تعلیم یافتہ جماعتوں کے ہاتھ میں آگیا) - دیسی زبانوں کے جدید مختلف لٹریچر تھے - ان سب ادبیات کو ان جماعتوں نے

خود بنایا اور انہیں کے ذریعے سے ان کے تعصبات ، ان کے جذبات ، ان کی اُمیدیں اور آئندہ کے لئے ان کے اعلیٰ خیالات کا عکس دکھائی دیتا تھا - پانچواں حربہ جو ملک کی تعلیم یافتہ جماعت کے ہاتھ میں آیا وہ لوکل سلف گورنمنٹ کی کمیٹیاں تھیں - اس حربے کا سیاسی اغراض کے لئے استعمال بعد کے دور میں ہوا ، لیکن جب یہ استعمال کیا گیا تو یہ ایک نہایت زبردست طاقت ثابت ہوا جیسا روس میں زیمستوو [۱] یعنی مقامی مجالس کے ذریعے سے ہوا - کلکتہ اور بمبئی کے کارپوریشن اور ملک کی بہت سی چھوٹی چھوٹی میونسپلٹیوں کی سرگرمیاں جو حال میں ظاہر ہوئی ہیں بطور مثال کے پیش کی جا سکتی ہیں -

حکام پر حملے : پبلک جلسے اور پیسہ قیمت والے اخبارات

تمام ہندوستان میں سیاسی آرزوؤں کا ابتدائی مقام انڈین نیشنل کانگریس کی بنیاد قرار دیا جاسکتا ہے ، لیکن جو واقعات لارڈ رپن وایسرائے ہند کے عہد حکومت میں زیادہ تر بنگال کے اندر پیش آئے وہ مذکورہ بنیاد کی تمہید تھے - البرٹ بل [۲] نے فریقین کے جذبات کو اُبھار دیا - ایک فریق موجودہ نظام کا حامی تھا اور دوسرا فریق آزاد خیالی ، نکتہ چینی اور تبدیلی کا طرفدار - ہندوستان کی تعلیم یافتہ جماعت اور ہندوستان میں انگریزی قوم کی جمعیت کے درمیان بعد اور نفرت کی خلیج روز بروز زیادہ ہونے لگی -ہندوستانی اخبار نویس حملہ کرنے میں اور زیادہ دلیر ہوگئے - ہندوستانی پبلک کے لیڈروں نے (جو اس وقت زیادہ تر اخبار نویس کی جماعت کے تھے) عام لوگوں کے جلسے منعقد کئے اور ان میں شورش برپا کرنے کی کارروائی شروع کردی - مسٹر (بعد ازاں سر سرندر) ناتھ بنرجی نے اپنے اخبار بنگالی (اپریل سنہ ۱۸۸۳ع) میں ہائیکورٹ کے ایک جج مسٹر جسٹس نارس [۳] پر اس بنا پر حملہ کیا کہ انہوں نے ایک مقدمے کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ ان کے ملاحظہ کے لئے عدالت میں سالگرام کی مورتی پیش کی جائے - مسٹر سریندرا ناتھ بنرجی کو توہین عدالت کے جرم میں مجرم قرار دیا گیا

[۱]—Zemestvo

[۲]—Ilbert Bill

[۳]—Mr. Justice Norris

اور انھیں دو ماہ قید کی سزا دی گئی - حملہ مذہبی بنا پر کیا گیا تھا - دلیل یہ تھی کہ جج کا حکم ہندو مذہب کے لئے توہین سے خالی نہیں - اس سزا نے با قاعدہ جلوسوں اور جلسوں کا موقعہ پیدا کر دیا جس میں اپنی ناراضی ظاہر کرتے تھے - ان مظاہروں کا ہیرو اس واقعے کو '' جذبات کا ایک طوفان '' بیان کرتا ہے جو '' سنہ ۱۸۸۳ع کے اندر سارے بنگال میں پھیل گیا '' - مذہب کے نام سے علانیہ جلسے ہونے لگے جن میں حاضرین کی تعداد دس ہزار تک پہنچ گئی - اس جوش نے سستے دیسی اخبار کی مانگ پیدا کردی - دس سال سے کچھ پہلے جب کیشب چندر سین نے ایک پیسہ قیمت والا اخبار جاری کیا تو انھیں ناکامی ہوئی تھی - اب بابو جوگندرا ناتھ بوس کا '' نیگو باسی '' اور کرشنو کمار متر کا اخبار ' سنجیبانی ' جن کی قیمت ایک ایک پیسہ تھی بنگالی کے زیادہ ہر دلعزیز اخبار ہوگئے اور ان کی اشاعت بہت جلد زیادہ بڑھ گئی -

سیاسی پروپیگنڈا مذہبی صورت میں

مسٹر بنرجی ہر تحریک کو باقاعدہ بنادینے کی اعلیٰ درجے کی قابلیت رکھتے تھے - مسٹر موصوف اور ان کے دوستوں نے یہ انتظام کیا کہ مسٹر بنرجی کو مذہبی شہید کی حیثیت میں پیش کیا جائے - وہ اس امر پر قانع نہیں تھے کہ تحریک کا اثر صرف بنگال تک محدود رہے ' یا اس خاص واقعہ کے خاتمے کے بعد یہ مٹ جائے - اس تحریک کی ہمدردی میں دور دراز کے مقامات مثلاً لاہور ' امرتسر ' آگرہ ' فیض‌آباد ' اور پونا میں جلسے کئے گئے - کلکتہ کی انڈین اسوسی‌ایشن کے لئے بیس ہزار روپے کا ایک قومی سرمایہ قائم کیا گیا تاکہ اسے تمام ہندوستان کی سیاسی اغراض کے لئے استعمال کیا جائے - ہندوستانیوں نے البرٹ بل کے لئے شورش کا سلسلہ جاری رکھا - اس کے بعد جب ہندوستان کی انگریز جماعت نے لارڈ رپن کو عہدے سے سبکدوش ہونے پر مناسب انداز میں الوداع کہا تو اس کے جواب میں لارڈ رپن کی حمایت میں پبلک مظاہرے کئے گئے - ان دونوں واقعات نے بتا دیا کہ ہندوستانی اب پورے طور پر اپنے کو منظم کرسکتے ہیں - دسمبر سنہ ۱۸۸۳ع میں ایک انڈین نیشنل کانفرنس بمقام کلکتہ منعقد کی گئی اور دوسرے سال مسٹر بنرجی نے دوسرے صوبوں کی تائید حاصل کرنے کے لئے شمالی ہند کے علاقوں کا دورہ کیا - وہ لاہور ' ملتان ' دہلی ' آگرہ ' علیگڈھ ' الہ‌آباد ' اور

بانکی پور پہنچے - کانفرنس میں جن مضامین پر بحث کی گئی اُن میں یہ مقاصد تھے : نمائندہ کونسلیں ' عام اور صنعتی تعلیم ' اضلاع کے انتظام میں عدالتی اور انتظامی فرائض کی علیحدگی ' اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں ہندوستانیوں کو زیادہ عہدے دئے جائیں - حکومت بنگال نے حال میں ان رقبوں میں جہاں آبادی گنجان تھی آبکاری کا ایسا طریقہ جاری کیا تھا جس کے ذریعے سے مرکزی سرکاری بھٹیوں کی بجائے مختلف مقاموں میں خانگی بھٹیوں کے جاری کرنے کی اجازت دی گئی تھی - یہ ٹمپرنس (نشہ کا انسداد) کے نقطۂ خیال سے بد ترین انتظام تھا - بجائے اس کے کہ شراب ایک مرکزی کارخانہ میں تیار اور شدید نگرانی میں تقسیم کی جاتی شراب کی ان بھٹیوں سے جو مختلف مقامات میں پھیلی ہوئی تھیں میخواری اور بدمستی زیادہ بڑھ گئی - آخر مذکورہ بالا حکم کے خلاف شورش کامیاب ثابت ہوئی - بیرونی مقامات میں شراب کی بھٹیاں بند کر دی گئیں - شورش نے سیاسی پروپگنڈے کو مذہبی صورت میں پیش کر دیا - سنکیرتن کی ٹولیاں دیہات میں دورہ کرتی تھیں اور ویشنو کے مذہبی گیت گاتی تھیں -

تحریک کے ابتدائی درجے

نیشنل کانفرنس کا دوسرا جلسہ سنہ ۱۸۸۵ع کے کرسمس کے ہفتے میں بمقام کلکتہ ہوا اور اسی وقت بمبئی میں انڈین نیشنل کانگریس کا پہلا جلسہ منعقد ہوا - کلکتہ کانفرنس میں تین مقامی ہندوستانی سربرآوردہ انجمنیں شریک ہوئیں یعنی برٹش انڈین اسوسی ایشن جو زمینداروں کی نمایندہ تھی ' انڈین اسوسی‌ایشن جو طبقۂ متوسط کی جماعتوں کی نمایندہ تھی ' اور سنٹرل محمڈن اسوسی‌ایشن جو اس وقت مسٹر امیر علی کی زیر ہدایت مسلمانوں کی نمائندہ تھی - معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بنگال کی تحریک اور بمبئی کی عام تحریک میں کسی قدر رنجش تھی لیکن ان میں اب میل جول پیدا ہو گیا کیونکہ انڈین نیشنل کانگریس کا دوسرا اجلاس سنہ ۱۸۸۶ع میں بمقام کلکتہ منعقد ہوا - سنہ ۱۸۸۸ع سے صوبہ‌وار کانفرنسوں کے باقاعدہ سالانہ اجلاس کا سلسلہ قائم ہو گیا - یہ کانفرنسیں کانگریس کے اغراض و مقاصد کو تقویت دیتی تھیں اور ان کے کام کے لئے ابتدائی سامان بہم پہنچاتی تھیں -

کانگریس کی تحریک کے برطانوی موجدین

کانگریس کی تاریخ کے تفصیلی واقعات کو بیان کرنا ہمارے مقصد سے خارج ہے - سنہ ۱۸۸۵ع سے سنہ ۱۹۰۷ع تک کانگریس کے تیئیس سالانہ اجلاس منعقد ہوئے - اس زمانے میں کانگریس کے طریقوں' نظریوں اور ان شخصیتوں کی سیرتوں کی بتدریج کایا پلٹ ہوتی رہی جو اس تحریک کے روح رواں تھے - کانگریس کی تاریخ میں سنہ ۱۹۰۷ع کا سال ایک خاص دور کے لئے امتیازی حیثیت رکھتا ہے اور اسی سال تک اس باب میں ذکر آئے گا - مسٹر ایلن اوهیوم (سنہ ۱۹۱۲—۱۸۲۹ع) جو کسی وقت شمالی مغربی صوبوں میں (جن کا موجودہ نام صوبہ متحدہ اگرہ و اودہ ہے) انڈین سول سروس کے افسر رہ چکے تھے اور لارڈ میو وائسرائے ہند کے عہد حکومت میں گورنمنٹ کے سکریٹری بھی تھے - اصل میں وہی کانگریس کی تحریک کے بانی مبانی سمجھے جاتے ہیں - لارڈ رپن کے عہد حکومت میں آزاد خیالی کی فضا اس تحریک کے موافق تھی اور اس کی جڑیں لگ گئی تھیں - ہندوستان کی سیاسی تنظیم میں دراصل سرکاری حکام کی درپردہ شہ اور حوصلہ افزائی بھی تھی - ظاہر ہے کہ ایسی مجلس عامہ جو ہندوستانی رائے کی نمائندگی کرے اور جس پر ہندوستانی خیالات کا اثر ہو گورنمنٹ کے لئے تقویت کا ذریعہ بن سکتی ہے بشرطیکہ گورنمنٹ لوگوں کے احساسات کو معلوم کرنا چاہے - مسٹر ہیوم کانگریس کی تحریک کے آغاز ہی سے اس کے جنرل سکریٹری رہے' اور سنہ ۱۹۱۲ع میں اپنی زندگی کی آخری ساعت تک ہندوستان اور انگلستان دونوں ممالک میں کانگریس کا کام کرتے رہے- برطانیہ کے جن افراد نے کانگریس کے لئے کام کیا ان میں قابل ذکر نام یہ ہیں : سر ولیم ویڈربرن [۱] ' بیرونٹ [۲] مسٹر ڈبلو ایس کین [۳] ممبر پارلیمنٹ اور مسٹر چارلس بریڈلا [۴] ممبر پارلیمنٹ - سر ولیم ویڈربرن سنہ ۱۸۸۹ع میں بمبئی کی کانگریس کے صدر ہوئے - انھوں نے پارلیمنٹ میں سات سال تک اس کے لئے کام کیا ' اور سنہ ۱۹۱۸ع میں اپنی وفات تک کانگریس کی لندنی کمیٹی کو قائم رکھا -

---

Sir William Wedderburn—[۱]

Baronet—[۲]

Mr. W. S. Caine—[۳]

Mr. Charles Bradlaugh—[۴]

مسٹر ڈبلو ایس کین تحریک انسداد نشہ کے بانی اور طرفدار تھے - انھوں نے بھی پارلیمنٹ میں کانگریس کی تحریک کو تقویت پہنچائی اور ہندوستان میں تحریک انسداد نشہ کا پروپیگنڈا جاری کیا - سنہ ۱۸۹۰ع میں وہ کلکتہ کانگریس میں شریک ہوئے - مسٹر بریڈلا سنہ ۱۸۸۹ع میں بمبئی کی کانگریس میں شریک ہوئے اور انھوں نے اگلے سال برٹش پارلیمنٹ میں ہندوستانی کونسلوں کی اصلاح اور انتخاب کے اصول کو جاری کرنے کے لئے ایک پرائیویٹ بل پیش کیا - اس کا کچھ نتیجہ نہ نکلا - لیکن کنسرویٹو وزارت کے انڈیا کونسل ایکٹ سنہ ۱۸۹۱ع سے اس سوال کا کنسرویٹو پارٹی کے اعتدال پسند طریقے کے فیصلہ کر دیا -

ہندوستانیوں کو انگریزی ناموں سے کس قدر رغبت تھی ؟

سر ولیم ویڈربرن کے علاوہ تین اور انگریز کانگریس کے صدر منتخب ہوئے- مسٹر جارج یول [۱] نے (جو کلکتہ کے ایک تاجر اور اینڈریو یول اینڈ کمپنی کی فرم کے رکن اعلیٰ تھے) سنہ ۱۸۸۸ع میں الہ آباد کانگریس کی صدارت کی - مسٹر الفرڈ ویب [۲] ممبر پارلیمنٹ (جو آئرش پارلیمنٹری پارٹی کے ایک رکن تھے) سنہ ۱۸۹۴ع میں مدراس کانگریس کے صدر منتخب ہوئے - سر ہنری کاٹن [۳] انڈین سول سروس کے ایک اور سابق رکن سنہ ۱۹۰۴ع [۴] میں بمبئی کانگریس کے صدر ہوئے- اس لئے کانگریس اپنی زندگی کے پہلے بیس سال میں برطانیہ کی آزاد خیال جماعت کی کوشش اور مدد کی احسان مند ہے - ابتدا میں یہ تائید کانگریس کے لئے ایک زبردست طاقت تھی اور یہ اسی طاقت کا نتیجہ تھا کہ ہندوستانیوں کا انگریزی تعلیم یافتہ طبقہ کانگریس کے جھنڈے کے نیچے جمع ہوگیا - یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ کس طرح انگریز (صدر) پریزیڈنٹوں کے نام کانگریس کے ابتدائی زمانے کے اجلاسوں میں پبلک کے لئے مقناطیسی کشش رکھتے تھے - بمبئی کے پہلے اجلاس کانگریس میں حاضرین کی تعداد صرف ۷۲ تھی - سنہ ۱۸۸۵ع سے سنہ ۱۹۰۵ع تک

Mr. George Yule—[۱]

Mr. Alfred Webb—[۲]

Sir Henry Cotton—[۳]

[۴]—سنہ ۱۹۱۷ع کی کانگریس کی صدارت کے لئے مسز اینی بیسنٹ کا انتخاب ایک اور درجے میں آتا ہے اور اس کا ذکر آئندہ باب میں کیا جائے گا -

کانگریس کے اکیس اجلاس ہوئے جن میں سے چار اجلاسوں کے صدر انگریز تھے۔ ان چاروں اجلاسوں میں حاضرین کی تعداد ایک ہزار سے زائد تھی اور ایک اجلاس کے سوا کسی اور اجلاس میں یہ تعداد کبھی ایک ہزار تک نہیں پہنچی۔ اور یہ استثنا بھی سنہ ۱۸۹۵ع کی پونا کانگریس میں ہوا۔ اس موقعے پر کانگریس کے پنڈال کے اندر سوشل کانفرنس قائم کرنے کے سوال پر کانگریس کے کمپ میں بڑا جوش پیدا ہوا۔ مسٹر مہادیو گووند راناڈے (۱۸۴۲—۱۹۰۱ع) نے سوشل کانفرنس کی بنیاد سنہ ۱۸۸۷ع میں ڈالی تھی لیکن ایک زبردست جماعت قانونی ذریعے سے معاشرتی اصلاح کی مخالف تھی مثلاً اسے قانون عمر رضامندی سنہ ۱۸۹۱ع پر اعتراض تھا جس کے روسے ضابطۂ فوجداری میں لڑکیوں کے لئے رضامندی کی عمر دس سے بارہ سال تک بڑھا دی گئی تھی۔ اس قانون کے ایک بہت بڑے مخالف مسٹر بال گنگا دھر تلک (۱۸۵۴—۱۹۲۰) تھے ان کی جماعت جو اصلاح کی سخت مخالف تھی بہت بڑی تعداد میں مصلحین کو شکست دینے کے لئے جمع ہوگئی۔ آخر مسٹر جسٹس راناڈے کی حکمت عملی اور رسوخ سے جھگڑے کا خطرہ ٹل گیا۔ اس کے بعد سنہ ۱۹۰۴ع میں سوشل کانفرنس نے یہ صورت اختیار کی کہ مہاراجہ گائکواڑ بڑودہ کی سرکردگی میں (جو کانفرنس کے صدر تھے) معاشرتی خرابیوں کو جڑ سے اُکھاڑ دینے کا ارادہ کر لیا گیا۔ مہاراجہ گائکواڑ نے ذات پات کی قیود، بچپن کی شادی، پردہ اور تعلیم نسواں کی مخالفت کے خلاف پر زور الفاظ میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔

کن مضامین میں تجویزیں پاس کی گئیں؟

کانگریس کے ان اجلاسوں میں جو تجویزیں پاس کی گئیں وہ حسب ذیل امور کے متعلق تھیں: (۱) لیجسلیٹو کونسلوں میں توسیع کی جائے اور بجٹ اور عام مباحثے پر ان کے اختیارات میں اضافہ کیا جائے۔ (۲) اعلیٰ سرکاری ملازمتوں میں ہندوستانیوں کو زیادہ عہدے دئے جائیں، اور ہندوستان اور انگلستان دونوں ملکوں میں سول سروس کا امتحان ایک ہی وقت میں لیا جائے۔ (۳) فوجی اخراجات کو گھٹایا جائے۔ (۴) ہندوستانی والنٹیر کور کو منظور کیا جائے اور ہندوستان کے ایکٹ اسلحہ کی موجودہ سختی میں کمی کی جائے۔ (۵) قانونی اصلاحات عمل میں لائی جائیں مثلاً مقدمات میں جیوری کے اصول کو بڑھایا جائے۔ (۶) ضلع کے انتظام میں عدالتی اور انتظامی فرائض علیحدہ کئے جائیں۔

(۷) جنوبی افریقہ اور عام طور پر سلطنت برطانیہ میں ہندوستانیوں کی موجودہ حالت پر توجہ کی جائے ، اور ہندوستان کے حرفتی اور اقتصادی حالات کی تحقیقات کی جائے - اصلاح معاشرت کے پرجوش حامیوں کو اپنی کارروائی بالکل علیحدہ رکھنی پڑی ، اور جیسا کہ ہم اوپر ذکر کرچکے ہیں ایک زبردست پارٹی اس امر کی مخالف تھی کہ سوشل کانفرنس اپنا پروگرام کانگریس سے وابستہ رکھے - سنہ ۱۸۹۲ع میں مسٹر ڈبلو - سی - بنرجی[۱] نے یہ کہا " اصلاح معاشرت کیا چیز ہے ؟ اس سوال کے سمجھنے میں ہم سب متفق نہیں ہیں " - ان دونوں حقیقی واقعات سے گہرا تعلق پیدا کرنے کی بجائے کانگریس میں اتحاد کی بہت زیادہ ضرورت تھی -

ہندو مسلم تعلقات

مسلمانوں کو کانگریس میں گروہ کی حیثیت سے شامل کرنے کی کوشش کی گئی تھی اور وہ مسلمان پریزیڈنٹوں مسٹر بدرالدین طیب جی نے سنہ ۱۸۸۷ع میں مدراس کانگریس میں اور مسٹر رحمت اللہ محمد سیانی نے سنہ ۱۸۹۶ع میں کلکتہ کانگریس میں اس موضوع پر فصیح و بلیغ تقریریں کیں - لیکن وہ دونوں بمبئی کے رہنے والے تھے - مگر شمالی ہند میں جہاں مسلمانوں کی آبادی کے مرکز زیادہ تر پائے جاتے ہیں مسلمانوں نے سر سید احمد خاں کی زبردست آواز پر لبیک کہا اور نہ صرف کانگریس میں شامل ہونے سے انکار کر دیا بلکہ کانگریس کے پروپیگنڈے کو اپنے فوائد کے خلاف خیال کیا - جوں جوں زمانہ گذرتا گیا ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعلقات میں وہ پہلا سا خلوص نہ رہا بلکہ ان میں زیادہ کشیدگی پیدا ہوگئی - مرہٹوں کے علاقے میں گنپتی اور شیوا جی کے نام سے جن تحریکوں کو تقویت دی گئی ان سے مسلمانوں کے جذبات برانگیختہ ہوگئے - سنہ ۱۸۹۳ع میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے بلوے کی آگ پانچ روز تک بمبئی میں بھڑکتی رہی وہ اس زمانے میں نئی اور عجیب سمجھی جاتی تھی - رنگون اور بریلی اور اعظم گڑھ میں صرف چھ ہفتے پہلے اس قسم کے فسادات ہوچکے تھے ، اور دونوں قوموں میں اتحاد کی کوئی صورت نظر نہیں آتی تھی -

---

[1]—W. C. Bannerjee

انگریزوں سے کانگریس کی ابتدائی موافقت کیوں بدل گئی ؟

ہم بیان کرچکے ہیں کہ کانگریس کے ابتدائی زمانے میں عام ہندوستانیوں کے حامی انگریزوں نے کانگریس کی بنیاد ڈالنے اور اس کی تحریک کو قائم رکھنے میں کس قدر بڑا حصہ لیا تھا - کانگریس کی روح اور اس کا نظریہ دونوں برطانوی جذبات سے بندھے ہوئے تھے - مسٹر دادا بھائی نوروجی نے سنہ ۱۸۸٦ع میں بمقام کلکتہ ''برطانوی حکومت کی برکات'' کے موضوع پر ایک طویل تقریر کی جس پر لوگوں نے نعرہ ہائے مسرت بلند کئے تھے - سنہ ۱۸۹۰ع میں کانگریس کا ایک وفد انگلستان گیا اور سنہ ۱۸۹۱ع میں اس تجویز پر بحث رہی کہ لندن میں کانگریس کا اجلاس منعقد کیا جائے - سنہ ۱۸۹۲ع میں برٹش پارلیمنٹ میں مسٹر نوروجی کا انتخاب عمل میں آیا اسی اثنا میں برٹش ہوم رول بل پارلیمنٹ میں پیش ہوا - ان دو وجہوں سے کانگریس کے تعلقات براہ راست برٹش ہوم رول کے حامیوں کے ساتھ قائم ہوگئے - ایک صاحب جو برٹش ہوم رول کے رکن تھے سنہ ۱۸۹۴ع میں کانگریس کی صدارت کے لئے ہندوستان آئے - سنہ ۹۷—۱۸۹٦ع میں جب پونا میں طاعون ہوا تو اس کے روکنے کے ضمن میں جو کارروائی ہوئی اس کی وجہ سے لوگوں کے تعلقات حکومت سے کشیدہ ہوگئے ' اور مرہٹہ علاقے میں بغاوت کے جرائم کا سلسلہ شروع ہوگیا جس کا کانگریس کے لہجے پر اثر پڑا - ناتو برادران کی گرفتاری اور مسٹر تلک کے خلاف قانونی کارروائی سے نہ صرف مہاراشٹرا پارٹی کی گورنمنٹ سے لڑائی ہوگئی بلکہ اس نے کانگریس میں ایک انتہا پسند پارٹی قائم کردی - یہ پارٹی حکومت کے خلاف علاوہ قانونی ذرائع کے اور سب ذرائع استعمال کرنے اور ان سے ہمدردی کرنے پر تیار تھی - مسٹر گوپال کرشنا گوکھلے (۱۹۱۵—۱۸٦٦ع) ہندوستان کے سب سے بڑے عقیل اور دور اندیش اعتدال پسند لیڈر تھے ' لیکن وہ بھی اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں غلط قدم اُٹھانے سے اس طرح بچ گئے کہ انہیں ایک موقعہ پر اپنا بیان واپس لینا پڑا - گو انہیں اس وقت خفت حاصل ہوئی لیکن اس واقعے کی بدولت اپنے ملک کی خدمت کے لئے لیجسلیٹیو کونسل میں ان کی حیثیت مستحکم ہوگئی - ہندوستان میں لارڈ کرزن کے عہد حکومت (۱۹۰۵—۱۸۹۹ع) نے اور سنہ ۵—۱۹۰۴ میں روس پر جاپان کی فتح ' اور ہندوستان میں شدید قحطوں اور اقتصادی پریشانیوں نے ہندوستان کی رعایا کے خیالات میں

انقلاب پیدا کردیا جس سے سنہ ۱۹۰۷ع میں کانگریس کی روش نے ایک نازک صورت اختیار کرلی -

لارڈ کرزن کی روش اور پالیسی

سنہ ۱۹۰۵ع میں مسٹر گوکھلے نے بنارس میں کہا کہ "لارڈ کرزن ہندوستان کے لوگوں کو نہیں سمجھے" اس ناسمجھی کی وجہ سے ایک عجیب بات ہوئی کہ انگلستان نے اُس وقت ایسے شخص کو وائسرائے بنا کر بھیجا تھا کہ ویسا قابل حاکم ابتک ہندوستان میں نہیں آیا تھا مگر اس کی وجہ سے اس ملک میں برطانوی حکومت کی بنیادیں کھوکھلی ہو گئیں - لارڈ موصوف کی طبیعت کو کبھی قرار نہیں آتا تھا - مزاج میں تعلی اور خودستائی تھی اور ان کی اُس روش نے کہ وہ ہندوستان کے لوگوں ، ان کے تمدن ، اور ان کے طریق خیال سے اپنے آپ کو بلند و برتر سمجھتے تھے اُن دانشمندانہ اصلاحات کا بھی خاتمہ کر دیا جن کو وہ شروع کرنا چاہتے تھے - اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ نفرت اور تعصب کا ایک ترکہ چھوڑ گئے جو ابھی تک ختم نہیں ہوا - علاوہ اس امر کے کہ وہ خود ہر قسم کے ہندوستانی مسائل کے مطالعہ اور تحقیق کے لئے محنت کرتے تھے' انھوں نے واقعات کو فراہم کرنے اور اپنی حکمت عملیوں کو ظاہر کرنے کے لئے بہت سے کمیشن مقرر کئے - بدقسمتی سے ان کے نقطۂ خیال اور ان کے کمیشنوں کی رائے نے برطانیہ کے شاہی نقطہ نگاہ میں اس قدر شدید احساس پیدا کر دیا کہ ہندوستانیوں کی رائیں حقیر سمجھی گئیں - اس سے بہت زیادہ غلط فہمی پیدا ہو گئی اور تمدنی مقابلہ ظاہر ہوا - ان کا یونیورسٹی کمیشن (سنہ ۱۹۰۲ع) بھی ہر دلعزیز نہ تھا ، اور جو نتائج اس کمیشن نے اخذ کئے اور جس پالیسی کا ان نتائج کی بنا پر اظہار کیا گیا ان سے تمام تعلیم یافتہ ہندوستان میں اضطراب اور بےچینی کی کیفیت پیدا ہوگئی - جب سنہ ۱۹۰۲ع میں کانگریس کا اجلاس ہوا تو صدر نے اپنے خطبۂ صدارت میں ان کے خلاف ایک زبردست دلیل پیش کی - صدر کی رائے میں حکومت کی جدید پالیسی یونیورسٹی کی تعلیم کی عام بنیاد کو تنگ اور اس کے رقبے کو محدود کرنے کی طرف مائل تھی - کمیشن کی یہ تجویز تھی کہ کالجوں میں رقم کی ایک مقدار مقرر کی جائے جس سے کم فیس نہ لی جائے - اس تجویز کا مطلب یہ سمجھا گیا کہ غریبوں کو تعلیم سے محروم رکھنا

منظور ہے - یونیورسٹیوں کے فرائض میں بنیادی اصلاحات کی نسبت یہ خیال کیا گیا کہ ان سے یونیورسٹیوں پر سرکاری اقتدار زیادہ ہو جائیگا - اور پرائیوٹ کالجوں کی کوششیں بیکار ہوجائیں گی جن کی تعداد ۸۷ کالجوں میں سے (جو کلکتہ یونیورسٹی کے ماتحت ہیں) ۵۹ ہے - قحط کے کمیشن نے قحط کی امداد کے متعلق حکومت کی انتظامی کل کو زیادہ مکمل کرنا مناسب سمجھا اور اس کے مقابلے میں قحط کے حقیقی اسباب اور ان کے سد باب کے لئے عملی تجاویز کے مسئلے پر غور کرنے کی طرف کم توجہ کی - سنہ ۱۹۰۱ع میں کانگریس کا جو سالانہ اجلاس ہوا اس میں مسٹر ڈنشا ایڈلجی راجا کا خطبۂ صدارت گو طویل تھا لیکن معقولیت اور دلائل پر مبنی تھا اس میں گورنمنٹ کی اقتصادی پالیسی کے تمام پہلووں پر (جس کا تعلق قحط ، مالگزاری ، آبپاشی ، ریلوے ، ٹیکس اور کرنسی سے تھا) نکتہ چینی کی گئی تھی - اس سے چار سال قبل یعنی سنہ ۱۸۹۷ع میں مسٹر واچا نے ہندوستانی اخراجات کے متعلق لارڈ ولبی [۱] کے شاہی کمیشن کے سامنے فوجی اخراجات پر شدید نکتہ چینی کی تھی -

تقسیم بنگال : سدیشی اور بائیکاٹ

لارڈ کرزن کی غلطی یہ تھی کہ انہوں نے بنگال کی تقسیم سنہ ۱۹۰۵ع میں کی اور اس طور پر کی جو قابل اعتراض تھی - اس غلطی کا تعلق سیاست اور انتظام سے نہیں بلکہ بنگالی جذبات سے تھا - اس غلطی نے ایسی فضا پیدا کردی جس نے ہندوستانیوں اور انگریزوں کے تعلقات میں نفرت کا زہر پھیلا دیا - اس سے اشتعال اور غصے کی جو لہر بنگال میں شروع ہوئی وہ تمام ہندوستان میں پھیل گئی اور اس سے حکام اس قدر مجبور ہوئے کہ آخر سنہ ۱۹۱۱ع میں تقسیم بنگال منسوخ کرنی پڑی - اس تنسیخ سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مغائرت زیادہ ہوگئی - کیونکہ مشرقی بنگال میں (جو ایک علیحدہ صوبہ قرار دیا گیا تھا) مسلمانوں کی تعداد بہت زیادہ تھی اور وہاں اس امر کا زیادہ امکان نظر آتا تھا کہ حکومت کا انتظام اسلامی فوائد کے مطابق ہو - طاقت کا جو احساس بنگالیوں کی کامیاب شورش سے بنگال اور عام طور پر ہندوستان کی سیاسی طبایع میں پیدا ہوا اور اُسے ان واقعات نے

---

[۱]—Lord Welby

تقویت دی جو ایشیا کے عام سیاسی حلقوں میں ظاہر ہو رہے تھے - جاپان نے (جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے) روس اور جاپان کی جنگ (سنہ ۵—۱۹۰۴ع) میں روس کو شکست دی - ایران میں آئینی بادشاہت اور پارلیمنٹری حکومت قائم ہو گئی - سنہ ۱۹۰۸ع کے ترکی انقلاب نے ترکی میں ایک ترقی یافتہ تباہی حکومت کی بنیاد ڈالی - سنہ ۱۹۱۰ع میں چین میں نیشنل اسمبلی (قومی مجلس) کا دور شروع ہو گیا اور سنہ ۱۹۱۱ع میں مانچو خاندان کی غیر ملکی حکومت کا خاتمہ ہو گیا - تمام ایشیا میں بیداری کی ایک نئی لہر دوڑ گئی اور اس کی قوموں میں اپنے اندر خوداعتمادی کا ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا - اسی فضا میں تقسیم بنگال جس پر اظہار غصہ کی باگ سوندرا ناتھ بنرجی جیسے قابل شخص کے ھاتھ میں تھی مقامی یا عارضی نوعیت کی تحریک سے زیادہ حیثیت رکھتی تھی - اس کے ساتھ سدیشی اور بائیکاٹ کی دو اقتصادی تحریکیں اور شروع کی گئیں - جنھیں نہ صرف سیاسی اور قومی اغراض سے تقویت پہنچی بلکہ مالدار کاریگروں کے طبقے نے قومی تحریک کے لئے سرمایہ فراہم کیا - سدیشی تحریک کو اپنے خالص اقتصادی پہلو سے لازمی طور پر قومی مقصد یا ملکی محبت کے کسی پروپیگنڈے کا ایک مستقل عنصر ہونا چاھئے ، بعد کو حکومت نے اسے ملک کی حرفت کے متعلق اپنی پالیسی کا ایک جائز اصول تسلیم کر لیا - سنہ ۱۹۰۵ع کے بعد چند سال تک کانگریس کے ساتھ صنعت و حرفت کی ایک سالانہ کانفرنس منعقد ہوتی رھی جس کے سب سے بڑے محرک برار اور صوبجات متوسط کے راو بہادر آر - این - مدھولکر [1] تھے - برطانوی مال کا بائیکاٹ صاف الفاظ میں ایک ایسا حربہ ھے جو اقتصادی ذرائع سے سیاسی دباؤ ڈالتا ھے - اس کے استعمال سے سیاسی جھگڑے اور شدید رنجش پیدا ہوتی ھے ، اور اس کے جواز یا عدم جواز کے دلائل اقتصادیات یا اخلاقیات سے تعلق نہیں رکھتے -

کانگریس میں پھوٹ : گوکھلے کی انجمن خادمان ھند

جب سنہ ۱۹۰۵ع میں تقسیم بنگال کے مسئلے پر جوش پھیلا تو کانگریس کے سیاسی حلقوں میں پھوٹ کے آثار نظر آنے لگے - مسٹر گوکھلے

[1]—Rao Bahadur R. N. Mudholkar

اور دیگر اعتدال پسند لیڈر یہ محسوس کرنے لگے کہ نا عاقبت اندیشی کی گفتگو اور کارروائی سے ہندوستان کو فائدہ کے بجائے زیادہ نقصان پہنچیگا اور ممکن ہے کہ اس سے ہندوستان کی آئینی تحریک کی رفتار رک جائے - دوسری طرف لارڈ منٹو کی گورنمنٹ نے مسٹر جان مورلے (بعد ازاں لارڈ مورلے) کے مشورے سے جو اس وقت لبرل وزیر ہند تھے ہندوستان میں بےچینی کی اس حالت کو تسلیم کر لیا جو " حق بجانب " تھی - اور ان آئینی اصلاحات کی بنیاد ڈالی جس کی ابتدا سنہ ۱۹۰۹ع میں ہوئی - لیکن اسی کے ساتھ ایک ایسی جماعت پیدا ہوگئی جو حکومت کی سخت مخالف تھی اور اس کے ساتھ کوئی مصالحت کرنا نہیں چاہتی تھی - یہ جماعت برطانیہ کے کسی قول پر اعتبار نہیں کرتی تھی ' وہ آئینی کام کے عمدہ نتائج کی قائل نہ تھی ' اور اگر خفیہ سازشوں اور قتل اور تشدد کے طریقوں کو سرگرمی کے ساتھ خود عمل میں نہیں لاتی تھی تو ان سے ہمدردی ضرور رکھتی تھی - مسٹر گوکھلے آئین پسند طبیعت کے شخص تھے ' لیکن وہ اپنی تحریک کی اس کمزوری کو محسوس کرتے تھے کہ اس کی پشت پر علمی معلومات کا ایسا مخزن نہیں ہے جس کی بدولت وہ دلائل کی جنگ میں گورنمنٹ کو برابر کا جواب دے سکیں - ان کی انجمن خادمان ہند کا جس کی بنیاد سنہ ۱۹۰۵ع میں پڑی ایک مقصد یہ بھی تھا کہ مطالعہ اور تحقیق کے ذکر ہونے کے علاوہ ایک ایسا دفتر بہم پہنچائے جو مطلوبہ معلومات مہیا کر سکے - جس سرگرمی سے یہ انجمن اپنے فرائض کو انجام دینا چاہتی تھی اس کا منشا یہ تھا کہ " ہندوستان کی خدمت اور اہل ہند کے حقیقی مفاد کو تمام آئینی ذرائع سے فروغ دینے کے لیئے قومی کام کرنے والے تیار کئے جائیں " - انجمن خادمان ہند نے صاف طور پر برطانوی تعلق کو تسلیم کر لیا اور اپنے لائحہ عمل میں اقتصادی مطالعہ اور معاشرتی خدمت کو بھی ملا لیا - اگر سیاسیات کی کوششیں کامیاب ہوسکتی ہیں تو صرف اسی صورت میں کہ زندگی کے تمام شعبوں میں اصلاح کی جائے - اس امر کے اعتراف نے اس انجمن کو بے سود کوششوں سے بچایا مگر اس نے ابتدائی زمانے میں جو سرگرمی ظاہر کی تھی اس میں بد قسمتی سے بعد کے زمانے میں کمی واقع ہوئی -

سنہ ۱۹۰۷ع کا سیاسی طوفان

جب کسی کام کا نتیجہ نظروں کے سامنے پیش ہوتا ہے تو اس کام کا اثر پبلک کے دل پر اتنا نہیں ہوتا جتنا وہ شعلہ فشاں پروپیگنڈا جس میں مذہبی عنصر شامل ہو یا جس پر سیاسی جبر و تشدد ہو - مسٹر اربندو گھوش بنگال کے ایک شاعر اور عارفانہ طریقت کے پیرو تھے - مسٹر بال گنگا دھر تلک ایک تشدد پسند مرہٹہ اخبار نویس تھے - یہ دونوں سنہ ۱۹۰۷ع میں مسٹر گوکھلے اور مسٹر سریندرانا تھ بنرجی کے مقابلے میں کھڑے ہوگئے - مسٹر گھوش آئین پسند تھے اور مسٹر تلک ایک زبردست مقرر - اس مقابلے میں تلک کی پارٹی بازی لے گئی - کانگریس کا سالانہ اجلاس اس سال ناگپور میں ہونے والا تھا لیکن انتہا پسندوں نے اس کی استقبالیہ کمیٹی کو توڑ دیا - تجویز کی گئی کہ کانگریس کا جلسہ سورت میں منعقد کیا جائے - ڈاکٹر راش بہاری گھوش جلسے کے صدر تجویز کیے گئے لیکن انتہا پسند جماعت پنجاب کے لالہ لاجپت رائے کو صدر بنانا چاہتی تھی جو جلا وطنی کی سزا کے باعث شہرت حاصل کر چکے تھے - جلسے میں خوب دھینگا مشتی ہوئی اور اس طرح بد نظمی اور ہنگامے میں جلسہ برخاست ہوگیا - کانگریس اب متحدہ مجلس نہ رہی - تشدد پسند جماعت نے علانیہ اپنا پروپیگنڈا جاری رکھا - بنگال اور پنجاب میں بلوے ہوئے - اخبارات پر مقدمے چلائے گئے - عام جلسوں کے خلاف ایک خاص قانون نافذ کیا گیا - ہندوستان کی سیاسی فضا تشویش اور ابتری سے معمور نظر آتی تھی - آئندہ باب میں سیاسی خیالات کی مزید نشو و نما کا قصہ بیان کیا جائے گا -

وویکانند اور بہن نویدتا

اس زمانے میں سیاسیات کا رنگ ہندوستان کی تمدنی زندگی پر غالب نظر آتا تھا - دوسری تمدنی تحریکوں کی نسبت یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب ان پر بھی سیاسیات کا رنگ چڑھ رہا ہے - سیاسی تحریک میں آریہ سماج نے اپنے پیشوا لالہ لاجپت رائے کے ذریعے سے بہت نمایاں حصہ لیا - جن اصلاحی تحریکوں کا تعلق برھمو سماج سے تھا وہ اب گم ہوگئیں - جو لوگ قدیم ہندو دھرم کے پیرو تھے ، وہ بھی اپنے اندر قومی تحریک کا جذبہ محسوس کرتے تھے - قدیم ہندو دھرم اور ملک کے جدید خیالات کی تحریکوں میں

درمیانی فاصلہ اور فرق کم ہوتا گیا - سوامی ویویکانند (نرندرو ناتھ دت سنہ ۱۹۰۲-۱۸۶۳ع) نے مذھب کی کانفرنس میں جو سنہ ۱۸۹۳ع میں بمقام شکاگو منعقد ہوئی انگریزی زبان میں ویدانت کے فلسفے کو ایک نئے رنگ میں پیش کیا اور حاضرین پر بڑا اثر ڈالا - سوامی صاحب نے سری رام کرشن پرم ھنساوید ویداتنی کی (جو سنہ ۱۸۸۶ع میں انتقال کرگئے) شاگردی اختیار کرلی اور برھمو سماج سے اپنا تعلق ختم کردیا - رام کرشن کے نام سے ایک مشن کی بنیاد ڈالی گئی جس کا مقصد معاشرتی خدمت تھا - اس مشن کے لئے عالمگیر پروپیگنڈا کرنے کی کوشش کی گئی تھی جس کا پہلا نتیجہ یہ تھا کہ مس مارگریٹ نوبل [۱] جو ایک قابل انگریز خاتون تھیں " بہن نویدتا " [۲] کے نام سے مشن میں داخل کرلی گئیں - مس موصوفہ کلکتہ میں مشن کے معاشرتی کام میں شریک ہوگئیں - انہوں نے ہندو دیوتاؤں' ہندوؤں کے قدیم قصوں کہانیوں ' ہندو فنون لطیفہ ' اور زندگی کا ایک نیا مفہوم ایک دلاویز پیرایے میں پیش کیا - اس کے علاوہ انہوں نے معاشرتی رسوم کے متعلق ہندوؤں کے مذہبی خیالات کو ایک نیا رخ دکھایا - بہن نویدتا نے ہندو عورتوں میں اس طرح زندگی بسر کی کہ گویا وہ انھیں میں سے تھیں - یہ بجائے خود ایک ایسا اعلیٰ مشن تھا جس کا مفہوم عام طور پر لفظ " مشن " میں نہیں پایا جاتا - مشرقی بنگال کے قحط اور سیلاب (سنہ ۱۹۰۶ع) کی مصیبت کے زمانے میں انہوں نے عام ہمدردی اور خدمت ایسی کی کہ انکی یاد لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ باقی رہیگی - ان کی تصانیف میں حسب ذیل کتابیں قابل ذکر ہیں : " ہندوستانی زندگی کا جال " (سنہ ۱۹۰۳ع) - " ہندو مذہب کے گہوارے کی کہانیاں " (سنہ ۱۹۰۷ع) اور " ہندوستانی تاریخ کے نقوش قدم " (سنہ ۱۹۱۵ع) - سنہ ۱۹۱۱ع میں ان کے انتقال سے اس تحریک کو ایک افسوسناک صدمہ پہنچا - میرے نزدیک اس تحریک میں جو کچھ اہمیت ھے وہ زیادہ تر ہندوستان کے اندرونی جدید فضا کی وجہ سے ھے نہ کہ بیرون ہند کے اثرات کی وجہ سے - یہ ایک بڑی کامیابی ھے کہ اس تحریک نے بہن نویدتا جیسی خاتون کی شخصیت کو اپنے اندر جذب کرلیا - جو زندگی اس شائستہ اور بااخلاق

---

[۱]—Miss Margaret Noble

[۲]—Sister Nivedita

قانون نے ہندو گھرانوں میں ایک بیگانے کی طرح سے نہیں بلکہ یگانے کی طرح سے بسر کی اور جسے انھوں نے غریبوں کی خدمت کے لئے وقف رکھا اور جس خلوص سے انھوں نے ایک عملی مذہب کی تعلیم جو عقائد اور ذات پات کے امتیازات سے آزاد تھی حاصل کی اس نے ہندو خیالات میں ایک بڑی تبدیلی پیدا کردی -

بھگتی اور گیتا کی تحریکیں

برھمو سماج کی نصیحت آمیز تعلیم عقلی دلائل پر بنی تھی - اس کے خلاف جو ردعمل ہوا وہ بنگال کے اندر کئی صورتوں میں ظاہر ہوا - رد عمل کی اس تمام تحریک کو شاید بھگتی کی تحریک کہنا بےجا نہ ہوگا - اہل بنگال کے ضمیر میں جذبات کا جو زبردست مادہ ہے اس کی موافقت بھگتی کی تحریک سے زیادہ تھی ، یہ دراصل ویشنو مت کی قدیم روایات کا اگر سلسلہ نہیں تو ازسرنو زندگی ضرور تھی - پنڈت بجوجے کرشنا گوسوامی جو خود برھمو سماج کی تحریک سے دور ہوگئے تھے وہ بھگتی کے فلسفے کے ایک خاص مبلغ قرار دئے جاسکتے ہیں ، لیکن یہ کہنا بھی بجا ہے کہ اکثر صاحب بصیرت نے اپنی روحانی پیاس بجھانے کے لئے خشک عقلی دلائل کے مقابلے میں جو پہلی نسل میں رائج ہوگئے تھے اسی بھگتی کو زیادہ موزوں پایا ہے - بھگوت گیتا اصلی سرچشمہ ہے جس سے ان کی روحانی پیاس بجھتی ہے ، اور بھگتی یوگ ان کی زندگی کا طریقہ بیان کیا جاسکتا ہے - ایشور چندر ودیا ساگر (جو ایک پر جوش مصلح اور ماہر تعلیم تھے) گیتا کے مذہبی اصول کے حامی تھے - " اشوینی کمار دت " [۱] اور " مانورنجن گوہا ٹھاکرتا " [۲] انھیں اصول کے علم بردار تھے - ڈاکٹر رابندرا ناتھ ٹیگور کے خیالات میں بھی ہم اسی اثر کی جھلک پاتے ہیں گو ایک بڑے شاعر ہونے کی وجہ سے وہ ایک خاص جداگانہ حیثیت رکھتے ہیں اور وہ کسی جماعت کے نام کی تحت میں نہیں آسکتے -

تھا سونی اور مسز بیسنٹ

بہن نویدتا کے مقابلے میں مسز اینی بیسنٹ ایک بالکل مختلف خاتون

[۱]—Ashwi-ni Kumar Datta

[۲]—Manoranjan Guha-Thokurta

ہیں - ہندوستان میں مذہب اور سیاسیات پر ان کا اثر بہت زبردست رہا ہے - تھیاسوفیکل سوسائٹی کے صدر کی حیثیت سے وہ دنیا میں ایک ممتاز ہستی سمجھی جاتی ہیں - خاتون موصوفہ سنہ ۱۸۴۷ع میں بمقام لندن پیدا ہوئیں اور جب بڑی ہوئیں تو انھوں نے کلیسائی انگلستان کے ایک پادری سے شادی کی ' لیکن یہ شادی ناکام ثابت ہوئی - اس کے بعد انھوں نے چودہ سال (۱۸۷۴ — ۱۸۸۸ع تک چارلس بریڈلا [۱] کے ساتھ ملحدانہ تحریک کا سلسلہ بڑی زور کے ساتھ جاری رکھا - سنہ ۱۸۸۹ع میں انھوں نے اسی جوش کے ساتھ تھیاسوفی کا علم بلند کیا - تھیاسوفیکل سوسائٹی کی بنیاد امریکہ میں سنہ ۱۸۷۵ع میں میڈم ایچ - پی - بلاوتسکی [۲] نے ڈالی تھی - میڈم موصوفہ ایک امیر جرمن روسی خاندان سے تھیں - دنیا کے غیر معروف ملکوں کا جن میں تبت بھی شامل ہے بہت سفر کرچکی تھیں - اور بڑی تجربہ کار تھیں اور درویشانہ زندگی رکھتی تھیں انھوں نے اپنے زمانے کی اسپریچوئلزم (روحانیت)[۳] کی تحریک کو بالائے طاق رکھ کر یہ دعویٰ کیا کہ ان کے پاس مشرق کی قدیم دانش و حکمت کی بدولت پر اسرار حقیقت کی کلنجی ہے - ان کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ بعض روحانی ہستیاں اس پر اسرار حقیقت کی تلقین کرتی ہیں اور ہمالیہ کی مقدس زمین میں انسانوں کے ساتھ تعلقات پیدا کرتی ہیں - کرنل اُلکاٹ [۴] جنھوں نے ممالک متحدہ امریکہ کی فوج میں ملازمت کی تھی میڈم بلاوتسکی کے ساتھ شامل ہوگئے - انھوں نے سنہ ۱۸۷۹ع میں ہندوستان میں (اڈیار متصل مدراس) اپنا صدر مقام بنایا - اُن کا مقصد یہ تھا کہ ایک عالمگیر روحانی اخوت قائم کی جائے ' اور جو روحانی واقعات ان کی نظر میں تھے ان کی تائید ان کے خیال میں ہر مذہب سے ہوتی تھی ' لیکن اُن کے خیال میں دیگر مذاہب کے لوگوں نے ان کو غلط سمجھ رکھا تھا - تھیاسوفیکل سوسائٹی اپنے روحانی علم کی بنیاد قدرت ' سائنس ' فلسفہ اور اعلیٰ آدمیوں کے باطنی ادراک میں تلاش کرتی ہے - فلسفے میں یہ اپنشدوں اور سانکھیا ' یوگا اور ویدانتا ان تین قدیم فرقوں سے

---

[۱]—Charles Bradlaugh

[۲]—Madame H. P. Blavatsky

[۳]—Spiritualism

[۴]—Colonel Olcott

روحانی تلقین حاصل کرتی ہے ، لیکن زندہ عالمگیر اُستادوں کے وجود پر زور دیتی ہے - ایسے اُستاد نہ صرف روحانی دنیا میں موجود ہوتے ہیں بلکہ انسانی قالب میں بھی ظہور میں آتے ہیں - اس سوسائٹی کے اصول کا اس طرح بیان کرنا بےجا نہ ہوگا کہ باطنی دانائی اہل معرفت یا مہاتما سکھاتے ہیں ، وہ ایک دوسرے سے تعلق قائم رکھتے ہیں اور تعلیم پھیلانے کے لئے موزوں اور مناسب لوگوں کو ذریعہ بناتے ہیں - ہندوستان میں تھیاسوفی میں مسز بسنٹ کا شریک ہوجانا اس تحریک کے لئے نہایت مفید ثابت ہوا - سنہ ۱۹۰۸ع میں کرنل اُلکاٹ کے انتقال پر وہ سوسائٹی کی صدر منتخب ہوئیں - اس دوران میں انہوں نے سنہ ۱۸۹۸ع میں بنارس میں سنٹرل ہندو کالج جاری کیا جس کے ذریعے سے ہندو دھرم کی جدید تحریک کے ساتھ ساتھ دور حاضرہ کے علوم اور سائنس کی تعلیم کا ایک مرکز قائم ہوگیا - یہ کالج بڑھا اور پھلا پھولا اور سنہ ۱۹۱۶ع میں ہندو یونیورسٹی کے درجے تک پہنچ گیا - انہوں نے ہندوستان کی قوم پرست جماعت کی سیاسیات میں بھی حصہ لیا - لیکن ان کی سیاسی سرگرمیوں کا ذکر لازمی طور پر آئندہ باب میں آئے گا - بنارس میں ہندو لڑکیوں کا مرکزی مدرسہ (سنہ ۱۹۰۴ع) ان کی اس خدمت کا ایک زندہ نشان ہے جو انہوں نے ہندوستان کی عورتوں کے لئے انجام دی ہیں -

قادیانی یا احمدیہ تحریک

اس میں مسلمانوں کی مذہبی تحریکوں میں سب سے اہم تحریک وہ تھی جو قادیان ضلع گرداسپور پنجاب نے شروع کی - ایک پہلو سے یہ آریہ سماج کے مقابلے میں جس نے سر گرمی کے ساتھ دوسرے مذاہب کے آدمیوں کو آریہ بنانے کا پروپیگنڈا جاری کر رکھا تھا مدافعانہ تحریک تھی - لیکن اُس کا دائرۂ عمل زیادہ وسیع تھا - عقائد کے معاملے میں احمدیہ تحریک عام مسلمانوں سے بہت کم باتوں میں اختلاف کرتی ہے ، لیکن اس کی طاقت کا انحصار اس کے معاشرتی نظام اور اس کے پروپیگنڈے پر ہے جسے بہت کچھہ کامیابی حاصل ہوئی ہے - اس تحریک کے بانی مرزا غلام احمد صاحب (۱۸۳۹ـــ۱۹۰۸ع) جن کے نام سے یہ تحریک احمدیہ کہلاتی ہے مذہبی عقائد کے ایک زبردست شارح تھے - انہوں نے سنہ ۱۸۸۰ع میں ایک کتاب "براہین احمدیہ" لکھی - سنہ ۱۸۸۹ع سے انہوں نے صوفی پیروں کی طرح

بیعت لینی شروع کی ' اور اسی سنہ میں احمدیہ تحریک کا آغاز ایک جدا گانہ نظام کی حیثیت سے سمجھنا چاہئیے - سنہ ۱۸۹۱ع میں انہوں نے مسیح موعود یعنی دوسرے احمد ہونے کا دعوی کیا جن کے متعلق مسلمانوں کی مذہبی کتابوں میں پیشینگوئی کی گئی ہے - اس دعوے سے مسلمانوں ' آریہ سماجیوں ' اور عیسائیوں سے ان کی شدید بحث کا سلسلہ چھڑ گیا - سنہ ۱۹۰۴ع میں انہوں نے یہ دعوی کیا کہ وہ مہاراج کرشن کامروز یا اوتار ہیں - بہت سے لوگ زیادہ تر پنجاب میں احمدیہ تحریک میں شامل ہوگئے - احمدیہ جماعت تعلیم اور اصلاح معاشرت کا بہت کچھہ کام کررہی ہے اور اس نے دور دراز کے مقامات میں اپنے مشن قائم کر رکھے ہیں - سنہ ۱۹۱۳ع میں احمدیہ جماعت کے اندر مستقل اختلاف کی صورت پیدا ہوگئی - احمدیوں کی لاہوری شاخ نے قادیان کی بڑی جماعت سے اپنا تعلق منقطع کرلیا اور مرزا غلام احمد صاحب کو صرف مجدد کا درجہ دیا - اس طرح وہ مسلمانوں کی عام جماعتوں کے زیادہ قریب آگئے -

تعلیمی ترقی کے پہلو

اس دور میں تعلیمی تاریخ کے تین قابل ذکر پہلو ہیں - اول تو تعلیم کا میدان وسیع کیا گیا اور اس اصلاح پر زور دیا گیا کہ تعلیم اچھی قسم کی ہو - دوم لندن یونیورسٹی کے جس اصلی اصول کو (جو صرف امتحان لینےوالی مجلس تھی) ہم نے اختیار کیا تھا اس کی ترمیم میں بہت کچھہ ترقی ہوئی اور تعلیم میں ہندوستانی اور مشرقی خیالات نمایاں ہونے لگے - سوم غیر سرکاری اثرات اور تعلیمی اداروں نے تعلیمی معاملات میں زیادہ حصہ لینا شروع کیا - اگرچہ بظاہر ممکن ہے مذکورہ بالا امور کے باعث سرکاری معیار سے تعلیم کے نتیجہ خیز ہونے میں کسی قدر فرق آگیا ہو لیکن بحیثیت مجموعی اس تغیر کی بدولت یہ اثر جلد ظہور میں آیا کہ بجائے اس کے کہ تعلیم کے معاملے میں صرف غیر ملکی خیالات کی تفصیلات کا بار لوگوں کے دماغ پر ڈالا جائے - ان کے دلوں میں ہماری تعلیم نے ہمارے خیالات کا عکس دکھانا شروع کردیا -

پنجاب اور الہ آباد کی دو نئی یونیورسٹیاں :
فرقہ وار اور مذہبی تعلیم

دو نئی یونیورسٹیاں اب تعلیمی میدان میں کام کرتی تھیں یعنی

پنجاب یونیورسٹی جو سنہ ۱۸۸۲ع میں اور الہ آباد یونیورسٹی جو سنہ ۱۸۸۷ع میں قائم ہوئی ۔ ان دونوں یونیورسٹیوں نے ہندوستانی تمدن کے قدیم ترین مقامات کا سراغ لگایا اور انہوں نے بعض ایسے اصول پر نشو و نما کے مدارج طے کئے جو پریزیڈنسی یونیورسٹیوں کے اصول سے مختلف تھے - پنجاب یونیورسٹی کو فروغ دینے والوں نے اس یونیورسٹی کے متعلق اس خیال کو اپنے دل میں جگہ دی تھی کہ یہ تین جداگانہ فرائض انجام دے گی - ایک اعلی درجے کی علمی مجلس کی حیثیت سے جو لوگوں کے علمی مذاق اور ادب کو ترقی دے - دوم ایک اعلیٰ درجے کی تعلیم دینے والی جماعت کی حیثیت سے جو تعلیم کا ایک ایسا معیار قائم کرے جس کا رنگ اوپر سے نیچے تک تمام درس گاہوں میں نظر آئے - سوم ایک اعلیٰ درجے کی امتحان لینے والی جماعت کی حیثیت سے جو اپنے مذکورہ دو فرائض کے نتائج کا اندازہ لگائے - اول اول اس سوال پر کسی قدر بحث ہوئی کہ آیا پنجاب یونیورسٹی صرف مشرقی علوم کو ترقی دے ، لیکن پھر یہ دانشمندانہ فیصلہ کیا گیا کہ یہ دیسی زبانوں کے ذریعے سے مغربی علم کی اشاعت کرے اور قدیم اور مستند مشرقی ادبیات کے مطالعے کو ترقی دے - تعلیم کے متعلق پنجاب یونیورسٹی کے خیالات اور ارادوں میں پرانی یونیورسٹیوں کے عمل سے ایک حد تک ضرور فرق آگیا ، لیکن مسلمانوں ، آریوں اور بعد میں سکھوں کے فرقہ وار مدرسوں اور کالجوں کے قیام سے مذہبی تعلیم کو رواج دینے کی صورت پیدا ہوگئی - مگر ان درسگاہوں میں مذہبی یا اخلاقی تعلیم کو منظم کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی گئی - نہ ایسا کرنا ممکن تھا - اس سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا عملی صورت میں مذہبی فرقہ وار درسگاہوں کے قائم کرنے سے عام لوگوں میں اتحاد کی کارروائی (جس کو سنہ ۱۸۸۵ع سے سیاسی لیڈر دل سے چاہتے تھے) رک تو نہیں گئی - الہ آباد یونیورسٹی کے ماتحت علیگڈھ کا مسلم کالج اور بنارس کا ہندو کالج اپنے اپنے نقطۂ خیال کے مطابق کام کرتے رہے - لیکن ان کے نقطہ ہائے خیال ایک دوسرے سے اس قدر مختلف ہوئے کہ آخرکار وہ علیحدہ علیحدہ یونیورسٹیاں بن گئیں -

قدیم یونیورسٹیاں : دیگر تمدنی اثرات

قدیم یونیورسٹیوں نے بھی بہت سی مفید اصلاحات کیں - بمبئی نے سنہ ۱۸۸۰ع کے قریب "بیچلر آف سائنس" کی ڈگری قائم کی جو کلکتہ

میں آرٹس ڈگری کے شعبہ سائنس کے برابر تھی - کلکتہ یونیورسٹی نے آمرز کے نصاب قائم کئے - مدراس نے لائسنشی ایٹ ان ٹیچنگ [۱] (سنہ ۱۸۸۹ع) کی ڈگری یعنی تعلیم دینے کی سند کی ڈگری قائم کی اور اس طور پر تعلیم کی علمی اور عملی صورت کو باقاعدہ کرنے کا راستہ صاف کردیا - ہر جگہ لوگوں کی خواہش یہ تھی کہ ایک مقررہ امتحان میں مضامین کی تعداد کم ہو اور اس بات پر زور دیا جائے کہ علم زیادہ صحیح اور پورا پورا ہو - ہر علم میں یکسوی اور خاص مہارت کا پیدا کرنا ضروری ہوگیا ' اور قانون طب اور انجنیرنگ کے پیشوں کے تعلیم میں پہلے کی بہ نسبت اعلی معیار مدنظر رکھے گئے - مشرقی علوم کی تعلیم بھی بطور ایک خاص چیز کے قرار دی گئی اور ان کی تحقیق و تلقین میں ہندوستانی خود رہنمائی کرنے لگے - بنگال کے ڈاکٹر راجندرا لال مترا (۹۱—۱۸۲۴ع) کے علم و فضل کا لباس اب بمبئی کے ڈاکٹر رام کرشن گوپال بھنڈارکر (۹۱—۱۸۲۴ع) کے جسم پر نظر آنے لگا - بھنڈارکر انسٹیٹیوٹ جس کی بنیاد سنہ ۱۹۱۷ع میں ڈالی گئی اور آل انڈیا اورینٹل کانفرنس جس کا سالانہ اجلاس انسٹیٹیوٹ کے زیر اہتمام سنہ ۱۹۱۹ع میں شروع ہوا ان کے نام کی یاد کو تازہ رکھتے ہیں - سنسکرت کے آثار قدیمہ اور مرہٹی تاریخ میں کاشی ناتھ ترمبک تیلانگ [۲] (۱۸۵۰—۱۸۹۴ع) کی تحقیق ' اور فارسی ادب ' اسلامی تاریخ اور تنقید ادب اردو میں مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷—۱۹۱۴ع) کی سرکاری یونیورسٹی کی کسی درسگاہ میں تعلیم نہیں پائی تھی لیکن ان کی تصانیف کے نتائج گہرے اور دیرپا ہیں - فنون لطیفہ کے مدارس میں لاہور کے آرٹس سکول نے مسٹر لاک وڈ کپلنگ [۳] کے ماتحت (جو انگریزی شاعر رڈیارڈ کپلنگ [۴] کے باپ تھے) اس ملک کے موجودہ فنون کے مطالعہ اور تحقیق میں بہت کچھ حصہ لیا - اس مدرسہ نے ہندوستانی دستکاریوں کی ان شاخوں کی طرف توجہ کی جو فن کے اعتبار سے اعلی درجہ رکھتی تھیں اور نیز فنون لطیفہ کے خاکے اور نقشے تیار کرنے کے اصول کی تعلیم میں بھی کوشش کی - اس کا یہ بھی مقصد تھا کہ وہ فنون لطیفہ کا ایک مرکز بن جائے

---

[۱]—Licentiate in Teaching
[۲]—Kashinath Trimbak Telang
[۳]—Mr. Lockwood Kipling
[۴]—Rudyard Kipling

اور اپنے صوبے میں فنون لطیفہ کی کاریگری کے شعبوں کے لیے روشن خیال
تنقید اور مشورے کا ذریعہ بن جائے - چنانچہ کلکتہ اور بمبئی کے آرٹس سکول
اس مقصد میں بعد کے دور میں کسی قدر کامیاب ہوئے ہیں -

روی ورما [۱] کا خداداد ہنر

اس زمانے میں لاہور , کلکتہ ، بمبئی اور مدراس کے مدارس فنون لطیفہ
تندہی کے ساتھ فن کی ایک جدید روایت کی عمارت تعمیر کررہے تھے ، اور
ایک طرف یہ کوشش کرتے تھے کہ غیر ملکی نمونوں کی تقلید سے بچیں اور
دوسری طرف یہ کہ ملکی فنون میں بوجہ غفلت کے جو قوت اور زندہ دلی
گم ہوگئی تھی اس کو تازہ کیا جائے - اسی اثنا میں تراونکور کے ایک دور
افتادہ گوشے سے ایک مصور اٹھا جس نے مصوری میں کوئی تعلیم یا تربیت
نہیں پائی تھی - اس مصور کی بہت بڑی ہردلعزیزی سے یہ ثابت ہوتا ھے
کہ اس نے ہندوؤں کے قومی مذاق کو پہچان لیا تھا اور اپنے فن میں جذب
کرلیا تھا - روي ورما سنہ ۱۸۴۸ع میں پیدا ہوئے - ان کے چچا راجا ورما ایک
مصور تھے جن کی تراونکور کے دربار میں رسائی تھی - روي ورما نے چودہ سال
کی عمر میں بغیر کسی باقاعدہ تعلیم کے آب آمیز رنگوں سے تصویریں بنانی
شروع کردیں - آخرکار انہوں نے روغن آمیز رنگوں میں بھی تصویریں بنانا
شروع کردیا - سنہ ۱۸۷۳ع میں روی ورما کی تصویریں صنعتی سکول مدراس
کے ایک انگریز سپرنٹنڈنٹ کے ملاحظہ سے گذریں جن کو تراونکور جانے کا اتفاق
ہوا تھا - اس کے ذریعے سے روي ورما کا کام دنیا کے سامنے آیا - سنہ ۱۸۷۴ع
میں ان کی تصویریں مدراس کی نمائش فنون لطیفہ میں پیش کی گئیں
اور انھیں ایک نائر خاتون کی تصویر پر (جس میں وہ اپنے آپ کو چنبیلي کے
ہار سے آراستہ کرتی تھي) گورنر نے تمغہ دیا - اب انہوں نے تینوں قسم کی
تصویریں بنانے کا سلسلہ جاري رکھا یعنی کردار نگاري کی تصویریں ، شبیہ اور
دیوتاؤں کی کہانیوں کی تصویریں - سنہ ۱۸۷۸ع میں انہوں نے گورنر مدراس
کی ایک شبیہ کھینچی - اس کے بعد انہیں بڑودہ اور میسور کی ریاستوں میں
تصویر بنانے کا کام معقول اجرت پر ملا - پبلک میں ہندو دیوتاؤں کی کہانیوں
کی تصویروں کی بڑی مانگ پیدا ہوئی - ان کی تصویروں کی روغنی نقلیں

Ravi Warma—[۱]

جو ایک ارزاں طریقے سے چھاپی جاتی تھیں مگر فن کے لحاظ سے عمدہ نہ تھیں بازاروں میں کثرت سے فروخت ہونے لگیں - سنہ ۱۹۰۶ع میں ان کا انتقال ہوا - اس وقت تک ہندو دنیا میں ان کی شہرت کا ڈنکا اچھی طرح سے بج چکا تھا - ڈاکٹر کو مارا سوامی جیسے ماہرین کی نکتہ چینی کے باوجود روی ورما کی عام مقبولیت قابل توجہ ہے گو ان کے کام کو بقائے دوام کا وہ امتیاز حاصل نہیں ہوگا جو " بنگال سکول آف انڈین آرٹ " کے کام اور فنون لطیفہ کے دیگر کام کو ہے جن کا ہم آئندہ باب میں ذکر کریں گے -

سنہ ۱۹۰۴ع میں تعلیمی پالیسی

ہم لارڈ کرزن کے یونیورسٹی کمیشن سنہ ۱۹۰۲ع کا پہلے ہی ذکر کرچکے ہیں - سنہ ۱۹۰۴ع کے یونیورسٹیز ایکٹ کو تعلیمی پالیسی کے متعلق حکومت ہند کی تجویز مورخہ ۱۱ مارچ سنہ ۱۹۰۴ع کے ساتھ پڑھنا چاہئے - اس تجویز میں تعلیم کے پورے میدان پر ایک وسیع نظر ڈالی گئی - اس نے اس امر کی طرف خاص توجہ دلائی کہ ابتدائی تعلیم پر اب تک پوری کوشش نہیں کی گئی تھی اور اس کے لئے سرمایے کا کافی حصہ نہیں دیا گیا تھا - ثانوی تعلیم کی نسبت اس قرارداد نے یہ نکتہ چینی کی کہ اس کا تعلق ادبی مضامین سے بہت زیادہ رہا ہے ، اور یہ مشورہ دیا کہ آئندہ کے لئے تعلیم کے اس شعبے کو صنعت و حرفت کی طرف منسوب کرنا چاہئے - اعلیٰ صنعتی تعلیم ، ممالک غیر میں تعلیم پانے کے لئے صنعتی وظائف ، حرفتی مدارس ، تجارتی اور زراعتی تعلیم ، اور معلمین کی تربیت کے کالج اور بورڈنگ ہاؤس ان سب امور پر توجہ کی گئی - مرکزی حکومت میں تعلیم کا ایک نیا محکمہ قائم کیا گیا - لیکن لارڈ کرزن کی غیر ہردلعزیزی سے اور اس بدگمانی سے (جو دوسرے مباحث نے لوگوں کے دلوں میں پیدا کردی تھی) اصلاح اور ترقی کا وہ خواب (جس کا خاکہ بنایا گیا تھا) پورا نہ ہوسکا -

تعلیم میں " اپنی مدد آپ " کا جذبہ

تعلیم پر ہندوستان کے غیر سرکاری مردوں اور عورتوں کا اثر نمایاں طور پر نظر آنے لگا - بعض یونیورسٹیوں میں ہندوستانیوں کو وائس چانسلر کے عہدے پر مامور کیا گیا - اس سے یونیورسٹیوں کا کام ہندوستانی زندگی اور ہندوستانی خیالات سے زیادہ وابستہ کیا گیا - بمبئی یونیورسٹی کے سالانہ جلسہ تقسیم

اسناد منعقدہ سنہ ۱۹۰۹ع اور سنہ ۱۹۱۰ع میں ڈاکٹر ان - جی - چندا ورکر کے خطبات صدارت کی یاد ابھی تک تازہ ہے جن میں سامعین کو اس امر کی طرف توجہ دلائی گئی کہ وہ ہندوستان کے موجودہ حالات کو اعلیٰ ترین خیالات سے وابستہ رکھیں - جسٹس راناڈے ہمیشہ تعلیم یافتہ ہندوستانیوں کو اقتصادیات کے مطالعہ اور حرفتی نظام کی ضرورت کی طرف توجہ دلاتے رہے ، اور ان کی بیوی مسز راما بائی راناڈے نے سنہ ۱۹۱۰ع میں اپنی اور اپنے شوہر کی زندگی کی بعض یادداشتیں مرھٹی زبان میں شایع کیں جن میں اس اثر کا صحیح خاکہ دیسی زبان میں کھینچا گیا جسے عورتوں نے ہندوستان میں عام لوگوں پر ڈالنا شروع کردیا تھا - بعد کے زمانے میں ڈاکٹر اشو توش مکرجی (۱۹۲۴—۱۸۶۴ع) کلکتہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر کی حیثیت سے بنگال کے تمام شعبۂ تعلیم پر حاوی رہے - کلکتہ یونیورسٹی کے لئے ڈاکٹر راس بہاری گھوش کے شاندار عطیے مشہور اور ضرب‌المثل ہوگئے ہیں - ڈاکٹر موصوف اُن لوگوں میں سے تھے جنھوں نے سنہ ۱۹۰۴ع میں سائنس اور حرفت کی تعلیم کی ترقی کے لئے انجمن کی بنیاد ڈالی ، اور سنہ ۱۹۰۵ع میں بنگال میں تعلیم کی قومی کونسل قائم کی - وہ بنگالی تکنیکل انسٹیٹوٹ کے پریزیڈنٹ بھی تھے - یہ انسٹیٹیوٹ سنہ ۱۹۰۶ع میں جاری کیا گیا تھا جس کے لئے سر تارک ناتھہ پالیت[۱] نے ایک گراں قدر عطیہ دیا تھا - ڈاکٹر گھوش اور سر تارک ناتھہ پالیت دونوں مرتے وقت تعلیم کے لئے بہت بڑی رقمیں چھوڑ گئے - نہ صرف بنگال بلکہ تمام ہندوستان میں تعلیمی معاملات میں اور نیز حیات عامہ کے انتظامی معاملات میں "اپنی مدد آپ" کا ایک نیا جذبہ ہندوستانیوں کے دلوں میں جاگزیں ہوگیا - پونا کا فرگسن کالج جس کی بنیاد سنہ ۱۸۸۴ع میں تعلیم کے لئے ایثار نفس کے اصول پر ڈالی گئی تھی مسٹر تلک[۲] ، مسٹر گوکھلے [۳] اور ڈاکٹر پرانجپے [۴] کے معزز ناموں سے وابستہ ہے -

---

Sir Taraknath Palit—[۱]
Mr. Tilak—[۲]
Mr. Gokhale—[۳]
Dr. Paranjpye—[۴]

بنگالی میں ادبی تحریکات

اس زمانے کے دوران میں اہل بنگال سیاسی شورش میں اس قدر منہمک تھے کہ ادب میں نئے ناموں کے پیدا ہونے کی بہت کم گنجائش تھی - بنکم چندر چٹر جی اپنی زندگی کے آخری سال (سنہ ۱۸۹۴ع) تک میدان کے شہسوار رہے - انھوں نے کرشنا مت کے اصول کو اعلیٰ ترین خیالات کے پیرائے میں بیان کیا تھا - اس سے ویشنو مذہب کی بھکتی کی تحریک کو ایک خوبصورت ادبی صورت حاصل ہوئی - اس تحریک کے اور پہلوؤں کا ذکر پہلے آ چکا ہے - بنکم چندر چٹرجی کی بعد کی تصنیفات کی نسبت یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہندو سیاسیات کو انھوں نے ادبی صورت میں بیان کیا ہے - دویجندرا لال رائے اور رابندرا ناتھہ ٹیگور جیسے نوجوان مصنف اب سامنے کی صف میں آرہے تھے ، اور بنگالی ادب کے لئے عظیم‌الشان شہرت حاصل کرنے کا راستہ تیار کر رہے تھے - بنگال کی ذہن طباعی ایسے ادبی کھیل تیار کر رہی تھی جن کی اہمیت صرف مقامی یا چند روزہ نہ تھی بلکہ دیرپا اور تمام ہندوستان کے لئے تھی - اب اس ڈرامے کا رجحان قوم کے اندرونی حالات کی تنقید کی طرف ہوا ، اور وہ ہندو مذہب کے کمزور پہلوؤں پر نکتہ چینی کرنے سے نہیں ڈرتا تھا - اس ڈرامے کے پلاٹ تاریخ سے اخذ کئے جاتے تھے مگر پروپیگنڈا کے اغراض کے لئے واقعات میں کچھہ توڑ موڑ کی جاتی تھی - مذہبی اور سیاسی اصلاح کے لئے ڈرامے کو آلہ‌کار بنایا جاتا تھا - سدیشی اندولن[۱] کی تحریک سنہ ۷-۱۹۰۴ع کے زمانے میں ایک نہ رکنے والے سیلاب کی طرح تمام بنگال میں پھیل گئی تھی - اس کا فوری سبب تقسیم بنگال تھا اور اس کا فوری مقصود یہ تھا کہ برطانوی مال کا بائیکاٹ کیا جائے - یہ گویا تقسیم بنگال کی منسوخی کے لئے ایک سیاسی دباؤ تھا - لیکن اس کے حقیقی اسباب اور اس کے آخری نتائج کی جڑیں بہت دور تک چلی گئی تھیں - اس تحریک نے ادبی ، مذہبی اور فنون لطیفہ کے پہلو اختیار کئے - اور اس کی اہمیت تمام ہندوستان کے لئے محسوس ہونے لگی جیسا تقسیم بنگال کی تنسیخ سے بہت عرصے کے بعد صاف طور پر ظاہر ہوا - اس لئے بہتر ہوگا کہ دویجندرا لال رائے اور رابندر ناتھہ ٹیگور کے تذکرے کو آئندہ باب تک ملتوی رکھا جائے -

---

Swadeshi Andolan—[۱]

اردو میں جدید خمیر

اردو ادب میں خیالات کی وہی وسعت اور انگریزی یا یورپین تمدن کے غلبہ سے وہی بغاوت اب بھی نظر آتی ہے لیکن اس قدر زیادہ اور سخت نہ تھی - بنگال کی ہندو تحریک کے کچھ بعد ہی اس کا زمانہ آیا مگر اس میں اس قدر یکسوئی اور مرکزیت کی صفت نہ تھی - اگر اردو تھیٹر پر فن ادب معاشرتی نکتہ چینی ، یا قومی زندگی میں جدید خیالات کے عکس کے معیار سے نظر ڈالی جائے تو اس تھیٹر کا درجہ گھٹ گیا تھا - ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان روز افزوں سیاسی اختلاف کی وجہ سے دونوں قومیں ملک کے اہم مسائل کا تصفیہ کرنے میں ایک متحدہ ذہنی مرکز قائم نہ کرسکیں - انگریزی تعلیم ، اور اخبار نویسی کی بہت بڑی ترقی ، اور انگریزی مشترکہ زبان کے ذریعے سے حیات عامہ کے مختلف شعبوں میں ہندوستانیوں کے بڑھتے ہوئے حصے نے اردو کے راستے میں مزید رکاوٹ ڈال دی -

مولانا شبلی نعمانی

مولانا شبلی نعمانی (۱۸۵۷—۱۹۱۴ع) کا اگرچہ سب سے بڑا ادبی کارنامہ اِس زمانے سے تعلق رکھتا ہے لیکن وہ دراصل اپنی فطرت کے لحاظ سے اس سے پہلے زمانے کے تھے - وہ انگریزی نہیں جانتے تھے لیکن ایک بڑے سیاح تھے - تمام اسلامی ممالک کی موجودہ تمدنی تحریکوں میں ان کی دلچسپی گہری ہوتی تھی اور ان کا علم صحیح ہوتا تھا - انھوں نے تنقید میں اعلیٰ درجے کی استعداد پیدا کر رکھی تھی - ادب اردو میں ان کی بہترین کتابیں وہی ہیں جو ادبی اور تاریخی تنقید پر لکھی گئی تھیں - اس میدان میں انھوں نے ایک نیا معیار قائم کیا - ان کی کتاب " موازنہ انیس و دبیر " نے اردو پڑھنے والوں کو ادبی تنقید کے ان قواعد کی طرف توجہ دلائی جن کا شخصیتوں سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہئے - ان کے موازنے نے یہ دکھا دیا کہ ایک جچا تلا فیصلہ (جس میں غیر جانبدارانہ انداز میں دو حریف شاعروں کے کلام پر تنقید کی گئی ہے اور انفرادی طور پر ہر شاعر یا مصنف کی طاقت اور کمزوری کے تمام پہلو دکھائے گئے ہیں) کسی ادبی کام کو بہ نظر تحسین دیکھنے کے لئے کس قدر ضروری ہے - انھوں نے اپنی " شعرالعجم " میں ان وسیع مسائل پر بحث کی ہے جو ایرانی شاعری کے مطالعے اور تحقیق سے پیدا ہوتے

ہیں - مطالعہ اور تحقیق کا یہ جذبہ ایک پرانی ڈگر پر قائم ہوگیا تھا - ادبی تنقید میں لکھنؤ کے پنڈت برج نرائن چکبست نے (جو سنہ ۱۸۸۲ع میں پیدا ہوے) اور خود بھی شاعر تھے اردو کے لئے ویسی ہی خدمات انجام دیں - چکبست کو اس خدمت کے انجام دینے میں یہ سہولت حاصل تھی کہ وہ اردو کے علاوہ انگریزی کے بھی عالم تھے - تاریخی تنقید میں "رسائل شبلی" کا پایہ بہت بلند ہے - انہوں نے جو تاریخی سوانح عمریاں لکھیں ان میں "المامون" اور "الفاروق" تو مکمل تھیں لیکن "سیرت‌النبی" نامکمل رہی - ان سوانح‌عمریوں میں یہ صفت پائی جاتی ہے کہ ایک طرف تو تاریخی حالات کو چھان بین کے بعد بیان کیا گیا ہے لیکن دوسری طرف منصفانہ اور مودبانہ بحث ان مسائل پر بھی کی گئی ہے جن کا مذہبی مورخ کو مثل اور مورخوں کے حل کرنا لازم ہے - انہوں نے ندوۃالعلما کے قیام اور انتظام سے علماے اسلام کی جماعت کا جدید خیالات اور جدید علوم اور نیز انگریزی تعلیم سے تعلق پیدا کیا - اعظم گڈہ میں دارلمصنفین علمی تحقیق کا ایک مرکز ہے جو مولانا شبلی کی یاد کو تازہ رکھتا ہے اور جہاں سید سلیمان ندوی کی سر پرستی اور دانشمندانہ رہنمائی میں ان کے کام کے سلسلے کو ترقی دی جارہی ہے -

شرر : ان کی زندگی کے دلچسپ پہلو

لکھنؤ کے مولوی عبدالحلیم شرر (سنہ ۱۹۲۶—۱۸۶۰ع) جدید اردو نثر کے قادر الکلام اشخاص میں ایک بلند پایہ رکھتے ہیں لیکن وہ ایک اخبار نویس ، ماہر تعلیم ، سیاح ، اور مذہبی اور معاشرتی مصلح بھی تھے - گو ان کی سرگرمیوں کا دائرہ وسیع تھا لیکن بدقسمتی سے انہوں نے غور و فکر کرنے والی جماعت قائم کرنے کے لئے کوئی بڑا حلقہ نہ بنایا - ان کی شہرت زیادہ تر ان کے ناولوں سے ہے - انہوں نے تاریخی ناولوں کا ایک طویل سلسلہ لکھا اور ان میں بہت سے ان کے رسالوں میں سلسلہ وار شایع ہوتے تھے - ان کی پرورش اور تربیت اودہ کے شاہی خاندان کے شہزادوں کے ساتھہ ہوئی تھی جو ترک وطن کے بعد کلکتہ کے مٹیا برج میں رہتے تھے - اس لئے انہوں نے نہ صرف ایسے دربار کی علمی روایات کا جہاں اردو بولی جاتی تھی اثر قبول کیا بلکہ ایسے ایرانیوں کے ساتھہ ذاتی اور بےتکلفانہ میل جول قائم رکھنے سے (جو مٹیا برج میں آیا کرتے تھے) زمانہ حال کی فارسی میں اچھی خاصی استعداد پیدا کرلی - انہوں نے

عربوں کے ساتھہ ذاتی میل جول کے ذریعے سے روز مرہ کی عربی بول چال میں بھی اچھی مہارت پیدا کرلی - سنہ ۹۴--۱۸۹۳ع کے عرصے میں وہ حیدرآباد کے نواب وقارالامرا کے ایک بیٹے کے ہمراہ اتالیق کی حیثیت سے انگلستان تشریف لے گئے - مبدء فیاض سے انہیں مشاہدے کی قوت اور غیر معمولی ذہانت کا جوہر عطا ہوا تھا - ان اوصاف کے ساتھہ وہ ایک اخبارنویس اور ناول نویس کی حیثیت سے ایک مسلمہ شہرت رکھتے تھے - ان تمام باتوں کی بدولت انہوں نے مغرب کے علمی طریقوں سے فائدہ اٹھایا اور اپنی دلچسپیوں کے دائرے کو زیادہ وسیع کیا - انہوں نے فرانسیسی زبان بھی سیکھی - اس کے بعد انہوں نے ریاست حیدرآباد کے محکمۂ تعلیم میں ملازمت کی (۹۰--۱۹۰۸ع) لیکن لکھنؤ ہمیشہ ان کی دلبستگیوں کا اور ان مقاصد کا مرکز رہا جو ان کے دل میں جاگزیں تھے - اپنی زندگی کے ابتدائی دور میں وہ وہابی عقائد کی سادگی سے متاثر ہوئے - بعد میں انہوں نے تصوف پر مضامین لکھے ' اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا دل تصوف کی طرف مائل ہو گیا تھا - جس آزادی کے ساتھہ انہوں نے حضرت سکینہ بنت حسین جیسی مقدس ہستی کی زندگی کے حالات لکھے ان سے مذہبی لوگوں کے جذبات کو صدمہ پہنچا - انہوں نے اپنے ' ماہوار رسالہ "پردۂ عصمت" (سنہ ۱۹۰۰ع) اور اس کے بعد میں یہ تحریک پیش کی کہ پردے کی سختی کم کر دی جائے اور اس سے ان میں قدیم عقیدے کے مسلمانوں میں اور زیادہ اختلاف پیدا ہوگیا - انہوں نے اپنے پانزدہ روزہ رسالہ "اتحاد" کے ذریعے سے ہندوؤں اور مسلمانوں کے درمیان مصالحت پیدا کرنے کی کوشش کی لیکن اس بنا پر نہ مسلمان ان سے خوش ہوئے اور نہ ہندو اور اس طرح اپنی زبردست قابلیت کے باوجود آخری وقت تک اپنا کوئی باأثر معاون پیدا نہ کرسکے -

ان کے تاریخی ناول

مولانا شرر نے اپنی تاریخی تحقیق کا سلسلہ جاری رکھا جس سے اردو لٹریچر کو بہت فائدہ ہوا - یہ تحقیق مولانا شبلی کی تحقیق سے ایک جداگانہ حیثیت رکھتی تھی - مولانا شبلی ایک عالم شخص تھے اور مولانا شرر ایک تخیل والے مصنف جن کی طرز تحریر نہایت دلچسپ اور ہردلعزیز تھی - مولانا شرر کا اگر مقابلہ ہوسکتا ہے تو بنگال کے بنکم چندر چٹرجی سے جن کے ناول "درگیش نندنی" کا مولانا شرر نے ۱۸۹۹ع میں ترجمہ کیا تھا - ناول نویسی

کے تمام کمالات یعنی کردار نگاری، پلاٹ کی عمدہ ترتیب، دلچسپی کے قیام، قصہ کی روانی اور تاریخی واقعات کے مناظر کی تصویر کھینچنے میں مولانا شرر اس مقابلے میں آسانی کے ساتھ کامیاب ہوسکتے ہیں - مولانا شرر بنگالی نویسوں کے مقابلے میں تاریخی واقعات کے اظہار میں توڑ موڑ سے کم کام لیتے تھے - اس لئے کہ ان کی غرض ملکی معاملات میں کوئی خاص اثر پیدا کرنے کی نہ تھی - اس کے برعکس بنگال کے تمام ادبی فضا ناولوں اور ڈراموں دونوں میں تاریخ کے ایسے نام نہاد واقعات سے معمور تھی، جو سیاسی اور مذہبی پہلو سے ہندو قوم کی شوکت و عظمت کو ایک مبالغہ آمیز رنگ میں دکھانا چاہتے تھے - ایک پہلو سے (جو ہندوستانی نقطۂ خیال سے بہت اہم ہے) مولانا شرر اپنے بنگالی رفیق سے کم درجہ رکھتے ہیں - مولانا کے ناولوں کا تعلق گذشتہ قرنوں اور دیگر ممالک کے واقعات سے ہے - وقت اور جگہ قومی ادب کی ضروری خصوصیات ہیں - یہ بھی لازم ہے کہ کسی خاص زمانے اور ملک سے گہرا دلی تعلق پیدا کیا جائے - اس لحاظ سے مولانا کے ناول کامیاب نہیں ہیں اور انہیں ہندو ناظرین میں کبھی زیادہ ہردلعزیزی حاصل نہیں ہوئی - اس بارے میں وہ امیر خسرو سے بہت پیچھے ہیں جو ان سے چھ سو سال پہلے گزر چکے تھے - امیر خسرو کی تصانیف میں ظاہرانہ ہندوستان کا ذکر تعریف کے ساتھ کیا گیا ہے - ان کے سب سے پہلے ناول " ملک العزیز اور ورجنا " میں حروب صلیبیہ کے دوران میں سلطان صلاح الدین کے ایک بھتیے اور رچرڈ شاہ انگلستان کی بھتیجی کے باہمی عشق کی داستان درج ہے - ان کے سب سے زیادہ ہر دلعزیز ناول " فردوس بریں " کے افتتاحی سین کا منظر کوہسار طالیقان ہے جو مازندران اور تزوین کے درمیان واقع ہے - یہ ایک ویران علاقہ تھا جس کی نسبت یہ مشہور تھا کہ یہ شاہنامے کے دیووں کا مسکن تھا - ناول کا زمانہ ساتویں صدی ہجری کا تھا - فرقہ باطنیہ کے فوق الفطرت اسرار بھی اس قصے میں شامل کئے گئے ہیں - " فلورا فلورنڈا " میں اس سے بھی پہلے کا زمانہ یعنی ہسپانیہ کی اسلامی حکومت کے وقت کا نقشہ کھینچا گیا ہے - اس ناول میں رومن کیتھولک فرقے کے پادریوں اور راہبات کی داستان سنسنی پیدا کرنے والے پیرائے میں درج ہے - " منصور اور موہنا " میں ہم کو محمود غزنوی کے زمانے تک پہنچا دیا جاتا ہے - بیسویں صدی میں لکھنؤ، دہلی یا لاہور کے اردو پڑھنے والوں کے لئے

ایسے ناولوں میں اس زندگی پر جسے وہ جانتے ہیں کوئی تبصرہ نہیں ہو سکتا - ادبی تخیل کے اعلیٰ ترین فرائض میں یہ داخل ہے کہ ایسا تبصرہ ہونا چاہئے -

اکبر الہ‌آبادی : ان کا انداز کلام اور ظرافت کے مضامین

مولانا شرر کے مقابلے میں سید اکبر حسین اکبر (۱۸۴۶—۱۹۲۱ع) کی شاعری تحقیق اور موجودہ واقعات پر مبنی ہے - صوبجات متحدہ میں جڈیشل سروس سے سبکدوش ہوجانے کے بعد انہوں نے اپنے اشعار میں روح افزا ظرافت اور پوشیدہ طنز اور مذاق کا ایک سیلاب بہا دیا - ان کے ذریعے سے واقعات حاضرہ پر تبصرے کا سلسلہ برابر جاری رہتا تھا - اسی انداز کلام کی وجہ سے انہیں " لسان‌العصر " کا لقب ملا - اصطلاحی رنگ میں ان کی طرز ظریفانہ ہے - ان کے اشعار میں انگریزی الفاظ کی بھرمار ہے جو اردو میں ایک مذاقیہ رنگ پیش کرتے ہیں - نفس مضمون میں ان کے تین رجحان پائے جاتے ہیں - اولاً وہ مغرب کے تمدن کے خلاف پر زور الفاظ میں مشرق کی آواز بلند کرتے ہیں لیکن مشرق کا ذکر کرتے ہوئے ان کی مراد ان واقعات سے ہے جو ہندوستان میں روز بروز ظاہر ہوتے ہیں - احتجاج کا رنگ طنزیہ ہوتا ہے - ذیل کے اشعار سے ایک چبھتی ہوئی تعریض کا اظہار ہوتا ہے -

ہر چند کہ کوٹ بھی ہے ، پتلون بھی ہے
بنگلہ بھی ہے ، پاٹ بھی ہے ، صابون بھی ہے
لیکن یہ میں پوچھتا ہوں تجھ سے ہندی
یورپ کا تری رگوں میں کچھ خون بھی ہے ؟

اس تمدنی احتجاج کا عام پہلو وہ ہے جو ہمارے زمانے میں تمام ہندوستان پر طاری ہو گیا ہے اور جس میں مغربی تمدن سے بیزاری کا اظہار ہوتا ہے - مگر خاص پہلو مولانا کے اشعار میں وہ ہے جو مسلمانوں کے خیالات پر عکس ڈالتا ہے - مگر اسی قسم کی ہندو تحریکوں میں زیادہ تعمیری کوششیں پائی جاتی ہیں اور جب ان کا اظہار سیاسی کام میں کیا جاتا ہے تو ان سے اہم نتائج حاصل ہونے کی زیادہ امید ہو سکتی ہے - دوم اکبر نے ہندوستان میں ایمان اور مذہب کے زوال پر دلی رنج کا اظہار کیا - کہتے ہیں :

حریفوں نے رپٹ لکھوائی ہے جا جا کے تھانے میں
کہ اکبر ذکر کرتا ہے خدا کا اس زمانے میں

پھر کہتے ہیں :

نئی تہذیب میں دقت زیادہ تر نہیں ہوتی :
مذاہب رہتے ہیں قائم فقط ایمان جاتا ہے -

سوم انہوں نے مکاری ، ریاکاری اور بیہودگی کے خلاف اپنے جذبات کا پورا اظہار کیا ہے - کہتے ہیں :

مذہب کی کہوں تو دل لگی میں اُڑ جائے
مطلب کی کہوں تو پالسی میں اُڑ جائے
باقی میری قوم میں ابھی ہے کچھ ہوش
غالب ہے کہ یہ بھی اس صدی میں اُڑ جائے -

اکبر کی اس بظاہر مضحکہ انگیز تنقید کے پردے میں اہم مقاصد پوشیدہ تھے - بدقسمتی سے اس تنقید میں تصویر کے تاریک پہلو کے برے اثرات کو دور کرنے کی کوشش نہیں کی گئی - اس تنقید نے اُس بحال ہو جانے والی طاقت کے اثر کو بالکل بھلا دیا جو جدید ہندوستان میں بعض بےسود اور مضحکہ انگیز باتوں میں بھی دراصل پوشیدہ ہے - اس وجہ سے سنجیدگی اور متانت کی قوموں کو ترقی دینے میں اکبر کا حصہ کم ہو رہا ہے - اقبال نے جن کا ہم اگلے باب میں ذکر کریں گے کم سے کم اس تمدنی ابتری کا حل پیش کرنے کی کوشش کی ہے گو انہوں نے بھی اس ابتری پر خوب دل کھول کر نکتہ چینی کی ہے -

ساتواں حصہ

تازہ ترین واقعات

سنہ ۱۹۰۸ع سے سنہ ۱۹۳۱ع تک

بارھواں باب :—سیاسیات ، اقتصادیات ، تعلیم ، فنون لطیفہ اور ادب

بارھواں باب

سیاسیات ، اقتصادیات ، تعلیم ، فنون لطیفہ اور ادب

کانگرس سے اعتدال پسندوں کی علیحدگی

سنہ ۱۹۰۷ع میں انڈین نیشنل کانگرس میں پھوٹ پڑ جانے سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کانگرس کی دو پارٹیاں (جنھیں انتہا پسند اور اعتدال پسند کے ناموں سے موسوم کیا جاتا تھا) ہمیشہ کے لئے ایک دوسری سے الگ ہوگئی ہیں - دراصل اس پھوٹ نے سیاسی ہند کو طبائع اور رجحانات ، اغراض ومقاصد ، اور واقعات و حقائق کی اصل صورت کے سامنے لاکھڑا کیا - کانگرس سے باہر ایک بغاوت پسند (انارکسٹ) گروہ موجود تھا جو خفیہ کارروائیوں میں مشغول تھا ، اور بم ، آتشین اسلحہ ، ڈرانا اور دھمکانا اور اشتعال انگیز تحریریں استعمال کرتا تھا ، اور سیاسی اغراض کے لئے قتل و خونریزی سے کام لیتا تھا - کانگرس کے اندر سنہ ۱۹۰۸ع کے اجلاس منعقدہ مدراس میں اعتدال پسندوں کا گروہ غالب معلوم ہوتا تھا ، اور ڈاکٹر راش بہاری گھوش ایسے آئین پسند مقرر ، مقامی حکومت خود اختیاری اور دیگر بےخطر موضوعات پر تقریریں کر رہے تھے - انھوں نے کانگرس کے آئین میں اپنے لئے برطانوی تعلق سے وفاداری کی ڈھال قائم کر رکھی تھی - لیکن ان کی سرگرمیوں کے لئے اصل میدان دیگر شعبہ جات میں پیدا ہو رہا تھا - مثلاً توسیع یافتہ مجالس وضع قوانین میں جو سنہ ۱۹۰۹ع میں منٹو مارلے سکیم کے ماتحت قائم کی گئی تھیں - اور ان کے علاوہ حکومت کے ماتحت بڑے بڑے عہدے بھی حاصل ہونے لگے تھے جیسے مجالس انتظامیہ کی رکنیت - ایڈووکیٹ جنرل کے عہدے اور لندن میں انڈیا کونسل کی رکنیت جو منٹو مارلے سکیم کی رو سے اہل ہند کے لئے قابل حصول قرار دی گئی تھی - خود کانگرس میں حکومت کا مخالف

گروہ دن بدن ترقی کرتا گیا - حتیٰ کہ سنہ ۱۹۱۸ع کے اجلاس منعقدہ بمبئی میں اس گروہ نے کانگرس پر قبضہ کرلیا اور اعتدال پسندوں نے کانگرس سے بالکل الگ ہوکر لبرل پارٹی کے نام سے اپنی ایک نئی پارٹی بنالی اور اپنے اجلاس الگ منعقد کرنے لگے -

ہندوستان کی سیاسیات میں مسلم اور غیر سرکاری یورپین خیالات کی نئی صورتیں

اس کے بعد ہندو اور مسلم سیاسی خیالات کے باہمی تعلقات میں کمی اور زیادتی ہوتی رہی - اور اس کے ساتھ ساتھ کانگرس کے قلیل التعداد مسلم حامیوں مثلاً مسٹر محمد علی - مسٹر شوکت علی - مسٹر حسرت موہانی اور دیگر اصحاب کے خیالات میں بھی نمایاں تبدیلیاں ہوتی گئیں - سودیشی کی تحریک کے باعث کانگرس نے کسی حدتک صنعت و حرفت کے بااثر رہنماؤں کی حمایت حاصل کرلی ہے - اور پھر جب اسے بائیکاٹ کی تحریک میں شامل کرلیا گیا تو نہ صرف ہندوستانی تاجر بلکہ دوسری جانب سے برطانوی ایوان تجارت اور برطانوی تاجر بھی پورے زور سے سیاسیات کے میدان میں اتر آئے - لارڈ رپن کے زمانے میں یورپین انجمنیں محض حکومت خود اختیاری کے متعلق اہل ہند کے مطالبات اور مزید اختیارات کا مقابلہ کرنے کی غرض سے قائم کی گئی تھیں - جب برطانوی پالیسی نے ان مطالبات کو قدرتی اور جائز تسلیم کرلیا اور ان کی تکمیل کے لئے تدریجی وسائل اختیار کرنے لگی تو ابتدا میں غیر سرکاری برطانوی جماعت غیر مستقل حالت میں تھی اور ہندوستان کی تحریکات سے غیر سرکاری انگریز بےپروا بنے رہے - لیکن جب انھوں نے دیکھا کہ ہندوستانیوں کی عمدہ تنظیم کے ذریعے ان تحریکات کا اثر برطانیہ کے تجارتی فوائد پر بھی پڑ رہا ہے تو غیر سرکاری برطانوی جماعت سیاسی اصلاح کے وسائل میں تعاون کا اظہار کرنے لگی اور اہل برطانیہ کے تجارتی مفاد کے متعلق مناسب تحفظات منظور کرانے میں کوشاں ہے -

ہندوستانی ریاستوں کا رجحان

سنہ ۱۹-۱۹۱۸ع کی مانٹیگو چیمسفرڈ اصلاحات کے ماتحت ایوان فرمانروایان ہند قائم ہونے سے دیسی ریاستوں کے حکمرانوں کو بھی باہمی میل جول اور برطانوی ہند کی سیاسی تحریکات سے واقفیت حاصل

کرنے کا موقع ملنے لگا ہے - اپنی آئینی انجمن میں باھمی مشورہ کرکے وہ مختلف معاملات کے متعلق اپنی شکایات پر غور و خوض کرکے ان کا اظہار کرنے لگے ھیں مثلاً ریلوے اور محاصل کے متعلق حکومت کی پالیسی ، قانون نمک سازی ، حفاظت ملک ، اپنے سے بہتر طاقتوں کے ساتھ ان کے عہد نامے اور وہ امور جنھیں وہ بہتر طاقت کی طرف سے اپنے اندرونی معاملات میں غیر ضروری اور ناجائز مداخلت سمجھتے ھیں - انھوں نے اپنے مطالبات کی پیروی کے لئے ایک مشہور و معروف انگریز قانون‌داں کی خدمات حاصل کیں - سر ھارکورٹ بٹلر کی کمیٹی نے جو حکومت ھند نے مقرر کی تھی ان کے مطالبات کی چھان بین کی (سنہ ۲۸ـــ۱۹۲۷ع) - سر جان سائمن کی صدارت میں آئینی کمیشن نے اپنی رپورٹ (سنہ ۱۹۳۰ع) میں ان کا ذکر کیا ھے اور برطانوی ھند کے آئندہ نظام حکومت میں ان کو ھندوستان بھر کی فیڈریشن میں شامل کرنے کے متعلق کافی بحث اور تمحیص کی ھے - اور خود دیسی حکمراں بھی پہلی گول میز کانفرنس منعقدہ لندن (سنہ ۳۱ـــ۱۹۳۰ع) میں شریک ھوئے تھے تاکہ فیڈریشن میں اپنی شمولیت کے امکان پر غور و خوض کریں -

منٹو مارلے اصلاحات کے تمدنی پہلو

تمدنی نقطۂ نگاہ سے سنہ ۹ـــ۱۹۰۸ع کی منٹو مارلے سکیم میں تین باتیں نمایاں نظر آتی ھیں - اول تو اس نے ھندیوں کو ھندوستان میں اعلیٰ ترین انتظامی اور عدالتی عہدوں اور لندن میں وزیر ھند کی کونسل کی رکنیت میں شرکت کا موقع دیا ، اور اس طرح ھندوستانیوں کے لئے اونچے اونچے حلقوں میں پالیسی پر اثر ڈالنے اور دولت کے دارالحکومت کی عام زندگی میں سرکاری طور پر حصہ لینے کا راستہ کھل گیا - سنہ ۱۹۰۹ع میں سید امیر علی لندن کی پریوی کونسل کے پہلے ھندوستانی رکن مقرر ھوئے اور اس تقرر کا بھی یہی اثر ھوا - دوسرے ھندوستان کی قانون بنانے والی کمیٹیوں کو وسعت دے کر ان میں غیر سرکاری منتخب ارکان زیادہ رکھے گئے جو اہم معاملات میں تقسیم آراء کے وقت حکومت ھند یا صوبجاتی حکومتوں کو شکست دے سکتی تھی - اس طرح اہل ھند کو اپنے منتخب [۱] نمائندوں

[1]—Elected

کے ذریعے سے قانون سازی اور انتظامی امور کے متعلق کارروائیوں کی اطلاع ملنے لگی - لارڈ مارلے ہندوستان میں ذمہ دار پارلیمنٹری حکومت قائم کرنے کا ہرگز ارادہ نہیں رکھتے تھے - ان کے نزدیک ہندوستان کی حالت اس طرز حکومت کے لئے ناموزوں تھی - لیکن ایک ایسی قانون بنانے والی کمیٹی قائم کردینا عجیب اور خلاف مصلحت تھا جو انتظامی افسروں کو کثرت رائے سے شکست تو دے سکتی تھی مگر نہ انہیں علیحدہ کرسکتی تھی اور نہ ان سے اپنے مقاصد کے مطابق عمل کراسکتی تھی - جب جذبات مشتعل ہوں تو اس قسم کی صورت حالات سے لازمی طور پر کشاکشی بڑھ جاتی ہے اور رعایا اور عمال حکومت کے تعلقات زیادہ کشیدہ ہو جاتے ہیں - چنانچہ یہی ہوا اور سیاسی جرائم اور ان کے انسداد کے لئے سخت قوانین نابود ہونے کے بجائے اور بھی بڑھنے لگے - تیسرے سنہ ۱۹۰۶ع میں (منٹو مارلے اصلاحات کے لئے تیار ہونے کے غرض سے) سر آغا خاں اور ڈھاکہ کے نواب صاحب سلیم‌اللہ خاں کی زیر ہدایت مسلم لیگ کے قیام اور پھر اصلاحات کے ماتحت ہندوؤں اور مسلمانوں کے لئے جداگانہ نیابت نے مسلمانوں کو ہندوستان کی عام سیاسیات سے الگ کردیا اور دونوں فرقوں کے اختلافات اور بھی بڑھ گئے - جب ایک مرتبہ اصول قائم ہوگیا تو دوسرے فرقے اور مفاد بھی اس پھوٹ کی لپیٹ میں آگئے اور ہندوستانی سیاسیات غیر متناسب نظامات کا مجموعہ بن کر رہ گئی - ہمیں یہاں ان نظامات کی ضرورت یا حسن و قبح سے بحث نہیں بلکہ ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کا ہندوستان میں سیاسی خیالات کی ترقی پر کیا اثر ہوا -

سنہ ۱۹۱۱ع کا شاہی دربار

دسمبر ۱۹۱۱ع میں دہلی میں شاہ جارج پنجم کا دربار تاجپوشی اہل ہند کے مشتعل جذبات کی تسکین کے لئے منعقد کیا گیا تھا - اس وقت انقارکسٹ پارٹی زور شور سے کام کر رہی تھی اور تقسیم بنگال کے خلاف جد و جہد بھی شدت سے جاری تھی - اب تقسیم بنگال منسوخ کردی گئی اور بہار کا نیا صوبہ قائم کرکے یہ اصول تسلیم کرلیا گیا کہ تمدنی اختلافات کی بنا پر الگ الگ سیاسی اور انتظامی نظامات کے استحقاق کا مطالبہ جائز ہے - اگرچہ اڑیسہ کو بہار کے ساتھ ملا دینے سے یہ ظاہر ہوتا تھا کہ ابھی اس اصول پر مکمل طور پر یا منطقی حد تک عملدرآمد کا وقت نہیں آیا تھا - دربار سے پہلے

ابتدائی تحریر میں حکومت ہند نے خودمختار صوبجات کی فیڈریشن کے نصب العین کا خاکہ کھینچا تھا - اس کے علاوہ ایسے اور اعلان بھی کئے گئے جو تمدنی اعتبار سے بہت اہم تھے - خود شہنشاہ معظم نے زوردار الفاظ میں تعلیمی اخراجات میں فیاضی سے کام لینے کی ضرورت پر توجہ دلائی جس سے تعلیمی تحریک میں ایک نئی قوت کا ظہور ہوا - دل کش وکٹوریا کراس کا پہلے پہل ہندوستانی فوجیوں کو ملنا ممکن قرار دیا گیا اور بعد میں جنگ عظیم کے دوران میں گیارہ ہندوستانیوں نے " شجاعت کا " یہ سب سے بڑا فوجی اعزاز حاصل کیا - کلکتہ کے بجائے دھلی کو دارالحکومت بنانے کے خلاف اگرچہ مالی اور بعض دیگر وجوہ کی بنا پر اعتراض ہوسکتا ہے لیکن اس سے برطانوی حکومت کا مرکز شمالی ہند کی جانب منتقل ہوگیا اور جغرافیائی اعتبار سے برطانوی ہند اور دیسی ریاستوں کے تعلقات زیادہ گہرے اور مضبوط ہونے میں آسانیاں ہوگئیں - نیز مسلمان اور ہندو بادشاہوں کے قدیم دارالسلطنت کی وجہ سے برطانوی ہند کے تمدن کا سلسلہ پھر مغل اور ان کے پہلے کے تمدن سے مل گیا - دھلی کے نئے شہر کی تعمیر سے ہندوستانی فنون لطیفہ اور صنعت کو تقویت دینے کا موقع ملا اور اس سے معمولی حد تک خصوصاً سجاوٹ کے معاملے میں فائدہ بھی اُٹھایا گیا - وائسرائے کے محل ، حکومت ہند کے سرکاری دفاتر اور عمارتوں کے اُس مدور اور گنبد والے گروہ کی تعمیر میں (جس میں کونسل کے تینوں ایوان شامل ہیں) مشرقی جذبات و روایات کا کسی قدر خیال رکھا گیا - لیکن اس سارے کام میں سجاوٹ بناوٹ اور ہر قسم کی نگرانی برطانوی ہاتھوں میں اور برطانوی ماہرین فن تعمیر کے ماتحت رہی - اور ساڑھے چودہ کروڑ کی رقم خطیر میں سے جو سنہ ۱۹۳۰ع تک خرچ ہو چکی تھی ، ہندوستانی فنون لطیفہ اور تمدن کی حوصلہ افزائی پر بہت ھی کم رقم صرف ہوئی -

برطانیہ کے خلاف جذبہ ، اور ہندو مسلم ارتباط

منٹو مارلے اصلاحات اور ان کے بعد فراخ دلی کی پالیسی بھی برطانیہ کے خلاف ، جذبات کو دور نہ کر سکیں - تقسیم بنگال منسوخ بھی ہوگئی پھر بھی ہندوستان میں تقسیم سے پہلے کی سی صورت حالات قائم نہ ہوسکی - سودیشی کی تحریک نے مستقل صورت اختیار کرلی اور جہاں تک اس کا تعلق ہندوستان کی دستکاری اور صنعت کے دوبارہ جاری ہونے سے تھا ہر محب وطن

ہندوستانی نے اسکی تائید کی لیکن اس کا سیاسی پہلو انارکسٹ پارٹی کے جرائم سے تعلق رکھتا تھا - بدقسمتی سے جنوبی افریقہ اور کسی حدتک سلطنت برطانیہ کے دیگر نو آبادیوں میں ہندوستانیوں کے خلاف (بقول لارڈ ہارڈنگ) '' کینے سے بھرے غیر منصفانہ قوانین '' کے جاری ہونے سے ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف جذبات اور بھی مشتعل ہوگئے - انڈینچر[۱] کے طریق کے خلاف جس کے ماتحت ہندوستانی مزدوروں کو نٹال اور دوسرے ملکوں میں سخت شرائط کے معاہدات پر بھیجا جاتا تھا بہت نکتہ چینی ہونے لگی - نٹال کے متعلق یہ رویہ سنہ ۱۹۱۱ع میں منسوخ ہوگیا اور پھر چھ سال کے اندر مزدوروں کے نقل وطن کا یہ طریقہ ایک سرے سے منسوخ کردیا - لیکن اس اصول کے خاتمے کے ساتھ جنوبی افریقہ کے باشندوں اور افریقہ میں مقیم ہندوستانیوں کے جھگڑے نہ مٹے - کئی سال سے مسٹر گاندھی کی رہنمائی میں وہاں بلاتشدد مقابلے کی مہم جاری تھی اور عارضی سمجھوتوں کے باوجود جھگڑے اور دقتیں بدستور قائم رہیں اور ان سے ہندوستان میں برطانیہ کے خلاف تحریک کو بہت تقویت حاصل ہوئی - مسلمانوں کو ترکی سلطنت کے حصے بخرے کرنے کے متعلق انگلستان کے رویہ سے ایک مزید شکایت پیدا ہوگئی - اٹلی نے سنہ ۱۲-۱۹۱۱ع میں بلاوجہ جنگ شروع کرکے ترکی سے طرابلس چھین لیا - اور جنوب مشرقی یورپ کی چھوٹی چھوٹی طاقتوں نے بلقان لیگ کی صورت میں جنگ بلقان (سنہ ۱۳—۱۹۱۲ع) چھیڑ کر ترکی کو البانیہ ' ایپرس ' مقدونیہ اور مغربی تھریس سے محروم کردیا - مسٹر محمد علی (سنہ ۱۸۷۸ع لغایت سنہ ۱۹۳۱ع) اور ان کے بھائی مسٹر شوکت علی کو جنگ بلقان کے زمانے میں ان کے اخباری کارناموں اور اس امدادی تحریک کا باعث جو انہوں نے انجمن ہلال احمر کے ماتحت کی تھی بہت عزت و شہرت حاصل ہوگئی - اس زمانے میں ایک طرف ہندوؤں سے مسلمانوں کی ہمدردی اور دوسری جانب یورپ کے خلاف مسلمانوں کے تلخ جذبات کا باعث ہندوؤں اور مسلمانوں میں عارضی اور وقتی اتحاد پیدا ہوگیا -

جنگ عظیم کے دوران میں جذبات کی حالت

جب جنگ عظیم (سنہ ۱۸—۱۹۱۴ع) شروع ہوئی تو ہندوستان لارڈ ہارڈنگ کی پرسکوں اور ہمدردانہ حکومت کے ماتحت خاموشی کی حالت

Indenture – [1]

میں تھا - لیکن جوں جوں جنگ طول پکڑتی گئی اہل ہند پر حقیقت حال واضح ہونے لگی اور ان کی امیدوں پر مایوسی کے بادل چھانے لگے - سنہ ۱۹۱۵ع میں دو مقتدر اعتدال پسند رہنماؤں یعنی مسٹر جی - کے - گوکھلے (سنہ ۱۸۶۶ع لغایت ۱۹۱۵ع) اور سر فیروز شاہ مہتہ (سنہ ۱۸۴۵ع لغایت ۱۹۱۵ع) کا انتقال ہوگیا - اول الذکر نے وائسرائے کی مجلس مقننہ کے غیر سرکاری رکن کی حیثیت میں اور ثانی الذکر نے بمبئی کی شہری زندگی میں بہت شہرت حاصل کی تھی - میونسپل اثر اب قومی ترقی کا ایک اہم جزو بن رہا تھا اور چھوٹی بڑی دونوں قسم کی میونسپل کمیٹیوں میں سیاسی خیال و رائے کا پرتو نظر آنے لگا - ان دو اصحاب کے انتقال پر ہندوستان میں حکومت کے خلاف انتہا پسندانہ تحریک بہت زور پکڑنے لگی - ہوم رول کی تحریک نے خاص طور پر بیباکانہ رویہ اختیار کیا - مسٹر بال گنگا دھر تلک (سنہ ۱۸۵۶ع لغایت ۱۹۲۰ع) نے اپنے ہفتہوار انگریزی اخبار ''مرہٹہ'' اور مرہٹی اخبار '' کیسری '' کے ذریعے سے مغربی ہند کے عوام میں بہت اثر و رسوخ حاصل کرلیا اور وہ کانگرس کے رہنما بن گئے - سنہ ۱۹۱۶ع میں کانگرس اور مسلم لیگ کا اجلاس لکھنؤ میں ہوا اور اس سے ہندو مسلم تعلقات اور بھی مضبوط ہوگئے - لفظ '' خود اختیاری '' جنگ عظیم میں اتحادیوں کا نعرۂ جنگ بن گیا تھا - اب اہل ہند اسی لفظ کو لے کر حکومت کے خلاف استعمال کرنے لگے - ہوم رول لیگ کی بانی مسز بیسنٹ کو زمانۂ جنگ کی تدابیر کے سلسلے میں کچھ عرصے کے لئے (سنہ ۱۹۱۷ع) نظر بند کردیا گیا تھا اور اس نظر بندی کے باعث وہ اس قدر ہردلعزیز ہوگئیں کہ سنہ ۱۹۱۷ع میں انھیں کانگرس کی صدارت کے لئے منتخب کیا گیا -

مانٹیگو چیمسفرڈ اصلاحات

سنہ ۱۹۱۷ع میں ہندوستان میں بہت جوش پھیل رہا تھا - جنگ عظیم طول پکڑتی نظر آتی تھی اور انگلستان میں برطانوی مدبر اس مہیب معرکے کے لئے سلطنت کے تمام اخلاقی و مادی ذرائع جمع کر رہے تھے - نئے وزیر ہند مسٹر ای - ایس - مانٹیگو [۱] نے اگست ۱۹۱۷ع میں اعلان کیا کہ آئندہ برطانوی پالیسی کا اصل مقصد یہ ہو گا کہ ''ہندوستان میں سلطنت برطانیہ

[1]—Mr. E. S. Montagu

کے ایک ترکیبی حصے کے طور پر ذمہ‌دار حکومت آہستہ آہستہ قائم ہو" سلطنت کے خود مختار نو آبادیات کو پہلے ہی واقعات و حالات نے سنہ ۱۹۱۷ع کے موسم بہار میں امپیریل کانفرنس اور شاہی وزارت جنگ میں برابر کا شریک بنا دیا تھا - ہندوستان نے بھی ان دونوں میں حصہ لیا - لیکن اس کے آئین حکومت کے باعث اس کی نمائندگی نو آبادیات کی طرح ایک ایسا وزیر اعظم نہ کرسکتا تھا جو اپنے اہل ملک کا نمائندہ ہوتا - یہ بات نہ صرف ہندوستان کے لئے بلکہ اس تمام سلطنت کے لئے کمزوری کا موجب تھی جس کی خدمت کے لئے ہندوستان سے نو آبادیات کی بہ‌نسبت بہت زیادہ روپیہ اور آدمی لئے گئے تھے - مسٹر مانٹیگو اور (اس وقت کے وائسرائے) لارڈ چیمسفرڈ نے ہندوستان کو حکومت خود اختیاری کی راہ پر لگانے کے لئے سیاسی اصلاحات کی ایک سکیم تیار کی - خیالات و جذبات کے اعتبار سے ہندوستان اور انگلستان دونوں ملکوں میں بہت سی مشکلات درپیش تھیں - انہوں نے ان مشکلات کے حل کے لئے "دو عملی" کا اصول تجویز کیا - اس کی رو سے صوبجات میں حکومت کا کام دو حصوں میں منقسم کردیا گیا - ایک حصہ یعنی امور منتقلہ کا نظم و نسق وزرا کے حوالے کردیا گیا جو مجلس وضع قوانین کے منتخب شدہ ارکان میں سے مقرر کئے جاتے تھے اور مجلس مذکور میں ان کے خلاف ووٹ منظور ہوجانے پر اپنے عہدے سے علیحدہ کئے جاسکتے تھے - دوسرا حصہ یعنی امورِ محفوظہ کا نظم و نسق مجلس انتظامیہ کے ارکان کے ہاتھ میں رہا جنھیں رعیت منتخب نہیں کرتی تھی اور وہ صرف گورنر کے سامنے جوابدہ ہوتے تھے - یہ تجویز نصف حکومت خود اختیاری کے طور پر جاری کی گئی تھی اور فیصلہ کیا گیا تھا کہ دس سال کے تجربہ اور آزمائش کے بعد اس پر نظر ثانی کی جائے گی - سنہ ۱۹۱۹ع میں اسے پارلیمنٹ کی منظوری حاصل ہوگئی - اس کے بعد جیسا کہ ہز رائل ہائینس ڈیوک آف کناٹ [۱] نے فروری سنہ ۱۹۲۱ع میں ہندوستان کی لیجسلیٹو اسمبلی کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا تھا حکومت ہند میں مطلق‌العنانی ترک کردی گئی - اگرچہ مرکزی حکومت میں لوگوں کے سامنے حکومت کی ذمہ‌داری کا اصول جاری نہیں کیا گیا لیکن ارادہ یہ تھا کہ اس حکومت پر بھی مجالس مقننہ کے خیال و رائے کا اثر بتدریج بڑھتا رہے -

[۱]--His Royal Highness The Duke of Connaught

ہندوستان کے اندرونی اور بیرونی واقعات :
اصلاحات کی ناکامی کے اسباب

اس سکیم کی حیثیت ایک سمجھوتے اور تجربے کی تھی - ہندوستان میں حکومت کے متعلق اس فراخدلی کی پالیسی کے ساتھ ہی بین‌الاقوامی تعلقات میں ہندوستان کو ایک نیا درجہ دیا گیا - وارسیلز کے عہدنامے پر ہندوستان نے خود مختار نو آبادیات کی طرح دستخط کئے ، اور یہ ہندوستان انجمن اقوام کا (جس میں دنیا کی بیشتر خود مختار قومیں شامل ہیں) اُس کے شروع ہوتے ہی رکن بن گیا - لیکن اس کی حکومت اب بھی ایک ماتحت حکومت رہی جسے ویسٹ منسٹر کی برطانوی حکومت کے احکام پر عمل کرنا پڑتا ہے - سنہ ۱۹۲۶ع میں جب نو آبادیات کے متعلق اس قسم کے ماتحت درجے کا بالکل خاتمہ ہوگیا تو سلطنت میں ہندوستان کی حیثیت بہتر ہونے کے بجائے بدتر ہوگئی - ان حالات کی وجہ سے شکایت پیدا ہوئی اور پھر کینیا میں جسے نو آبادی کا درجہ بھی حاصل نہیں تھا ہندوستانیوں کا درجہ کمتر قرار دینے سے شکایت اور بھی بڑھ گئی - اس درمیان میں خود ہندوستان میں جو واقعات و حالات ظاہر ہو رہے تھے اُن کی وجہ سے بےحد جوش پھیل گیا - رولٹ ایکٹ [1] سنہ ۱۹۱۹ع کی رو سے انقلابی جرائم کے انسداد کے لئے خاص ذرائع پیدا کئے گئے جو اہل ہند کو بہت ناگوار گزرے - اتحادیوں کی طرف سے ترکی کو اس قسم کی شرائط صلح پیش کی گئیں جن سے ترکی سلطنت کا خاتمہ ہوجاتا اور سلطان ترکی کی خلافت بھی خطرے میں پڑجاتی تھی - اس سے مولانا محمد علی اور مولانا شوکت علی کی قیادت میں تحریک خلافت (سنہ ۱۹۱۹ع) وجود میں آگئی - یہ تحریک حکومت کی مخالفت میں کانگرس سے متحد ہوگئی ، اور اگرچہ مارچ سنہ ۱۹۲۴ع میں خود ترکوں نے خلافت کا خاتمہ کردیا لیکن یہ کانگریس کی معاون کی حیثیت میں کام کرتی رہی - کانگریس میں مہاتما گاندھی کے اقتدار کے باعث حکومت کے خلاف تحریک نے ایک نئی صورت اختیار کرلی - فسادات پنجاب ، مارشل لا کے نفاذ اور امرتسر میں جلیان والا باغ کے حادثے (اپریل سنہ ۱۹۱۹ع) سے جس میں ۱۶۰۰ سے زیادہ نہتے ہندوستانی مقتول اور مجروح ہوئے تھے حکومت اور اہل ہند کے مابین نفرت اور مخاصمت اچھی طرح بڑھ گئی -

---

The Rowlatt Act—[1]

مہاتما گاندھی کے اصول

مسٹر موھن داس کرم چند گاندھی (مہاتما گاندھی - پیدائش سنه ۱۸۶۹ء) نے هندوستان کی سیاسیات میں نئے خیالات داخل کئے ھیں ' اور وہ ان خیالات کو اپنے مذھبی معاشرتی اور اقتصادی خیالات سے منطبق کرنے کی کوشش کرتے ھیں - مہاتما گاندھی تشدد اور خفیہ سازشوں کے مخالف ھیں لیکن جہاں ضرورت ہو وھاں حکومت کی سرگرم اور کھلی مخالفت کی اشاعت کرتے ھیں - اس مقصد کے لئے وہ ایک مضبوط اور باقاعدہ طور پر منظم جماعت قائم کرنے کے حامی ھیں اور جنگ عظیم سے پہلے جنوبی افریقہ میں بلا تشدد مقابلے کے تجربے کی بنا پر انھوں نے اهل هند میں بہت گہرا اثر حاصل کر لیا ھے - وہ بوت ' پراوتھنا ' اور زاھدانہ زندگی کو بھی نہ صرف ذاتی بلکہ سیاسی آزادی کے حصول کا ایک ذریعہ سمجھتے ھیں - جنوبی افریقہ میں وہ مسلم تاجروں کی دعوت پر گئے تھے اور وہ هندو مسلم اتحاد پر زور دینے میں همیشہ پیش پیش رھے ھیں - کانگریس اور تحریک خلافت کا مل کر کام کرنا زیادہ تر ان ھی کے اثر کا نتیجہ تھا - اور یہ امر اس وجہ سے قابل ذکر ھے کہ اس شرکت میں آریہ سماجی رھنما اور مولانا عبدالباری ایسے مقتدر علما یکجا ھوگئے - مہاتما جی نے اپنے آشرم واقعہ احمدآباد میں اچھوتوں کو داخلے کی عام اجازت دے رکھی ھے اگرچہ مندروں میں داخلے کے متعلق ان کی تحریک سے ایسے نتائج برآمد نہیں ھوئے جو اچھوتوں کے نزدیک تسلی بخش ھوں - مہاتما گاندھی کے اقتصادی خیالات کے مطابق "چرخا" هندوستان کو مغربی اقوام کے اقتصادی چنگل سے رھا کرانے کا نہایت مؤثر ذریعہ ھے - انھوں نے متعدد مرتبہ قید و بند کے مصائب کا دلیرانہ مقابلہ کیا ھے اور وہ اپنے پیروؤں کو بھی حصول مقاصد کی جد و جہد میں ھر قسم کے خوف سے آزاد ھونے کی تلقین کرتے ھیں - عام سول نافرمانی اور غیر ملکی مال کے بائیکاٹ میں ان کی تحریکات عدم تشدد کے اصول پر ھوتی ھیں اگرچہ کئی مقامات پر ان کے باعث سخت فسادات اور خونریزی بھی ھوئی -

تحریک عدم تعاون کی مختلف صورتیں ' اور اس کا رد عمل

تحریک عدم تعاون مختلف اوقات میں مختلف صورتوں اور منزلوں سے

گزری - سنہ ۲۲-۱۹۲۰ع میں سول نافرمانی ، خلافت اور ہجرت کی تحریکات کی شرکت کے بعد جو تلخ تجربات ہوئے اُن کے باعث ہندو مسلمانوں کے تعلقات اس قدر کشیدہ ہوگئے کہ پہلے کبھی نہ ہوئے تھے - اگست سنہ ۱۹۲۱ع کی موپلا بغاوت اور پنجاب کے سکھوں میں سنہ ۱۹۲۲ع کی اکالی تحریک فرقہ‌وارانہ تحریکات تھیں مگر ان کے باعث عام بدنظمی میں اور بھی اضافہ ہوگیا - لیکن اکالیوں نے اپنی جد و جہد سے پبلک کو گور دواروں کے نظم و نسق کے مسئلے پر متوجہ کردیا اور حکومت کو ایک ایسی قانونی اصلاح پر مجبور کیا جس کا تمدنی تاریخ پر نمایاں اثر پڑنے کی توقع ہوسکتی ہے - مسٹر چت رنجن داس (متوفی جون سنہ ۱۹۲۵ع) اور پنڈت موتی لال نہرو (متوفی سنہ ۱۹۳۱ع) کی سوراجیہ پارٹی نے سنہ ۱۹۲۳ع میں اپنے عدم تعاون کے پروگرام میں ترمیم کرکے فیصلہ کیا کہ قانون بنانے والی کمیٹیوں میں شامل ہوکر اندر سے حکومت کی مخالفت کی جائے - ان کا ایک فریق یعنی جوابی تعاونی گروہ حکومت کے ماتحت عہدے بھی قبول کرنے لگا - لیکن چپقلش اور سیاسی جد و جہد بدستور جاری رہی اور سنہ ۱۹۲۷ع میں سائمن کمیشن کے ارکان کے ناموں کے اعلان ہونے پر اس کشمکش میں اور بھی اضافہ ہوگیا - کیونکہ اس کمیشن میں کوئی ہندوستانی شریک نہیں کیا گیا تھا - کمیشن نے دو مرتبہ موسم سرما ہندوستان کے دورہ میں گزارا لیکن سوراجیہ پارٹی نے جو کانگریس پر قابض تھی اسے بائیکاٹ کردیا - سوراجیوں نے نہرو رپورٹ کی صورت میں ہندوستان کے لیے ایک آئین حکومت تیار کیا جس میں ان تمام پارٹیوں کا مشورہ شامل تھا جنھوں نے اس معاملے میں شرکت عمل پر آمادگی ظاہر کی تھی - اس آئین حکومت کا بنیادی اصول مکمل نو آبادیات کا درجہ تھا جس سے وہ صورت مراد تھی جو کینیڈا اور جنوبی افریقہ میں رائج ہے - کانگریس کے اجلاس منعقدہ سنہ ۱۹۲۸ع میں برطانوی پارلیمنٹ کو نہرو رپورٹ کا مجوزہ آئین حکومت منظور کرنے کے لئے ایک سال کی مہلت دی گئی اور جب پارلیمنٹ نے اس عرصے میں اسے منظور نہ کیا تو سنہ ۱۹۲۹ع میں آزادی کا اعلان کر دیا گیا -

سائمن رپورٹ : گول میز کانفرنس اور موجودہ خیالات

اس کے بعد سیاسی فضا تلخ جذبات سے مکدر ہوگئی - سنہ ۱۹۳۰ع کے

موسم بہار میں مہاتما گاندھی کی عام سول نافرمانی کی گئی تحریک زیادہ تر قانون نمک کے خلاف تھی اور اس سے کئی مقامات پر فساد اور کانگریس اور پولیس کے مابین جھگڑا ہوتا رہا - مہاتما گاندھی کو پھر جیل میں ڈال دیا گیا اور رفتہ رفتہ ہزاروں مرد اور عورتیں قید خانوں میں جا پہونچے - سر جان سائمن کی رپورٹ سے (جو ماہ جون سنہ ۱۹۳۰ع میں شائع ہوئی تھی) ہندوستان میں نہایت بےرخی اور بےپروائی برتی گئی - پہلی گول میز کانفرنس کو جو ۱۲ نومبر سنہ ۱۹۳۰ع سے ۱۹ جنوری سنہ ۱۹۳۱ع تک لندن میں منعقد ہوئی تھی کانگریس پارٹی نے بائیکاٹ کیا - لیکن جن دیگر مفادات کو مجالس مقننہ میں نیابت کا حق حاصل تھا ان سب کے نمائندے اس میں شامل ہوئے اور ان کے علاوہ خواتین اور دیسی حکمرانوں یا ان کے نمائندوں نے بھی کانفرنس کی کارروائی میں حصہ لیا - حکومت ہند نے سائمن کمیشن کی رپورٹ کے متعلق اپنے مراسلہ مورخہ ۲۰ ستمبر سنہ ۱۹۳۰ع میں ہندوستان کو بروئے قانون ''ابتدائی مگر واضح مستعمری درجہ'' دینے کا مشورہ دیا - اس گول میز کانفرنس نے چند تجاویز کا خاکہ تیار کیا جو چار اصولوں پر مبنی تھا - یعنی (۱) ہندوستان بھر کی فیڈریشن جس میں دیسی ریاستیں بھی شامل ہوں، (۲) ہر ایک صوبہ کے لئے تحفظات کے ماتحت مکمل خود اختیاری اور ذمہ دار حکومت، (۳) مرکزی حکومت میں کسی قدر ذمہ داری، اور (۴) اقلیتوں، خزانہ، برطانوی تجارت، محافظت اور تعلقات خارجہ کے متعلق تحفظات اور پابندیاں - اس کانفرنس میں کسی قسم کی تفصیلات کے متعلق کوئی تجویز یا فیصلہ نہیں کیا گیا، بلکہ کام کو اس مرحلے تک پہنچا کر اس کی تکمیل آئندہ کانفرنسوں پر چھوڑ دی گئی - مہاتما گاندھی ۲۶ جنوری سنہ ۱۹۳۱ع کو رہا کردئے گئے اور تھوڑے ہی دن بعد بیشتر سیاسی قیدی بھی رہا ہو گئے - وائسرائے (لارڈ اروِن) اور مہاتما گاندھی کے مابین سمجھوتے کی بنا پر ایک طرف تو سول نافرمانی کی تحریک بند کر دی گئی اور دوسری جانب وہ خاص آرڈی‌نِنس [۱] واپس لے لئے گئے جو فوری ضروریات کے ماتحت جاری کئے گئے تھے - بظاہر ایسا معلوم ہوتا تھا کہ انگلستان میں اور کانگریس کے سوا ہندوستان کی تمام پارٹیوں میں مبہم طور پر ہندوستان کے لئے نو آبادیات درجہ کا اصول تسلیم کر لیا گیا تھا مگر اُس کا

---

[۱]—Ordinances

مکمل حصول فوری نہیں بلکہ بتدریج ہونا قرار پایا - فرقہ‌وارانہ اختلافات کے متعلق تادم تحریر (اگست سنہ ۱۹۳۱ع) کوئی تصفیہ نہیں ہوا اور فیڈریشن کے متعلق بھی کسی قسم کی تفصیلات تیار نہیں ہوئیں - اب دوسری گول‌میز کانفرنس منعقد ہونے کو ہے جس میں کانگریس بھی شریک ہے - لیکن اس کے نتائج کے متعلق فی‌الحال کوئی پیشین گوئی کرنا مناسب نہیں -

سیاسیات کے سوا دیگر امور کے متعلق مغربی اثر کے ماتحت بیداری

ہم نے اس باب میں سیاسی خیالات پر گذشتہ ابواب کی نسبت زیادہ شرح و بسط سے تبصرہ کیا ہے کیونکہ آج کل اہل ہند کے تمدنی خیالات و جذبات میں سیاسیات کو بہت زیادہ غلبہ حاصل ہے - لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ دیگر معاملات کے متعلق ہندوستان کی تمدنی ترقی مسدود ہو گئی ہے - بلکہ سیاسی بیداری کے باعث ہندوستان ، اقتصادیات اور صنعت و حرفت ، معاشرتی زندگی ، تعلیم ، فنون لطیفہ ، سائنس اور ادب کے میدان میں بھی تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے - ظاہر بینوں کو یہ بات نظر نہیں آتی - مسٹر ولیم آرچر مرحوم [۱] بھی (جن کی رائے ڈراما کے فاضل نقاد اور ابسن [۲] کے شارح کی حیثیت سے تمدنی تاریخ کے متعلق خاص اہمیت رکھتی ہے)۔ موجودہ ہندوستان کی صورت حالات کا صحیح اندازہ نہیں کرسکے ہیں - اگرچہ وہ "متحدہ ہندوستان کے لئے پورے استحقاق نمائندگی" کے حامی ہیں لیکن انہوں نے بھی "نیم یورپ زدہ ہندوستانی شورش پسندوں کی بےصبری" کا رونا رویا ہے جو ان کے نزدیک "ہندوستان کے لئے سب سے بڑا خطرہ ہے" - انگریزوں کی طرف سے اس قسم کی نکتہ چینی سخت خطرناک ہے کیونکہ اس سے اُس قوت تنظیم کی تحقیر ہوتی ہے جو یورپی اثر کے ساتھ ہندوستان میں آئی - نیز اس نکتہ چینی سے وہی قدامت پرستی اور جہالت پھر ظاہر ہوتی ہے حالانکہ یہ چیزیں پسند نہیں کیجاتیں - غالباً ہندوستان کے روز افزوں قومی اتحاد پر صحیح تبصرہ لارڈ ارون کی اس تقریر میں موجود ہے جو انہوں نے ۲۶ مارچ سنہ ۱۹۳۱ع کو دھلی میں چیمسفرڈ کلب میں کی تھی -

---

[۱]—Mr. William Archer دیکھو "انڈیا اینڈ دی فیوچر" مصنفہ ولیم آرچر - مطبوعہ لنڈن سنہ ۱۹۱۷ع -

[۲]—Ibsen

انہوں نے فرمایا کہ " فرقہ ' جماعت اور معاشرتی حالات کے تمام امتیازات کے پیچھے ایک روز افزوں ذہنی بیداری (بلکہ زیادہ صحیح الفاظ میں خود آگاہی) موجود ہے جو اُس حالت سے بہت مشابہ ہے جسے قومیت کہا جاتا ہے " ۔

سیاسی بےچینی کی تہ میں اقتصادی اسباب

ہندوستان میں سیاسی بےچینی کا بہت بڑا حصہ یقینی طور پر اقتصادی اسباب کا نتیجہ ہے ۔ خود کفیل دیہات ' غیر منقول مزدوری ' دستی صنعت اور شاہی درباروں کی طرف سے فنون لطیفہ کی سرپرستی کے پرانے اقتصادی نظام کا ہمیشہ کے لئے خاتمہ ہوچکا ہے ' اور نئے صنعتی نظام کو ابھی ہندوستان کے معاشرتی اور تمدنی ماحول سے مطابقت پیدا کرنے کے لئے کافی وقت نہیں ملا ۔ سیاسی طور پر ایک طاقتور صنعتی اور تجارتی قوم کا محکوم ہونے کے باعث ہندوستان کی مالی پالیسی ایسے لوگوں کے ہاتھ میں ہے جن کو ہندوستان کے مفاد کی نسبت دیگر بیرونی مفادات پر زیادہ توجہ کرنی پڑتی ہے ۔ نظام حکومت کے اہم ترین حصہ (مثلاً اندرونی اور بیرونی وسیع تجارت ' بنکوں کے کام ' جہازرانی ' انجنیری ' کلوں کی مہارت ' علمی پیشوں اور فوجی طاقت) کا انحصار ان لوگوں پر ہے جو اپنی زندگی کے بہترین ایام میں اپنی کمائی کا کچھ حصہ اور آخر عمر میں اپنی ساری کمائی ہندوستان سے باہر صرف کرتے ہیں ۔ حکومت اور ریلوے کی ضروریات کا سامان ' مشینیں ' موٹر گاڑیاں اور دیگر قیمتی سامان ہندوستان میں نہیں بلکہ ہندوستان سے باہر بنتا ہے اور اس کی قیمت ادا کرنے میں ہندوستان کو روپیہ باہر بھیجنا پڑتا ہے ۔ اس طرح ملک کا سرمایہ بہت بڑی حد تک غیر ملکوں میں جارہا ہے اور یہ نکاس عارضی نہیں بلکہ جب تک موجودہ صورت حالات قائم ہے یہ بھی مسلسل اور مستقل طور پر جاری رہیگا ۔

خام اشیاء کی پیداوار میں بھی رکاوٹ :
ہندوستان کی منڈیوں پر دھاوا

زراعت کے قدیم انداز اور دقیانوسی طریقۂ تعلیم کے باعث ہندوستان خام اشیاء کی پیداوار میں بھی پیچھے رہ گیا ۔ امداد باہمی کی تحریک کو اگرچہ سنہ ۱۹۰۴ع سے نشو و نما حاصل ہو رہی ہے اور اس کی حوصلہ افزائی بھی بہت کچھ ہوئی ہے ' تاہم ابھی تک اس تحریک کا اثر دیہاتی سرمایہ

کے نہایت ھی تھوڑے حصے تک پہنچا ھے - زراعت بحیثیت مجموعی سرمایہ اور ھمت حوصلہ دونوں سے محروم ھے - پوسا کے ریسرچ انسٹی ٹیوٹ نے جو سنہ ۱۹۰۴ع میں قائم ہوا تھا بہت اچھا کام کیا لیکن ابھی اس کی کوششوں کے نتائج عام کاشتکاروں تک نہیں پہنچے - کھانڈ ھندوستان میں اتنی بھی نہیں پیدا ھوتی کہ خود اس کی ضروریات کے لئے کافی ھوسکے ، ھندوستانی کپاس کی غیر ملکی منڈیوں میں کم قیمت لگائی جاتی ھے اس لئے کہ دوسرے ملکوں کی کپاس اصلاح شدہ حالات میں یہاں سے بہتر ھوتی ھے - ھندوستان سے نیل کو دیگر ممالک کے تعلیم یافتہ کیمیا سازوں کے تیار کردہ نیل نے نکال باھر کیا ھے - کپڑے ، دھاتی اشیاء ، مشینری ، برقی سامان ، ریلوے کا سامان ، موٹر گاڑیوں ، بائیسکلوں اور اکثر اقسام کے بیش قیمت تجارتی سامان کے معاملے میں غیر ممالک نے ھندوستان کی منڈیوں پر دھاوا کر کے قبضہ جمالیا ھے - کچھہ عرصہ پہلے تک ھندوستان کو اپنے درآمد و برآمد کے محصول مقرر کرنے کا حق حاصل نہ تھا - اب بھی محصول کے متعلق امتیازی حفاظت کی پالیسی کے ماتحت محصول کے تقرر کا انحصار حکومت ھند (جو بیشتر برطانوی ھے) اور ھندوستانی مجلس مقننہ کے اتفاق رائے پر ھے -

اقتصادی ترقی کے لئے حکومت کی تدابیر

سر تامس ھالینڈ [۱] کے صنعتی کمیشن نے جس کی رپورٹ سنہ ۱۹۱۸ع میں شائع ھوئی تھی صنعتی نظام کی ایک بڑی زور دار اسکیم تیار کی تھی جس میں صنعتی تعلیم بھی شامل تھی - لیکن یہ کہنا درست نہ ھوگا کہ اس کی سفارشات پر نمایاں کامیابی سے عمل کیا گیا ھے - حکومت ملکی صنعتوں کی حوصلہ افزائی کے لئے بہت کچھہ کرسکتی ھے - لیکن مؤثر تدابیر اختیار کرنے میں حکومت کی راہ میں بعض رکاوٹیں حائل ھوتی ھیں - حکومت ھند کی راہ میں قومی حکومتوں کی نسبت زیادہ مشکلات حائل ھیں کیونکہ ایک تو یہ برطانوی حکومت کے ماتحت ھے اور دوسرے خود اس میں برطانوی جزو غالب ھے - ان وجوہ کی بنا پر ایسے معاملات کے متعلق (جو ھندوستان کے مختلف معاشرتی خیالات یا عادات اور اہل ھند کے طریق کار کے رواج

---

[۱]—Sir Thomas Holland

و روایات سے متصادم ہوتے ہوں) اس کی کارروائی کو شک و شبہ کی نظروں سے دیکھا جائے گا یا کم از کم یہ بات ضرور ہے کہ اس قسم کی کارروائی اس کے امکان سے باہر ہے - حکومت ہند اپنے اختیارات سے تین طریقوں پر کام لے سکتی ہے - اول کرنسی کے متعلق اپنے اختیارات سے دوسرے ٹیکس کے متعلق اپنی پالیسی سے اور تیسرے کارخانوں اور صنعت و حرفت کے متعلق قانون بنانے سے - کرنسی کے متعلق حکومت ہند کی پالیسی پر بہت کچھ نکتہ چینی کی گئی ہے - لیکن اگر ہم اس بات کو پیش نظر رکھیں کہ اس کی حیثیت ایک ماتحت حکومت کی ہے تو معلوم ہوگا کہ جن فوائد کی نگرانی اس کے سپرد ہے ان کی بہتری کے لئے اس نے اپنے خیالات اور طاقت کے مطابق کوشش کی ہے - ٹیکس کے معاملے میں اس کی بیرونی پالیسی جو محصول کے ذریعے در آمد و برآمد پر اثر ڈالتی ہے کچھ عرصے سے روز بروز ہندوستانی رائے کے مطابق ہو رہی ہے - امتیازی حفاظت کی پالیسی کے جاری ہونے اور سنہ ۱۹۲۳ع میں ٹیرف بورڈ کے جاری ہونے کے بعد محصول کے متعلق کئی مرتبہ تحقیقات کی گئی ہے اور صنعت فولاد کو بڑی حد تک حفاظت حاصل ہے - کچھ عرصے سے روئی کی صنعت کو بھی ترقی دی جا رہی ہے - سنہ ۱۹۳۱ع کے بجٹ میں روئی کے متعلق بعض ایسے محصول تجویز کئے گئے ہیں جن کے خلاف لنکا شائر شور مچا رہا ہے - اندرونی ٹیکس کے معاملے میں ابھی تقسیم اور تعدیہ (یعنی ٹیکس دہندگان پر ٹیکس کے بوجھ کے تناسب) کو تسلی بخش نہیں کہا جاسکتا - سنہ ۱۹۲۴ع میں ٹیکس کے نظام کی تحقیقات کے لئے ایک کمیٹی مقرر کی گئی تھی - سرکاری طور پر اس کا مقصد یہ قرار دیا گیا تھا کہ "...ہندوستانی آبادی کی مختلف جماعتوں کے درمیان ٹیکس کے بوجھ کی تقسیم کے طریقے کی جانچ پرتال کی جائے اور اس امر پر غور کیا جائے کہ آیا مرکزی ، صوبجاتی اور مقامی ہر قسم کے ٹیکسوں کا مجموعی نظام انصاف اور اقتصادی اصولوں کے مطابق ہے " ۔ یہ بہت بڑا کام تھا - مگر اس کی تکمیل پورے طور پر نہ ہوسکی کیونکہ اس کمیٹی کو مالیۂ اراضی کے نظامات پر سوائے اس صورت کے بحث کرنے کی اجازت نہ تھی کہ عام حالات کے سلسلے میں ان نظامات کا ذکر بھی ضمنی طور پر آجائے - اس کی رپورٹ سے (جو سنہ ۱۹۲۶ع میں شائع ہوئی) ٹیکسوں کے بوجھ کو متمول طبقے سے ہٹا کر عام آبادی پر ڈالنے کا رجحان ظاہر ہوتا

تھا - ایسا معلوم ہوتا تھا کہ غریب جماعتوں پر ٹیکسوں کا بوجھ اس اضافے سے زیادہ بڑھ گیا جو ضروریات زندگی کی قیمتوں میں ہوا تھا - درآمد و برآمد کے محصول میں تازہ ترین اضافے سے بھی محصول کا توازن درست نہیں ہوا ، اگرچہ اس میں تعیشات پر خاص طور سے سخت محصول لگایا گیا ہے - وجہ یہ ہے کہ عام ضروریات کی اشیاء کے ذریعے سے محصول کا بوجھ نسبتاً غریبوں پر امیروں سے زیادہ پڑتا ہے -

قوانین متعلقہ مزدوری

کارخانوں اور صنعت و حرفت کے متعلق قانون بنانے کا سلسلہ گزشتہ بارہ سال میں بہت تیزی سے جاری رہا ہے اور اس کو جنیوا کے انٹرنیشنل لیبر آفس متعلقہ انجمن اقوام سے خاص تحریک حاصل ہوئی ہے - بین‌الاقوامی طور پر ہندوستان کا شمار دنیا کے اُن آٹھ ملکوں میں ہوتا ہے جنھیں سب سے زیادہ صنعتی اہمیت حاصل ہے - اس کا اس درجہ کے مسلم ہوجانے سے ایک خوش گوار نتیجہ یہ نکلا کہ ہندوستان کے ہائی کمشنر مقیم لندن سر اتول چٹرجی انٹرنیشنل لیبر آفس کی مجلس انتظامیہ کے صدر بنائے گئے - ہندوستان ہر سال ۸۵ کروڑ روپیہ سے زیادہ کی چیزیں باہر بھیجتا ہے اور اس کی آبادی میں سے ایک کروڑ اسی لاکھ آدمی کارخانوں ، رسل و رسائل اور دھات کی کانوں میں کام کرتے ہیں - ابھی اس مسئلے پر توجہ کرنی باقی ہے کہ مزدوروں کے اس زبردست مجمع کو (جو عمدہ تعلیم سے محروم ہے اور ہنروں سے خالی ہے) کس طرح تربیت یافتہ کا رکن بنایا جائے - متعدد صورتوں میں اسے حل کرنے کی کوشش بھی ہو رہی ہے - تازہ ترین قانون کارخانہ‌جات مصدرہ سنہ ۱۹۲۲ع کی رو سے بچوں کو ملازم رکھنے کے لئے ان کی کم از کم عمر ۹ سال سے بڑھا کر ۱۲ سال مقرر کی گئی ہے اور پورے وقت کام کرنے والوں کی کم از کم عمر ۱۴ کے بجائے ۱۵ سال مقرر ہوئی ہے - اس قانون میں عورتوں سے رات کے وقت کام لینے کی ممانعت کردی گئی ہے - نیز کام کرنے کے لئے دن زیادہ سے زیادہ ۱۱ گھنٹے کا اور ہفتہ ۶۰ گھنٹے کا مقرر کیا گیا ہے - آج کل کارخانوں میں عورتوں کو ملازم رکھنے کا خیال روز بروز ترقی پر ہے - سنہ ۱۹۲۳ع کے قانون کانکنی کی رو سے زمین کے نیچے کام کرنے کے لئے ۱۳ سال سے کم عمر کے بچوں کو ملازم رکھنے کی ممانعت کر دی گئی ہے - اس کے علاوہ زمین کے

نیچے کام کرنے کے لئے ہفتہ ۵۴ گھنٹے کا اور زمین کے اوپر ۶۰ گھنٹے کا مقرر کیا گیا ہے اور ہفتہ میں ایک دن کی چھٹی ہوتی ہے - کارخانوں میں مشینوں کے گرد حلقے قائم کر کے اور دیگر ذرائع سے صنعتی حادثات کے روکنے کی تدابیر اختیار کی گئی ہیں - لیکن ان کے باوجود ان حادثات میں اگر اضافہ نہیں ہوا تو کم از کم اتنی بات ضرور ہے کہ اب بھی ان کی تعداد بہت زیادہ ہے - قانون معاوضۂ مزدوران مصدرہ سنہ ۱۹۲۳ع میں زخمی اور معذور مزدوروں کو یا مرے ہوئے مزدوروں کے گھر والوں کو کچھ مالی معاوضہ دینے کا قاعدہ بنایا گیا ہے - انجمنہائے اتحاد مزدوران کی تنظیم و تربیت کا سلسلہ جنگ عظیم کے زمانے میں شروع ہوگیا تھا اور ٹریڈ یونین ایکٹ کی رو سے جو ماہ جون سنہ ۱۹۲۷ع میں نافذ ہوا ان کو قانونی طور پر تسلیم کر کے باقاعدہ رجسٹری کا سلسلہ جاری کیا گیا -

وھٹلے کمیشن متعلقہ اصلاحات مزدوري

ہندوستان میں مزدوري کے متعلق وائٹل کمیشن کی رپورٹ ایک اہم دستاویز ہے اور اس سے ہندوستانی مزدوری کی آئندہ تاریخ پر بڑا اثر پڑنے کي توقع ہے - اس کمیشن کے صدر برطانوی دارالعوام کے سابق صدر مسٹر جے - ایچ - وھٹلے [۱] تھے - کمیشن کی رپورٹ اوائل ماہ جولائی سنہ ۱۹۳۱ع میں شائع ہوئی - کمیشن نے ہر قسم کی مزدوری کے حالات پر تبصرہ کیا ہے خواہ وہ کارخانوں سے تعلق رکھتي ہو یا چائے کے باغات اور دیگر وسیع پیمانے کی زراعت سے یا ریلوے یا کانکنی سے - اس نے نہایت اہم اور دوراندیشی کی سفارشیں کی ہیں - رپورٹ میں مزدوری کی حالت کے متعلق بعض نمایاں خامیوں کی جانب زوردار الفاظ میں توجہ دلائی گئي ہے اور مزدوروں سے سردار کی معرفت کام لینے کے طریق کے خلاف سخت نکتہ چینی کی ہے جو شاید ضرورت سے زیادہ سخت اور یکطرفہ ہے - رپورٹ میں لکھا ہے کہ صنعتي مرکزوں میں عام طور پر دو تہائی مزدوروں پر ان کی تین ماہ کی اُجرت سے زیادہ قرضہ ہوتا ہے جس پر انہیں بہت سخت شرح پر سود ادا کرنا پڑتا ہے - اس لئے مزدوروں کو ماہوار کے بجائے ہفتہوار اُجرت دینے کی سفارش کی گئی ہے - اس کے علاوہ کمیشن نے مندرجہ ذیل امور کي سفارش کی ہے :

J. H. Whitley—[1]

کام کرنے کا وقت اور کم کردیا جائے - عورتوں اور بچوں کی مزدوری کے متعلق قوانین زیادہ سخت ہونے چاہئیں - صنعتی مزدوروں کی سکونت اور تعلیم کے لئے بہتر انتظام ہونا چاہئے - صنعتی حادثات کے متعلق مزدوروں کے معاوضے کا اصول زیادہ وسیع کردیا جائے - انجمنہائے اتحاد مزدوران کی اور زیادہ تنظیم ہونی چاہئے اور مالک و ملازم کے صنعتی جھگڑوں کے باہمی تصفیے کے لئے ایک دفتر قائم کیا جائے - خرابیوں کے معاملے میں کمیشن نے مزدوری کی کمی کا اعتراف کیا ہے لیکن اس کے ساتھ ہی سرمایے کی ناقابلیت پر بھی توجہ دلائی ہے - مسٹر وھٹلے نے سنہ ۱۹۱۶ع میں انگلستان میں مشترکہ صنعتی کونسلوں کا اصول ایجاد کیا تھا - یہ کونسلیں مستقل مشترکہ انجمنیں ہیں جن میں مالک و ملازم دونوں کے نمائندے شامل ہیں اور یہ سرمایہ اور مزدوری کے مسلسل مشورے کی بناپر کام کرتی ہیں - ان کونسلوں نے انگلستان میں بعض صنعتوں میں اچھا کام کیا لیکن بعض دیگر صنعتوں کے معاملے میں یہ ناکام رہیں اگرچہ ہندوستان کے متعلق کمیشن کی سفارشات بالکل انگلستان کے تجربے پر مبنی نہیں بلکہ موقع پر تحقیقات کرکے پیش کی گئی ہیں - لیکن کمیشن کی رپورٹ پر انگلستان کی صورت حالات کا یقیناً اثر پڑا ہے - اس امر میں کسی کو شک نہیں ہے کہ ہندوستان میں مزدوروں کی معاشرتی اور اقتصادی حالت ، ان کے تعلیمی اور تمدنی معیار ، اور اصطلاحی مہارت اور قابلیت کے متعلق اصلاح کی اشد ضرورت ہے - اس قسم کی اصلاحات پر ایک خود دار قوم کو ہرچیز سے پہلے توجہ کرنی چاہئے - لیکن اس بات کے لئے اکثر لوگوں کے دل میں شک پیدا ہوگا کہ آیا مذکورہ بالا نقائص کا مغربی علاج (کمیشن کے رکن سر وکٹر ساسون [1] کے الفاظ میں) "جوں کا توں ہندوستان میں استعمال کیا جا سکتا ہے" - اُن غیر ملکی اور نزاعی لوگوں کو بحث میں داخل کرکے ہم ان کثیر اسباب میں اضافہ نہیں کرنا چاہتے جنھوں نے پہلے ہی اہل ہند میں اختلافات پیدا کر رکھے ہیں -

سرکاری کارروائی کے علاوہ دیگر کوششیں : عورتوں کی تحریکات ،
معاشرتی خدمات ، تعلیم یافتہ جماعتوں میں بیکاری

لیکن ہندوستان کی صنعتی اور معاشرتی ترقی کے لئے مؤثر تحریک

---

[1] Sir Victor Sassoon

خود اہل ہند کی انفرادي اور اجتماعی کوششوں سے حاصل ہوگی - یہ امر باعث اطمینان ہے کہ سودیشي کی تحریک نے ملکی صنعتوں میں نئی روح پھونک دی ہے - لیکن اس جذبہ کی تقویت کے لئے عملی اور تمدنی کام بھی ہونا چاھئے - اگر اس قسم کی تحریکات کو سیاسیات میں شامل کیا جاتا ہے تو ان میں قدیم دقیانوسی طریقوں کی اندھا دھن حمایت کو چھوڑ دینا پڑیگا تاکہ ہندوستان دنیا کے دوسرے ملکوں سے برابر کا مقابلہ کر سکے - تعلیم اور معاشرتی زندگی میں پرانی لکیر کو چھوڑ کر ترقی کے طریقے اختیار کرنے پڑینگے - اچھوتوں کے مسئلے کا حل نہایت ضروري ہے - انجمنہائے اتحاد مزدوران میں فرقہ وارانہ تعصب کسی قدر دور ہو رہا ہے - اسے عام لوگوں کی زندگی کو ہر شعبے سے دور کرنا ہوگا - فلاح و بہبود اور معاشرتی خدمت کے کام کو (جو اعلیٰ پایے کے صنعتی ادارات اور رفاہ عامہ کی انجمنوں کا اہم جزو بن رہا ہے) زیادہ سے زیادہ ترقی دینا ہوگي تاکہ صنعتی ادارات کے بدترین پہلوؤں کا اثر زائل ہو جائے - عورتوں کی تحریک کو جو آج کل خوب ترقی کر رہی ہے زندگی کے ہر شعبے مثلاً تعلیم ' صحت عامہ ' حفظان صحت ' طرز معاشرت نیز شہروں اور دیہات کی خانگی زندگي میں پورے زور کے ساتھ جاری کرنا ہوگا - معاشرتی اصلاح صرف عورتوں کی مدد سے مؤثر ہو سکتی ہے - بمبئی کے سیواسدن (واقع گامدیوی) کی مثال سے بہت کچھ فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے - یہ سنہ ۱۹۰۸ع میں بی - ایم مالاباري اور دیارام گیڈومل کی کوششوں سے قائم ہوا تھا - یہ زمانہ کارکنوں کی طبی ' معاشرتي اور حفظان صحت کی ضروریات کا انتظام کرتا ہے - یہ ادارہ ایک وقف کی امداد پر چل رہا ہے - لیکن اس کے لئے مستعد اور سرگرم کارکنوں کی بہت کمی ہے - افلاس کا مسئلہ صرف معاملات کے متعلق دو ایک کوششوں سے حل نہیں ہو سکتا - اس پر ہر طرف سے دھاوا کرنے کی ضرورت ہے - بیکاری کی مصیبت جو تعلیم یافتہ جماعتوں تک پہنچ رہي ہے اسی صورت میں دور ہو سکتی ہے کہ قوم کی ہمہ‌گیر خرابیوں کے ازالے کے لئے ساری قوم کی طاقتیں مل جائیں

جمشیدجی تاتا اور وسیع صنعتوں کی داستان : بنگلور انسٹي‌ٹیوٹ آف سائنس ' جمشیدپور ' اور لوہے کا کارخانہ -

صنعتي ترقی پر تبصرہ ختم کرنے سے پہلے چند الفاظ میں صنعت

و حرفت کے ایک رہنما کا ذکر کردینا مناسب ہوگا جس کی ذکاوت طبع اور پکے ارادے اور ہمت کے باعث ہندوستان کا صنعتی رویہ بالکل بدل گیا ہے - مسٹر جمشیدجی نوشیروان‌جی ٹاٹا (سنہ ۱۸۳۹ع لغایت سنہ ۱۹۰۴ع) نے تین تحریکات کی بنیاد رکھی جو اُن کے فرزندوں کی سرپرستی اور نگرانی میں وسیع پیمانے کی جدید صنعتوں کی جانب رہنمائی کر رہی ہیں - ایک تو بنگلور کا انڈین انسٹی‌ٹیوٹ آف سائنس [۱] ہے جس نے سنہ ۱۹۱۱ع میں کام شروع کیا - یہ درسگاہ اپنے قیام کے ارادے اور ابتدائی امداد کے لئے ٹاٹا خاندان کی ممنون احسان ہے - لیکن اب حکومت میسور فیاضی سے اس کی امداد کر رہی ہیں - جیسا اس کے مجوزہ ابتدائی نام سے ظاہر ہوتا تھا اس کے قیام کا مدعا یہ تھا کہ ہندوستان بھر کے سند یافتہ سائنسدانوں کے لئے تحقیق کیلئے تنہا یونیورسٹی بن جائے - اس انسٹی‌ٹیوٹ کے عام اور عملی کیمسٹری ، آرگینک کیمسٹری [۲] اور برقی فنون کی سائنس کے شعبہ جات میں تحقیق و تدقیق کا کام بڑے اعلیٰ معیار پر ہوتا ہے جس میں صنعت و حرفت کی عملی امداد کو مدنظر رکھا جاتا ہے - مسٹر ٹاٹا کی دوسری شاندار سکیم یہ تھی کہ ہندوستان میں اعلیٰ پیمانے پر لوہے اور فولاد کی جدید صنعت قائم کی جائے - بڑی تلاش اور یورپ و امریکہ کے بڑے بڑے ماہروں کے مشورے سے کارخانے کے لئے جگہ اور موقع ساکچی تجویز کیا گیا - یہ چھوٹا ناگپور کے صوبے کے جنوبی حصے میں ایک بے حقیقت سا گاؤں تھا ، لیکن اب ایک وسیع صنعتی شہر بن گیا ہے اور سنہ ۱۹۱۹ع میں مسٹر جمشیدجی ٹاٹا کے نام پر اس کا نام جمشید پور رکھا گیا - اسکے موقع اور محل کے انتخاب میں چار ضرورتوں کو مد نظر رکھا گیا تھا یعنی (۱) خام لوہے کی وسیع کان قریب ہو - (۲) کوئلے کی ایسی کان نزدیک ہو جس کا کوئلہ آسانی سے کوک میں تبدیل ہوسکے یعنی اس میں سے رال ، گندھک اُڑنے والے مادے بآسانی الگ ہوسکیں - (۳) چونے کا پتھر جو دھاتوں کو پگھلانے کے لئے اشد ضروری ہے قریب ہو - اور (۴) ریلوے کے ذریعے بھیجنے اور منگانے میں سہولت ہو اور کوئی بڑی بندرگاہ قریب ہو - جس جگہ لوہے اور فولاد کا یہ وسیع کارخانہ واقع ہے اس میں یہ تمام خوبیاں موجود تھیں - لوہا بنانے کا کام سنہ ۱۹۱۱ع میں شروع کیا گیا - جنگ عظیم کے زمانے میں حکومت نے اس کارخانے سے

Indian Institute of Science—[۱]
Organic Chemistry—[۲]

مشرقی مہمات کے لئے ۱۵۰۰ میل ریل اور دیگر سامان حاصل کیا - اب یہاں کئی معاون صنعتیں جاری ہوگئی ہیں مثلاً آلات زراعت ' جوٹ کی مشین ' انیمل والے برتن اور ریلوے انجنوں کے پرزے بھی تیار کئے جاتے ہیں - جمشید پور کی آبادی ایک لاکھ کے قریب ہے ' اور قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ بہت جلد دو لاکھ تک پہنچ جائیگی - اسکے علاوہ یہ ایک نئے نمونے کا شہر ہے جو نئی طرز پر تعمیر کیا گیا ہے - اس میں تمام ضروری اہتمام ' حفظان صحت کے جدید ترین انتظامات ' بجلی کی روشنی اور وہ تمام سہولتیں موجود ہیں جن کی ایک روز افزوں صنعتی آبادی کو ضرورت ہوتی ہے -

هائیڈرو الیکٹرک سکیم ' مزدوروں کی بہبود ' خیرات

تیسری عظیم‌الشان تجویز یہ تھی کہ مغربی گھاٹ پر مصنوعی تالاب بناکر ان سے بمبئی اور گرد و نواح کی صنعتوں کے استعمال کے لئے برقی طاقت مہیا کی جائے - تجویز کرنے والے مسٹر تاتا کے انتقال سے چھ برس بعد سنہ ۱۹۱۰ع میں تاتا هائیڈرو الیکٹرک سپلائی کمپنی قائم ہوئی اور پانچ سال کے عرصے میں یہ بمبئی کے ایک تہائی کارخانوں کو سستی اور بغیر دھوئیں کی برقی طاقت بہم پہنچانے کے قابل ہوگئی - یہ کام روز بروز وسعت اختیار کر رہا ہے اور اس کی تقلید میں ہندوستان میں هائیڈرو الیکٹرک کی اور بھی بڑی بڑی سکیمیں پیدا ہوگئیں - ان سکیموں کا سرمایہ کروڑوں تک پہنچتا ہے اور اس کا کثیر حصہ خود ہندوستان سے حاصل کیا گیا تھا - فولاد کمپنی کا سرمایہ $10\frac{1}{2}$ کروڑ سے زیادہ ہے اور هائیڈرو الیکٹرک کمپنی اور اس کی دو معاون کمپنیوں کا سرمایہ ۱۴ کروڑ سے اوپر ہے - سرمایے اور صنعت کی اس عظیم‌الشان تنظیم کے ساتھ ہی مزدوروں اور کارکنوں کی بہبود کو ہمیشہ پیش نظر رکھا گیا ہے - مزید برآں تاتا خاندان خیراتی کاموں سے بھی بیگانہ نہیں رہے - لیکن انہوں نے "اس بےترتیب خیرات پر جو ننگوں کو کپڑا ' بھوکوں کو کھانا اور بیماروں کو شفادیتی ہے" تعمیری خیرات کو ترجیح دی ہے جو بہترین اور عالی دماغ لوگوں کی امداد کرکے انہیں ملک کی خدمت کے قابل بناتی ہے - کہا جاسکتا ہے کہ ہر کام میں محض قابلیت پر زور دینے میں بعض اہم انسانی فرائض کے چھوٹ جانے کا خدشہ ہے - نیز بےشمار سرمایہ چند افراد کے ہاتھ پڑ جانے میں بھی خطرے کا امکان ہے خصوصاً ایسی حالت میں جب رہنمائی کی قابلیت اور

قوت غیر ممالک سے حاصل کرنے کی ضرورت پڑتی ھے - لیکن اُس قسم کے معاملات میں اخلاقیات ، عقل سلیم ، حب وطن اور تجارتی و صنعتی قابلیت کی ضروریات میں مفاھمت و مطابقت ناممکن نہیں اور انسانی معاملات میں ایمانداری سے اعتدال کے راستے پر چلتے رھنے سے بہترین نتائج برآمد ھوتے ھیں -

حکومت کی تعلیمی پالیسی کی نئی تشریح

اس دور میں تعلیم کے متعلق کئی دلچسپ امور نظر آتے ھیں - حکومت کی نئی پالیسی کا آغاز ملک معظم کی اُس تقریر سے ھوتا ھے جو انھوں نے ۶ جنوری سنہ ۱۹۱۲ع کو کلکتہ یونیورسٹی کے سپاسنامہ کے جواب میں کی تھی - انھوں نے فرمایا :—

"میری خواھش ھے کہ ملک میں اسکولوں اور کالجوں کا جال بچھ جائے اور ان میں سے وفادار ، دلیر اور کارآمد رعایا پڑھ کر نکلے جو صنعت و حرفت ، زراعت اور زندگی کے دیگر شعبہ جات میں اپنے پاؤں پر کھڑی ھونے کے قابل ھو جائے - نیز میں چاھتا ھوں کہ علم کی روشنی سے اور اس کے لوازم یعنی خیالات ، آرام و آسائش اور صحت کے بلندتر معیار کی بدولت میری ھندوستانی رعایا کے گھرانے روشن نظر آئیں اور ان کی محنت خوشگوار ھو جائے - میری یہ خواھش تعلیم ھی سے پوری ھوسکتی ھے اور ھندوستان کی تعلیمی ترقی کو میرے دل میں ھمیشہ نمایاں جگہ حاصل رھیگی" -

اس شاھی تقریر کے بعد حکومت ھند کی ۲۱ فروری اور ۲۴ اپریل سنہ ۱۹۱۳ع کی تجویزیں آتی ھیں - جن میں تعلیمی حالات پر تبصرہ کرکے ملک معظم کے قائم کردہ اصولوں کی روشنی میں تعلیمی پالیسی کی تشریح کی گئی - ان قراردادوں میں یہ پروگرام بنایا گیا کہ تعلیم کو ایک معاشرتی قوت کی صورت دی جائے - تعلیمی امور میں اصول صحت ، جسمانی تربیت اور طلبا کے چال چلن کا معیار بلند کرنے پر خاص توجہ ھو - طلبا کے لئے قیام گاھیں قائم کی جائیں اور صحت کے خیال سے ان کے طبی معائنے کو رواج دیا جائے - اساتذہ ، ماھرین تعلیم اور رفاہ عامہ کے کاموں میں دلچسپی لینے والوں کے میل جول اور باھمی مشورے کو اور زیادہ رواج دیا جائے - مذھبی اور اخلاقی تعلیم کی اھمیت کو مدنظر رکھا جائے - توسیع تعلیم کا

ایک نظام عمل تیار کیا جائے جس میں حکومت ابتدائی تعلیم پر فیاضی سے روپیہ خرچ کرے اور ثانوی تعلیم کے معاملے میں غیر سرکاری کوششوں کی حوصلہ افزائی کرے - فنون ' تجارت اور صنعت و حرفت کی تعلیم پر پہلے سے زیادہ توجہ کی جائے اور یونیورسٹی کے نظام ' افادۂ تعلیم اور نصب العین میں جدید خیالات و اسالیب سے پورے طور پر فائدہ اٹھایا جائے اور اس میں نئی اقامتی اور تدریسی یونیورسٹیوں پر تحقیق و تدقیق اور بیرون نصاب لیکچروں کے انتظام پر خاص توجہ کی جائے تاکہ یونیورسٹیاں عام زندگی سے زیادہ قریب ہو جائیں -

تعلیمی اخراجات میں کثیر اضافہ کے باوجود ناکامی کے اسباب

یہ نظام عمل واقعی نہایت بلند تھا اور اگر کامیابی کا انحصار محض اخراجات پر ہوتا تو اسے عظیم‌الشان کامیابی حاصل ہوتی - سنہ ۱۹۰۵ع میں سرکاری سرمایے سے (مقامی ' صوبجاتی اور مرکزی سب مل کر) تعلیم پر ساڑھے تین کروڑ سے کم روپیہ خرچ ہوتا تھا - ۲۵ سال کے عرصے میں یہ خرچ بڑھتے بڑھتے سنہ ۱۹۳۰ع میں ۱۲ کروڑ سے اوپر ہو گیا - لیکن تعلیمی ترقی کے لئے روپیہ کے علاوہ اور بھی کئی باتوں کی ضرورت ہوتی ہے مثلاً اعلیٰ تربیت یافتہ اساتذہ جو اپنے نصب العین کے شیدائی اور ملک کے تمدن ' روایات اور آئندہ امیدوں سے کلیتاً متفق اور وابستہ ہوں ' قوم کے مختلف فرقوں میں باہمی امداد و اعتماد ' نیز قوم اور حکومت کے درمیان جو ملک کے سرمایہ اور نظام سلطنت پر قابض ہوتی ہے اشتراک عمل اور اعتماد کی موجودگی ' تعلیمی سرگرمیوں کی ارد گرد کی تمدنی اور صنعتی زندگی سے موافقت ' اور ایک ایسی قومی پالیسی جو عوام کی تعلیم کا سلسلہ بالترتیب یونیورسٹیوں نیز دستکاری اور حرفت کی دستگاہوں کے تعلیمی قصر کی بلند ترین چوٹی کے ساتھ قائم کر دے - مسٹر میہو [۱] نے سنہ ۱۹۲۶ع میں برطانوی حکومت ہند کی تعلیمی پالیسی اور ہندوستان کی موجودہ قومی زندگی اور قومی مسائل اور اس کے اثرات پر ایک تبصرہ شایع کیا تھا جس میں انہوں نے اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ تمدنی شبہات اور بےچینی نے ایک اہم اور سرگرم قوت کی صورت اختیار کر لی ہے - ہم میں سے اکثر اس امر پر متفق ہونگے کہ جو

[۱]—Mr. Mayhew

اصول مغربی تجربہ کی بنا پر بنائے گئے ہیں انہیں بغیر کسی تغیر و تبدل یا ترمیم کے ہندوستان میں رائج کرنے سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا - ہمارے نظام تعلیم میں عورتوں کے اور گھروں کے اندرونی حالات کو مناسب اہمیت نہیں دی گئی - فرقہ‌وارانہ رقابت میں کمی کے بجائے اضافہ ہو رہا ہے ، اور سنہ ۱۹۱۹ع کی اصلاحات کے ماتحت صیغۂ تعلیمات کو منتخب شدہ وزرا کے سپرد کر دینے سے اس رجحان کو کم از کم شمالی ہند میں مزید تقویت حاصل ہو رہی ہے - سنہ ۲۲—۱۹۲۰ع کی تحریک عدم تعاون (نان‌کوآپریشن) نے سرکاری تعلیم کو مسترد کر دیا لیکن اس کے بجائے خود کوئی مؤثر قومی نظام پیش نہ کیا - اس لئے تعلیم کو سخت نقصان پہنچا اور یہ نقصان اس وجہ سے اور بھی زیادہ توجہ کے قابل ہے کہ سنہ ۱۲-۱۹۱۸ع میں انفلوئنزا کی وبا میں جس میں پچاس لاکھ آدمیوں کی جان گئی تعداد طلبا کی ترقی پہلے ہی رک گئی تھی - ممکن ہے کہ سنہ ۳۱—۱۹۳۰ع کی سیاسی بدنظمی سے بھی ایسے ہی مضر نتائج برآمد ہوں - جنگ عظیم (۱۸—۱۹۱۴) اور اس کے بعد کی مالی مشکلات کے باعث بھی کئی مفید اصلاحات کا خیال ترک کرنا پڑا ہے - اگرچہ ہندوستان میں تعلیم پر پہلے کی نسبت بہت زیادہ روپیہ خرچ ہو رہا ہے لیکن سنہ ۱۹۲۹ع کی تعلیمی کمیٹی نے جو سر فلپ ہارتوگ [۱] کی صدارت میں سائمن کمیشن کی معاون کے طور پر قائم کی گئی تھی اس خیال کا اظہار کیا ہے کہ بہت سا روپیہ غیر ضروری اور غیر مؤثر طریق پر ضائع ہو رہا ہے - اس امر سے انکار نہیں ہو سکتا کہ کمیٹی کی یہ نکتہ چینی انصاف پر مبنی ہے -

غیر سرکاری کوششیں اور عوام کی تعلیم

لیکن تعلیم کے متعلق ہندوستانی رائے عامہ میں جو عام بیداری پائی جاتی ہے وہ بہت حوصلہ افزا ہے - لڑکیوں کی تعلیم اس وقت بھی گری ہوئی ہے لیکن یہ امر موجب اطمینان ہے کہ درسگاہوں میں لڑکیوں کی تعداد بڑھ رہی ہے - چنانچہ سنہ ۱۹۰۰ع میں مدارس میں لڑکیوں کی تعداد چار لاکھ تھی اور سنہ ۱۹۲۹ع میں انیس لاکھ ہوگئی - بالغوں کی تعلیم کے متعلق مدراس بنگال اور بمبئی میں ترقی کے آثار نظر آتے ہیں اگرچہ سرکاری

---

[۱] — Sir Philip Hartog

اعداد و شمار غالباً اصل صورت حالات سے زیادہ خوشگوار ہیں - راقم الحروف نے ایک اور موقع [۱] پر چند مشکلات کی جانب اشارہ کیا ہے جو بالغوں کی تعلیم میں حائل ہیں - مسلمانوں کی تعلیمی حالت بھی ترقی کر رہی ہے اگرچہ یہ ترقی اعلیٰ اور فنی شعبہ جات میں (ادنیٰ درجوں کی نسبت) کم پائی جاتی ہے - عام تعلیم کے معاملے میں ہم اپنے تبصرے کا آغاز مسٹر گوکھلے کی اس قرارداد سے کرسکتے ہیں جو انہوں نے ۱۸ مارچ سنہ ۱۹۱۰ع کو وائسرائے کی مجلس مقننہ میں پیش کی تھی کہ "ابتدائی تعلیم کو ملک بھر میں مفت اور لازمی قرار دینے کے لئے بنیادی تدابیر شروع کردی جائیں، اور اس کے متعلق واضح تجاویز پیش کرنے کے لئے ایک کمیشن مقرر کیا جائے" - اگرچہ یہ قرار داد نامنظور ہوگئی لیکن انہوں نے سنہ ۱۹۱۱ع میں اسی مقصد کے لئے ایک مسودۂ قانون پیش کر دیا مگر اس میں بھی کامیابی نہ ہوئی - ان کی زندگی میں لازمی تعلیم کا آغاز بھی نہ ہوسکا - لیکن ان کی تحریک قائم رہی اور مختلف صوبجات میں سنہ ۱۹۱۸ع اور سنہ ۱۹۲۰ع کے درمیان ایسے قوانین بنائے گئے جن کی رو سے حکام متعلقہ کو منتخب علاقوں میں لازمی تعلیم کا تجربہ کرنے کا اختیار دیا گیا - ان قوانین سے بہت کم مفید اور بڑے نتائج برآمد ہوئے جس کی وجہ کچھ تو اقتصادی مشکلات تھیں اور کچھ تحریک عدم تعاون - ان کے علاوہ ایک دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ لازمی تعلیم کا خیال ابھی اہل ہند کے دلوں میں پورے طور پر جاگزیں نہیں ہوا تھا اور اس قسم کے مقامی اور اختیاری قوانین ایک قومی پالیسی کا بدلہ نہیں ہوسکتے - درسگاہوں کی اور طلبا کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا ہے اگرچہ ادنیٰ ترین ابتدائی درجوں سے آگے بڑھنے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور ایسے بچوں کی نسبتاً بہت کثرت ہے جو ابتدائی درجوں کے بعد تعلیم کا سلسلہ چھوڑ دیتے ہیں اور سب کچھ بھول بھال کر پھر اَن پڑھ رہ جاتے ہیں [۲] -

---

[۱]—دیکھو ورلڈ ایسوسی ایشن فارالقلت ایجوکیشن بلیٹین نمبر ۲۷ بابت ماہ فروری سنہ ۱۹۳۱ع -

[۲]—دیکھو رسالہ "نائنٹینتھ سینچری" Nineteenth Century بابت ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۸ع میں راقم الحروف کی تنقید -

نئی یونیورسٹیاں

یونیورسٹیوں کے معاملے میں ترقی کی رفتار بہت تیز بلکہ قریباً انقلاب انگیز رہی ھے - ہم پانچ یونیورسٹیوں کا ذکر پہلے کرچکے ہیں جو سنہ ۱۸۵۷ع سے سنہ ۱۹۱۶ع تک ۵۹ سال کے عرصے میں قائم ہوئیں - سنہ ۱۹۱۶ع سے سنہ ۱۹۲۹ع تک تیرہ سال کی مدت میں تیرہ نئی یونیورسٹیاں بن گئی ہیں جن سے کل تعداد ۱۸ تک پہنچ گئی ہے - ان کی بدولت نئے تعمیری انداز ، کام کے نئے ڈھنگ اور تعلیم و تعلم کے نئے طریقے پیدا ہوگئے ہیں - بنارس ہندو یونیورسٹی (۱۹۱۶) اور علی‌گڈھ مسلم یونیورسٹی (۱۹۲۰) صریحاً جماعتی اور مذہبی یونیورسٹیاں ہیں بلکہ انہیں فرقہ‌وارانہ یونیورسٹیاں کہنا شاید زیادہ درست ہوگا کیونکہ انہوں نے مذہبی معلموں کی تربیت اور مذہبی خیالات و احساسات کے جدید اسالیب کی ترقی کے لئے کوئی باقاعدہ کام نہیں کیا - میسور یونیورسٹی (۱۹۱۶) اور عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد دکن (۱۹۱۹) ہندوستان کی دو بڑی سلطنتوں میں بروئے قانون قائم شدہ یونیورسٹیاں ہیں - اول‌الذکر ہندو تمدن کا اور ثانی‌الذکر مسلم تمدن کا مرکز ہے - عثمانیہ یونیورسٹی میں ذریعۂ تعلیم ایک دیسی زبان یعنی اُردو ہے - لیکن دوسری یونیورسٹیوں نے اُن صورتوں میں بھی جہاں مختلف دیسی زبانوں کی حوصلہ افزائی اور امداد کی جاتی ہے انگریزی ہی کو ذریعۂ تعلیم بنا رکھا - یہ امر غور طلب ہے کہ اس صورت میں جب مختلف مقامات پر ایک درجن سے زیادہ دیسی زبانیں امتیاز و اہمیت کی طالب ہوں گی دیسی زبانوں کی یونیورسٹیوں کا قیام ہندوستان کے ایک واحد قوم بننے کی راہ میں کس قدر حائل ہوگا - اگر ہندوستان بھر میں کوئی ایک دیسی زبان (مثلاً ہندوستانی جس کا قومی ضروریات کے لحاظ سے ایک خاص معیار بنا لیا گیا ہو) منظور کر لی جائے تو یہ صورت حال بدل سکتی ہے - لیکن یہ بات موجودہ زمانہ میں نہیں ہوسکتی- پٹنہ (۱۹۱۷) اور ڈھاکہ (۱۹۲۰) اقامتی اور تدریسی قسم کی یونیورسٹیاں ہیں ، اور ان کی ہیئت ترکیبی اس دائرہ خیالات کا نتیجہ ہے جو سر مائیکل سیڈلر [۱] کے کلکتہ یونیورسٹی کمیشن سنہ ۱۹۱۷ع سے تعلق رکھتا ہے جس نے اپنی رپورٹ سنہ ۱۹۱۹ع میں پیش کی

[۱]—Sir Michael Sadler

تھی - یہ کمیشن خاص طور پر کلکتہ یونیورسٹی کی اصلاح کی غرض سے مقرر کیا گیا تھا اور اس نے کلکتہ یونیورسٹی کے پرانے دائرۂ عمل میں سے ایک حصہ نکال کر ڈھاکہ میں ایک نئی قسم کی یونیورسٹی کا ڈھانچہ تیار کیا اور آئندہ اسی قسم کی یونیورسٹیاں قائم کرنے کا مشورہ دیا - اس نئی قسم کی خصوصیت یہ ہے کہ اس کے کل شعبہ جات ایک ہی مقام پر مجتمع ہوں اور تعلیم و تدریس کا کام مختلف کالجوں کے بجائے خود یونیورسٹی کے ہاتھ میں ہو - کمیشن نے یہ سفارش بھی کی تھی کہ انٹرمیڈیٹ کالج اور ان کے ساتھ علیحدہ انٹرمیڈیٹ بورڈ بنائے جائیں - لیکن ان سفارشات پر کلکتہ یونیورسٹی کی بہ نسبت دیگر یونیورسٹیوں میں زیادہ عمل کیا گیا - تاہم بارہ سال کے تجربے نے اس امر کی تائید نہیں کی کہ یہ سفارشات واقعی ہندوستان کے حالات کے موافق تھیں - کلکتہ یونیورسٹی سر آسوتوش مکرجی کی زبردست رہنمائی میں اپنے طریق پر بدستور ترقی کرتی رہی - اس نے اپنی سرگرمیوں کے بعض پہلوؤں کی بدولت ایک ایسا مرتبہ حاصل کرلیا ہے جو ہندوستان بھر میں کسی اور یونیورسٹی کو حاصل نہیں - مثلاً ڈگری کے بعد کی تعلیم کے صیغے کو ترقی دی گئی - تعلیم کے نئے شعبہ جات جاری کئے گئے - سنسکرت اور اسلامی تمدن کی تعلیم کے لئے نئی اسامیاں قائم کی گئیں - دیسی زبانوں اور تمدنی مضامین کی حوصلہ افزائی کی گئی اور پرانے کلکتہ ریویو کو حاصل کرکے یونیورسٹی کا رسالہ بنا لیا گیا - ڈھاکہ یونیورسٹی کی طرح مقامی یونیورسٹیاں رنگون (۱۹۲۰) - لکھنؤ (۱۹۲۰) - دہلی (۱۹۲۲) اور ناگپور (۱۹۲۳) میں قائم کی گئیں اور اس طرح صوبجاتی اور مقامی روایات کی اہمیت کا اعتراف کیا گیا - آگرہ یونیورسٹی (۱۹۲۷) اس غرض سے قائم کی گئی کہ الہ آباد کی پرانی یونیورسٹی کو دور دراز علاقوں کے انتظامی بار سے نجات مل جائے - اندھرا یونیورسٹی سنہ ۱۹۲۶ع میں بیزوادہ میں قائم ہوئی - اس کا مقصد صریحاً تلوگو تمدن کی نشو و نما ہے - دراوڑی تمدن کی دوسری شاخوں (تامل اور ملیالم) کی اشاعت اور ترقی، سب سے نئی یونیورسٹی یعنی انامالائے یونیورسٹی کے پیش نظر ہے جس نے سنہ ۱۹۲۹ع میں کام شروع کیا - یہ یونیورسٹی چھدامبرم (متصل پورٹونوو - ضلع جنوبی ارکاٹ) میں واقع ہے جو شیو مت کا بہت بڑا مرکز ہے - اس میں قانونی تعلیم کا انتظام نہیں کیا

جائے گا اور یہ انگریز معلمین اور انگریزی اثر کا بڑی خوشی سے خیرمقدم کریگی - جو یونیورسٹیاں قانون سے قائم کی گئی ہیں اُن میں اس یونیورسٹی کو یہ امتیاز حاصل ہے کہ اس کا قیام ایک واحد فیاض راجا سر ایس - آر - ایم اناملائی چیٹیار کی ہمت اور اولوالعزمی کا نتیجہ ہے اور یہ ان ہی کے نام سے موسوم ہے - راجا صاحب نے وقف فنڈ کا اجرا بیس لاکھ روپیہ سے کیا تھا اور اسی قدر روپیہ حکومت نے دے دیا - ان واقعات سے ظاہر ہوتا ہے کہ آج کل یونیورسٹیاں بہت سے مختلف طریقوں پر کام کر رہی ہیں - اور انٹر یونیورسٹی بورڈ جو سنہ ۱۹۲۶ع میں ان کی باہمی مشاورت کو ترقی دینے کی غرض سے قائم کیا گیا تھا ہماری اعلیٰ تعلیم کے سلسلے میں ایک اہم اور ضروری فرض انجام دے گا -

تعلیم اور تحقیق و تدقیق کے دیگر ادارات

ان سرکاری طور پر منظور شدہ یونیورسٹیوں کے علاوہ بعض دیگر ادارات بھی موجود ہیں جو یونیورسٹیاں کہلاتے ہیں لیکن ان کے نصاب ہائے تعلیم ، طریق کار اور خیالات منظور شدہ ادارات سے مشابہت نہیں رکھتے - '' قومی '' یونیورسٹیوں کے ضمن میں دو ادارات کا ذکر کیا جاسکتا ہے جن میں سے ایک تو عدم تعاون کے دنوں میں منظور شدہ یونیورسٹی کے مقابلے میں علیگڈھ میں قائم کیا گیا تھا اور اب دھلی میں منتقل ہوگیا ہے - دوسری یونیورسٹی احمدآباد میں مہاتما گاندھی کے زیر سرپرستی کام کر رہی ہے - پروفیسر کروے[۱] کی درس‌گاہ واقع پونا (جو مستورات ہند کی یونیورسٹی کہلاتی ہے) سرکاری منظوری کی خواہاں ہے لیکن ابھی حکومت کے مطلوبہ معیار تک نہیں پہنچی - ان سب سے بالکل مختلف نوعیت کے ادارات وہ ہیں جن کو تحقیق و تدقیق کی درس‌گاہ [۲] کہا جاتا ہے - ان میں سے بیشتر غیر سرکاری اوقات کی بدولت قائم ہوئے ہیں لیکن حکومت کی طرف سے ان کو امداد ملتی ہے - ان میں فنون کے متعلق اعلیٰ پایہ کی عملی تحقیق و تدقیق کا کام ہو رہا ہے - اس قسم کے ادارات میں سے بعض کا حکومت سے براہ راست تعلق ہے جن میں سے مندرجہ ذیل قابل ذکر ہیں : (۱) پوسا کا زراعتی انسٹیٹیوٹ جسے اب

Professor Karve—[۱]
Research Institute—[۲]

عالمگیر شہرت حاصل ہوگئی ہے - (۲) جنگلات کے متعلق تحقیق و تدقیق کا انسٹیٹیوٹ واقع ڈیرہ دون جس میں اقتصادیات ' جنگلات کی سائنس ' کیمسٹری ' علم نباتات اور کیڑے مکوڑوں کی سائنس کے شعبہ‌جات شامل ہیں - (۳) طبی تحقیقات کے لئے انڈین ریسرچ فنڈ ایسوسی ایشن اور (۴) مویشیوں کی پرداخت اور ڈیری کے متعلق امپیریل انسٹیٹیوٹ واقع بنگلور - ان سے زیادہ آزاد ادارات کے ضمن میں ہم چار ادارات کا ذکر کرسکتے ہیں یعنی (۱) بنگلور کا انسٹیٹیوٹ آف سائنس - (۲) سر جگدیش چندر بوس کا ریسرچ انسٹیٹیوٹ واقع کلکتہ - ان دونوں میں علم طبیعیات کے متعلق تحقیق و تدقیق ہوتی ہے - (۳) بھنڈارکر انسٹیٹیوٹ پونا اور (۴) دارالمصنفین اعظم گڈھ - یہ دونوں علی الترتیب ہندوستانی اور اسلامی معاملات کے متعلق مشرقی تحقیق و تدقیق میں مصروف ہیں - ان کے علاوہ دہلی کے طبیہ اور آیورویدک کالج اور ریسرچ انسٹیٹیوٹ کا ذکر بھی ضروری ہے جو چند سال ہوئے حاذق الملک حکیم اجمل خاں مرحوم (متوفی ۱۹۲۸) کی تحریک پر قائم ہوا تھا - یہاں جدید اصولوں کے مطابق تحقیق و تدقیق کے ذریعے سے ہمارے قدیم طبی نظام کو بہترین جدید معلومات کی سطح پر لانے کا کام ہو رہا ہے - طبی تعلیم کی نگرانی کے لئے مجوزہ آل انڈیا کونسل ہندوستان کی طبی سندات کو منظور کرنے سے برطانیہ عظمی کی جنرل میڈیکل کونسل کے انکار (۱۹۳۰) کا نہایت موزوں جواب ہے - مستقبل میں غالباً ہندوستان کی اعلی قانونی تعلیم کو بھی اسی طرح لندن کی قانونی درسگاہوں کی محکومی سے آزاد کرنا ممکن ہوجائیگا -

ممتاز سائنسداں اور ماہرین ریاضی

گزشتہ چند سال میں ہندوستان نے موجودہ سائنس کی تعلیم اور سائنس کے اصولوں کے مطابق نئی تحقیق و تدقیق کے معاملے میں نمایاں ترقی کی ہے - سر جگدیش چندر بوس (پیدائش سنہ ۱۸۵۷ع) نے پودوں میں برقی تاثر کے مطالعے اور نباتات و حیوانات کی زندگی کے باہمی رشتہ کے متعلق اپنے عجیب اور حیرتناک خیالات کے باعث عالمگیر شہرت حاصل کرلی ہے - یہ پہلے ہندوستانی تھے جنھیں انگلستان کی رائل سوسائٹی کا فیلو منتخب کیا گیا - کلکتہ کالج آف سائنس کے سینیر پروفیسر سر پربھلا چندر رائے (پیدائش سنہ ۱۸۶۱ع) نہ صرف مشہور و معروف کیمسٹری داں ہیں

بلکه ان کی عام تمدنی مهارت بهی بهت وسیع هے - کلکته یونیورسٹی کے پروفیسر سی - وی - راض (پیدائش مدراس سنه ۱۸۸۸ع) کو سنه ۱۹۳۰ع میں علم طبیعات کا نوبل پرائز ملا هے جس کا باعث انتشار نور (روشنی کے پهیلنے) کے متعلق ان کی تحقیقات اور اُس اصول کی دریافت هے ، جسے ان کے نام پر " رامن تاثر " کہا جاتا هے - اب هندوستان میں هر سال سائنس کانگرس منعقد هوتی هے چنانچه پروفیسر رامن اس کے اجلاس منعقده سنه ۱۹۲۸ع کے صدر منتخب کئے گئے تهے - ریاضی کا ایک عالی پایه ماهر جنوبی هند میں پیدا هوا - یه سری نواس رامانوجن (۱۸۸۷ــــ۱۹۲۰) تهے - صرف ۳۳ سال کی عمر میں بےوقت موت سے ایک ایسی هستی اُٹهه گئی جس کا مستقبل بہت شاندار نظر آتا تها -

مصوری کے نئے اسلوب

فنون لطیفه میں بهی نئی زندگی کا ظهور نظر آتا هے - مغل مصوری کے قدیم اسالیب نیز وه انداز جنهیں راجپوت اور کانگڑه اسالیب کا نام دیا گیا هے صفحهٔ هستی سے مٹتے هوئے معلوم هوتے تهے - اور اُنیسویں صدی کی کوششیں پست درجه کے زیاده تر تقلیدی کام تک محدود رهیں - لیکن بیسویں صدی کے اوائل میں دو بهائیوں ابنندرو ناتهه اور گوگنندرو ناتهه ٹیگور نے نئے پر تخیل نقطه هائے نظر سے هندوستانی روایات دو باره زنده کرنے پر توجه کی - مسٹر ای - بی هیول [۱] کو (جو ان دنوں کلکته کے سکول آف آرٹ کے پرنسپل تهے) ان نقطه هائے نظر سے کلی همدردی تهی ، انهوں نے اپنی تحریروں سے مشرقی فنون لطیفه کے اس نئے اسلوب کی حوصله افزائی کی - نقاشی اور رنگ آمیزی کے متعلق ان کے کام میں کسی قدر جاپانی اثر نظر آتا هے - لیکن موضوع تصویر کے متعلق ان کا تخیل هندوستانی فضاؤں میں پرواز کرتا هے اور ان کے مو قلم کے نتائج میں بہت کچهه جدت اور تاثیر هوتی هے ان کے اسلوب سے لکهنؤ ، لاهور اور جنوبی هند بهی متاثر هو رهے هیں - اس تحریک کے دیگر ممتاز افراد میں مندرجه ذیل نام قابل ذکر هیں :ــ کلکته کے تین مصور نند لال بوس ، اسِت کمار هالدار اور سریندر ناتهه گنگولی ، پٹنه کے ایشوری پرشاد - قصور (پنجاب) کے عنایت الله اور میسور کے وینکٹاپا -

---
[۱]—E. B. Havell

مغل اسلوب کے ایک روحانی جانشین عبدالرحمان چغتائی ہیں جن کی تصاویر متعلقہ دیوان غالب میں روحانیت کا جوش اور قدامت کی متانت دونوں چیزیں پائی جاتی ہیں - فنون لطیفہ کے نقاد ڈاکٹر جیمز کزنس [۱] نے ان تصاویر کا پر جوش خیر مقدم کیا ہے اور شاعر اقبال نے چغتائی کے فن کو اختراع سے بھرا ہوا قرار دیا ہے جو زندگی اور فطرت کے حقائق سے آگے نکل جاتا ہے اور بعض اوقات ان سے بےنیاز بھی ہوجاتا ہے - بمبئی کی جانب مسٹر رحمان سہمونل اس سے مختلف طریقہ پر کام کر رہے ہیں - انہوں نے گائیکواڑ بڑودہ کی سرپرستی میں شبیہ نگاری اور دیواروں کی آرائش دونوں کے متعلق قابل تعریف کام کیا ہے - ان کے موقلم سے مہاراجہ بڑودہ کی شبیہ سنہ ۱۹۱۰ع میں رائل اکاڈمی لندن میں برائے نمائش رکھی گئی تھی - بمبئی اسلوب فنون نے مسٹر گلیڈسٹون سالومن [۲] کے ماتحت دیواری تصاویر اور فن تعمیر پر بہت توجہ کی ہے - تھوڑے تھوڑے وقفہ پر ملک بھر میں تصاویر کی خاص اور عام نمائش ہوتی رہتی ہیں - اگرچہ ان کا معیار با اعتبار اوسط کچھ زیادہ بلند نہیں ہوتا لیکن اس سے اس امر کا ثبوت ضرور ملتا ہے کہ پبلک میں فنون تصویر کے متعلق دلچسپی پیدا ہو رہی ہے -

فن تعمیر میں تسلی بخش ترقی نہیں ہوئی

فن تعمیر میں ہندوستانی مذاق اور جوہر کی نشو و نما کے اعتبار سے تسلی بخش ترقی نہیں ہوئی - گزشتہ نصف صدی میں ہندوستانی ریاستوں میں کئی قابل ذکر محل اور برطانوی ہند میں متعدد سرکاری عمارتیں وجود میں آئی ہیں ، اور اگرچہ قدیم محکمہ تعمیرات عامہ کی بارکوں کا طرز تعمیر ہمیشہ کے لئے متروک ہوچکا ہے لیکن ابھی تک ہم نے فن تعمیر کا کوئی واضح معیار اور اصول نہیں بنایا - موجودہ صدی میں فن تعمیر کے متعلق تین بڑے مواقع پیدا ہوئے - (۱) وکٹوریا میموریل کلکتہ کی تیاری میں - (۲) نئی دهلی کی سرکاری عمارتوں کی تعمیر میں اور (۳) مجالس وضع قوانین کے ان متعدد اور کثیرالصرف ایوانوں کی تیاری میں جو مختلف صوبوں میں تعمیر ہوئے ہیں - بد قسمتی سے ان تینوں صورتوں میں ہندوستانی تمدن

James Cousins—[۱]
Mr. Gladstone Solomon—[۲]

اور قابلیت و ھنر کو بہت محدود موقع دیا گیا - وکٹوریا میموریل کا افتتاح ماہ دسمبر سنہ ۱۹۲۱ع میں ہوا تھا - اس کی بناوٹ بہت خوبصورت ھے لیکن اس کے بانی لارڈ کرزن کے الفاظ میں یہ " اٹلي کے دور جدید یعنی دور ریلے سانس [۱] کے طرز پر ھے جس میں کچھہ مشرقی نقوش بھی پائے جاتے ھیں " [۲] تیار کی گئی ھے - نئی دھلی اور بیشتر صوبوں کی مجالس مقننہ کے ایوانوں کے متعلق بھی اس قسم کے الفاظ استعمال کرسکتے ھیں - لندن کے انڈیا ھوس (افتتاح سنہ ۱۹۳۰ع) کا خاکہ بھی نئی دھلی کے ایک برطانوی ماھر تعمیر نے تیار کیا تھا اس عمارت کو اندرونی نقش و نگار کے سوا مشرقی فن تعمیر سے کسی لگاو کا دعوی تک نہیں ھے - دیواروں کے باھر جو لوح نما آرائشی نقش بنے ہوئے ھیں ان میں اس قدر مختلف عناصر یکجا ھیں کہ ان کا اجتماع مضحکہ خیز نہیں تو کم از کم بےجوڑ ٹھونس ٹھانس ضرور ھے - مسٹر ای- بی - ھیول کے خیال کے مطابق ھندوستان میں فن تعمیر کی قابلیت کافی حد تک موجود ھے - ھندوستانی فنون اور قابلیت کے ھر بھی خواہ کو اس امر کا افسوس ھوگا کہ ھندوستان کا کروڑوں روپیہ خرچ کرتے وقت اس رقم خطیر کو ھندوستانی روایات کو دو بارہ زندہ کرنے بلکہ کوئی نئی شاندار روایت قائم کرنے کے لئے بھی استعمال نہیں کیا گیا - مغل بادشاھوں نے فن تعمیر کا ایک شاندار طرز اور اسلوب قائم کر دیا تھا - ھندوستان کی انگریزی حکومت فن تعمیر کے کسی مرکزی طریق عمل یا نصب‌العین کے بغیر کام کر رھی ھے اور " اٹلي کے دور ریلے سانس کے طرز سے جس میں کچھہ مشرقي نقوش بھی پائے جاتے ھیں " دل بہلانے پر صابر و شاکر ھے -

ادبي رجحانات

ادب کے متعلق مندرجہ ذیل امور نمایاں نظر آتے ھیں : (۱) بنگالی نے سر رابندر ناتھہ ٹیگور کي طباعي کی برکت سے عالمگیر ادب کا مرتبہ حاصل کر لیا ھے - (۲) بنگالي ڈراما بدستور بنگالی تمدن کے صوبجاتی شعبے کی حیثیت میں ترقی کر رھا ھے اگرچہ (ٹیگور سے قطع نظر) اسے کوئی ھندوستان میں عالمگیر اثر حاصل نہیں ہوا - (۳) ھندوستانی

---

[۱]— Renaissance

[۲]— برٹش گورنمنٹ ان انڈیا ، مصنفہ ، لارڈ کرزن ، مطبوعہ لندن سنہ ۱۹۲۵ع جلد ۱ ، صفحہ ۱۷۷ -

زبان کانگریس کی تازہ کارروائیوں میں سب سے زیادہ مستعمل ہونے کے باعث روز بروز تمام ہندوستان کی جانب بڑھ رہی ہے - (۴) اردو نثر نے بہت وسعت حاصل کرلی ہے اور اردو شاعری روز بروز قومی موضوعات کی جانب مائل ہو رہی ہے - (۵) دیگر دیسی زبانوں نے اگرچہ بہت ترقی اور طاقت حاصل کرلی ہے لیکن یہ ہندوستان بھر کے تمدن کی نمائندگی کا دعویٰ نہیں کر سکتیں - اور (۶) انگریزی زبان کو ہندوستان بھر کے موثر ترین اور مخترع خیالات کی زبان کی حیثیت میں اب تک غلبہ حاصل ہے - غالباً مغربی ممالک کے نزدیک رابندر ناتھ ٹیگور اور مسز سروجنی نیڈو کی انگریزی نظموں کو ہندوستانی شاعری کی حیثیت میں جدید ہندوستان کے اور کسی ادب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے -

ٹیگور : بنگالی ڈراما ، نذرالاسلام

ڈاکٹر رابندر ناتھ ٹیگور (پیدائش سنہ ۱۸۶۱ع) کے متعلق اس قدر لکھا جاچکا ہے اور ان کی تصنیفات انگریزی میں اور کسی حدتک اردو میں اس قدر آسانی سے دستیاب ہوسکتی ہیں کہ یہاں ان کے اثر پر عام تبصرہ کافی ہوگا - آج کل کے ہندوستانی تمدن میں ان کی شخصیت کو بہت نمایاں اہمیت حاصل ہے - ان کے مذہبی گیتوں کا انداز قدرتی طور پر ہندوانہ ہے ، لیکن ان گیتوں نے شاعرانہ محاسن اور عارفانہ رموز عالمگیر حیثیت رکھتے ہیں - اروسی کے متعلق ان کا قصیدہ دراصل حسن کی دیوی کا قصیدہ ہے جس میں " لاثانی حسن کی ملکہ " لیکن " سنگدل اور بے پروا اُروسی " اپنے نقش قدم پر آنسوؤں کی کاشت کرتی جاتی ہے - ان کے انگریزی مضامین اور لیکچر ان کے فلسفۂ زندگی اور خیالات کی نہایت عمدہ تفسیر ہیں - اگرچہ ہندوستان کی تاریخ کے متعلق ان کے خیال میں ہندوستانی تمدن کی تعمیر میں مسلمانوں اور انگریزوں کے حصے کو دخل حاصل نہیں لیکن وشوا بھارتی (عالمگیر یونیورسٹی) کی سکیم میں اس کا اعتراف موجود ہے - اس سکیم میں تمدن کے فنی پہلو پر بھی زور دیا گیا ہے جس کی اشد ضرورت تھی - ان کا ڈراما اس قدر لطیف ، رمز آمیز اور شاعرانہ ہے کہ اس سے عام سٹیج کو کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتا - بیسویں صدی میں بنگالی سٹیج کا عملی ڈراما نگار ہونے کا فخر دولتچندر لال رائے (سنہ ۱۸۶۰—۱۹۱۳ع)

کو حاصل ہے - انھوں نے ڈراما نگاری سنہ ۱۸۹۵ع میں شروع کی لیکن ان کی ادبی فتوحات کا آغاز اُس وقت سے ہوتا ہے جب انھوں نے قومیت اور سودیشی کے موضوعات پر لکھنا شروع کیا - '' رانا پرتاپ '' '' نورجہاں '' اور '' میواڑ تپن '' ایسے ناٹکوں میں انھوں نے بنگالی ، مغل اور راجپوت تاریخ کی اور '' چندر گپت '' میں موریا تاریخ کی تصویر پیش کی ہے - لیکن ان کے تاریخی واقعات عجیب و غریب ہیں اور انھیں تاریخ کے بجائے رومانس (داستان حسن و عشق) کہنا زیادہ صحیح ہوگا - ان کی دلچسپی کا زیادہ تر رجحان جذبات کی چھان بین کی جانب ہے - اپنے آخری ڈراما '' پراپارے '' (یعنی '' پرلے کنارے '') میں انھوں نے بنگال کی موجودہ ہندو سوسائٹی کے مسائل کا تجزیہ کیا ہے - بنگالی زبان کے ایک مسلمان قومی مصنف مولوی نذرالاسلام ہیں جن کے نتائج طبع بہت دلفریب ہوتے ہیں - ان کی نظم '' بدروہی '' جوش جذبات اور جدت سے معمور ہے -

اردو ادب : ناول اور شاعری ، سر محمد اقبال

اردو ادب میں جامع اور لچک‌دار نثر کی حیرت انگیز ترقی جسکی مثالیں ادبی رسائل اور جدید ناولوں میں نظر آتی ہیں واقعی قابل توجہ ہے - جدید ناول نویسی میں شرر کی نقل اور پیروی ہو رہی ہے - لیکن یہ پیروی دوردراز مقامات کے تاریخی موضوعات پر لکھنے میں نہیں بلکہ کردار نگاری ، حقایق نویسی اور برجستہ داستان گوئی میں کی جاتی ہے - اس معاملے میں جاسوسی ناولوں کے رواج سے (جو ہندوستان میں مغربی ممالک سے آیا ہے) ناول نویسوں کو بہت امداد ملی ہے - لیکن اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ ابھی ہمارے ناولوں کو طلسم ، جادو اور جنوں کے واقعات اور عجیب و غریب ناگہانی اتفاقات سے پورے طور پر رہائی نصیب نہیں ہوئی - بے شمار کثیرالاشاعت ناولوں کے ضمن میں ہم پریم چند کے '' چوگان ہستی '' اور ظفر عمر کی نیلی چھتری '' اور '' لال کنھور '' کا نام لے سکتے ہیں - اردو شاعری اپنی قدیمی قیاس آرائی اور خالی خولی پرواز تخیل کو چھوڑ کر سیاسی اور فلسفیانہ موضوعات کی جانب مائل ہو رہی ہے - سیاسی میلان کی مثالیں حسرت موہانی (پیدائش سنہ ۱۸۷۵ع) ، اور لال چند ملک (پیدائش سنہ ۱۸۸۷ع) کی شاعری میں ملتی ہیں ، اور فلسفیانہ رجحان کا نمونہ

اقبال (پیدائش ۱۸۷۶ع) کی شاعری میں نظر آتا ہے - سر محمد اقبال نے بھی ابتدا میں حب وطن کے موضوعات پر کچھ اردو نظمیں لکھی تھیں - اور ان کی بعض نظمیں مثلاً " ہندوستان ہمارا " اور " نیا شوالہ " بطور قومی گیتوں کے بہت مقبول ہوئیں - لیکن انھوں نے زیادہ ٹھوس کام فارسی زبان میں کیا ہے - ان کی چار تصانیف " اسرار خودی " - " رموز بےخودی " - " پیام مشرق " - اور " زبور عجم " اسلامی فلسفے کے ایک واضح نظام کے ذکر میں ہیں جس کا عکس ان کی سیاسی تقریروں میں بھی نظر آتا ہے - مختصراً ان کا کلام ' ملک کے دو رویوں کے خلاف اظہار نفرت ہے - (۱) اہل مشرق کا تنزل اور غفلت و جمود کی طرف جو رجحان ہے اور (۲) اخلاقی قوت کی حیثیت میں مغربی تہذیب کی اہمیت کا اعتراف - ان کا پیغام جوش عمل ' بلند ہمتی ' اور ترقی نفس کی دعوت کرتا ہے - مغربی تہذیب کی مذمت کے متعلق ان کے خیالات کی نسبت خواہ کسی کی رائے کچھ ہی ہو لیکن تعمیری خیالات کی دنیا میں اقبال کے اعلیٰ رتبہ کے متعلق کوئی شبہ نہیں ہوسکتا - افسوس صرف اس کا ہوتا ہے کہ انھوں نے اپنی اہم تصانیف اردو کو چھوڑ کر فارسی میں لکھیں -

اردو ڈراما : آغا حشر کا شکوہ

اردو سٹیج کی حالت کا افسوسناک پہلو یہ ہے کہ اسے ابھی تک بنگالی اور مرہٹی سٹیج کے مانند کوئی مناسب فضا یا مرکز نصیب نہیں ہوا - ہر سٹیج تجارتی نقطۂ نظر کی جانب مائل ہو جایا کرتا ہے - اور جب تک اس رجحان کا مقابلہ کرنے کے لئے زبردست تمدنی حالات موجود نہ ہوں سٹیج کی شہرت روز بروز کم ہوتی جاتی ہے - اردو سٹیج کی تجارتی باگ پارسی سرمایہ‌داروں کے ہاتھ میں ہے - تجارتی اعتبار سے یہ لوگ بہت سمجھدار ہیں ' اور مرحوم مسٹر کھٹاؤ ایسے اصحاب نے سٹیج کے سامان اور مشنری میں اصلاح و ترمیم کرنے پر فخر بھی کیا ہے - لیکن انھیں اردو کی ادبی صلاحیت سے کوئی دلچسپی نہیں - اگر انھیں کوئی قابل اور طباع مصنف مل بھی جائے تو تجارتی کامیابی کی ضروریات اسے ایک قلمی مزدور بنا دیتی ہیں جسے ایک مقررہ ماہوار تنخواہ ملتی ہے - اس کے لکھے ہوئے ناٹکوں کے تمام حقوق مالکان کمپنی کے حق میں محفوظ ہوتے ہیں اور وہ

صرف سرمایہداروں کی فرمائش پر لکھتا ھے - اس کی اس قدر حیثیت نہیں ھوتی کہ خود کوئی ناٹک سٹیج پر لائے یا اسے چھپوا کر تعلیم یافتہ ناظرین کی سرپرستی حاصل کرلے - اور اس کے جتنے ناٹک سٹیج پر (بعض اوقات مسخ شدہ صورت میں) پیش کئے جاتے ھیں ان کے متعلق کسی قسم کا حق حاصل نہیں ھوتا - مشہور ڈراما نگار آغا حشر کے ایک خط میں جن کے ناٹکوں کا آج کل اردو سٹیج پر بہت رواج ھے اس صورت حالات کا بالکل درست نقشہ کھینچا گیا ھے - وہ لکھتے ھیں " مالکان کمپنی کی فرمائش ، پسند ، اور تاجرانہ نقطۂ نگاہ کو مدار عمل قرار دے کر ان کی معین کردہ مدت کے اندر کسی تصنیف کی تکمیل میں سرگرم کار ھونا ، مشغلۂ تصنیف نہیں ، علمی تذلیل ، ذھنی غلامی ، اور قلمی مزدوری ھے - لیکن حریت فکر و ضمیر کے خلاف ضرورتاً اس مزدورانہ زندگی کی پذیرائی کرنی ھوتی ھے " [۱] -

سٹیج کیسے آزاد ھوسکتا ہے

بنگالی سٹیج نے اھل قلم ، اھل ذوق اور اھل ثروت کے ساتھ مل کر کام کرنے کی وجہ سے آزادی حاصل کی ھے اور اردو سٹیج کے امراض کا علاج بھی اسی نسخے سے ھو سکتا ھے - اردو ڈراما کی دنیا میرٹھ کمپنی کے علی اطہر ایسے ایکٹروں سے محروم نہیں رھی جن کے چلن اور مہارت فن کی بدولت پبلک کی نظروں میں ان کے پیشے کی وقعت بڑھ رھی تھی - آج کل اردو زبان کے ادبی رسائل میں ڈراما پر روز افزوں توجہ ھو رھی ھے جس سے ڈراما کا مستقبل امید افزا نظر آتا ھے - لیکن یہ بات قابل ذکر ھے کہ بولنے والے فلموں کا سخت مقابلہ ھندوستان میں بھی دوسرے ملکوں کی طرح سٹیج کی ترقی کے لئے مضر ثابت ھوگا -

عہد ماضی کا سبق اور مستقبل کے لئے روشنی

برطانوی ھند کی تمدنی ترقی پر اس سرسری تبصرے کے دوران میں ھمیں اپنی تمدنی ذھنیت اور ذوق کے کئی پہلوؤں کی جھلک نظر آتی ھے - ابتدا میں مایوسی نظر آتی تھی - پھر تقلید کا دور آیا - اس کے بعد ھمیں معلوم ھوا کہ تقلید سے کوئی مفید نتیجہ برآمد نہیں ھوسکتا - اور اب ھم

[۱] — دیکھو رسالہ خیالستان لاھور - بابت ماہ ستمبر ۱۹۳۰ء ، صفحہ ۱۰ — ۱۲ -

یہ محسوس کر رہے ہیں کہ ہم نے اپنے آپ کو زنجیروں میں جکڑ لیا ہے - اس احساس پر شرمندگی کے ابتدائی غلبے میں ہم غلامی کی ذمہ داری اپنے بجائے دوسروں پر ڈالنے لگے - ہم مغرب کی پر تاثیر اور روز افزوں تہذیبوں کی برائی کرنے کی رو میں بہ جاتے ہیں ' اور ان کے تاریک پہلوؤں کی تلاش میں اُن عام خدمات کو نظر انداز کردیتے ہیں جو ان تہذیبوں نے بنی نوع انسان کے لئے اور خود ہمارے لئے انجام دی ہیں - خود اپنے ملک کی جانب آتے ہیں تو ہندوستانی آبادی کا ہر ایک حصہ اور ہر جزو اپنی تعریف میں مست ہو جاتا ہے اور دیگر اجزا کو نظر انداز کردیتا ہے یا پھر ان کی مذمت کرنے لگتا ہے - اس طرح تناسب کا احساس نابود اور گزشتہ ناکامیوں کے سبق کا اثر زائل ہوجاتا ہے - باہمی تہمت تراشی اور آپس کی بداعتمادی کے باعث وہ اعتماد نفس اور ثابت قدمی پیدا نہیں ہونے پاتی جس کے بھروسے پر ایک نئی تہذیب پر وقار انداز میں اپنے مستقبل کی منزلیں طے کیا کرتی ہے - اگر صحیح طریق پر اپنے نفس کی خرابیوں کی جانچ پرتال اور چھان بین کی جائے تو یہ عمل ایک قوت بخش نسخہ کا کام دے سکتا ہے - اس نسخے سے قوت حاصل کرکے ہمارے جسم کے رگ پٹھے نئی تولید میں مشغول ہوجائینگے اور اُن مرض پیدا کرنے والے کیڑوں کا علاج خود ہی ڈھونڈھ لینگے جو جسم کے رگ پٹھوں میں پیدا ہو گئے ہیں - جب اس قسم کے کیڑے اور برے مادے دور ہو جائینگے تو جوانی کے دوبارہ آنے کا سلسلہ ہمارے خیالات میں جوش انبساط ' ہمارے تمدنی نظام میں یک جہتی اور ہمارے اقتصادی اور سیاسی نظام میں انصاف پسندی اور اشتراک عمل پیدا کردے گا - اُس وقت مادر ہند کے تمام بیٹے بیٹیوں کو خواہ وہ ہندو نسل سے ہوں یا مسلم یا انگریز نسل سے " ہمارے ہندوستان " کے حال ' ماضی اور مستقبل سے روحانی اطمینان اور فخر حاصل ہوگا -

ضمیمہ

اُن کتابوں کی فہرست جن کا حوالہ کتاب کے متن میں دیا گیا ہے

نوٹ :— ہر کتاب کے لئے عموماً پہلے مصنف کا نام ، بعدہ کتاب کا نام ، اور پھر اس کی طباعت کا مقام اور سال (اگر معلوم ہوسکا) لکھا گیا ہے -

ضمیمہ

وہ کتابیں جن کا تعلق کسی خاص باب سے نہیں ھے

(۱) مل اور ولسن : برطانوی ھند کی تاریخ : ۹ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۴۸ع -

(۲) جے - سی - مارشمین : برطانوی ھند کی تاریخ - ۲ جلدیں - سری رام پور - سنہ ۱۸۶۸ع -

(۳) مارکوئیس کرزن آف کیڈلسٹن : ھندوستان میں برطانوی حکومت - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۹۲۵ع -

(۴) سر ولیم - ڈبلیو - ھنسٹر : انڈین ایمپائر - لندن - سنہ ۱۸۹۳ع -

(۵) عبداللہ یوسف علی : میکنگ آف انڈیا - لندن - سنہ ۱۹۲۵ع -

(۶) سر ورنی لویت : انڈیا - لندن - سنہ ۱۹۲۳ع -

(۷) ریمزے میوئر : میکنگ آف برٹش انڈیا سنہ ۱۷۵۶ع لغایت سنہ ۱۸۵۸ع - مانچسٹر - سنہ ۱۹۱۵ع -

(۸) جادوناتھ سرکار : انڈیا تھروتی ایجز - کلکتہ - سنہ ۱۹۲۸ع -

(۹) پرمتھ ناتھ بانسو : برطانوی دور میں ھندوستان کی تاریخ - ۴ جلدیں - کلکتہ - سنہ ۱۵-۱۹۱۴ع -

(۱۰) اے - بی - کیتھ : انڈین پولیسی پر تقاریر اور تحریرات - ۲ جلدیں - آکسفورڈ - سنہ ۱۹۲۲ع -

(۱۱) جیمز برجس : موجودہ ھندوستان کی کرونولوجی سنہ ۱۴۹۴ع لغایت سنہ ۱۸۹۴ع - ایڈنبرا - سنہ ۱۹۲۳ع -

(۱۲) ٹی - ڈبلیو - بیل : اورئینٹل بائوگرائیفیکل ڈکشنری ترمیم شدہ ایچ - جی - کین - لندن - سنہ ۱۸۹۴ع -

(۱۳) ایڈورڈ بیلفور : سائیکلو پیڈیا آف انڈیا - مدراس - سنہ ۱۸۵۷ع -

(۱۴) ایس - سی - هل : انڈیا اوفس ریکارڈ هوم مسلیٹیس - لنڈن - سنه ۱۹۲۷ع -
(نوٹ : اس کے ذریعے سے انڈیا آفس کے غیر مطبوعه دفتری کاغذات متعلق آخر اٹھارھویں صدی اور شروع انیسویں صدی دستیاب هوسکتے هیں) -
(۱۵) نظامی بدایونی : قاموس‌المشاهیر - ۲ جلدیں - بدایوں - سنه ۲۶—۱۹۲۴ع -
(۱۶) امپیریل گزیٹیر آف انڈیا : ۲۶ جلدیں - اکسفورڈ - سنه ۹—۱۹۰۸ع -
(۱۷) سی - اِي - بکلینڈ : ڈکشنری آف انڈین بائیوگرافی - لنڈن - سنه ۱۹۰۶ع -
(۱۸) مرے : هینڈ بک فار ٹریولرز اِن انڈیا - تیرهواں اڈیشن - لنڈن - سنه ۱۹۲۹ع -
(۱۹) انسائکلوپیڈیا برٹینیکا : چودهواں اڈیشن - ۲۴ جلدیں - لنڈن - سنه ۱۹۲۹ع -
(۲۰) کلکته ریویو : کلکته - مختلف جلدیں -
(۲۱) گرساں دتاسی : فرانسیسی زبان میں تاریخ ادب هندوی و هندوستانی - دوسری اڈیشن ۳ جلدیں - پیرس - سنه ۷۱—۱۸۷۰ع -
(۲۲) رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے جنرل - لنڈن -
(۲۳) اینوئل رجسٹر : لنڈن - مختلف جلدیں -
(۲۴) انڈین یسٹیر بک : ٹائمز آف انڈیا - بمبئی -
(۲۵) موجوده اور سابق زمانوں کے اخبارات -
(۲۶) سالانه سلسله مورل اینڈ میٹریل پروگریس رپورٹ : مطبوعه گورنمنٹ -
(۲۷) پانچ ساله سلسله تعلیمی ریویو : مطبوعه گورنمنٹ جس کا آخری اور نواں ریویو سنه ۲۷—۱۹۲۲ع کے متعلق هے -

---

پہلے باب کے متعلق کتابیں

(۱) ولیم بولٹس : هندوستانی معاملات پر خیالات - لنڈن - سنه ۱۷۷۲ع -

(۲) ولیم هکی : میموائرس مؤلفہ ایلفرڈ سپلر : ۳ جلدیں - لندن - سنہ ۲۵ــــ۱۹۱۳ع -

(۳) مرزا ابو طالب خاں : سفر کے حالات : سنہ ۱۷۹۹ع لغایت سنہ ۱۸۰۳ع - مترجمہ سی - سٹیورٹ - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۱۰ع -

(۴) ذکر میر (فارسی) مؤلفہ مولوی عبدالحق : اورنگ آباد - سنہ ۱۹۲۸ع -

(نوٹ : مولوی صاحب نے کافی دلائل سے بتلایا ہے کہ میر صاحب کی پیدائش کی تاریخ سنہ ۱۱۳۷ع مطابق سنہ ۲۵ــــ۱۷۲۴ع تھی - اس معاملے میں سابق مصنفوں کے قیاسات غلط تھے - مولوی صاحب نے اور بھی تاریخوں پر روشنی ڈالی ہے) -

(۵) پادری سی - ایف - شوائس : مکتوبات اور روز نامچہ معہ مختصر سوانح عمری کے دوسرا اڈیشن - لندن - سنہ ۱۸۲۶ع -

(۶) فراپاؤ لینو بارتولومیو : ہندوستان کا سفر سنہ ۸۹ــــ۱۷۷۶ع - انگریزی ترجمہ - لندن - سنہ ۱۷۹۹ع -

(۷) لیوک سکریفٹن : ہندوستان کی حکومت پر خیالات - لندن - سنہ ۱۷۹۳ع -

(۸) سر ولیم فاسٹر : زو فانی کے حالات ہندوستان میں سنہ ۹ــــ۱۷۸۳ع . جنرل رائل سوسائٹی آف آرٹس - لندن - ۱۵ مئی سنہ ۱۹۳۱ع -

(۹) مسز ایلائزافے : ہندوستان سے اصلی خطوط سنہ ۱۷۷۹ع لغایت سنہ ۱۸۱۹ع - مؤلفہ ای - ایم - فارسٹر - لندن - سنہ ۱۹۲۵ع -

(۱۰) ایس - سی - ہل - بنگال سنہ ۷ــــ۱۷۵۶ع - ۳۰ جلدیں - لندن - سنہ ۱۹۰۵ع -

(نوٹ : مرزا عمر بیگ کا واقعہ جلد ایک ، صفحہ ۱۸۳ نوٹ میں درج ہے)-

(۱۱) سید غلام حسین خاں : سیرالمتاخرین - انگریزی ترجمہ ریمانڈ سنہ ۱۷۸۹ع جدید طبع کلکتہ سنہ ۱۹۰۲ع -

(۱۲) سودا : کلیات - مصطفائی پریس دہلی - سنہ ۱۲۷۲ھ -

(۱۳) انتخاب کلام میر : مؤلفہ مولوی عبدالحق - علیگڈہ سنہ ۱۹۲۱ع -

(۱۴) سر ایچ - ایم - ایلیوٹ اورجے - ڈاؤسن : ہندوستان کی تاریخ اسکے مورخوں کی زبانی - آٹھویں جلد - لندن - سنہ ۱۸۷۷ع -

(۱۵) ایڈمنڈ برک : تصانیفات - بونز برٹش کلاسکس - ۸ جلدیں - لندن - سنہ ۷---۱۸۵۴ع -

(نوٹ : وارن ہیسٹنگز کے مقدمے میں اُن کی تقریریں جلد ۷ اور ۸ میں درج ہیں - اور نبیا کا بیان جلد ۷ صفحہ ۳۹---۴۲ میں درج ہے) -

(۱۶) جیمز فوربس : اورئینٹل میمائرس - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۳۴ع -

(۱۷) باسول : سیموئل جانسن کی سوانح عمری : مؤلفہ جی - بی - ہل ' ۹ جلدیں - اکسفورڈ - سنہ ۱۸۸۷ع -

(۱۸) روبرٹ آورم : ہندوستان کی حکومت اور اس کے باشندے - مطبوعہ کتاب ہسٹاریکل فریگمینٹس آف دی مغل ایمپائر - لندن - سنہ ۱۸۰۵ع -

نوٹ : کہاروں کی اور ہندوستانی پیادہ سپاہ کی قوت برداشت کا ذکر صفحات ۴۱۴---۴۶۳ پر ہے -

(۱۹) ایس - سی - ہل : یوسف خان باغی کمیدان - لندن - سنہ ۱۹۱۴ع -

---

دوسرے باب کے متعلق کتابیں

(۱) میکالے : ایسے آن وارن ہیسٹنگز -

(نوٹ میکالے کے ایسیز کے کئی اڈیشن ہیں - اکسفورڈ میں فارسی پڑھانے کی تجویز کے لئے دیکھو اڈیشن لندن سنہ ۱۸۵۲ع - صفحہ ۵۹۳) -

(۲) سر جیمز سٹیفن : نند کمار اور سر ایلائجا اِمپی کے مقدمے کے حالات - لندن - سنہ ۱۸۸۵ع -

(۳) سید غلام حسین خاں : سیرالمتاخرین - انگریزی ترجمہ ریمانڈ (حاجی مصطفیٰ) سنہ ۱۷۸۹ع جدید طبع کلکتہ . سنہ ۱۹۰۲ع -

(نوٹ : دیکھو جلد ۳ - صفحہ جات ۱۵۷ لغایت ۲۱۳) -

(۴) مشہور مستشرقین : مصنفہ مختلف مصنفین - مطبوعہ جی - اے - ناتیسن - مدراس -

(نوٹ سر ولیم جونز نیز ولکنس اور کولبروک کی زندگی کے کچھ حالات اس میں درج ہیں) -

(۵) رابرٹ سلیکورٹ : انگریزی ادب میں ہندوستان کا ذکر - لندن -

(۶) ایشیاٹک رجسٹر : ۱۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۰۰ء لغایت سنہ ۱۸۱۱ء -

(۷) سر ولیم جونز : تصنیفات - ۶ جلدیں - لندن - سنہ ۱۷۹۹ء -

(۸) سر ٹی - ای - کولبروک : سوانح عمری ایچ - ٹی - کولبروک - لندن - سنہ ۱۸۷۳ء -

(۹ فریڈرک کارپنٹر : ایمرسن اور ایشیا - کیمبرج ممالک متحدہ امریکہ - سنہ ۱۹۳۰ء -

(۱۰) کتاب صلوٰۃالسواعی : مصنفہ گریگوریس ڈی گریگوری [۱] - فانی - سنہ ۱۵۱۴ء -

(۱۱) ڈی - سی - ایف - ڈی شنورا : ببلیوتھیکا آرابیکا [۲] (لاطینی زبان میں) - حالے - سنہ ۱۸۱۱ء -

(۱۲) دنیش چندرا سین : بنگالی زبان اور ادب کی تاریخ - کلکتہ - سنہ ۱۹۱۱ء -

---

تیسرے باب کے متعلق کتابیں

(۱) ایچ - ڈی - سینڈیمن : انتخابات کلکتہ گزٹ سنہ ۱۸۰۶ء تا سنہ ۱۸۱۵ء جلد ۴ - کلکتہ - سنہ ۱۸۶۸ء -

(۲) راجہ بنایا کرشنا دیب : کلکتہ کی ابتدائی تاریخ - کلکتہ - سنہ ۱۹۰۵ء -

(نوٹ : لاٹری کے لئے صفحہ دیکھو ۴۷-۴۸ اور نیز کلکتہ گزٹ مذکورہ بالا) -

(۳) پانچویں رپورٹ دارالعوام کی سیلیکٹ کمیٹی متعلق امورات ایسٹ انڈیا کمپنی : ۲۸ جولائی سنہ ۱۸۱۲ء - مع تشریح و تمہید مصنفہ ڈبلیو کے فرمنجر - ۲ جلدیں - کلکتہ - سنہ ۱۹۱۷ء -

(۴) ایبے ڈیوبوا : ہندوؤں کے اخلاق ' عادات اور رسومات - مؤلفہ ایچ - کے - بیچم - اکسفورڈ - سنہ ۱۸۹۹ء -

---

[۱]—Gregorius de Gregorii

[۲]—D. C. F. de Schnurrer : Bibliotheca Arabica

(۵) چارلس گرانٹ : برطانیہ کی ایشیائی رعایا میں سوسائٹی کی حالت پر مشاہدات - مصنفہ سنہ ۱۷۹۲ع - بطور ضمیمہ ایک پارلیمنٹری رپورٹ سیلیکٹ کمیٹی دارالعوام متعلق ایسٹ انڈیا کمپنی - سنہ ۳۲—۱۸۳۱ع میں مطبوع ہوا -

(۶) تامس ٹوائننگ : ہندوستان کا سفر ایک سو سال پہلے - لندن - سنہ ۱۸۹۳ع -

(۷) این - این - گھوش : مہاراجہ نب کسن بہادر کی سوانحعمری - کلکتہ - سنہ ۱۹۰۱ع -

(۸) اے - میکڈانلڈ : نانا فرنویس کی سوانحعمری - سنہ ۱۸۵۱ع کے اڈیشن سے جدید طبع - تمہید ایچ - جی - رالنسن - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۲۷ع -

(۹) ولیم ہاجز : ہندوستان کا سفر - سنہ ۸۳—۱۷۸۰ع - لندن - ۱۷۹۳ع -

(۱۰) محمد سعید احمد مارہروی امرائے ہنود : کانپور - سنہ ۱۹۱۰ع -

(نوٹ : دیکھو صفحہ ۱۸۱ بابت تعمیر جدید شہر جےپور) -

(۱۱) سید علی بلگرامی : تمدن ہند - آگرہ - سنہ ۱۹۱۳ع - ڈاکٹر گسٹاولیبون کی فرانسیسی کتاب کا اردو ترجمہ -

(۱۲) جیمز فرگوسن : ہندوستانی و شرقی علم تعمیر کی تاریخ - ترمیم شدہ جے - برجس اور آر - پی سپیرس -

(۱۳) انڈین سائنس کانگریس کی لکھنؤ کی ہینڈ بک - میسور - سنہ ۱۹۲۳ع -

(۱۴) محمد حسین آزاد : آب حیات - لاہور - سنہ ۱۹۱۷ع -

(۱۵) ریمزے میور : میکنگ آف برٹش انڈیا -

(نوٹ : دیکھو صفحہ ۱۴۵ بابت ہیسٹنگز کی موسیقی کی گیلری واقع بنارس) -

(۱۶) رسالہ انڈین آرٹس اینڈ لیٹرز : جلد ۴ - نمبر ۱ - لندن - سنہ ۱۹۳۰ع -

(۱۷) سی - آر - لو : ہندوستانی بیڑے کی تاریخ - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۷۷ع -

(نوٹ : دیکھو جلد ۱ صفحہ جات (۵۱—۱۵۰) ۷۷—۱۷۶ ، ۲۹۸ اور نوٹ اور ۴۱—۵۳۷) -

(۱۸) رادھا کمود مکرجی : ہندوستانی جہاز سازی - بمبئی - سنہ ۱۹۱۲ -
(۱۹) ٹی - ڈی - بروٹن - ایک مرہٹہ کیمپ سے - مکتوبات سنہ ۱۸۰۹ع - لندن - سنہ ۱۸۹۲ع -

چوتھے باب کے متعلق کتابیں

(۱) جارج نکولس : بنارس پاٹ شالے کی نشو و نما اور ترقی کا خاکہ مصنفہ ۱۸۴۸ - مطبوعہ گورنمنٹ پریس الہ آباد - سنہ ۱۹۰۷ع -
(۲) محمد یحییٰ تنہا : سیرالمصنفین - جلد ۱ - دہلی - سنہ ۱۹۲۴ع -
(۳) پنڈت منوہر لال زتشی : گلدستۂ ادب - الہ آباد -
(۴) سید عبداللطیف : اردو ادب پر انگریزی ادب کا اثر - لندن - سنہ ۱۹۲۴ع -
(۵) ولیم وارڈ : ہندوؤں کی تاریخ ' ان کے ادب اور ان کے دیوتاؤں کے قصوں کا بیان - ۳ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۲۲ع -
(۶) عبداللہ یوسف علی : ہندوستان میں تین سیاح - لاہور - سنہ ۱۹۲۶ع -
(۷) تامس روبک : فورٹ ولیم کالج کی تاریخ - کلکتہ - سنہ ۱۸۱۹ع -
(۸) منٹگمری مارٹن : مارکوئس ویلزلی کے ہندوستان کی حکومت کے دوران کے مراسلات و مکتوبات - جلد ۲ - لندن - سنہ ۱۸۳۶ع -
(۹) رسالہ خیالستان لاہور : مضمون بابت ابتدائی فارسی اخبار - اپریل سنہ ۱۹۳۰ع -
(۱۰) ایف - ای - کے : ہندی ادب - کلکتہ - سنہ ۱۹۲۰ع -
(۱۱) مخمور اکبرآبادی (سید محمد محمود رضوی) روح نظیر آگرہ : سنہ ۱۹۲۲ع -
(۱۲) پروفیسر شہباز : کلیات نظیر -
(۱۳) جے - سی - مارشمین : (کیری ' مارشمین اور وارڈ کی سوانحعمری اور اُن کا زمانہ) - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۵۹ع -
(۱۴) جی - آر - گلیگ : وارن ہیسٹنگز کی سوانحعمری - ۳ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۴۱ع -
(۱۵) ولیم ٹینڈنٹ : ہندوستانی تفریحات - ۲ جلدیں - ایڈنبرا - سنہ ۱۸۰۳ع -

(۱۶) ہندوستانی انٹیلیجنسر : کلکتہ - ہرکارہ پریس - سنہ ۱۸۰۱ء -
(۱۷) سوشل کمار دے : بنگال ادب کی تاریخ - سنہ ۱۸۰۰ء لغایت سنہ ۱۸۲۵ء - کلکتہ - سنہ ۱۹۱۹ء -
(۱۸) رام بابو سکسینا : اردو ادب کی تاریخ - الہ آباد - سنہ ۱۹۲۵ء (انگریزی زبان میں) -

---

پانچویں باب کے متعلق کتابیں

(۱) ڈبلیو ایڈم : رپورٹ دیسی زبانوں کی تعلیم بنگال اور بہار میں سنہ ۱۸۳۵-۱۸۳۶ اور ۱۸۳۸ مؤلفہ پادری جے - لونگ - کلکتہ - سنہ ۱۸۶۸ء -
(۲) سی - ای - ٹریویلین : ہندوستان کے لوگوں کی تعلیم - لندن - سنہ ۱۸۳۸ء -
(۳) بشپ ریجنیلڈ ھیبر : ہندوستان کے بالائی صوبجات کا دورا سنہ ۲۵-۱۸۲۴ء - ۳ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۲۸ء -
(۴) سر جی - او - ٹریویلین : لارڈ میکالے کی سوانحعمری اور اُن کے مکتوبات - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۹۰۸ء -
(۵) سر رچرڈ ٹیمپل : جیمز - جیمز ٹاماسن : اکسفورڈ - سنہ ۱۸۹۳ء -
(۶) ایس - سی - دت : تواریخی مضامین - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۷۹ء -

(نوٹ : دیکھو جلد ۲ ' باب دس ' بابت ترقی تعلیم) -

(۷) سر ولیم - ڈبلیو - ھنٹر : مارکوئس آف ڈلہوزی - اکسفورڈ - سنہ ۱۸۹۰ء -
(۸) پیارے چند مترا : سوانحعمری ڈیوڈ ہیئر - کلکتہ - سنہ ۱۸۷۷ء -
(۹) جے - جی - اے - بورڈ : مارکوئس آف ڈلہوزی کے نجی مکتوبات - ایڈنبرا - سنہ ۱۹۱۱ء -

---

چھٹے باب کے متعلق کتابیں

(۱) آر - ایف - گولڈ : فریمسنری کی تاریخ - ۶ جلدیں - لندن - سنہ ۸۷-۱۸۸۴ء -

(۲) سوفایا ڈابسن کالوٹ : راجہ رام موہن رائے کی سوانحعمری اور ان کے مکتوبات - مؤلفہ ہیم چندر سرکار - کلکتہ - سنہ ۱۹۱۳ع -

(۳) راجہ رام موہن رائے : انگریزی تصنیفات - الہ آباد - سنہ ۱۹۰۶ع -

(۴) راجہ رام موہن رائے : انگریزی تصنیفات - مولفہ جوگندرا چندر گھوش - ۳ جلدیں - کلکتہ - سنہ ۱۹۰۱ع -

(۵) دویجدا داس دتا : بی ہولڈ دي مین یا کیشب اور سادھارن برھمو سماج - کومیلہ بنگال - ۱۹۳۰ع -

(۶) انڈیا آفس ریکارڈز لنڈن ہوم مسلینیس : جلد ۷۰۸ (مغل شہنشاہ کی طرف سے راجہ رام موہن رائے کی سفارت کی بابت کاغذات اُن میں درج ہیں) -

(۷) ایم - ٹی - ہوتسما وغیرہ : انسائیکلوپیڈیا آف اسلام - جلد ۲ - صفحہ جات ۷۵۲---۷۵۴ - (اس میں کرامت علی اور اُس کی تحریک پر ایک مضمون مصنفۂ عبدالله یوسف علی کا ہے) -

(۸) مولانا شبلی نعمانی : موازنۂ انیس و دبیر - لکھنؤ - سنہ ۱۹۲۱ع -
مراثئی انیس : مؤلفہ سید علی حیدر طباطبائی - ۲ جلدیں - بدایوں - سنہ ۱۹۲۴ع -

(۹) میر مہدی حسن احسن : واقعات انیس - لکھنؤ -

(۱۰) گرانڈ لوج آف اِنگلش فریمیسنز کے ساتھ خط و کتابت -

(۱۱) مولانا شاہ عبدالقادر دھلوي : ترجمۂ قران شریف مع شرح - احمدي پریس - کلکتہ - سنہ ۱۸۲۹ع -

(۱۲) عبدالله یوسف علی : موجودہ ہندوستانی ڈراما - (دیکھو ٹرانزیکشنز آف دي رائل سوسائٹی آف لٹریچر ' دوسرا سلسلہ - جلد ۳۵ - صفحہ جات ۷۹---۹۹ - لنڈن - ۱۹۱۷ع -

(۱۳) خود نوشت سوانحعمري مہارشی دیوندرا ناتھ ٹیگور : ستیندرا ناتھ ٹیگور اور اندرا دیوي نے اس کتاب کا بنگالی سے انگریزی میں ترجمہ کیا - لنڈن - سنہ ۱۹۱۴ع -

(۱۴) نکول میکنیکول : میکنگ آف موڈرن انڈیا - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۲۴ع -

ساتویں باب کے متعلق کتابیں

(۱) سر سید احمد خاں : آثارالصنادید -
(۲) جیمز پیگ : برطانوی انسانیت سے ہندوستان کی فریاد - لندن - سنہ ۱۸۳۲ع -
(۳) ولیم ایڈم : برطانوی ہند میں غلامی کا قانون اور رواج - لندن - سنہ ۱۸۴۰ع -
(۴) سی - ایف - انڈریوز : ذکاءاللہ دہلوی - کیمبرج - سنہ ۱۹۲۹ع -
(۵) سانڈرز کا منتھلی میگزین : دہلی - سنہ ۱۸۵۴ع -
(۶) ایلیگزینڈر ڈف : انڈیا اینڈ انڈین مشنز - ایڈنبرا - سنہ ۱۸۳۹ع -
(۷) والٹر ہیملٹن : ڈسکرپشن آف ہندوستان - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۲۰ع -
(۸) من متھہ گھوش : اقتباسات از تحریرات گریش چندر گھوش - کلکتہ - سنہ ۱۹۱۲ع -
۹) منشی موہن لال : پنجاب ' افغانستان ' ترکستان ' خراسان اور ایران کے کچھ حصے کے سفر کا جرنل - کلکتہ - سنہ ۱۸۳۴ع -
(۱۰) کیپٹن ایم - گرنڈلے : ہندوستان کے ساتھ سٹیم کومیونیکیشن کے مسئلہ کی موجودہ صورت - لندن - سنہ ۱۸۳۷ع -
(۱۱) جی - اے - پرنسیپ : دخانی جہازوں اور دخانی جہاز رانی کے حالات - کلکتہ - سنہ ۱۸۳۰ع -
(۱۲) جے - جی - اے - بیرڈ مارکوئیس آف ڈلہوزی کے نجی خطوط : ایڈنبرا - سنہ ۱۹۱۱ع -
(۱۳) بشپ ریجنیالٹ ہیبر : ہندوستان کے بالائی صوبجات کا سفر ' سنہ ۲۵ــ۱۸۲۴ع - ۳ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۲۸ع -
(۱۴) اے - ٹی - رچی - اور آر - ایوانز : لارڈ ایمہرسٹ - اکسفورڈ - سنہ ۱۸۹۴ع -
(۱۵) ایملی ایڈن : خطوط از ہندوستان - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۷۴ع -
(۱۶) ڈی - سی - بولنجر : لارڈ ولیم بنٹنک : اکسفورڈ - سنہ ۱۸۹۲ع -

(۱۷) راجه رام موهن رائے : وہ شہادت جو کہ انھوں نے ہندوستان کے دیوانی اور مالی نظام کی عملی صورت اور اُس کے باشندوں کے عام چال چلن اور حالت کے متعلق انگلستان کے وزراء کے سامنے پیش کی - لندن : سنہ ۱۸۳۲ع -
(۱۸) ڈاکٹر ولیم ٹوانڈنگ : بنگال کے امراض - کلکتہ - سنہ ۱۸۷۵ع -
(۱۹) ڈبلیو - ٹی - تھارنٹن : انڈین پبلک ورکس اینڈ کوگنیٹ سبجیکٹس - لندن - سنہ ۱۸۷۵ع -

آٹھویں باب کے متعلق کتابیں

(۱) سر سید احمد خاں : رسالۂ اسباب بغاوت ہند - دوسرا ایڈیشن - آگرہ - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۲) سر سید احمد خاں کے رسالۂ اسباب بغاوت ہند کا انگریزی ترجمہ سر اکلینڈ کالون اور جرنیل جی - ایف - آئی - گرہیم : بنارس - سنہ ۱۸۷۳ع -
(۳) مغل شاہنشاہ کے ساتھ معاہدہ ' سنہ ۱۸۰۵ع : مدرج انڈیا آفس ریکارڈز - ہوم مسلینیس - جلد ۷۰۸ - صفحہ جات ۱۵-۹۰۲ -
(۴) سر جان کے اور کرنیل جی - بی - میلیسن : تاریخ بغاوت ہند - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۸۸ع -
(۵) ٹی - آر - ای - ہولمز - تاریخ بغاوت ہند - سنہ ۱۹۱۳ع -
(۶) الطاف حسین حالی : حیات جاوید - آگرہ - سنہ ۱۹۰۳ع -
(۷) دی انڈین پنچ : میرٹھ - سنہ ۱۸۵۹ع -
(۸) ایڈورڈ تھامسن : تصویر کا دوسرا رخ - لندن - سنہ ۱۹۲۵ع -
(۹) کرنیل ہیو پیرس : وائیسکاؤنٹ لیک کی زندگی اور فوجی خدمات کے حالات - ایڈنبرا - ۱۹۰۸ع -
(۱۰) ایف - ڈبلیو - بکلر : بغاوت ہند کا سیاسی نظریہ مندرجہ رائل ہسٹاریکل سوسائٹی کی ٹرانزیکشنز' سلسلہ ۴ - جلد ۵ - لندن - سنہ ۱۹۲۲ع -
(۱۱) ٹی - ڈیور اور ایچ - ایل - گورٹ : ایف - ڈبلیو - بکلر کے استدلال کا جواب - جلد ۷ - لندن - سنہ ۱۹۲۴ع -
(۱۲) جی - ایف - آئی گرہیم : سر سید احمد خاں کی سوانحعمری - لندن - سنہ ۱۹۰۹ع -

(۱۳) احمد حسین خاں : حیات ذوق - لاہور - سنہ ۱۸۹۵ع -
(۱۴) الطاف حسین حالی : یادگار غالب - دوسرا ایڈیشن - آگرہ -
(۱۵) کلیات غالب : لکھنؤ - ۱۸۹۸ع -
(۱۶) کاغذات متعلقہ بغاوت ہند : پریس لسٹ امپیریل ریکارڈ ڈیپارٹمنٹ کارسپونڈنس ' سپاہیوں کی رپورٹس - کلکتہ - ۱۹۲۱ع -
(۱۷) شہنشاہ دہلی کے مقدمے کی شہادت کی نقل جو کہ عدالت کے سامنے پیش کی گئی - انڈیا آفس - لندن ۲۴ مارچ سنہ ۱۸۹۵ع -
(۱۸) لیفٹننٹ کرنیل جی - ایچ - ڈی - گملیٹ : اے پوسٹ سکرپٹ ٹو دی ریکارڈز آف دی انڈین میوٹینی - لندن - سنہ ۱۹۲۷ع -
(۱۹) کاؤب : ماتم شاہ ظفر - مطبع عثمانی - مدراس - سنہ ۱۹۰۸ع -

نویں باب کے متعلق کتابیں

(۱) دوج داس دتا : بی ہولڈوی مین یا کیشب اور سدھارن برھموسماج - کلکتہ - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۲) لاجپت رائے : آریا سماج ' اُس کا آغاز ' اصول اور لائحہ عمل - اُس کے بانی کی مختصر سوانحعمری - لندن - سنہ ۱۹۱۵ع -
(۳) تصانیف احمدیہ : علیگڈھ انسٹیٹیوٹ پریس - ۸ جلدیں -
(۴) انڈین ایجوکیشن کمیشن کی رپورٹ : کلکتہ - سنہ ۱۸۸۳ع -
(۵) سر رابندرا ناتھ ٹیگور : میری سرگزشت کی یاد داشتیں - لندن - سنہ ۱۹۱۷ع -
(۶) محمد یحیٰی تنہا : سیرالمصنفین - جلد ۲ - دہلی - سنہ ۱۹۲۸ع -
(۷) پی - سی - موزم دار : برھمو سماج کے عقائد اور اُن کی ترقی - کلکتہ - سنہ ۱۸۸۲ع -
(۸) پی - سی - موزم دار : کیشب چندر سین کے اصول اور سوانحعمری - کلکتہ - سنہ ۱۸۸۷ع -
(۹) جی - اے - ناتیسان : سوامی دیا نند سرسوتی کی سوانحعمری اور اصول - مدراس - سنہ ۱۹۱۲ع -
(۱۰) سوامی دیا نند سرسوتی : ستیارتھ پرکاش - لاہور - سنہ ۱۹۰۸ع -

(۱۱) کیشب چندر سین : ہندوستان میں اُنکی تقاریر - ۲ جلدیں -
لندن - سنہ ۱۹۰۱ع اور سنہ ۱۹۰۴ع -
(۱۲) کیشب چندر سین : برہمو سماج - ۲ جلدیں - کلکتہ - سنہ
۱۶ــــ۱۹۱۵ع -
(۱۳) پی - گوہاتھا کرتا : بنگالی ڈراما ' اُس کی ابتدا اور اُس کی ترقی -
لندن - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۱۴) رومیش چندر دت : بنگال کا ادب - کلکتہ - سنہ ۱۸۹۵ع -
(۱۵) بنکم چندر چیٹر جی : کرشنا کانت کی وصیت -
(۱۶) بنکم چندر چیٹر جی : انند متھ -
(۱۷) نریش چندرا سین گپتا : انند متھ کا انگریزی ترجمہ -
(۱۸) ایم - اس - نانت : کرشنا کانت کی وصیت کا انگریزی ترجمہ -
لندن - سنہ ۱۸۹۵ع -
(۱۹) دیوان غالب ' مع شرح : تیسرا اڈیشن - مقدمہ مصنفۂ سید
فضل الحسن حسرت موہانی - علیگڈہ - سنہ ۱۹۱۱ع -
(۲۰) دیوان غالب ' مع شرح : تیسرا اڈیشن - مقدمہ مصنفۂ ڈاکٹر
سید محمود - غازیپوری - بدایوں - سنہ ۱۹۲۲ع -
(۲۱) غالب : اُردوے معلیٰ - دھلی - سنہ ۱۸۹۱ع -
(۲۲) مرزا فرحت اللہ بیگ : ڈاکٹر نذیر احمد کی کہانی - دیکھو رسالہ
اُردو - جولائی سنہ ۱۹۲۷ع ' اورنگ آباد -
(۲۳) توروت : ہندوستان کے پرانے گیت اور افسانے - لندن - سنہ ۱۸۸۲ع -
(۲۴) توروت : ماڈ موازل ڈارویر کا روز نامچہ - پیرس - سنہ ۱۸۷۹ع -
(۲۵) رتن ناتھہ سرشار : فسانۂ آزاد - ۴ حصے - پانچواں ایڈیشن -
لکھنؤ - سنہ ۱۸۹۸ع -
(۲۶) محمد حسین آزاد : آب حیات - لاہور - سنہ ۱۹۱۷ع -
(۲۷) محمد حسین آزاد : دربار اکبری - لاہور - سنہ ۱۹۲۱ع -
(۲۸) محمد حسین آزاد : نیرنگ خیال - لاہور - سنہ ۱۹۱۳ع -
(۲۹) الطاف حسین حالی : مسدس ' مدو جزر اسلام - آگرہ - سنہ ۱۹۱۶ع -
(۳۰) رادھا کرشن داس : بھارتندو ' هریش چندرا ' جیون چرترا -
بنارس - سنہ ۱۹۰۳ع -

(۳۱) رادھا کرشن داس : پرسدھ مہاتماؤں کا جیون چرترا - ۴ حصے - بانکیپور - سنہ ۱۸۸۵ع -
(۳۲) رادھا کرشن داس : قرآن شریف اور درشن قرآن چکرا - بانکھپور - سنہ ۱۸۹۷ع -
(۳۳) افتخار احمد بلگرامی : حیات النذیر (سوانح ڈاکٹر نذیر احمد) - دہلی - سنہ ۱۹۱۲ع -

---

دسویں باب کے متعلق کتابیں

(۱) من متھ گھوش : گریش چندر گھوش کی سوانحعمری - کلکتہ - سنہ ۱۹۱۱ع -
(۲) ناگندرا ناتھ گھوش : کرشٹو داس پال - کلکتہ - سنہ ۱۸۸۷ع -
(۳) ایف - ایچ سکرین : ایک ہندوستانی جرنلسٹ ' ڈاکٹر سمبھوسی مکرجی - کلکتہ - سنہ ۱۸۹۵ع -
(۴) آر - پی - کار کاریا : ترقی اور اصلاح کے چالیس سال ' بہرامجی ایم - مالاباری کی سوانحعمری اور ان کا زمانہ - لندن - سنہ ۱۸۹۶ع -
(۵) لیوسین وولف : لارڈ رپن کی زندگی - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۹۲۱ع -
(۶) سر ڈبلیو - ڈبلیو ہنٹر : ارل آف میو کی آکسفورڈ - سنہ ۱۸۹۲ع -
(۷) سر ڈبلیو - ڈبلیو ہنٹر : ارل آف میو کی سوانحعمری - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۸۷۵ع -
(۸) سر جارج ویٹ : کومرشل پروڈکٹس آف انڈیا - لندن - ۱۹۰۸ع -
(۹) ایل - ایس - ووڈ اور اے ولمور : انگلستان میں روئی کی صنعت کی رومان - لندن - سنہ ۱۹۲۷ع -
(۱۰) نواب عبداللطیف : محمڈن لٹریری سوسائٹی آف کلکتہ کے ۲۵ سال سنہ ۸۹ـ۱۸۶۳ع - کلکتہ - سنہ ۱۸۸۹ع -
(۱۱) ڈی - آر - گیڈگل : موجودہ زمانے میں ہندوستان کا صنعتی ارتقا - آکسفورڈ - سنہ ۱۹۲۹ع -
(۱۲) للیت چندر مترا : نیل کے فسادات کی تاریخ - کلکتہ - ۱۹۰۹ع -

---

گیارھویں باب کے متعلق کتابیں

(۱) ویرا انیتسے : ھندوستان کی اقتصادی ترقی - لندن - سنہ ۱۹۲۹ع -
(۲) جی - اے - ناٹیسن : انڈین نیشنل کانگریس - سنہ ۱۸۸۵ع تا سنہ ۱۹۰۸ع - مدراس -
(۳) سر سرندرا ناتھہ بینرجی : اے نیشن اِن دی میکنگ - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۲۵ع -
(۴) سرور نے لویت : ھندوستانی نیشنلسٹ تحریک کی تاریخ - لندن - سنہ ۱۹۲۱ع -
(۵) سر ویلنٹائن چرول : انڈین انرلیسٹ - لندن - سنہ ۱۹۱۰ع -
(۶) سر ولیم ویڈر برن : الان اکٹیوین ھیوم ' انڈین نیشنل کانگریس کے بانی ' ۱۹۱۲ــــ۱۸۲۹ع - لندن - سنہ ۱۹۱۳ع -
(۷) ایس - کے - ریٹکلف : سر ولیم ویڈر برن اور ھندوستان کی اصلاحی تحریک - لندن - سنہ ۱۹۲۳ع -
(۸) سوامی ویواکا نندا کی زندگی : مصنفہ انکے پیرو - ۴ جلدیں - مہاوتی الموا - سنہ ۲۸ــــ۱۹۱۲ع
(۹) سوامی ویواکا نندا : انکی تقاریر اور تصانیف - پانچواں اڈیشن - مدراس - سنہ ۱۹۱۹ع -
(۱۰) سوامی ویواکا نندا کی زندگی اور اصول ' مصنفۂ سکرٹری راما کرشنا مشن : ڈھاکہ - سنہ ۱۹۰۴ع -
(۱۱) بہن نوادتا (مس مارگریٹ نوبل) : انکی زندگی اور ھندوستان کی خدمات کا خاکہ - مدراس - سنہ ۱۹۱۲ع -
(۱۲) جایوتس چندرا داس گپتا : اے نیشنل بائگرافی فار انڈیا - ڈھاکہ - سنہ ۱۹۱۱ع -
(۱۳) بہن نوادتا : ویب آف انڈین لائف - لندن - سنہ ۱۹۰۴ع -
(۱۴) بہن نوادتا : کریڈل ٹیلز آف ھندوئزم - لندن - ۱۹۰۷ع -
(۱۵) بہن نوادتا : فٹ فالز آف انڈین ھسٹری - لندن - سنہ ۱۹۱۵ع -
(۱۶) مسز ایلی بسنت : خود نوشت سوانحعمری - لندن - ۱۸۹۳ع -
(۱۷) مسز ایلی بسنت : پاپیولر لکچرز اون تھیوسوفی - بنارس - سنہ ۱۹۱۰ع -

(۱۸) جے - این - فارقہار : ھندوستان میں موجودہ مذھبی تحریکات -
لندن - ۱۹۲۹ع -
(۱۹) مرزا غلام احمد : براھین احمدیہ - ۴ حصے - امرتسر - سنہ ۸۴—۱۸۸۰ع -
(۲۰) مرزا غلام احمد : کشف الغطا - قادیان - سنہ ۱۸۹۸ع -
(۲۱) ایچ - اے والٹر : احمدیہ تحریک - کلکتہ - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۱۸ع -
(۲۲) بپن چندر پال : انڈین نیشنلزم - اس کے اصول اور اُس کی شخصیتیں - مدراس - سنہ ۱۹۱۸ع -
(۲۳) جی - اے - ناٹیسان : راوی ورما ' ھندوستانی مصور - مدراس - سنہ ۱۹۱۲ع -
(۲۴) مولانا شبلی نعمانی : موازنۂ انیس و دبیر - لکھنؤ - سنہ ۱۹۲۱ع -
(۲۵) مولانا شبلی نعمانی : رسائل - علیگڈھ - سنہ ۱۸۹۸ع -
(۲۶) مولانا شبلی نعمانی : الفاروق - کانپور - ۱۸۹۹ع -
(۲۷) مولانا شبلی نعمانی : المامون - دھلی -
(۲۸) مولانا شبلی نعمانی : شعرالعجم - ۵ حصے - لکھنؤ - ۱۹۲۲ع -
(۲۹) عبدالحلیم شرر : بنکم چندر چیٹرجی کے ناول درگیش نندنی کا اردو ترجمہ - لکھنؤ - سنہ ۱۸۹۹ع -
(۳۰) عبدالحلیم شرر : ملک العزیز اور ورجنا - لاھور - سنہ ۱۸۹۳ع -
(۳۱) عبدالحلیم شرر : فردوس بریں - لکھنؤ - سنہ ۱۸۹۹ع -
(۳۲) عبدالحلیم شرر : فلورا فلورینڈا - لکھنؤ - سنہ ۱۸۹۹ع -
(۳۳) عبدالحلیم شرر : منصور اور موھنا - لاھور - سنہ ۱۸۹۳ع -
(۳۴) حکیم سید عبدالحئی : گل رعنا - اعظم گڑہ - سنہ ۱۹۲۴ع -
(۳۵) تصدق حسین خالد : اکبر کا عصر - (دیکھو رسالہ خیالستان' لاھور - جولائی اور اگست سنہ ۱۹۳۰ع) -
(۳۶) ارل آف رونیلڈ شے : لارڈ کرزن کی سوانحعمری' ۳ جلدیں - لندن - سنہ ۱۹۲۸ع -
(۳۷) لارڈ کرزن کی ناکامیابی مصنفۂ '' ٹوینٹی ایٹ ئیرز اِن انڈیا '' - لندن - سنہ ۱۹۰۳ع -

بارھویں باب کے متعلق کتابیں

(۱) لارڈ مورلے : ھندوستانی معاملات پر تقاریر - دوسری ایڈیشن - مدراس - سنہ ۱۹۱۷ع -

(۲) وائسکاؤنٹ مورلے آف بلیکبرن : ریکولیکشنز - ۲ جلدیں - لندن - سنہ ۱۹۱۷ع -

(۳) ارل آف منٹو (چہارم) : تقاریر - کلکتہ - سنہ ۱۹۱۱ع -

(۴) جون بوچن : لارڈ منٹو کی سوانحعمری - لندن - سنہ ۱۹۲۴ع -

(۵) گوپال کرشنا گوکھیل : تقاریر - تیسری ایڈیشن - مدراس - سنہ ۱۹۲۰ع -

(۶) بال گنگا دھر تلک : ان کی تحریرات اور تقاریر ' مع تمہید - مصنفہ اربندو گھوش - تیسری ایڈیشن - مدراس - سنہ ۱۹۲۲ع -

(۷) ھندوستانی آئینی اصلاحات کی رپورٹ (مونٹیگو چیمسفورڈ اصلاحات) بلیوبک نمبر ۹۱۰۹ - لندن - سنہ ۱۹۱۸ع -

(۸) ارل آف رونالڈشے : دی ھارٹ آف آریا ورتا - لندن - سنہ ۱۹۲۵ع -

(۹) سی - ایف - اینڈریوز : مہاتما گاندھی کی اپنی کہانی - لندن - سنہ ۱۹۳۰ع -

(۱۰) سی - ایف - اینڈریوز : مہاتما گاندھی کے خیالات مع ان کی تحریرات سے اقتباسات - لندن - سنہ ۱۹۲۹ع -

(۱۱) مسز اینی بسنٹ : گاندھی کا عدم تعاون - مدراس - سنہ ۱۹۲۰ع -

(۱۲) ستیانند اگنیہوتری : مسٹر گاندھی اِن دی لائٹ آف ٹروتھ - لاھور - ۱۹۲۲ع -

(۱۳) پرتھوی چندرا رائے : سی - آر - داس کی زندگی اور زمانہ - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۲۷ع -

(۱۴) تاج برطانیہ اور ھندوستانی ریاستیں : لندن - سنہ ۱۹۲۹ع -

(۱۵) انڈین ڈیکسیشن انکوائری کمیٹی کی رپورٹ : ۳ جلدیں - مدراس - سنہ ۱۹۲۶ع -

(۱۶) مس ایم - سوسل موتھیسن : ھندوستانی صنعت ' گذشتہ موجودہ اور آئندہ - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۳۰ع -

(۱۷) ڈی - آر - گیڈگل : ہندوستان کی صنعتی ارتقا - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۲۹ع -
(۱۸) سر تھامس ہالینڈ کی صنعتی کمیشن کی رپورٹ : لندن - سنہ ۱۹۱۸ع -
(۱۹) رپورٹ آف دی رائل کمیشن اون انڈین لیبر : لندن - سنہ ۱۹۳۱ع (بلیوبک نمبر ۳۸۸۳) -
(۲۰) اے - آر - کیٹن : ترقی کی کلید - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۲۱) موجودہ ہندوستان کی عورتیں ' مصنفہ ہندوستان کے نسوانی مورخ : بمبئی - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۲۲) ایف - آر - ھیرس : جمسیتجی نسوانجی ٹاٹا - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۲۵ع -
(۲۳) ولیم آرچر : ہندوستان اور مستقبل - لندن - سنہ ۱۹۱۷ع -
(۲۴) اے - میہیو : ہندوستان کی تعلیم (سنہ ۱۸۳۵ع - سنہ ۱۹۲۰ع) - لندن - سنہ ۱۹۲۶ع -
(۲۵) انٹیرم رپورٹ آف (سر فلپ ہارٹوگ) ایگزیلوٹری کمیٹی آن دی گروتھ آف ایجوکیشن ' انڈین سٹیٹوٹری کمیشن : لندن - ستمبر سنہ ۱۹۲۹ع -
(۲۶) بلیٹن آف دی ورلڈز ایسوسی ایشن فار ایڈلٹ ایجوکیشن ' نمبر ۴۷ : لندن - فروری - سنہ ۱۹۳۱ع
ایڈلٹ ایجوکیشن ان انڈیا - مصنفہ عبداللہ یوسف علی -
(۲۷) عبداللہ یوسف علی : ہندوستان کی تعلیم ' ایک نیا نظریہ - (دیکھو رسالہ نائینٹنتھ سینچری اینڈ آفٹر) - لندن - دسمبر سنہ ۱۹۲۹ع -
(۲۸) جے - ایچ کزنز : جگن موھن چترا شالا میسور کی بابت یادداشتیں اور تاریخ تمہید -
(۲۹) وی - اے - سمتھ : ہندوستان اور لنکا کے فنون لطیفہ کی تاریخ - اکسفورڈ - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۳۰) ای - بی - ھیول : ہندوستانی سنگ تراشی اور مصوری - دوسری ایڈیشن - لندن - سنہ ۱۹۲۸ع -
(۳۱) جے - ایچ - کزنز : اسیت کمار ھلدار - کلکتہ - سنہ ۱۹۲۳ع -

(۳۲) ای - بی - ھیول : ھندوستانی مصوری کا نیا اسکول : دی سٹوڈیو ' لندن - جلد ۳۳ ' صفحہ ۱۰۷ (سنہ ۱۹۰۸ع) -
(۳۳) ایم - ایچ - سپلیمین : ایک شبیہہ کھینچنے والا ھندوستانی مصور ' ایس - رحامیم سیموئیل - دی سٹوڈیو ' لندن - جلد ۵۲ ' صفحہ جات ۶ --- ۳۰۳ سنہ ۱۹۱۱ع) -
(۳۴) آرکیٹکچرل ریویو - لندن - جنوری سنہ ۱۹۳۱ع -
(۳۵) مرقع چغتائی : ایم - اے - رحمان چغتائی - لاھور - سنہ ۱۹۲۸ع -
(۳۶) ای - جے - تھامسن : ربندرا ناتھہ ٹیگور - ان کی زندگی اور تصنیفات - لندن - سنہ ۱۹۲۸ع -
(۳۷) ربندرا ناتھہ ٹیگور : جیتنجلی - لندن - سنہ ۱۹۱۳ع -
(۳۸) ربندرا ناتھہ ٹیگور : فروٹ گیدرنگ - لندن - سنہ ۱۹۱۶ع -
(۳۹) ربندرا ناتھہ ٹیگور : پرسنیلیٹی - لندن - سنہ ۱۹۱۷ع -
(۴۰) ربندرا ناتھہ ٹیگور : کریٹیوویونیٹی - لندن - سنہ ۱۹۲۲ع -
(۴۱) ربندرا ناتھہ ٹیگور : مائی ریمینیسنز - لندن - سنہ ۱۹۱۷ع -
(۴۲) ربندرا ناتھہ ٹیگور : ریلیجن آف مین - لندن - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۴۳) ربندرا ناتھہ ٹیگور کا مذھب ' مدرجہ ٹرانزیکشنز آف دی رائل سوسائٹی آف لٹریچر - لندن - مضامین مصنفہ مختلف مؤرخین - جلد ۹ - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۴۴) پی - گوھاتھا کرتا : بنگالی ڈراما - لندن - سنہ ۱۹۳۰ع -
(۴۵) کمود ناتھہ داس : بنگالی ادب کی تاریخ - نوگاؤں ' راج شاھی - سنہ ۱۹۲۶ع -
(۴۶) سر محمد اقبال : بانگ درا - دوسری ایڈیشن - لاھور - ستمبر سنہ ۱۹۲۶ع -
(۴۷) نور الٰہی محمد عمر : ناٹک ساگر - لاھور - سنہ ۱۹۲۴ع -